آخری جہاد

اسلم راہی ایم-اے

چتوڑ شہر میں ریاست میواڑ کا راجہ رانا سانگا[1] اپنے سنہری تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے دائیں بائیں اس کے درباری اور جرنیل اپنے اپنے مراتب کے مطابق اپنی نشستیں سنبھالے ہوئے تھے۔

رانا سانگا کے عین سامنے فرش پہ بچھی دبیز قالین پر سازندے بیٹھے ساز بجا رہے تھے اور وسط میں جوان، نوخیز اور حسین ہندو لڑکیاں رقص کر رہی تھیں۔ ساز لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتے جا رہے تھے۔ اس پُر کیف و طرب خیز فضا میں نوخیز و حسین جسم پُر جوش سازوں کی لَے پر عُریانی کی تصویریں بنے اپنی رعنائی و زیبائی کی پوری پوری تشہیر کرتے ہوئے تھرک رہے تھے۔ ان رقص کرتی نیم عُریاں لڑکیوں کے پاؤں مرمر کے فرش پر بچھی دبیز قالین پر رقصاں تھے۔ ان کی رگ رگ سے سینوں میں بدی کے شعلے برپا کر دینے والی جنسیت کی لہریں پھوٹ رہی تھیں۔ ان کی نظر نظر سے شرم و حیا کو بھسم کرنے والی اور انسانی ضمیر پہ کالک مل دینے والی ہوس کی مستی ٹپک رہی تھی۔

---

[1] اس کا اصل نام سنگرام سنگھ تھا۔ رانا سانگا کے نام سے مشہور تھا۔

رانا سانگا اپنے تخت پر چنگیز خان و ہلاکو کی تصویر بنا بیٹھا تھا اور اس کے سامنے نیم عریاں حسیناؤں کا انبار محوِ رقص تھا۔ ساز کی تانوں میں ڈھلے ہلکے ہلکے قہقہے اٹھ رہے تھے۔ ان ناچتی نوخیز و حسین لڑکیوں کی آنکھوں میں پوشیدہ مبہم پیغام تھے۔ ان کے سینوں کی محرابوں کی حرکت میں شوق کی لے کو تیز کر دینے والی ایک برانگیختگی تھی۔ ایسا لگتا تھا ان کے جسم پر تنگی لباس آنکھوں میں نشے کی لہراؤں میں بدی کی لرزاں لغزش سے سینہ سوزاں میں انسانی ضمیر جل جائے گا اور نیکی کی روحیں جھنجھتی ہوئی فضاؤں میں کھو جائیں گی۔

بدی کی لے پر یہ رقصِ ابلیس کافی دیر تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ ساز بجنے بند ہو گئے۔ رقص کرتی لڑکیوں کے پاؤں رک گئے۔ یوں لگا گویا رقص کا طلسم کانچ کی مانند ٹوٹ گیا ہو اور جذبات کی دھڑکنوں پر دوپہر کی چلچلاتی دھوپ طاری ہو۔

رقص کرتی لڑکیاں اور سازندے جب باہر نکل گئے تو کمرے میں رانا سانگا کا ایک محافظ داخل ہوا اور سجدے کے انداز میں اس کے سامنے کئی بار جھکتے ہوئے اس نے کہا۔ "اے مالک! مالوہ کا ایک مسلمان آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ شاید وہ فریادی ہے اور آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہے"۔

رقص دیکھنے کے بعد رانا سانگا کے لبوں پر ایک گہری مسکراہٹ تھی۔ اس نے اپنے محافظ کو مخاطب کرتے ہوئے اور اپنی نشست پر پہلو بدل کر کہا۔ "اسے اندر بھیجو"۔

وہ محافظ باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد رانا سانگا کے اس طرب خانے میں درمیانی عمر کا ایک شخص داخل ہوا اور اس طرب خانے میں درمیانی عمر کا ایک شخص داخل ہوا اور اس طرب خانے کے وسط میں رانا سانگا کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس نے نہ ہی سجدے کے انداز میں جھک کر رانا سانگا کو تعظیم دی اور نہ ہی ایسی کسی اور حرکت کا اظہار کیا۔

رانا سانگا نے خفگی میں کہا۔ "تمہیں کسی نے یہ نہیں سکھایا کہ جس کے پاس فریادی بن کر جاتے ہیں اسے کیسے اور کس طرح تعظیم دیتے ہیں"۔

اس اجنبی نے کہا۔ "اگر تعظیم سے آپ کا مطلب سجدے کے انداز میں سر جھکانا ہے تو میں مسلمان ہوں۔ مسلمان اپنے خدا کو سجدہ کرتا ہے اور جو شخص خدا کو سجدہ کرتا ہے وہ دوسرے

ہر سجدے سے بے نیاز ہو جاتا ہے"۔

رانا سانگا نے خجل سا ہو کر کہا۔ "کہو تم کون ہو اور ہمارے پاس کس غرض سے آئے ہو"۔

اس اجنبی نے کہا۔ "اے راجہ! میرا نام سمر بیگ ہے میں ترک مسلمان ہوں۔ مالوہ کے نواح میں مالوہ کی ریاست کے حاکم سلطان محمود نے مجھے میری شجاعت و بہادری کے باعث ایک جاگیر دے رکھی تھی جو سلطان محمود کے ہندو وزیر مدنی راؤ چندیڑی[1] نے مجھ سے چھین لی۔ اور اپنے ایک ہندو رشتہ دار کو وہ جاگیر سونپ دی ہے۔ مدنی راؤ صرف آپ کی بات مانتا ہے اور آپ کے اشاروں پر کام کرتا ہے۔ میری آپ سے التماس ہے کہ اس سے میری جاگیر واپس دلا دیں۔ میں آپ کا احسانمند ہوں گا"۔

رانا سانگا نے برہم ہو کر کہا۔ "تم غلط جگہ فریاد لے کر آئے ہو۔ مدنی راؤ نے جو فیصلہ کیا ہو گا درست ہی کیا ہو گا۔ اگر تم نے کسی اور جگہ مدنی راؤ کے خلاف اس امر کو آگے بڑھانا چاہا تو تم نقصان اٹھاؤ گے۔ مدنی راؤ کا یہ احسان کیا تم پر کم ہے کہ اس نے تمہیں چھوڑ دیا۔ ورنہ وہ تمہیں قتل بھی کرا سکتا تھا۔ اب تم جاؤ اور مالوہ جا کر ایک پُرامن انسان کی سی زندگی بسر کرو۔ چھنی ہوئی جاگیر کا حصول اب تمہاری ذات کے لیے خطرناک اور نقصان دہ ہو گا جاؤ چلے جاؤ"۔

ایک مایوس اور حسرت آمیز نگاہ سمر بیگ نے رانا سانگا پر ڈالی اور باہر نکل گیا۔

رانا سانگا کے محل کے باہر سمر بیگ کی بیوی، اس کا بھائی اور گھر کا ایک ملازم اپنے چار گھوڑوں کے پاس کھڑے تھے۔ سمر بیگ آہستہ آہستہ اور تھکی تھکی چال چلتا ان کے پاس

---

[1] سلطان محمود کا یہ وزیر نہایت چالاک اور عیار شخص تھا اور رانا سانگا کا آدمی تھا۔ سلطان محمود اس کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن کر رہ گیا تھا۔ سلطان محمود نے گجرات کے مسلمان حاکم سے مدد لے کر اپنے اس وزیر سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن مدنی راؤ چندیڑی نے رانا سانگا کی مدد سے اس پر حملہ کرا دیا اور مالوہ میں ہندوؤں کے سامنے اس کی حالت ایک اسیر کی سی بن کر رہ گئی تھی۔

آیا۔ اس کی بیوی نے اپنی گود میں اُٹھائے اپنے بچے کو اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ "کیا کہا راجہ نے؟"

سمر بیگ نے مایوسی میں کہا۔ "اس نے دھتکار کر نکال دیا ہے۔ وہ مدینی راؤ کے خلاف کچھ سننے کا روادار نہیں ہے۔" سمر بیگ چند ثانیوں تک رُکا پھر اس نے اپنے چھوٹے اور جوان سال بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اللہ ویردی! تم سیدام اور دونوں بچوں کو وادی فرغانہ چلے جاؤ۔" پھر سمر بیگ نے اپنے ملازم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ نصرت میرے ساتھ رہے گا۔"

سمر بیگ کے چھوٹے بھائی اللہ ویردی نے اپنے قریب کھڑی سمر بیگ کی بیٹی اور اپنی بھتیجی کو اپنے بازوؤں میں اٹھاتے ہوئے کہا۔ "اے میرے بھائی! ہم آپ کو یہاں تنہا چھوڑ کر کیسے وادی فرغانہ کی طرف چلے جائیں۔"

اس بار سمر بیگ کی بیوی سیدام نے بھی روہانسی آواز میں بولتے ہوئے کہا۔ "اللہ ویردی ٹھیک کہتا ہے ہم آپ کو یہاں اکیلا چھوڑ کر کیسے اور کیونکر وادی فرغانہ چلے جائیں۔"

سمر بیگ نے اپنی بیوی کو سمجھانے کے انداز میں کہا۔ "سیدام! سیدام! وادیِ فرغانہ تمہارے لیے کوئی اجنبی سرزمین تو نہیں۔ وہاں تمہارا باپ رہتا ہے وہ تمہیں خوش رکھے گا۔ میں یہاں سے سلطان ابراہیم لودھی کے پاس دہلی جاؤں گا اور اس سے مدینی راؤ کی شکایت کروں گا۔ اگر اس نے میری مدد کی تو بہتر ورنہ میں گجرات کے مسلمان حکمران سے مدد حاصل کرنے کی خاطر جنوبی ہند کی طرف چلا جاؤں۔ مجھے اُمید ہے وہ ضرور میری مدد کرے گا۔

سنو سیدام! جب حالات درست ہو گئے تو میں نصرت کو بھیج کر تم لوگوں کو منگا لوں گا۔ ان حالات میں تم لوگوں کا میرے ساتھ رہنا انتہائی خطرناک ہے۔ اگر مدینی راؤ کو خبر ہو گئی کہ ہم اپنی جاگیر حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں تو وہ ضرور ہم پر ہاتھ ڈالے گا۔ ان حالات میں میرے لیے تم لوگوں کی حفاظت کرنا انتہائی دشوار ہو جائے گا جب کہ میں اور نصرت یہاں بہتر طور پر کام کر سکیں گے کیوں کہ میں کم از کم تمہاری طرف سے تو فکر مند نہ ہوں گا۔"

سمر بیگ رکا پھر اس نے اپنے بیٹے اور بیٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اگر

میری بات سے تمہیں اتفاق نہیں ہے تو کم از کم اپنے ان دونوں بچوں کے مستقبل کی خاطر ہی وادی فرغانہ چلے جاؤ کہ یہی دونوں ہی ہماری آخری پونجی اور سرمایہ حیات ہیں۔

سیدام نے روتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "کیا یہ آپ کا حکم ہے۔"

سمر بیگ نے کہا۔ "ایسا ہی سمجھ لو۔"

سیدام نے بڑی مشکل سے ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "مجھ میں اتنی ہمت کہاں کہ آپ کا کہا رد کر سکوں۔ میں یہیں سے اللہ ویردی اور دونوں بچوں کے ساتھ وادی فرغانہ روانہ ہو جاؤں گی۔ ہمارے بعد آپ اپنا خیال رکھیے گا۔ جب آپ دیکھیں کہ جاگیر کا حصول مشکل ہے تو آپ فوراً نصرت کے ساتھ وادی فرغانہ آجائیں۔ ہم لعنت بھیجتے ہیں ایسی جاگیر پر جس میں جان کا خطرہ ہو۔ میرے باپ کے پاس اتنا کچھ ہے کہ ہم وہاں باعزت زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ میرا باپ انتہائی فراخدل انسان ہے۔ وہ بڑے کھلے دل اور خوشی سے ہمارا استقبال کریں گے۔"

سمر بیگ نے آگے بڑھ کر اپنے بیٹے اور بیٹی کو پیار کیا پھر اس نے سہارا دے کر سیدام کو اس کے گھوڑے پر بٹھا دیا۔ اللہ ویردی بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور بچی کو اس نے اپنے آگے بٹھا لیا۔ جب کہ بچہ سیدام کی گود میں تھا۔ پھر وہ اللہ حافظ کہتے ہوئے وہاں سے روانہ ہو گئے۔ سمر بیگ اور نصرت بھی دہلی جانے کے لیے وہاں سے کوچ کر گئے تھے۔

○

فضاؤں کے در و بام پر محیط رات کا خاتمہ ہو رہا تھا۔ ستارے سفرِ آسمان کی چپ اور سکوت کی طیلسان میں چھپنے لگے تھے۔ آسمان پر رو پہلے نیلے بادلوں کو چیرتا ہوا سورج مشرق سے طلوع ہو رہا تھا۔ خوابوں کے الحمرا پر اجالوں کی شبنم بکھرنے لگی تھی۔ کائنات کے عناصر ترکیبی پر پھیلی اوہام کی کش مکش اور تشنہ لب الفاظ کی لوح خیالات کو نطق و گویائی کا شعور عطا ہونے لگا تھا

سورج کے طلوع ہونے سے فضائیں رنگ رنگ، ہوائیں جلترنگ اور سنگ سنگ صداؤں کے سکوت کو نغمگی ملنے لگی تھی۔ قدرت کا جمال و جلال ستاروں کی زرکار کلیوں کی طرح ذہنوں کے برگد پر پھیلی تاریکی کو صاف اور روشن کرنے لگا تھا۔ پودوں پر پھیلی شبنم قطرہ قطرہ ہو کر زمین کے بدن میں گھستی جا رہی تھی۔

دہلی کا سلطان ابراہیم لودھی اپنے ایک مختصر سے لشکر کے ساتھ شکار کی غرض سے آگرہ کے نواح میں ٹھہرا ہوا تھا کہ اس کے خیمے میں اس کا حاجب داخل ہوا اور کہا۔

" سلطانِ محترم ! ایک شخص کسی انتہائی اہم کام کے سلسلہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ وہ اپنا نام سمر بیگ بتاتا ہے اور اس کا تعلق مالوہ سے ہے۔ وہ کہہ رہا ہے کہ وہ پہلے دہلی گیا تھا۔ وہاں جب اُسے خبر ہوئی کہ آپ شکار کی غرض سے آگرہ کے نواح میں ہیں تو وہ اِدھر چلا آیا۔"

ابراہیم لودھی نے اپنے بستر کے نرم و گداز گدے پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔" اسے اندر بھیجو! میں دیکھوں کون ہے؟"

حاجب ایک بار تعظیم کو جھکا پھر وہ مڑا اور ابراہیم لودھی کے خیمے سے باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد سمر بیگ ابراہیم لودھی کے اس خیمے میں داخل ہوا۔ ابراہیم لودھی نے ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی اور پوچھا۔" تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

سمر بیگ نے سنبھلتے ہوئے کہا۔" سلطانِ محترم! میرا نام سمر بیگ ہے اور میرا تعلق مالوہ کی ریاست سے ہے۔ وہاں میں ایک جاگیر کا مالک تھا جو وہاں کے ہندو وزیر مدینی راؤ نے مجھ سے چھین کر اپنے ایک ہندو رشتہ دار کو دے دی ہے۔"

ابراہیم لودھی نے کہا۔" اگر تم یہ فریاد لے کر میرے پاس آئے ہو تو تم نے حماقت کی ہے۔ یہ شکایت تمہیں حسن محمد سے کرنی چاہیئے تھی جو ریاست مالوہ کا حکمران ہے۔"

سمر بیگ نے پُرجوش انداز میں کہا۔" سلطانِ محترم! مالوہ کا اصل حکمران مدینی راؤ ہی ہے اور وہ میواڑ کے رانا سانگا کا آدمی ہے اور اس کے اشاروں پر کام کرتا ہے۔ حسن محمود اس کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنا ہوا ہے۔ سلطانِ محترم! پوری ریاست کا حال انتہائی ابتر ہے۔ ریاست میں ہندو بھوتوں کے ہجوم کی طرح دندناتے پھرتے ہیں۔ عالی نسب اور معلی لقب لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کے مظالم کے سامنے ہزاروں بچے بلک رہے ہیں سینکڑوں مائیں سسک رہی ہیں۔ ریاست کے اندر کہیں ناتواں مسلمانوں کی قبریں ہیں اور کہیں

بھوکوں کی چتائیں۔ ہر طرف جبر کی ارزانی ظلم کی بہتات آگ کے بادل اور خون کی برسات ہے۔ قریہ قریہ بچوں کی چیخیں، عورتوں کی آہیں، بیواؤں کے آنسو اور لٹی عصمتوں کے ملبے ہیں۔

سلطانِ محترم! مالوہ کی ریاست میں حسن محمود بالکل بے بس ہے وہاں مدینی راؤ کی حکومت و رعونت اور اسی کی امارت و سفارت چلتی ہے۔ اس کی ہوس و ہوس خواہشوں ہی کے منافق اندھیروں اور اس کے خون آشام ارادوں کے سامنے وہاں کے مسلمان ایک قیامت کے سفر اور خونی آلام سے گذر رہے ہیں۔"

سمر بیگ دم لینے کو رُکا پھر جذبات کی رو میں وہ کہتا چلا گیا۔" وہاں کے مسلمان اس انتظار میں ہیں کہ ان کی مدد کو کوئی مسلمان حکمران اٹھے اور افق تا افق بکھری تیرگی کی دھجیاں سمیٹ دے۔ بکھری ہوئی کرچیوں کو سمیٹ کر ایک نئے آئینے کو جنم دے۔ مذہب کی عظمت کا پاس، لوگوں کے دل کی تمنا اور مکانوں اور کھیتوں کی طلب بن کر آئے۔ صحبوں کی تہ میں رکھے جرائم، چار سو پھیلی جبر کی تعزیریں اور ہر طاغوتی پھندے کا خاتمہ کر دے۔

سلطانِ محترم! مالوہ کے لوگوں کی حالت قحط و افلاس کی ماری فاختہ اور ویران گھر کے اس دیئے جیسی ہے جو اپنا خون جلا کر خود ہی جلتا ہے۔ مسلمانوں کے روشن چہروں پر کالک مل کر انہیں پُرانی یادوں کے تابوت میں دفن کیا جا رہا ہے تاکہ وہ خانہ بدوشوں کے ڈھیروں کی طرح بکھرے رہیں اور قطرہ قطرہ اپنی تنہائی کا زہر پی کر زمین کے فتنوں اور ہوس کی آگ کا شکار ہو کر ختم ہو جائیں۔

سلطانِ محترم! مالوہ کے مسلمان کسی جگنو، کسی ستارے اور کسی کرن کی تلاش میں ہیں۔ جو ظلم کے سناٹے اور کرب کے اندھیروں میں ان کی زندگی کے افق روشن کر دے۔ مالوہ میں ان کے لیے ہر پیالہ زہر بھرا جام ہر گھڑی شعلوں کا آبشار اور ہر سانس ہونا کیوں کا طوفان ہے۔ وہ کسی ایسے چارہ گر کے منتظر ہیں جو ان کی راتوں کے پُرہول سناٹے میں صبحِ آزادی کا نور بن کر چمکے۔ انہیں کسی ایسے طبیب کی تلاش ہے جو موت کے لگائے ہوئے زخموں پر مرہم رکھ دے۔ ان کی آنکھیں کسی ایسے کیمیا گر کی راہ دیکھتی ہیں جو لوٹے خوابوں

کا مسیحا بن کر آئے اور قلب و نظر کے صحراؤں کو سبزہ زاروں کا جمال اور ذہن و ضمیر کے گہرے نیلے سمندروں کو بیداری کا احساس عطا کر دے۔ کاش کوئی مردِ آہن مالوہ کی فضائے شب کو رُخِ سحر عطا کرتا۔ کاش کوئی فرزانہ و دیوانہ ماضی کی گیت گاتی فضاؤں کو ان کے گیت اور دف بجاتی ہواؤں کو ان کی گل رنگ صدائیں لوٹا دیتا۔ کوئی وہاں کے مکینوں کو امن و محبت دیتا۔ گھروں کے تاریک طاقوں کو روشن کرتا۔ پُرہول غلامی کی راتوں کا خاتمہ کرتا۔ سرد فضاؤں کو سکوت و ایمان کی حرارت بخشتا۔

سلطانِ محترم! مالوہ کے مسلمانوں کی حالت ایسی ہے جیسے زمین نے اپنی کوکھ سے بوسیدہ تابوت اُگل دیے ہوں۔ میں آپ سے التماس کرتا ہوں کہ آپ ان کی مدد کیجئے۔ ربِ ارض و سموات آپ کو اس کا اجر عطا کرے گا۔

سمر بیگ خاموش ہو گیا۔ ابراہیم لودھی چند ثانیوں تک سر جھکائے سوچتا رہا۔ پھر اس نے سمر بیگ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم مالوہ کے مسلمانوں کی مدد کرنے کا خیال اپنے دل سے نکال دو، اگر وہ اپنے آپ کو خود جہنم میں ڈال رہے ہیں تو کوئی نہیں آگ کے اس گڑھے سے بچا نہیں سکتا۔ اور سنو! میں مالوہ کے مسلمانوں کی مدد کیوں کر کر سکتا ہوں۔ اگر میں ایسا کرتا ہوں تو میواڑ کا راجہ رانا سانگا میرے خلاف اُٹھ کھڑا ہو گا اور میں مالوہ کے مسلمانوں کی خاطر اس سے طویل جنگوں کا سلسلہ نہیں شروع کرنا چاہتا۔ اس صورت میں ہند کے تمام راجے ہمارے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے اور ہمیں دہلی کے تخت و تاج سے محروم کر دیں گے اور پھر تم جانو مالوہ ہماری عملداری سے باہر ایک خود مختار ریاست ہے۔ ہماری حکومت صرف دہلی سے بھیرہ تک ہے اس کے اندر بھی سکون نہیں ہے۔

لاہور کا حاکم دولت خان گو میرا عزیز اور میرا ماتحت صوبیدار ہے لیکن وہ ہر وقت ایسے ارادوں کو جنم دیتا رہتا ہے جنہیں بہانہ بنا کر وہ ہمارے خلاف بغاوت کھڑی کر دے اور ہماری جگہ دہلی کے تخت و تاج پر خود قابض ہو جائے۔ ان حالات میں کیوں کر میں رانا سانگا جیسے طاقت ور راجہ سے دشمنی مول لے سکتا ہوں۔ تم مالوہ کے

مسلمانوں کی حالت پر افسوس کرنا ترک کر دو۔ ہاں اگر تمہیں اپنی جاگیر کے چھن جانے کا ملال ہو تو میں تمہیں دہلی یا آگرہ کے نواح میں اس سے بہتر جاگیر دے سکتا ہوں جہاں تم پُرسکون زندگی بسر کر سکتے ہو۔"

سمر بیگ کی گردن جھک گئی۔ مایوسی میں اس کے بدن کی شریانیں تن گئی تھیں۔ اس کے چہرے پر یاسیت اور ناآسودگی پھیل گئی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

"سلطانِ محترم! میں کسی جاگیر کا لالچ لے کر یہاں نہ آیا تھا۔ میں تو کسی ایسے مومن کی تلاش میں ہوں جو مالوہ کے مسلمانوں کے لیے زمین کے رنگین اوراق کی بیاض کھول دے۔ کاجل کی طرح پھیلتی تاریکی میں شعاعیں عطا کرے۔ ہولناک و ستم خیز خاموشیوں میں انہیں جرسِ کارواں کی سی موسیقی دے۔ ان کے سینوں کو چمک اور جبینوں کو نور دے۔ جو مالوہ کی مجبور جوانیوں کی زخمی آہیں سُن کر تڑپ اُٹھے اور اس کے ذہن اس کے افکار میں ایسی ہلچل پیدا ہو جائے جیسے تالاب میں پتھر پھینک دینے سے ایک ہلچل و انقلاب جنم لے اُٹھتا ہے۔ میں ایسے مومن کو کسی اور سرزمین میں تلاش کروں گا۔" سمر بیگ مُڑا اور ابراہیم لودھی کے خیمے سے باہر نکل گیا تھا۔

سمر بیگ کا ملازم نصرت اپنے اور سمر بیگ کے گھوڑوں کی باگ پکڑے ابراہیم لودھی کے خیمے سے ذرا فاصلے پر کھڑا تھا۔ سمر بیگ جب اس کے پاس آیا تو نصرت نے بڑی بے تابی سے پوچھا۔ "اے آقا! کیا آپ سلطان ابراہیم لودھی سے نہیں مل سکے؟"

سمر بیگ نے قریب آ کر اپنے گھوڑے کی باگ نصرت سے لیتے ہوئے کہا "میں اس سے ملا ہوں۔ اس نے رانا سانگا کے خوف سے مالوہ کے مسلمانوں کی مدد کرنے سے صاف انکار کر دیا ہے۔"

نصرت کی گردن جھک گئی اور اس نے دُکھ سے کہا۔ "مدینی راؤ مالوہ کے اندر مسلمانوں کے لیے ایک بھوکے گدھ کی طرح ہے۔ آخر وہ کب تک اپنے گندے پروں کو سمیٹے اور سیاہ گھناؤنی چونچ کھولے مالوہ کے مسلمانوں کا گوشت نوچتا رہے گا۔ کاش ابراہیم لودھی سلطانِ دہلی ہونے کا حق ادا کرتے ہوئے فوراً مالوہ کے

مسلمانوں کی مدد پر لبیک کہتا۔"

نصرت چند ثانیوں تک خاموش کھڑا رہا پھر اس نے مشورہ دینے کے انداز میں کہا۔ "اے آقا! کیا ایسا ممکن نہیں کہ ہم یہاں سے سیدھے لاہور جائیں اور وہاں کے حاکم دولت خان سے مدد کی درخواست کریں۔"

سمر بیگ نے مایوسی میں کہا۔ "دولت خان کے پاس لاہور جانا بیکار ہے۔ اس لیے کہ وہ کوئی خود مختار حاکم نہیں ہے۔ وہ تو صرف ابراہیم لودھی کی طرف سے پنجاب کا صوبیدار ہے جسے ابراہیم لودھی کسی بھی مناسب موقع پر اس عملداری سے علیحدہ و محروم کر سکتا ہے۔ جہاں ابراہیم لودھی نے انکار کر دیا ہے۔ وہاں دولت خان اس کا ماتحت ہوتے ہوئے ہماری کیا مدد کرے گا۔ چلو اپنے گھوڑے پر سوار ہو، ہماری منزل اب جنوبی ہند ہے۔ وہاں ہم گجرات کے مسلمان حاکم سلطان محمد مظفر شاہ ثانی سے اس امر کی شکایت کریں گے۔ مجھے امید ہے ابراہیم لودھی کی طرح وہ ہمیں مایوس نہ کرے گا۔" دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور دریائے جمنا کے کنارے کنارے انہوں نے اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا دیا تھا۔

دوپہر کے قریب جب سمر بیگ اور نصرت اپنے گھوڑوں کو درختوں کے ایک گھنے جنگل کے اندر سے گزرتی ہوئی شاہراہ پر سرپٹ دوڑا رہے تھے تو بغتاً انہوں نے ایک ساتھ اپنے گھوڑوں کی باگیں کھینچ کر روک لیا تھا۔

فضا کے اندر ایک سنسناہٹ طاری ہوئی تھی اور ایک ساتھ کئی تیر سنسناتے ہوئے ان کے چاروں طرف زمین میں پیوست ہو گئے تھے۔ پھر ان کے دیکھتے ہی دیکھتے درختوں کی اوٹ سے کئی سوار نمودار ہوئے اور ان دونوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

سمر بیگ اور نصرت دونوں نے اپنی تلواریں بے نیام کر لی تھیں۔ پھر سمر بیگ نے اپنے چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور جب اس نے دیکھا کہ ان دونوں کو گھیرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے تو اس نے انتہائی بے بسی سے کہا۔

"نصرت! نصرت! اپنی تلوار نیام میں کر لو۔ اس قدر سواروں کے ساتھ مقابلہ کر کے اپنے ساتھ میں تمہیں بھی ہلاکت میں نہیں ڈالنا چاہتا، شاید قدرت کو منظور نہیں کہ ہم جنوبی ہند پہنچ سکیں۔"

دونوں نے اپنی تلواریں نیام میں کر لیں۔ ان کے اس رویے کو دیکھتے ہوئے کچھ سوار آگے بڑھے۔ ان کے ہاتھ پاؤں جکڑ کر اور آنکھوں پر پٹیاں باندھنے کے بعد انہیں اپنے گھوڑوں پر ڈالا اور وہاں سے کوچ کر گئے۔

سمر بیگ کے ہاتھ پاؤں جب آزاد ہوئے اور اس کی آنکھوں سے پٹی کھولی گئی، تو اس نے دیکھا کہ وہ مالوہ شہر میں وہاں کے ہندو وزیر مدنی راؤ چندیری کے سامنے کھڑا تھا اور نصرت اس کے ساتھ تھا۔

مدنی راؤ چند ثانیوں تک دونوں کو قہر آمیز نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے سمر بیگ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم سمجھتے رہے ہو کہ مجھ سے دور رہ کر تم جو چاہو کر سکتے ہو۔ رانا سانگا نے مجھے اطلاع کر دی تھی کہ میرے خلاف شکایت لے کر تم اس کے پاس گئے تھے۔ مجھے خدشہ تھا کہ وہاں سے مایوس ہو کر تم دہلی میں ابراہیم لودھی کا رخ کرو گے۔ میرے خدشات درست نکلے۔ یقیناً تم وہاں سے بھی مایوس ہوئے ہو گے۔ یاد رکھو! ہند میں اب کوئی ایسی قوت نہیں ہے جو رانا سانگا کو جنگ کی دعوت دے سکے۔ رانا سانگا کی اطلاع پر ہی میں نے تمہارے پیچھے اپنے آدمی لگا دیے تھے۔ جو بالآخر تمہیں پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ یاد رکھو! اب وہ دن دور نہیں جب دہلی کے تخت و تاج کا مالک ابراہیم لودھی کی بجائے رانا سانگا ہو گا۔"

مدنی راؤ ذرا رکا پھر دوبارہ وہ کہہ رہا تھا۔ "شاید ابراہیم لودھی سے مایوس ہو کر تم جنوبی ہند میں گجرات کے سلطان مظفر شاہ ثانی کے پاس جانا چاہتے تھے لیکن وہاں سے بھی تمہیں مایوسی ہوتی۔ اس لیے کہ تم جانتے ہو رانا سانگا ماضی میں مظفر شاہ کو شکست دے کر اسے اپنے علاقوں تک محدود رہنے کا سبق دے چکا ہے۔ اب وہ کبھی رانا سانگا کے خلاف نہ اٹھے گا اور اگر اس نے کبھی ایسی حماقت کی تو دنیا کی کوئی طاقت

گجرات پر رانا سانگا کا پرچم لہرانے سے روک نہ سکے گی۔

سنو! مَیں چاہوں تو میرے صرف ایک ابرو کے اشارے سے تمہیں موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے لیکن میں تم دونوں کا خون نہ کروں گا۔ تم دونوں کو زنداں میں ڈال دوں گا تاکہ وہاں تم دونوں سسک سسک کر اپنی موت کا انتظار کرتے رہو۔

مدینی راؤ جب خاموش ہُوا تو سمر بیگ نے انتہائی غصّے اور غضب کی حالت میں کہا۔" مدینی راؤ! مَیں جانتا ہوں تُو ایک بشر گزیدہ انسان ہے لیکن یاد رکھ مجھے ختم کر دینے یا زنداں میں ڈال دینے سے مالوہ کے مسلمانوں پر تمہارے مظالم کا یہ قضیہ ختم تو نہ ہو جائے گا۔ کوئی مردِ حق آفاق پر سنناتی آندھیوں اور خون کے اوراق پر ٹوٹتی بجلیوں کی طرح تم پر نازل ہو گا۔ تمہارے کوزۂ دِل کو چکنا چُور اور تمہاری انا کے زخموں کو خوب گہرا کرے گا۔

اے غرض کے بندے! تیرے مظالم کے یہ پھندے ایک روز اپنے انجام کو ضرور پہنچیں گے۔ قسم ہے مجھے اپنے اس رب کی الوہیّت اور ربوبیّت کی جو ماں کو ممتا دیتا ہے، باپ کو شفقت و وفا عطا کرتا ہے۔ ستم گروں کے سقیں اعمال کا خوب حساب لگا لیتا ہے۔ ایک روز وہ تمہارے جبر اور مظالم کے خلاف بھی کسی کو لا کھڑا کرے گا۔ اس روز تمہاری زیست بھی صدیوں کے طویل لمحوں جیسی اور تمہاری زندگی راتوں کے دراز گھمبیر سایوں جیسی ہو گی۔ اس روز تمہاری ستم کی آگ اور خون کی بارش خود تمہارے اپنے لیے وبال ہو گی۔ اس روز مالوہ کی شامِ غریباں کی شفق میں روشن اڑان ہو گی۔ یہاں کی عظیم ماؤں کی مسکراہٹ میں سکون ہو گا۔ بچوں کی گنگناہٹ میں آسودگی ہو گی اور دلہنوں کو اپنے سہاگ پر فخر ہو گا۔

مدینی راؤ! اس وقت سے ڈر، ان لمحات سے خوف کھا جب کوئی مردِ مومن لوح و قلم کا امین بن کر اُٹھے گا، تیری قضا کے ہر حصار کو اور تیری موت کے ہر گھاٹ کو فنا کر دے گا۔ اس روز تُو ہی نہیں تیری اجل کا دل بھی تھر تھرانے لگے گا۔"

مدینی راؤ نے سمر بیگ کی پوری گفتگو نہ سنی اور چلّاتے ہوئے کہا۔" انہیں

لے جاؤ اور زنداں میں ڈال کر ان پر سخت پہرہ لگا دو۔"

محافظ حرکت میں آئے، سمر بیگ اور نصرت کو پکڑ کر باہر لے گئے اور یوں ان دونوں کو مالوہ کے زنداں میں ڈال دیا گیا تھا۔

O

سمر بیگ کا چھوٹا بھائی اللہ ویردی، اپنی بھاوج اور سمر بیگ کی بیوی سیدم اور اس کے دونوں بچّوں جنید اور سیمون کے ساتھ چتوڑ سے روانہ ہونے کے بعد مغرب کی طرف بڑھا۔ چاروں صحرائے تھر پارکر کو عبور کرنے کے بعد بھیرہ شہر میں داخل ہوئے وہاں چند یوم رُک کر انہوں نے آرام کیا پھر بھیرہ سے روانہ ہو کر کوہ سلیمان کے اندر سے گزرنے کے بعد وہ غزنی شہر میں داخل ہوئے۔

وہاں سے انہوں نے اپنا رُخ شمال کی طرف کیا۔ غزنی سے کابل وہاں سے دریائے آموں کے اس پار بدخشاں کے مغرب میں گزرتے ہوئے وہ دربند شہر میں آئے وہاں سے انہوں نے دریائے آموں کے ایک معاون دریا کو عبور کیا اور سفر جاری رکھتے ہوئے سمرقند میں داخل ہوئے۔ یہاں انہوں نے چند یوم رک کر آرام کیا۔ پھر وہ شمال مغرب کے رُخ وادیٔ فرغانہ کے مشہور شہر اخسی کا رُخ کر رہے تھے۔

ایک روز جب کہ وہ شام سے کچھ دیر قبل دریائے سیحوں کے کنارے کنارے سفر کر رہے تھے اور سمرقند سے روانہ ہو کر اور خجند شہر سے بھی آگے نکل کر وہ اپنی منزل اخسی شہر کے قریب پہنچ گئے تھے تو یک بیک آسمان پر دُھند کی صورت میں بادل چھا گئے۔ پہلے بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک نے ماحول کو وحشت بنا دیا۔ تیز ہوائیں، سیٹیاں بجانے لگیں۔ درختوں کی پتوں سے بے نیاز شاخیں سرسرانے لگی تھیں۔ پھر طوفانی برف باری شروع ہو گئی اور برف باری کے اس طوفان میں آبشاروں کی نغمگی کھو گئی۔ کوہستانی جھرنوں کے نرم گیت تحلیل ہو گئے۔ کائنات کے ماتھے پر بکھری زلفوں جیسی تاریکی بکھر گئی تھی۔ لگتا تھا زمین پر نہ ختم ہونے والا چاند گرہن طاری ہو گیا ہو اور فطرت کی ہزاروں راندہ درگاہ روحیں اور ان گنت دھتکارے ہوئے

سرکش شیطان نیلے سیاہ بادلوں کی طرح ہجوم کر کے ہر جاندار کے قلب پر ایک امتحان و آزمائش مسلط کرنے لگے ہوں ۔

کوہستانوں کی کلنیاں بڑی تیزی سے برف سے ڈھکنے لگی تھیں ۔ اسے میں دریائے سیحوں کے کنارے کنارے سفر کرتے ہوئے اللہ ویردی نے اپنی بھتیجی، اور سمر بیگ کی بیٹی سیمون کو خوب اچھی طرح کمبل میں ڈھانپتے ہوئے سمر بیگ کی بیوی اور اپنی بھاوج سیدم سے کہا ۔

" اے میری بہن ! برف باری تیز ہوگئی ہے ۔ اپنے آگے اپنے بیٹے جنید کو کمبل میں خوب ڈھانپ لو اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس کی رفتار تیز کر دو ۔ یہ بڑا ہولناک برف کا طوفان ہے ۔ ایسا نہ ہو کہ ہم اس میں پھنس کر دب جائیں ۔ اخسی شہر اب یہاں سے دو فرلانگ سے زیادہ نہ ہوگا ۔ اگر ہم نے گھوڑوں کی رفتار تیز نہ کی تو برف اس قدر بڑھ جائے گی کہ گھوڑے چل نہ سکیں گے پھر ہم ایک نئی آفت میں پھنس جائیں گے ۔ "

اللہ ویردی کے کہنے پر سیدم نے بچے کو اپنے سامنے کمبل میں خوب لپیٹ لیا پھر دونوں اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر بڑی تیزی سے آگے بڑھنے لگے تھے ۔

برف باری کے اس زوردار طوفان میں اللہ ویردی اور سیدم دونوں بچوں کے ساتھ اخسی شہر میں داخل ہوئے پھر وہ ایک وسیع اور بڑی حویلی کے سامنے رُکے اور اللہ ویردی نے نیچے اُتر کر حویلی کے دروازے پر دستک دی ۔

سیدم بھی اپنے گھوڑے سے اُتر کھڑی ہوئی اور بچے کو اس نے برفباری سے بچانے کی خاطر اپنی چھاتی سے لگا رکھا تھا ۔ جب کہ اس کی بیٹی سیمون کو اللہ ویردی نے اپنے بائیں بازو سے اپنی بغل میں دبایا ہوا تھا ۔

تھوڑی دیر بعد ایک جوان نے دروازہ کھولا ۔ ان دونوں کو دیکھتے ہی اس کے چہرے پر حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات اُبھرے پھر بھاگ کر وہ اللہ ویردی سے لپٹتا ہوا بولا ۔ " اے میرے بھائی ! آپ ؟ "

پھر وہ سیدم کی طرف بڑھا اور اس کی پیشانی چومتے ہوئے اس نے کہا ۔ " اے میری بہن ! میں تم لوگوں کو خوش آمدید کہتا ہوں ۔ مجھے حیرت اور تعجب ہے کہ تم لوگ اس قدر بھیانک اور خطرناک برف باری کے طوفان میں آئے ہو ۔ " پھر وہ جوان باری باری سیدم کی بیٹی سیمون اور بیٹے جنید کو پیار کرنے لگا تھا ۔

وہ جوان سیدم کا بڑا بھائی اور اللہ ویردی کا ماموں زاد میرم تھا ۔ اس لیے کہ سیدم اپنے شوہر سمر بیگ کی ماموں زاد تھی ۔

میرم انہیں حویلی کے اندر لے گیا ۔ پہلے وہ دونوں گھوڑوں کو اصطبل میں باندھ کر چارہ ڈال آیا ۔ اتنی دیر تک اللہ ویردی اور سیدم حویلی کے برآمدے میں کھڑے ہو کر اپنے ان کمبلوں سے برف جھاڑنے لگے جو انہوں نے اپنے اوپر اوڑھ رکھے تھے ۔

میرم اصطبل سے لوٹا اور انہیں حویلی کے اندر لے گیا ۔ پھر وہ ایک کمرے میں داخل ہوا اور آتش دان کے پاس بیٹھے اپنے باپ شیرم طغائی کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا ۔

" بابا ! دیکھو برف باری کے اس طوفان میں آپ کے لیے میں کیسی خوشخبری لایا ہوں ۔ میں اپنے ساتھ آپ کی پیاری بیٹی اور عزیز بہن سیدم کو لایا ہوں ۔ "

اتنے میں اللہ ویردی اور سیدم اس کمرے میں داخل ہوئے ۔ شیرم طغائی اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے قریب آتش دان کے پاس بیٹھی اس کی دوسری بیٹی اور سیدم کی چھوٹی بہن اور اس کی بہو اور میرم کی بیوی بھی ، دونوں اُٹھیں اور دونوں بھاگ کر باری باری سیدم سے گلے ملنے لگی تھیں ۔

شیرم طغائی آگے بڑھا ۔ پہلے وہ اپنے بھانجے اللہ ویردی کو گلے لگا کر ملا پھر وہ اپنی بیٹی سیدم کی پیشانی چومتے ہوئے اسے اپنے گھر میں خوش آمدید کہہ رہا تھا ۔ سیدم کی چھوٹی بہن بولائی نے آگے بڑھ کر سیدم سے اس کے بیٹے جنید کو لے لیا اور اسے پیار کرنے لگی ۔ جب کہ شیرم کی بہو ، میرم کی بیوی اور سمر بیگ اور

اللہ ویردی کی سگی بہن یورت نے آگے بڑھ کر اپنے بھائی اللہ ویردی سے سیدم کی بیٹی سیمون کو لے لیا اور اسے چومنے لگی تھی۔

آتش دان کے قریب چھوٹے سے ایک پلنگ پر میرم اور یورث کے دونوں بیٹے تیمور اور منصور سوئے ہوئے تھے۔ اللہ ویردی اور سیدم نے آگے بڑھ کر دونوں بچوں کو پیار کیا۔ جب کہ بولائی اور یورث نے سیدم کے بیٹے جنید اور بیٹی سیمون کو بھی ان دونوں بچوں کے ساتھ پلنگ پر ڈال کر ان پر رضائی ڈال دی تھی۔ پھر وہ سب آتش دان کے پاس بیٹھ گئے تھے۔

چند ثانیوں تک کمرے میں سکوت رہا پھر شیرم طغائی نے اپنی بیٹی سیدم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "سمر بیگ کہاں رہ گیا بیٹی! وہ اس بار تمہارے ساتھ کیوں نہیں آیا۔ کیا وہ اپنی جاگیر کے کاموں میں ایسا ہی مصروف ہو گیا ہے کہ ہمیں ملنے کو اب اس کا دل نہیں چاہتا۔ جب کہ میں سمر اور اللہ ویردی دونوں کا بڑی بے چینی سے انتظار کرتا رہا ہوں کہ یہ دونوں بھائی میری چھوٹی اور عزیز بہن کی نشانی ہیں۔ میری اس بہن نے مرتے وقت مجھے اپنے ان دونوں بیٹوں کا خیال رکھنے کو کہا تھا۔ بخدا آج اگر ان دونوں کا باپ زندہ ہوتا تو وہ بھی ان دونوں کو اس قدر چاہت اور محبت نہ دیتا جتنا میں نے ان دونوں کو پیار کیا ہے۔

اللہ ویردی! تم اچھے موقع پر آئے ہو بیٹے! ورنہ میں پیغام بھیج کر سیدم اور تم دونوں بھائیوں کو بلانے والا تھا اس لیے کہ میں، میرم اور یورث کے مل کر فیصلہ کیا ہے کہ بولائی کو تم سے بیاہ دیں۔ شیرم طغائی کے پاس بیٹھی بولائی کی گردن شرم سے جھک گئی تھی جب کہ اللہ ویردی کے چہرے پر خوشی اور اطمینان کے آثار تھے۔

شیرم طغائی چند ثانیوں تک خاموش رہا پھر اس نے اللہ ویردی اور سیدم کی طرف دیکھتے ہوئے دوبارہ پوچھا "تم دونوں مجھے کچھ خاموش اور اداس لگتے ہو۔ تم دونوں نے مجھے سمر بیگ سے متعلق کچھ نہیں بتایا کہ وہ کیوں تمہارے ساتھ نہیں آیا۔"

سیدم نے ذو معنی نگاہوں سے اللہ ویردی کی طرف دیکھا اور جواب میں

اللہ ویردی نے مالوہ کے وزیر مدنی راؤ چندریڑی کے مظالم، اپنی جاگیر کے چھننے، رانا سانگا کے پاس جانے اور وہاں سے اپنے آخسی شہر کی طرف اور سمر بیگ کے دہلی کی طرف کوچ کی پوری داستان سنا ڈالی تھی۔

شیرم طغائی سارے حالات سن کر چند ثانیوں تک گہری سوچوں میں کھویا رہا پھر اس نے دکھ سے کہا۔ "اپنی جاگیر چھن جانے پر سمر بیگ کو اتنا فکر مند نہ ہونا چاہئے تھا کیا میں مر گیا ہوں، کیا میری زمینیں اور میرے باغات اس قدر نہیں ہیں کہ سمر بیگ اور اللہ ویردی یہاں آخسی شہر میں مالوہ کی اس جاگیر سے بہتر زندگی بسر نہ کر سکیں۔ کاش سمر بیگ بھی تم دونوں کے ساتھ یہاں چلا آیا ہوتا اور میرے پاس اپنی بیوی اور بال بچوں کے ساتھ پرسکون زندگی بسر کرتا۔ اب اللہ کرے سمر بیگ جلد یہاں پہنچ جائے۔"

ذرا سے توقف کے بعد شیرم طغائی نے اللہ ویردی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم دونوں بہن بھائی بڑے اچھے موقع پر یہاں آئے ہو۔ اگر تم دونوں چند یوم ٹھہر کر آتے تو پھر میرم سے تم دونوں کی ملاقات نہ ہو سکتی اس لیے کہ میرم ظہیر الدین بابر کے لشکر میں شامل ہونے کا فیصلہ کر چکا ہے اور چند یوم تک یہ یہاں سے روانہ ہو جائے گا۔"

اللہ ویردی نے بڑے شوق کا اظہار کرتے ہوئے شیرم طغائی سے کہا۔

"ماموں! میں بھی اپنے بھائی میرم کے ساتھ ظہیر الدین بابر کے لشکر میں شامل ہوں گا میں اسے ہند پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دوں گا، ہو سکتا ہے وہ میری بات مان جائے اور ایک نجات دہندہ بن کر وہ ہند کی سرزمین میں داخل ہو گا۔"

شیرم طغائی نے ایک آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "ظہیر الدین بابر تو ان دنوں ایک خانہ بدوش کی سی حالت میں ہے۔ ہو سکتا ہے مستقبل میں کبھی اس کے حالات درست ہوں۔"

اللہ ویردی نے بے چینی سے پوچھا۔ "کیوں کیا ہوا اسے؟" شیرم طغائی

نے کہا۔" سنو! میں تم سے اس کے پورے حالات کہتا ہوں۔ شیرم طغائی نے اپنا گلا صاف کیا پھر وہ کہہ رہا تھا۔

"یہ ملک فرغانہ جس پر بابر کا باپ عمر شیخ مرزا حکومت کیا کرتا تھا۔ سات بڑے شہروں پر مشتمل ہے اور یہ سات بڑے شہر اندجان[1]، اوش[2]، مرغیناں[3]، اسفرہ[4]، خجند[5]، اخسی[6] اور کاشان[7] ہیں۔ جب عمر شیخ مرزا ہمارے اسی شہر اخسی سے کبوتر اُڑاتے ہوئے مرگیا، تو اس کی عمر صرف انتالیس سال تھی۔ جب کہ ظہیر الدین بابر صرف بارہ برس کا تھا۔

۱ـ بابر کے دورِ حکومت میں یہ شہر ملک فرغانہ کا دار الحکومت تھا۔ اس شہر کے پورے علاقے میں نہروں کا جال ہے۔ سمرقند کی طرح اس کا قلعہ بڑا مضبوط ہے۔ انگور، خربوزہ اور ناشپاتی اس کے مشہور پھل ہیں۔ یہاں کی آبادی سب ترک ہے۔

۲ـ اس شہر میں نہروں کا ایک جال ہے۔ یہ اندجان کے جنوب مشرق میں سولہ میل کے فاصلے پر ہے۔ بنفشہ یہاں کی بڑی پیداوار ہے۔ یہاں سے سرخ و سفید رنگ کا سنگِ ایری بھی نکلتا ہے جس سے خنجروں کے دستے بنتے تھے۔

۳ـ مرغیناں اندجان سے اٹھائیس میل مغرب میں ہے۔ یہاں کی خوبانی، انار اور زرد آلو اپنی عمدگی اور ذائقے میں مشہور ہیں۔ یہاں کی آبادی تاجیک ترکوں پر مشتمل ہے۔ مشہور فقیہہ شیخ برہان الدین یہیں کے رہنے والے تھے۔

۴ـ یہ شہر مرغیناں سے چھتیس میل جنوب مغرب میں ہے۔ یہاں کا بادام مشہور ہے۔

۵ـ خجند اندجان سے سو میل دریائے سیحوں کے کنارے واقع ہے۔ بادام اور انار کے علاوہ یہاں فیروزہ کی کانیں ہیں۔ یہاں اکثر آشوب چشم کی بیماری رہتی ہے۔

۶ـ اخسی اندجان سے چھتیس میل دُور ہے۔ بابر کے باپ عمر شیخ مرزا کے دَور میں یہی شہر دارالحکومت تھا۔ عمر شیخ مرزا کی آخری آرام گاہ یہیں ہے۔

۷ـ کاشان دریا کے کنارے ایک خوب صورت شہر ہے۔ یہاں کے پہاڑوں پر ایک قسم کی لکڑی ہوتی ہے جس سے کوڑوں کے دستے اور تیروں کے گز بنتے ہیں۔ یہ لکڑی برآمد

بابر کا باپ عمر شیخ مرزا امیر تیمور لنگ کے پوتے سلطان محمد کے بیٹے ابو سعید مرزا کا بیٹا تھا اور بابر کی ماں قتلق نگار خانم مغلستان کے بادشاہ یونس خان کی بیٹی ہے جو چنگیز خان کے بیٹے چغتائی خان کی نسل سے ہے۔ بابر کے باپ عمر شیخ مرزا کی تین بیویاں تھیں۔ بڑی بیوی قتلق نگار خانم سے بابر اور اس کی بڑی بہن خانزادہ بیگم ہیں۔ دوسری بیوی فاطمہ سلطان سے بابر کا بھائی جہانگیر مرزا ہے۔ تیسری بیوی خرم سے بابر کا دوسرا بھائی ناصر مرزا اور اس کی بہنیں ہیں۔

عمر شیخ مرزا کی وفات پر بابر پر دشواریوں اور مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور اس کے چچا سلطان احمد مرزا جو سمرقند کا حاکم اور ماموں سلطان محمود جو تاشقند[1] کا حاکم تھا۔ دونوں نے اس کے ملک پر حملہ کر دیا۔ اس لیے کہ دونوں بابر کے باپ سے دشمنی رکھتے تھے اور اس کی موت پر اس کے ملک پر قبضہ کر کے اسے بانٹ لینا چاہتے تھے اس بُرے وقت میں جب کہ بابر بُری طرح پھنس گیا تھا۔ میں[2] اور اندجان کے قاضی نے بابر کی مدد کی۔ ایک لشکر جمع کر کے منظم کیا اور بابر کے چچا اور ماموں دونوں سے گفتگو کر کے انہیں واپس لوٹا دیا اور بابر کو اپنے ملک میں امان ملی۔ شیرم طغائی رکا پھر کہتا چلا گیا۔

"کچھ عرصہ بعد بابر نے سمرقند کے حاکم اپنے چچا سلطان احمد کی بیٹی عائشہ[3] سے شادی کر لی لیکن مدتوں میاں بیوی میں نہ بنی اور علیحدگی ہو گئی۔ جب سمرقند کا حاکم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴) بھی کی جاتی ہے۔ یہاں فیروزہ کی کانیں بھی ہیں۔

۱ـ تاشقند شہر بھی کبھی بابر کے باپ عمر شیخ مرزا کی سلطنت میں شامل تھا۔ جو بعد میں اس سے چھین لیا گیا تھا۔

۲ـ یہ وہی شیرم طغائی تھا جس نے اندجان کے قاضی کے ساتھ مل کر وادی فرغانہ میں بابر کو اپنے قدم جمانے میں مدد دی تھی۔ یہ اخسی شہر کے رؤسا میں سے تھے۔

۳ـ بابر کی یہ پہلی بیوی تھی۔ اس سے ایک لڑکی ہوئی جو بعد میں مرگئی تھی۔

سلطان احمد فوت ہو گیا تو بابر نے حملہ کر کے سمرقند پر قبضہ کر لیا۔ لیکن بابر کی بدقسمتی کہ کچھ سرداروں نے اس کے چھوٹے بھائی جہانگیر مرزا کو بھڑکا کر بغاوت کرا دی اور اس نے اس وادی فرغانہ کے اکثر شہروں پر قبضہ کر کے اپنی علیحدہ حکومت قائم کر لی۔ اب سمرقند میں بابر سخت پریشان ہوا۔ اندجان کو لینے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا اور اسی کوشش میں سمرقند بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔ آخر اپنے ماموں سلطان محمود کے پاس گیا اور مدد کی درخواست کی۔ بڑی مشکلات کا سامنا کرنے کے بعد بابر اندجان پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوا اور ایک بار پھر اس نے سمرقند پر بھی قبضہ کر لیا۔

لیکن لگتا تھا وادی فرغانہ بابر کو راس نہ آئی تھی۔ ازبکستان کے بادشاہ شیبانی خان نے بابر پر حملہ کر دیا اور اس سے سمرقند چھین لیا۔ بابر اپنی ماں اور شکست خوردہ لشکر کے ساتھ سمرقند سے بھاگا اور شیبانی خان کے لشکریوں کے آگے آگے پناہ کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکتا رہا۔ اس کی بڑی بہن خانزادہ بیگم سمرقند میں ہی رہ گئی اور شیبانی خان نے اسے اپنے حرم میں داخل کر لیا۔

اس دوران شیبانی خان نے وادی فرغانہ کے دیگر شہروں کی طرف بھی توجہ کی اور بابر کے دونوں چھوٹے بھائی جہانگیر مرزا اور ناصر مرزا جنہوں نے بابر سے بغاوت کر کے وادی فرغانہ میں اپنی علیحدہ حکومت قائم کر لی تھی وہ بھی اپنی اپنی حکومت چھوڑ کر بھاگ گئے اور بابر سے معافی مانگ کر دوبارہ اس سے مل گئے۔ اب وادیٔ فرغانہ پر شیبانی خان کا ایک سردار تنبل حکمران ہے اور سنا ہے بابر اور اس کے دونوں بھائی اپنے لشکر کے ساتھ حصار[1] شہر سے باہر خیمہ زن ہیں۔ شیبانی خان کے خوف سے اب وہ وادی فرغانہ کا رخ نہ کریں گے۔ سنا ہے اب وہ تینوں بھائی کابل کی طرف قسمت آزمائی کریں گے۔ بابر

[1] دریائے آموں کے ایک معاون دریا کے کنارے ایک مشہور شہر۔ اس کے مغرب میں دربند اور سمرقند، جنوب میں ترخد اور قندز، مشرق میں بدخشاں اور شمال میں کوہستان سیاہ اور کوہستان سفید ہیں۔

کے ساتھ شروع سے ہی میرے تعلقات چونکہ اچھے رہے ہیں اس لیے میرم کو میں نے اس کے لشکر میں شامل ہونے کی اجازت دے دی ہے۔ اگر میں بوڑھا نہ ہو چکا ہوتا اور میرے اعضاء و جوارح کمزور نہ پڑ گئے ہوتے تو بخدا بابر کے اس پُرآشوب دَور میں خود میں بھی اس کے لشکر میں جا شامل ہوتا۔

اللہ ویردی نے کہا۔ "اے ماموں! اب جب کہ آپ لاغر اور ضعیف ہو گئے ہیں میں اور بھائی میرم اس کے لشکر میں شامل ہو کر اس کی خدمت کریں گے"۔

شیرم طغائی نے کہا۔ "جب تم دونوں جاؤ گے تو میں اس کے نام تمہیں خط لکھ دوں گا۔ پھر تم دیکھنا وہ تم دونوں کو کیسی عزت دیتا ہے"۔

اللہ ویردی نے میرم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "اے بھائی! آپ کب تک بابر کے لشکر کی طرف روانہ ہوں گے"۔

میرم نے کہا۔ "اب جب کہ تم لوگ آ گئے ہو تو میں کچھ دن یہاں رہوں گا۔ پھر چند روز تک ہم دونوں بھائی بابر کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ اللہ ویردی! تم جانتے ہو۔ سیدم مجھے کس قدر عزیز ہے۔ میں کچھ یوم اس کے اور اس کے بچوں کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ میں اسے یہ احساس دلانا چاہتا ہوں۔ کہ اس گھر میں اس کی ایسی ہی عزت ایسا ہی وقار اور ایسا ہی حق ہے۔ جیسا اس کا شادی سے پہلے ہوا کرتا تھا۔

میرم جب خاموش ہوا تو سیدم نے اپنے باپ شیرم طغائی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "اے میرے باپ! کیا ایسا ممکن نہیں کہ یہاں سے روانہ ہونے سے قبل ہی اللہ ویردی اور بولائی کی شادی کر دی جائے۔ اے میرے باپ! آپ جانتے ہیں، میرے شوہر سمر بیگ اور اللہ ویردی کے ماں باپ فوت ہو چکے ہیں۔ سمر بیگ بھی یہاں نہیں ہے۔ اب میں ہی اللہ ویردی کی بڑی بہن، اس کا باپ اور اس کی ماں ہوں اور یہ فرض مجھے ہی ادا کرنا ہے"۔

میرم نے مسکراتے ہوئے اور اپنی بہن کی طرفداری میں کہا۔ "اے میری بہن! تم اس فرض میں اتنی بھی لاغر اور کمزور نہ ہو۔ یہاں سمر بیگ اور اللہ ویردی کی بہن یورش

بھی ہے اور وہ بابا کو اللہ ویردی اور بولائی کی شادی پر پہلے ہی رضامند کر چکی ہے۔" بولائی بے چاری اس گفتگو پر حیا سے دُہری ہوتی جا رہی تھی اور اس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔

شیرم طغائی نے اپنا فیصلہ دیتے ہوئے کہا۔ ابھی اور اسی وقت اللہ ویردی اور بولائی کا نکاح ہوگا پھر ہم اکٹھے بیٹھ کر خوشگوار ماحول میں کھانا کھائیں گے۔ سیدم! سیدم! میری بیٹی! میں جانتا ہوں اللہ ویردی تمہیں عزیز ہے لیکن یہ میرے لیے بھی تو پرایا نہیں۔ میرا بھانجا ہے۔ میری اس بہن کا فرزند ہے جو مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہوا کرتی تھی۔

شیرم طغائی رکا پھر اپنے بیٹے میرم سے کہا۔" میرم! میرم! تم اٹھو، محلے کے کچھ [illegible] کردہ لوگوں کو بلا لاؤ کہ اللہ ویردی اور بولائی کا نکاح ہوجائے۔"

میرم اس برف باری میں ہی کچھ لوگوں کو بلا لایا جن کی موجودگی میں اللہ ویردی اور بولائی کا نکاح ہوگیا۔ مہمانوں کی خشک پھل سے تواضع کی گئی۔ اس کے بعد سیدم اور یورت نے مل کر کھانا تیار کیا۔ پھر وہ سب آتش دان کے پاس اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔

○

ایک روز جب کہ سورج نئی صبح کی تخلیق کے لیے غروب ہو رہا تھا۔ اجالوں کی تازگی ختم ہو رہی تھی شفق شام کی وادیوں میں لہو رنگ بھرنے لگی تھی۔ کارگاہِ زیست کی ہنگامہ آرائی ختم ہو رہی تھی۔ چہرہ آفاق گرد ملال سے ڈھلنے لگا تھا اور غروب مہر کے حسین نظارے تیرگی کے طوفانوں کو اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ اللہ ویردی اور میرم اپنے گھوڑوں پر سوار حصارِ شہر سے باہر ایک کوہستانی دریا کے کنارے ظہیر الدین بابر کے لشکر میں داخل ہوئے اور لشکریوں سے پوچھتے ہوئے وہ سیدھے بابر کے خیمے کے پاس آکر اپنے گھوڑوں سے اُترے۔

وہ ابھی اپنے گھوڑوں کو باندھ کر بابر سے ملنے کے لیے اس کے محافظوں سے گفتگو کرنے ہی والے تھے کہ بابر اپنے خیمے سے باہر نکلا۔ اس کے ساتھ اس کی ماں

قتلق نگار خانم بھی تھی۔

بابر نے جب ان دونوں کو اپنے محافظوں کے پاس کھڑے دیکھا تو وہ خود ہی ان دونوں کے پاس آیا اور پوچھا۔" میں ظہیر الدین ہوں کیا تم مجھ سے ملنا چاہتے ہو؟"

اللہ ویردی اور میرم دونوں نے آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کیا پھر میرم نے اپنے لباس کے اندر سے اپنے باپ شیرم طغائی کا خط نکال کر بابر کو تھما دیا۔

بابر نے اپنے نام شیرم طغائی کا وہ خط پڑھا۔ پھر آگے بڑھ کر اس نے ان دونوں کو ایک ساتھ گلے لگاتے ہوئے کہا۔" میں تم دونوں کو اپنے ہاں خوش آمدید کہتا ہوں۔ بخدا جب میرا باپ مر گیا اور میں اس وقت صرف بارہ سال کا تھا اس وقت اس عظیم جرنیل شیرم طغائی نے میری مدد نہ کی ہوتی تو میں وادی فرغانہ کا حکمران نہ بن سکتا۔ شیرم طغائی کے مجھ پر اتنے احسانات ہیں جنہیں میں شمار کرنا چاہوں تو نہ کر سکوں۔"

بابر کی ماں قتلق نگار خانم مڑی اور خیمے کے اندر چلی گئی۔ اتنے میں دائیں جانب سے دو جوان آئے۔ بابر نے ان دونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں میرے بھائی جہانگیر اور ناصر مرزا آ رہے ہیں۔

جب دونوں ان کے پاس آئے تو بابر نے اپنے ان دونوں بھائیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔" میرے عزیز بھائیو! ان دونوں سے ملو ان میں سے ایک ہمارے عظیم محسن و مربی شیرم طغائی کا بیٹا میرم اور دوسرا اس کا بھانجا اللہ ویردی ہے۔ یہ دونوں ہمارے لشکر میں شامل ہونے کو آئے ہیں۔"

جہانگیر اور ناصر مرزا دونوں بڑی خوش طبعی سے اللہ ویردی اور میرم کے ساتھ مصافحہ کر رہے تھے۔

بابر نے پھر میرم اور اللہ ویردی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ تم دونوں بڑے اچھے وقت پر مجھ سے آملے ہو۔ اس لیے کہ کل میں یہاں سے کوچ کر جاؤں گا۔

اچانک کسی خیال سے بابر کا چہرہ شادابی سے خالی اور آنکھیں نور سے عاری ہو گئیں پھر اس نے ایک لمبی آہ بھرتے ہوئے کہا۔" ہیہات! اپنی آبائی ریاست وادی

فرغانہ سے جدائی ہجر کا ایک عذاب ہوگی۔ میں نے وادیٔ فرغانہ کے اندر ماؤں کی حرمت، بہنوں کی عظمت، بیٹیوں کی عصمت اور بچیوں کی طیلسان آبرو کا خیال کیا۔ پھر بھی نہ جانے کن گناہوں کی سزا میں قدرت نے اُزبکوں کے بادشاہ شیبانی خان کو میرے خلاف لا کھڑا کیا جو میرے علاقوں پر اجل کی ظلمت کا سایہ، طلسماتِ وقت کا شعلہ، میرے دل کا اندھیرا اور میری شکستوں کا غبار بن کر مجھ پر نازل ہوا اور مجھے میرے تمام علاقوں سے محروم کر دیا۔"

بابر نے ذرا رُک کر درد بھری آواز میں کہا۔ "شیبانی خان گو میرا رشتہ دار ہے۔ میری نسل سے ہے پھر بھی نہ جانے کیوں وہ میرے مقابل ہوا۔ اس کے جرّار لشکر کے سامنے میں بار بار جڑ کر ٹوٹا ہوں۔ وہ غموں کے سیلاب اور لہو کے سمندر کی طرح میرے علاقوں میں داخل ہوا اور ان پر قبضہ کر لیا۔ آہ وادیٔ فرغانہ! میرے ستاروں کی پروازیں الٹ گئیں میرے نصیب کی سحر کہر آلود ہو گئی۔ میں ان دنوں ایک مسافرانہ زندگی گزار رہا ہوں، نہ عرضِ حال پر قابو ہے نہ چُپ پر اختیار ہے۔ لگتا ہے میری یہ کیفیت نہ خوابِ محض ہے اور نہ بیداری تمام ہے۔ دنوں اور وقت کی یہ عجیب بے بساطی و بے قراری ہے لیکن یہ سب قدرت کے رازِ ممات وحیات ہیں۔ اگر میرے خدا کو یہ منظور ہے کہ میں کوئے گمنامی کے تاریک ترین تہ خانوں اور اپنی بدترین تقدیر کے تپتے دھوپ کے صحرا میں زندگی بسر کروں تو بھی میں اپنے ربّ سے کوئی شکوہ کوئی گلہ نہ کروں گا۔ میں ہر حال میں اس کا شکر گزار ہوں لیکن ان حالات میں بھی سرابوں کے اندر میں نے اپنی پیاس نہیں کھو دی۔ میں نے باہر کے اس آشوب کو اپنے اندر کا روگ نہیں بننے دیا۔ اب میں کابل کی طرف قسمت آزماؤں گا۔ شاید یہی وقت کا تقاضا ہو۔ تم دونوں کے آنے سے میں یہی سمجھوں گا کہ میرے بچپن کا شیرم طغائی اب میری جدائی میں دو حصّوں میں بٹ کر پھر میری مدد کو آگیا ہے۔"

بابر نے ذرا رُک کر سوچا پھر کہا "اس کی صحت کیسی ہے۔ اب تو وہ بوڑھا لاغر ہو گیا ہو گا۔ کئی برس پہلے جب میں اخسی شہر میں اپنے باپ کی قبر پر گیا تھا تو اسے ملا تھا۔ اس وقت تو وہ خوب چلتا پھرتا تھا۔"

میرم نے کہا "اب بھی وہ بوڑھے محسوس نہیں ہوتے۔ پہلے کی طرح چلتے پھرتے ہیں اور اپنے باغات اور زمینوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔"

بابر نے اس بار اپنے بھائی جہانگیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "جہانگیر! میرے بھائی! تم ان دونوں کے کھانے اور ان کے خیمے کا بندوبست کرو۔ میں بعد میں جب یہ آرام کر لیں تو ان کے پاس بیٹھوں گا اور تفصیل سے ان کے ساتھ گفتگو کروں گا۔"

جہانگیر اور ناصر مرزا اللہ ویردی اور میرم کو لے کر ایک طرف چلے گئے جب کہ بابر واپس اپنے خیمے میں جا رہا تھا۔

○

اپنے لشکر کے ساتھ بابر نے حصار سے کوچ کیا اور چغانیاں آیا۔ وہاں سے روانہ ہو کر اس نے دریائے جیحوں کو پار کر کے قندز شہر میں پڑاؤ اور وہاں سے سیدھا جنوب میں کابل کا رُخ کر رہا تھا۔

جس روز بابر حصار شہر سے نکلا اس کے چند ہی یوم بعد شیبانی خان وہاں حملہ آور ہوا اور اس نے حصار، دربند اور چغانیاں کو فتح کر کے ان شہروں پر قبضہ کر لیا۔

بابر نے کابل کا آ محاصرہ کیا۔ اپنی وادی اور اپنے ملک سے نکالے جانے کے بعد وہ کسی ایسی سرزمین کی تلاش میں تھا جسے وہ اپنے لیے آخری حصار جان کر اس میں قیام کرے۔

بابر نے اپنے لشکر کو تین حصّوں میں تقسیم کر کے کابل شہر کا محاصرہ کر لیا۔ لشکر کے ایک حصّے کو اس نے کوچہ باغ میں رکھا، اپنے بھائی جہانگیر کو اس حصّے کا سالار اور اللہ ویردی کو اس کا نائب مقرر کیا۔ اپنے دوسرے بھائی ناصر مرزا کو لشکر کے دوسرے حصّے کے ساتھ دروازہ چرم پر مقرر کیا اور میرم کو اس کا نائب بنایا۔ خود بابر لشکر کے تیسرے حصّے کے ساتھ کوچہ قتلق کے سامنے خیمہ زن ہوا تھا۔

بابر نے کابل کے حاکم مقیم کو پیغام بھجوایا کہ امن اور سلامتی کے ساتھ شہر اس کے حوالے کر دے۔ مقیم نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور غزنی کے علاوہ اس نے

دوسرے شہروں سے بھی اپنے لیے کمک طلب کر لی۔ بابر نے یک بارگی شہر پر حملہ کر دیا۔

شہر کے حاکم مقیم نے جب دیکھا کہ شہر اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا تو اس نے بابر کے امراء کو وسیلہ بنا کر مصالحت کی گفتگو شروع کر دی۔ آخر بابر اور مقیم کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جس کی رُو سے مقیم اپنا مال و متاع لے کر کابل سے نکل گیا اور شہر پر بابر کا قبضہ ہو گیا۔

کابل کی فتح بابر کے لیے سکون کا باعث تھی۔ اس لیے کہ اپنی وادی سے دربدر ہونے کے بعد اسے اپنی ذات، اپنی قوت اور اپنے ارادوں کو مجتمع کرنے کے لیے ایک ٹھکانا مل گیا تھا۔

کابل کے بعد بابر نے غزنی پر بھی قبضہ کر لیا اور اب یہاں اس سرزمین پر اس نے اپنی حکومت اور قوت کو مستحکم کرنا شروع کر دیا تھا۔ اپنے چھوٹے بھائی جہانگیر مرزا کو اس نے غزنی کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔

پانچ برس تک بابر اپنی قوت کو مستحکم کرتا رہا۔ اِردگرد کے قبائل پر حملہ آور ہو کر انہیں اپنا مطیع و فرمانبردار بناتا رہا۔ اس دوران شیبانی خان ایک بلائے ناگہانی کی طرح جنوب کی طرف بڑھتا رہا۔ ہرات و مشہد شہروں کو فتح کرنے کے بعد وہ قندھار تک یورش کرتا چلا آیا تھا۔

شیبانی خان نے جب قندھار کا بھی محاصرہ کیا تو بابر کو فکر لاحق ہوئی۔ وہ طوفان جس نے اسے وادیٔ فرغانہ سے نکلنے پر مجبور کیا تھا اب ایک بار پھر اس کے سر پہ منڈلاتا دکھائی دے رہا تھا۔

ان ہی پانچ سالوں کے دوران بابر کی ماں مر گئی اور بابر کے بیٹے ہمایوں کی پیدائش ہوئی۔ شیبانی خان کی وجہ سے بابر اب اپنے آپ کو کابل میں بھی غیر محفوظ تصوّر کرنے لگا۔ لہٰذا وہ اپنے ذہن میں کسی اور پناہ گاہ کے متعلق سوچنے لگا جو اس کے لیے امن و سلامتی کا آخری حصار ہو اور یہ آخری حصار ہند کی سرزمین ہی تھی۔

اس دوران اللہ ویردی بھی بابر کو ہندوستان کا رُخ کرنے کے لیے برابر اُکساتا رہا۔ اس لیے کہ وہ اپنے بڑے بھائی سمر بیگ کی طرف سے انتہائی فکرمند تھا۔ کیوں کہ اس کی کوئی خبر نہ تھی اور وہ وہاں سے لوٹا بھی نہ تھا۔ اس عرصے میں اللہ ویردی اور میرم کئی بار اخسی شہر اپنے گھر گئے لیکن سمر بیگ وہاں بھی نہ آیا تھا لہٰذا اپنے بھائی سے متعلق اللہ ویردی زیادہ پریشان ہوتا چلا گیا تھا۔

سرما اپنے زوروں پر تھا۔ بوڑھا شیرم طغائی اپنی حویلی میں آتش دان کے پاس فرش پر بچھی چٹائیوں پر لحاف اوڑھے بیٹھا تھا۔ اس کے قریب ہی آتش دان کے پاس اس کی دونوں بیٹیاں سیدم اور بولائی اور اس کی بہو اور بھانجی یورت بیٹھی ہوئی تھیں سیدم کا بیٹا جنید، بیٹی سیمون اور یورت کے بیٹے تیمور اور منصور اب کافی بڑے ہو گئے تھے اور آتش دان کے پاس بیٹھے کھیل رہے تھے۔

اچانک سمر بیگ اور سیدم کا بیٹا جنید کھیلنا ترک کر کے شیرم طغائی کے پاس آیا۔ اور اس کی گود میں بیٹھتے ہوئے اس نے کہا۔ "نانا! آج ہمیں آپ کہانی نہ سنائینگے"۔

شیرم طغائی نے پیار سے جنید کی پیشانی اور گال چومتے ہوئے کہا "ضرور سناؤں گا میرے بچے"۔

سیدم بڑے شوق سے اپنے باپ کو دیکھ رہی تھی جو اس کے بچے کو پیار کر رہا تھا۔ کہانی کا سُن کر سیمون، منصور اور تیمور بھی قریب ہو کر بیٹھ گئے۔ شیرم طغائی نے چاروں بچوں کو اپنے ساتھ لحاف میں بٹھا لیا پھر وہ انہیں کہانی سناتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"میرے بچو! پُرانے وقتوں میں حضرت عیسٰی علیہ السلام سے اٹھائیس سو برس پہلے عراق میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ وہ ایرک شہر میں رہتا تھا اور بڑا جابر اور عیش پسند بادشاہ تھا۔ وہ شہریوں کی مقدس رسومات کی بے حرمتی کیا کرتا تھا اور لوگ اس سے تنگ آکر اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔

ایک روز اسی ریاست کے ایک شکاری نے جنگل میں دیکھا کہ جنگلی جانوروں کے ساتھ ایک جنگلی انسان بھی بھاگتا پھرتا ہے۔ وہ کئی روز تک اس جنگلی انسان کا

جائزہ لیتا رہا جو بہت طاقتور اور جفاکش تھا۔ وہ جنگلی جانوروں کے ساتھ بھاگتا۔ اور ان کے ساتھ ہی جنگل کے جوہڑوں سے پانی پیتا۔ اس شکاری نے اس جنگلی انسان کا ذکر اپنے گھر جا کر اپنے باپ سے کیا۔

اس کے عقلمند اور دور اندیش باپ نے کہا" دیکھ تو اپنی ریاست ایرک کے بادشاہ گل گاش کے پاس جا اور اس سے کہہ کہ ایک خوب صورت لڑکی بھیجے۔ جو اس جنگلی انسان سے مہربانی اور شفقت کا سلوک کر کے اسے انسانوں کے اندر رہنے کی ترغیب دے۔

اس شکاری نے ایسا ہی کیا۔ وہ اپنے بادشاہ گل گاش کے پاس گیا اور اس جنگلی انسان کا سارا واقعہ اور اپنے باپ کی تجویز بادشاہ سے کہی۔ بادشاہ نے اس کے ساتھ ایک حسین لڑکی روانہ کر دی۔

جنگل میں جا کر اس لڑکی نے اس جنگلی انسان کو اپنی طرف بلایا اور اس سے ایسی مہربانی کا سلوک کیا کہ وہ اس لڑکی کی بات ماننے لگا۔ اس جنگلی انسان کا نام ان کدو رکھا گیا۔ وہ لڑکی ان کدو کو لے کر بادشاہ گل گاش کے پاس آئی۔

گل گاش اس کی طاقت اور شجاعت سے ایسا خوش ہوا کہ اسے اپنا دوست بنا لیا۔ اسے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا اور ان کدو کے کہنے پر اس نے اپنی رعایا پر ظلم و جبر کرنا بھی بند کر دیا اور ہر معاملہ میں انصاف کرنے لگا۔ ان کدو کی طرح گل گاش بھی بڑا طاقت ور تھا۔

ان دونوں کو معلوم ہوا کہ لبنان کے جنگلوں میں حمبابا نام کا ایک جن رہتا ہے جو لوگوں کو تنگ کرتا ہے اور راستوں کو مسدود کرتا ہے۔ گل گاش اور ان کدو لبنان کے اس جنگل میں پہنچے۔ اور ایک سخت مقابلے کے بعد حمبابا نام کے اس ظالم جن کو انہوں نے قتل کر دیا۔

حمبابا جن کے قتل پر اس کے ساتھی سخت سیخ پا ہوئے اور جواب میں انہوں نے ان کدو کو قتل کر دیا۔ گل گاش کو ان کدو کی موت کا اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ دیوانوں

کی طرح جنگلوں میں گھومنے لگا۔

ایک روز اسے خبر ہوئی کہ کسی جزیرے میں ایک بزرگ رہتا ہے جس کو ایک ایسے چشمے کا پتہ ہے جس کا پانی پی کر انسان ہمیشہ کی زندگی حاصل کر لیتا ہے۔ گل گاش اس بزرگ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب وہ اس بزرگ کے پاس پہنچا تو اس نے گل گاش کو سمجھایا کہ دنیا میں کوئی ایسا چشمہ نہیں ہے جس کا پانی پی کر انسان کو ہمیشہ کی زندگی نصیب ہو جائے۔ اس بزرگ کے جواب پر گل گاش مایوس ہو گیا۔

پھر اس بزرگ نے اس پر رحم کھاتے ہوئے ایک ایسے ویران کنویں کا پتہ بتا دیا جس کے اندر ایک ایسا پودا اُگتا ہے جسے کھا کر انسان اپنی پوری زندگی توانا و تندرست رہتا ہے۔

گل گاش اس بزرگ کے پاس سے کوچ کر کے پھر اپنے سفر پر روانہ ہو جاتا ہے۔ اور کئی روز کی صعوبتیں برداشت کر کے وہ اس ویران کنوئیں پر آتا ہے اور اس پودے کو حاصل کر لیتا ہے۔ وہ خوش ہو جاتا ہے کہ وہ اس پودے کو اپنے ملک لے جائے گا۔ وہاں اس کی کاشت کرے گا اور اپنے ملک کے تمام لوگوں کو تندرست و توانا بنا دے گا۔

وہ اس پودے کو لے کر روانہ ہو جاتا ہے۔ راستے میں اسے ایک صاف و شفاف پانی کا جوہڑ دکھائی دیتا ہے۔ وہ اس پودے کو کنارے پر رکھ کر نہانے کی غرض سے جوہڑ میں اُتر جاتا ہے۔ وہیں ایک سانپ بھی رہتا ہے۔ اسے اس پودے کی خوشبو آتی ہے۔ وہ اپنے بل سے باہر نکلتا ہے اور اس پودے کو کھا کر دوبارہ اپنے بل کے اندر چلا جاتا ہے۔ گل گاش جوہڑ سے نکلتا ہے اور پودے کو وہاں نہ پا کر فکر مند ہوتا ہے۔ بہت تلاش کرتا ہے پر نہیں ملتا۔ آخر نا امید و مایوس ہو کر وہ یہ جان لیتا ہے کہ اس دنیا میں انسان فانی اور عارضی ہے اور یہ راز پا کر وہ کسی قدر مطمئن ہو کر اپنی ریاست کی طرف روانہ ہو جاتا ہے"۔

بوڑھا شیرم طغائی جب خاموش ہو جاتا ہے تو اس کی گود میں بیٹھا ہوا اس کا نواسہ جنید ضد کرنے لگتا ہے۔" نانا! ایسی ہی کہانی ایک اور سناؤ۔"

شیرم طغائی نے پیار سے کہا۔" میرے بچے! کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔ آؤ سب مل کر پہلے کھانا کھائیں پھر میں تم لوگوں کو ایسی ہی ایک اور کہانی سناؤں گا"۔ جنید جواب

میں کچھ کہنے والا تھا کہ حویلی کے بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔

جنید شیرم طغائی کی گود سے نِکلا اور باہر بھاگتے ہوئے اس نے کہا۔ "میں دیکھتا ہوں کون آیا ہے"۔

شیرم طغائی بھی اُٹھ کر باہر آیا۔ اس کے پیچھے پیچھے سیدم، یورث، بولائی، سیمون، تیمور اور منصور بھی باہر نکل آئے۔

جنید نے جب حویلی کا دروازہ کھولا تو اس کا چچا اللہ ویردی اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے حویلی میں داخل ہوا۔ اپنے شوہر کو دیکھ کر بولائی کے چہرے پر رونق اور مسکراہٹ آ گئی تھی۔ وہ بھاگ کر آگے بڑھی اور اللہ ویردی سے اس کا گھوڑا لے کر اصطبل کی طرف لے گئی۔

اللہ ویردی نے پہلے جی بھر کر جنید کو پیار کیا پھر اسی طرح اس نے سیمون، تیمور، اور منصور کو پیار کیا۔ شیرم طغائی نے آگے بڑھ کر اللہ ویردی کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

"تو اکیلا ہی آیا ہے بیٹے! کیا میرم تیرے ساتھ نہیں آیا"۔ اتنی دیر تک بولائی بھی گھوڑے کو اصطبل میں باندھ کر وہاں لوٹ آئی تھی۔ اللہ ویردی نے شیرم طغائی سے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"ماموں! میں صرف دو دن کے لیے ہنگامی حالت میں یہاں آیا ہوں۔ چلیں اندر چل کر بیٹھتے ہیں پھر میں آپ کو تفصیل سے بتاتا ہوں"۔

سب آتش دان میں جلتی آگ کے گرد بیٹھ گئے۔ پھر شیرم طغائی نے بیتابی میں پوچھا۔ "اب اپنے حالات کہو بیٹا!"

اللہ ویردی نے قریب پڑی ہوئی ایک لکڑی آتش دان میں جلتی ہوئی آگ میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "ماموں! چند یوم تک بابر ہندوستان پر حملہ آور ہوگا۔ اس طرح مجھے وہاں اپنے بھائی کو تلاش کرنے کا موقع ہاتھ آجائے گا۔ میں بابر کو برابر ہندوستان پر حملہ آور ہونے کے لیے اکساتا رہا ہوں۔ میں صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ ہو سکتا ہے کچھ عرصہ لشکر سے علیحدہ ہو کر مجھے اپنے بھائی سمر بیگ کو تلاش کرنا پڑے۔ اس سے پانچ برس کی اس جدائی میں مجھے چین اور سکون نہیں ملا اور میں انگاروں پر جلتا رہا ہوں۔ وہ میرا بڑا

اور ایک ہی بھائی ہے۔ اس کے بغیر میں ادھورا ہوں۔ میں آپ لوگوں کو یہ بتانے آیا ہوں کہ اسے تلاش کرتے ہوئے اگر میں کچھ عرصہ میرم سے علیحدہ رہا اور گھر نہ آسکا تو آپ لوگ پریشان نہ ہوں"۔

شیرم طغائی نے تنبیہہ کرنے کے انداز میں کہا۔ "اس کام میں میرم کو بھی اپنے ساتھ رکھنا۔ اس طرح تم دونوں بھائی مل کر اسے آسانی سے تلاش کر لوگے"۔

اللہ ویردی نے کہا۔ "نہیں ماموں! میں اکیلا بھائی کو تلاش کروں گا۔ میرم اِن علاقوں سے ناواقف اور انجان ہے۔ اگر کبھی جان بچانے کی خاطر کسی جگہ ہمیں بھاگنا پڑے تو اجنبی ہونے کی وجہ سے میرم کے وہاں بھول اور بھٹک جانے کے اندیشے ہیں اور اگر ایسا ہوا اور اسے کوئی نقصان پہنچا تو میں کیوں کر اپنے آپ کو معاف کر سکوں گا کہ میں ایک بھائی کو تلاش کرتا ہوا دوسرے کو کھو بیٹھا۔

شیرم طغائی نے ایک طرح سے اللہ ویردی کے فیصلے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ "اچھا جو تمہاری مرضی ہو کر لینا لیکن سمر بیگ کی تلاش کرتے ہوئے تم خود بھی محتاط رہنا بیٹے! میں تمہارے متعلق بہت فکرمند رہوں گا۔ تم جانتے ہو بولائی بڑی حساس ہے اور عزم و صبر کرنے میں انتہائی کمزور اور نازک ہے۔ اگر اس تلاش کے دوران تمہیں کچھ ہو گیا تو بولائی کیوں کر زندہ رہ سکے گی"۔

اللہ ویردی نے کہا۔ "آپ فکرمند نہ ہوں، میں اس تلاش میں احتیاط برتوں گا۔ میں انہیں پہلے دہلی میں تلاش کروں گا۔ اگر وہاں نہ ملے تب مالوہ کا رُخ کروں گا"۔

شیرم طغائی نے یورث کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "لاؤ بیٹی کھانا کھائیں"۔

یورث، بولائی اور سیدم نے اُٹھ کر وہیں آتش دان کے پاس کھانے کے برتن لگا دیئے اور وہ سب مل کر کھانے لگے۔ دو دن بعد اللہ ویردی واپس کابل روانہ ہو گیا تھا۔

○

بابر نے کابل کے نواح میں پھیلے سب قبائل کو زیر کر کے اپنی حکومت کو تقریباً مستحکم کر لیا تھا۔ صرف یوسف زئی قبیلہ ابھی ایسا تھا جسے اپنا مطیع و فرمانبردار کرنا باقی تھا

یوسف زئی قبائل پر حملہ آور ہونے سے قبل بابر ان کے قلعوں کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ تاکہ ان کے استحکام کو دیکھ سکے۔

چنانچہ ایک روز جب کہ عید قربان کا دن تھا، بابر نے ایک قلندر کا سا بھیس بدلا اور ماہوارہ پہاڑی کے عقب کی وادی میں داخل ہوا۔ جہاں یوسف زئی قبائل کے سردار احمد اور اس کے بھائی منصور کا سب سے مضبوط قلعہ تھا۔ اس روز عید کی وجہ سے وہاں جشن کا سا سماں تھا۔ بابر قلعے کا جائزہ لیتے ہوئے منصور کے مکان کی پشت پر آ نکلا جہاں ایک کھلے احاطے میں منصور کے ریوڑ بندھے ہوئے تھے۔

بابر ادھر اُدھر کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ ایک آدمی تیزی سے اس کی طرف آیا اور روغنی روٹیوں میں لپٹا ہوا بُھنا مصالحہ دار گوشت اسے تھماتے ہوئے کہا "لو کھالو"۔

بابر چونکا اور پوچھا۔ "یہ کس نے بھیجا ہے"؟

اس شخص نے دائیں ہاتھ دروازے پر کھڑی ایک حسین و نوخیز لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس لڑکی نے۔ وہ ہمارے سردار منصور کی بیٹی ہے اور اس کا نام بی بی مبارکہ ہے"۔

بابر اس لڑکی کے حسن و جمال سے ایسا متاثر ہوا کہ وہ وہاں سے ہٹا۔ روٹیاں اور گوشت وہیں ایک پتھر کے نیچے رکھ کر وہ وہاں سے لوٹ گیا۔ واپس جا کر یوسف زئی قبائل پر حملہ آور ہونے کے بجائے اس نے قبیلے کے سردار احمد سے اس کے بھائی منصور کی بیٹی کا رشتہ طلب کیا۔

احمد نے جواب میں لکھ دیا کہ منصور کے ہاں کوئی بیٹی ہے ہی نہیں۔ اصل میں وہ بی بی کا رشتہ نہ دینا چاہتا تھا۔ اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ اگر یہ منگول ایک بار ان کے اندر گھس آئے تو پھر ہمیشہ کے لیے ان کی آزادی کو ختم کر دیں گے۔

جواب میں بابر نے ایک پر شکوہ و شاہانہ مراسلہ لکھا جس میں اس نے بھیس بدل کر یوسف زئی قبیلے میں جانے، منصور کی بیٹی بی بی کو دیکھنے اور گوشت روٹی پتھر کے نیچے چھپا دینے کے سارے واقعات تفصیل سے لکھ ڈالے۔

اب بابر نے جو یہ حالات اس قدر تفصیل سے لکھے تو احمد اور منصور سخت شرمندہ ہوئے۔ پھر انہوں نے اپنے قبیلے کا جرگہ طلب کیا اور یہ معاملہ اس میں پیش کیا۔ جرگے نے متفقہ طور پر فیصلہ دے دیا کہ لڑکی کو بابر سے بیاہ دیا جائے۔ اسی میں قبیلے کی عافیت ہے۔ یوں بی بی[1] اور بابر کی شادی ہو گئی اور یوسف زئی قبیلے سے جنگ نہ ہوئی اور یہ قبیلہ اپنی اس لڑکی کے باعث ہی مطیع و فرمانبردار ہو گیا۔

اپنے اطراف سے مطمئن ہونے اور ایک طرح کا استحکام حاصل کر لینے کے بعد بابر ہندوستان کی طرف راغب ہوا۔ کابل سے نکلنے کے بعد بابر نے بجور کا علاقہ فتح کیا۔ پھر سوات کو زیر نگیں کرتے ہوئے کچھ کوٹ اور پنجاب کے کوہستان جودہ کے اندر آباد جنجوعہ اور جودہ قبائل کو اپنا مفتوح بناتا ہوا بابر اور آگے بڑھا اور دریائے جہلم کے کنارے بھیرہ شہر کو فتح کرنے کے بعد وہ شہر میں داخل ہوا۔ اس نے شہر کا معائنہ کیا اور شہر کے لیے چار لاکھ شاہرخی سالانہ مقرر کیا۔

بھیرہ شہر میں بابر کے کچھ سپاہیوں نے مقامی باشندوں کا مال لوٹ لیا۔ ان پر زیادتیاں کیں۔ بابر نے ان میں سے کچھ کو مروا ڈالا اور کچھ کی ناک کاٹ دی۔ یہیں بھیرہ میں قیام کے دوران بابر کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ یہ چونکہ پہلا بچہ تھا جو ہند کی سرزمین میں پیدا ہوا لہٰذا بابر نے اس کا نام ہندال رکھا۔

اس سال بابر نے بھیرہ شہر تک ہی اکتفا کیا اور بھیرہ شہر میں ہندو بیگ نام کے ایک شخص کو اپنی طرف سے حاکم مقرر کر کے بابر اپنے لشکر کے ساتھ کابل کی طرف واپس لوٹ گیا۔ جب کہ اللہ دیدی بابر سے اجازت لے کر اپنے بھائی سمر بیگ کو تلاش کرنے دہلی کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

---

[1] یہ لڑکی بابر کے حرم میں افغانی بیگم کے نام سے مشہور تھی۔ چونکہ نو عمر تھی اور دوسری بیگمات سے الگ تھلگ رہتی تھی اس لیے زیادہ مشہور نہ ہوئی۔ یوسف زئی قبیلے کے ساتھ بابر کی مصالحت میں اس کا بڑا ہاتھ تھا۔

اللہ ویردی کچھ عرصہ بھائی کی تلاش میں دہلی اور اس کے گرد و نواح میں سرگرداں رہا۔ مایوس ہو کر اس نے لاہور کا رُخ کیا۔ یہاں بھی کچھ عرصہ گزارنے کے بعد جب اسے سمر بیگ نہ ملا تو اس نے جنوبی ہند میں گجرات کی مسلم ریاست کا رُخ کیا۔ وہاں بھی جگہ جگہ وہ سمر بیگ کو تلاش کرتا پھرا لیکن مایوسی ہوئی۔

چاروں طرف سے مایوس ہونے کے بعد اللہ ویردی نے ناچار مالوہ کا رُخ کیا۔ یہاں کچھ عرصہ وہ بھیس بدل کر گھومتا رہا۔ اس دوران اسے خبر ہو گئی کہ اس کے بھائی سمر بیگ اور ملازم نصرت کو مالوہ کے وزیر مدنی راؤ چندیری نے گرفتار کر کے زنداں میں ڈال دیا ہے۔ اب مالوہ میں اللہ ویردی نے ایک خطرناک کام کی ابتدا کی۔

ایک روز جب کہ سورج دن بھر عداوتوں کی آگ میں جلنے اور زمین کو بھانے کے بعد چاند کے حوالے کر کے کافی دیر ہوئی غروب ہو گیا تھا۔ اللہ ویردی مالوہ کی ایک سرائے میں بیٹھ کر اپنے خیالات کے تانے بانے درست کرتا رہا۔

جب رات گہری ہو گئی اور فضا میں آوازوں اور اجالوں کی صدائیں پوری طرح دم توڑ کر تاریکیوں میں کھو گئیں تو اللہ ویردی سرائے سے نکلا۔ اس کے پاس دو گھوڑے تھے۔ بڑی احتیاط سے کام لیتے ہوئے وہ زنداں کے داروغہ کی حویلی کے پاس آیا۔ دونوں گھوڑوں کو حویلی کے باہر ایک درخت تلے تاریکی میں اس نے کھڑا کر دیا اور خود دیوار پھاند کر حویلی میں داخل ہوا۔ بالکل یوں جیسے گھپ اندھیرے میں اجالے گم ہو گئے ہوں۔ حویلی کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد وہ اس کمرے میں داخل ہوا جس میں داروغہ سویا ہوا تھا۔

اللہ ویردی نے داروغہ کو جگایا پھر اپنا لمبے پھل کا بھاری خنجر اس کی گردن پر چھوتے ہوئے اس نے کہا۔ ”دیکھ! میں اللہ ویردی ہوں۔ تو مجھے اور میرے بھائی سمر بیگ کو اچھی طرح جانتا ہے۔ تو یہ بھی جانتا ہے کہ میرا بھائی سمر بیگ اپنے ملازم نصرت کے ساتھ زنداں میں بند ہے۔ تو مجھے رات کے وقت زنداں میں کام

کرنے والے نائب داروغہ کے نام ایک تحریر لکھ دے کہ سمر بیگ اور اس کے ملازم نصرت کو فوراً رِہا کر دیا جائے۔

اللہ ویردی رکا اور ایک قہر آلود انداز میں اپنی زبان اپنے ہونٹوں پر پھیرتے ہوئے اس نے آندھیوں کی طرح گرجتی دھاڑتی آواز میں کہا۔ ”اگر تو نے ایسا نہ کیا تو اس رات کی تاریکی میں اپنے اس تیز خنجر سے میں تیرا گلا کاٹ کر چلا جاؤں گا۔ اور سُن! اگر تو نے ایسا کرنے سے انکار کیا تو میرا یہ خنجر حرکت میں آئے گا اور تیری زندگی کا لہو پُچھڑ بُچھڑ کر ختم ہو جائے گا اور تیرا انجام بے آہٹ سُلگ کر ختم ہو جانے والی ہوا جیسا ہو گا۔“

اللہ ویردی کے تیز نوک کے بھاری خنجر نے داروغہ پر وحشت اور لرزہ طاری کر کے رکھ دیا تھا۔ اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ ”میں تمہیں ایسی تحریر لکھ دیتا ہوں۔ لیکن تم میری زندگی کے درپے نہ ہو۔“

اللہ ویردی نے کہا۔ ”تو پھر اُٹھو اور لکھو۔“

داروغہ اُٹھا، اللہ ویردی نے اپنے خنجر کی نوک اس کی گردن پر ہی رکھی۔ داروغہ اٹھا اور قلم دوات نکال کر ایک کاغذ پر جو کچھ اللہ ویردی نے کہا لکھ کر مُہر لگا دی۔ اللہ ویردی نے اس کے ہاتھ پاؤں جکڑ کر اسے اس کے پلنگ کے ساتھ باندھ دیا اور اس کی حویلی سے باہر نکل گیا۔

رات کی گہری تاریکی میں اللہ ویردی زنداں کے صدر دروازے پر آیا۔ اپنے گھوڑے اس نے وہاں باندھے اور داروغہ کی لکھی ہوئی مہر شدہ تحریر ایک پہریدار کو دی کہ وہ اسے رات کے وقت کام کرنے والے نائب داروغہ کو پہنچا دے۔

پہریدار وہ تحریر لے کر اندر چلا گیا اور اللہ ویردی وہاں اپنے گھوڑوں کے پاس کھڑا ہو کر انتظار کرنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس پہریدار کے ساتھ اللہ ویردی کا بھائی سمر بیگ اور ان کا ملازم نصرت نمودار ہوئے۔ اللہ ویردی بھاگ کر آگے بڑھا اور باری باری دونوں سے وہ بغلگیر ہوا۔

سمر بیگ نے اللہ ویردی کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ "اے میرے بھائی! تم کب یہاں آئے۔ تم نے یہ کیا چکر چلایا ہے کہ ہم دونوں کو رات کے اس وقت ہنگامی حالت میں رہا کر دیا گیا ہے۔"

اللہ ویردی نے کہا۔ "اے میرے بھائی! اس وقت ہم تینوں خطرے میں ہیں۔ ایسا کرنے کے لیے مجھے ایک لمبا چکر چلانا پڑا ہے۔ آؤ یہاں سے بھاگ چلیں۔ اگر مدینی راؤ کو آپ کی رہائی کا علم ہو گیا تو وہ ہم تینوں کی گردنیں اڑا دے گا۔ میں نے اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر داروغہ سے آپ کی رہائی کی تحریر حاصل کی ہے۔ میں اسے اس کی حویلی میں باندھ آیا ہوں۔ اگر کسی نے اسے کھول دیا تو وہ ہمارے لیے بارود ثابت ہو گا۔ آؤ یہاں سے بھاگ چلیں۔"

سمر بیگ فوراً ایک گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ دوسرے گھوڑے پر اللہ ویردی سوار ہوا۔ نصرت کو اس نے اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ پھر وہ وہاں سے کوچ کر گئے تھے۔

○

اگلے روز وہ مالوہ کی حدود کی نکل کر گوالیار کے راجہ بکرماجیت کے علاقہ میں داخل ہو گئے تھے۔ سہ پہر کے قریب جب کہ وہ گوالیار شہر سے چند میل کے فاصلہ پر ایک گھنے جنگل میں سے گذر رہے تھے تو سامنے کی طرف سے دس بارہ سوار نمودار ہوئے۔ ان میں جو سب سے آگے آگے تھا۔ اس نے سمر بیگ اور اللہ ویردی کو دیکھتے ہی اپنے گھوڑے کو روک لیا اور سمر بیگ کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ "تم تو مالوہ کی جیل میں تھے تم یہاں کیسے آ گئے اور تمہارے ساتھ تمہارا بھائی اللہ ویردی بھی ہے جو بھاگ گیا تھا۔"

نصرت نے سمر بیگ سے پوچھا۔ "آقا! یہ کون ہیں؟"

سمر بیگ نے کہا۔ "یہ مالوہ میں مدینی راؤ کے اصطبل کا داروغہ ہے۔ جانے یہ ادھر کیسے آ گیا۔ اس کا نام رام دیو ہے۔ لگتا ہے یہ گوالیار گیا ہوا تھا۔"

رام دیو نے اس بار بلند غصیلی آواز میں کہا۔ "میں مدینی راؤ کے لیے گوالیار

سے چند عمدہ نسل کے گھوڑے لینے آیا تھا اور اب گھوڑوں کے ساتھ میں تم تینوں کے سر بھی مدینی راؤ کو پیش کروں گا۔ اس طرح میرا آقا مجھ پر خوب خوش ہو گا۔"

رام دیو نے اپنے ساتھیوں کو سمر بیگ اور اللہ ویردی پر حملہ آور ہونے کا اشارہ کر دیا تھا۔ رام دیو کے بارہ سوار ان تینوں پر ٹوٹ پڑے۔

سمر بیگ، اللہ ویردی اور نصرت نے بڑی جرأت مندی سے ان کا مقابلہ کیا لیکن جلد ہی چاروں طرف سے وہ سوار ان پر چھا گئے۔ سمر بیگ اور اللہ ویردی قتل ہو کر اپنے گھوڑوں سے نیچے گر گئے۔ نصرت بھی زخمی ہو چکا تھا۔ تاہم ان دونوں بھائیوں کے گرنے پر اس نے اپنے آپ کو مجتمع کیا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہ بھاگ کھڑا ہوا۔

رام دیو کے ایک آدمی نے اس کا تعاقب کر کے اس پر تلوار برسائی جو اس کے شانے کو کاٹتے ہوئے نکل گئی تھی۔ اس موقع پر نصرت نے گھوڑے کو ایڑ لگائی تھی اور وہ اپنی رفتار بڑھا کر تعاقب کرنے والوں سے دور نکل گیا تھا۔ رام دیو کے آدمیوں نے بھی اس کا تعاقب ترک کر دیا تھا۔ شاید ان کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ اب زندہ نہ رہے گا۔

صرف ایک میل آگے جا کر نصرت اپنے گھوڑے سے گر پڑا۔ اس کا گھوڑا تو بھاگتا ہوا آگے نکل گیا تاہم اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو گھسیٹ کر حرکت کی اور سرکنڈوں کے ایک جھنڈ میں دبک گیا۔ اس خیال سے کہ اگر تعاقب کرنے والے اس کے پیچھے ہوں تو وہ ان سے بچ سکے۔

اس کے شانے کا زخم انتہائی تکلیف دہ ہو گیا تھا۔ خون اس کے جسم سے بڑی تیزی کے ساتھ نکل رہا تھا اور وہ یوں محسوس کر رہا تھا جیسے موت کے عناصر اس کے سامنے رقص کرنے لگے ہوں۔ اچانک گوالیار کی طرف سے آنے والی شاہراہ پر اسے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ ہمت کر کے نصرت نے بڑی تیزی سے زائل ہوتی اپنی قوت کو جمع کیا اور زور زور سے وہ مدد کے لیے پکارنے لگا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس کے سامنے کچھ سوار نمودار ہوئے اور نصرت نے مدد کے لیے پکارنا بند کر دیا۔ پھر ایک سوار اسے خون میں لت پت دیکھتے ہی اپنے گھوڑے سے اُتر کر اس کی طرف بھاگا اور اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس نے کہا۔

"مَیں گوالیار کے راجہ بکرماجیت کے اصطبل کا داروغہ ہوں۔ میرا نام احمد یوسف ہے۔ مَیں ذات کا تُرک ہوں اور راجہ کے گھوڑوں کو ٹہلانے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اِدھر نکلا تھا۔ تم بتاؤ کون ہو تم اور کس نے تمہیں زخمی کر کے یہاں ڈال دیا ہے"۔

نصرت نے مدینی راؤ کے ہاتھوں سمر بیگ کی جائداد چھننے، زندان میں رہنے، وہاں سے رہائی اور رام دیو کے ساتھیوں کے ہاتھوں سمر بیگ اور اللہ ویردی کے حالات تفصیل سے سنانے کے بعد کہا۔ "دیکھو! میں چند گھڑیوں کا مہمان ہوں، مر رہا ہوں۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے میرا ایک پیغام ضرور پہنچانا۔ دیکھو یہاں سے اکثر تاجر سمرقند کی طرف آتے جاتے رہتے ہیں۔ اگر ایسا کوئی تاجر تمہیں ملے تو اسے کہنا کہ وہ سمرقند کے نواحی شہر اخسی میں جائے۔ وہاں رئیس شیرم طغائی سے ملے اور علیحدگی میں اس سے یہ حالات کہے جو مَیں نے تمہیں کہے ہیں۔ سب کے سامنے نہ کہے۔ سمر بیگ کی موت کا سُن کر نہ جانے اس کی بیوی...

نصرت خاموش ہو گیا۔ احمد یوسف نے گھبرا کر اس کی نبض پر ہاتھ رکھا، وہ مر ہو چکا تھا۔ احمد یوسف کی گردن چند ثانیوں تک جھکی رہی پھر اپنے ساتھیوں کی مدد سے اس نے نصرت کو وہاں دفن کر دیا اور وہاں سے کُوچ کر گیا۔

اللہ ویردی اور سمر بیگ کو قتل ہوئے ایک عرصہ گذر گیا۔ اس دوران سیدم بوڑھی ہو گئی۔ جنید اس کی بہن سیمون، منصور اور تیمور جوان ہو گئے تھے۔ میرم کے بڑے بیٹے منصور کی شادی سیدم کی بیٹی اور جنید کی بہن سیمون سے کر دی گئی تھی۔ بولائی اللہ ویردی کی یاد میں رو رو کر ہلکان ہو گئی تھی اور اس نے اپنے آپ کو ایک مستقل بیماری کا روگ لگا لیا تھا۔

میرم کئی برس تک سمر بیگ اللہ ویردی اور نصرت کو تلاش کرتا رہا۔ لیکن اسے ناکامی ہوئی تھی۔ یورش اپنے دونوں بھائیوں کی گمشدگی پر اکثر نوحہ خواں رہتی تھی اور اس غم نے بوڑھے شیرم طغائی کی کمر جُھکا دی تھی۔

میرم پچھلے ایک ماہ سے بابر کے لشکر سے لوٹ کر اپنے گھر پر قیام کیے ہوئے تھا۔ جنید، منصور اور تیمور اخسی شہر میں اپنی عسکری تربیت اور دینی تعلیم مکمل کر چکے تھے۔ ایک روز میرم اپنی حویلی کے صحن میں بیٹھا سن کے ریشوں سے ایک مضبوط رسّہ بنا رہا تھا۔ اپنے ہاتھ میں پکڑے رسّے میں وہ بڑی تیزی سے سن کے ریشوں کی سرکیاں لگا رہا تھا اور دوسرے سرے میں لکڑی کا ایک ڈنڈا پھنسا کر تیمور اسے بَل دے رہا تھا۔

بوڑھا شیرم طغائی، جنید، اس کی بہن سیمون، ماں سیدم، منصور، یورث اور بولائی بھ
میرم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔

سن کے سارے ریشے جب ختم ہو گئے تو میرم نے اس رسّے کو تیرھا کیا اور
ہر حصّے کو کھینچ کھینچ کر اور ایک دوسرے پر بل دے دے کر ایک مضبوط اور خوب
موٹا رسّہ بنا دیا تھا۔

جب وہ رسّہ بن کر مکمل ہو چکا تو میرم نے اپنے دائیں طرف بیٹھے اپنے بھانجے جنی
کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔" جنید بیٹے! ذرا اٹھو۔ تم اور تیمور دونوں مل کر رسّے کو کھینچ
تاکہ اس کے بل اپنی جگہ پر مستحکم ہو جائیں۔"

جنید اٹھا اور میرم سے رسّے کا سرا لے کر پکڑ لیا۔ جب کہ رسّے کا دوسرا
سرا تیمور کے ہاتھ میں تھا۔ جب وہ دونوں زور لگانے لگے تو میرم نے گہری مسکراہ
میں کہا۔" اپنا اپنا پورا زور لگا لینا۔ آج میں دیکھوں گا تم دونوں میں طاقت ور او
زوردار کون ہے۔ تلوار کے فن میں جنید پہلے ہی منصور اور تیمور پر حاوی ہے۔ آج
اس کی قوت کا اندازہ بھی ہو جائے گا۔"

شیرم طغائی، سیدم، یورث، سیمون، بولائی اور منصور بڑے شوق و جستج
سے ان دونوں کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

جنید اور تیمور دونوں نے زور لگانا شروع کیا۔ چند ثانیوں تک ان دو
نے رسّے کو ایک جگہ گویا باندھ کر رکھ دیا۔ پھر جنید نے طوفانی انداز میں رسّے کو ایک
جھٹکا مارا اور اس تیزی اور قوت کے ساتھ اس نے رسّے کو کھینچا کہ تیمور اس کی جا
سے آ لگا۔ تیمور نے جنید کو اپنے ساتھ لپٹا کر اس کی پیشانی چوم لی تھی۔ جنید نے
تیمور کو لپٹا لیا تھا۔

شیرم طغائی اور میرم کے چہروں پر گہری مسکراہٹ تھی۔ سیدم بھی خوش
لیکن اس نے اپنی خوشی کا اظہار نہ ہونے دیا کہ مبادا بیٹے کی خوشی پر بھتیجے کا دل نہ دکھے
میرم اپنی جگہ سے اٹھا۔ زمین پر پڑا ہوا رسّہ اس نے اٹھا لیا اور پھر جنید

تیمور دونوں کو ایک ساتھ گلے لگاتے ہوئے اس نے کہا۔

" میرے بچو! میں اب بابر کے لشکر میں واپس کابل نہ جاؤں گا۔ میں اس
سے وعدہ کر کے آیا تھا کہ میں اپنی اور اللہ ویردی کی جگہ اپنے بھانجے جنید اور بیٹے تیمور
کو لشکر میں شامل ہونے کو بھیج دوں گا۔ سو تم دونوں بھائی چند یوم تک یہاں سے روانہ
ہو کر بابر کے لشکر میں جا شامل ہونا۔ بابر پھر ہندوستان پر حملہ آور ہونے والا ہے۔

جب تم دونوں ہند کی سرزمین میں جاؤ تو وہاں جا کر سمر بیگ، اللہ ویردی
اور نصرت کو تلاش کرنا۔ ان کے بغیر ہم ادھورے ہیں اور جب تک وہ نہیں ملتے ہمارے
دل مطمئن اور ضمیر پر سکون نہیں ہو سکتے۔ لیکن میرے بچو! ان کی تلاش میں تم دونوں
بھائی احتیاط سے کام لینا۔ اس لیے کہ ــــــــ

میرم کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ کیوں کہ حویلی کے بیرونی دروازے پر دستک
ہوئی تھی۔ تیمور بھاگ کر گیا اور اس نے حویلی کا دروازہ کھولا۔ ادھیڑ عمر کا ایک شخص
دروازے پر اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے کھڑا تھا۔ اس نے تیمور سے پوچھا۔

" مجھے اخسی کے رئیس شیرم طغائی سے ملنا ہے کیا یہ ان کی حویلی ہے؟"

تیمور نے کہا۔" ہاں! یہ ان کی حویلی ہے وہ میرے دادا ہیں، آپ اندر آئیں نا"
تیمور نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی تھی۔ وہ اجنبی حویلی میں داخل ہوا۔ تیمور اس کے
گھوڑے کی باگ پکڑے اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ میرم کے قریب آ کر اس اجنبی نے کہا۔

" مجھے شیرم طغائی سے ملنا ہے۔"

میرم نے اپنے باپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔" شیرم طغائی وہ سامنے
بیٹھے ہیں۔ میں ان کا بیٹا میرم ہوں۔"

شیرم طغائی اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اجنبی آگے بڑھ کر شیرم طغائی سے
مصافحہ کیا پھر کہا۔" میں آپ سے علیحدگی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

شیرم طغائی نے کہا۔" ان میں ایک میرا بیٹا، دو پوتے، دو بیٹیاں، ایک
نواسہ، ایک نواسی اور ایک بھانجی اور بہو ہے۔ یہ سب مجھے اپنی جان سے بھی عزیز

ہیں ۔ جو کچھ کہنا ہے ان کی موجودگی میں بلا جھجک کہو کہ ان سے میرا کوئی راز نہیں ہے ۔

اجنبی نے کہا۔" ان سب رشتوں کے باوجود جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں ۔ آپ سے علیحدگی میں ہی کہوں گا کہ اس میں آپ ہی کے اہلِ خانہ کی بہتری ہے۔"

شیرم طغائی نے اس کی بات مانتے ہوئے کہا۔" اچھا تم میرے ساتھ دیوان خانے میں آؤ۔"

جنید کو کچھ شک ہوا ۔ اس نے فوراً میرم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔" ماموں! میں آتا ہوں پانی پی آؤں ۔"

جنید کی بڑی بہن سیمون نے کہا۔" رکو جنید ! میں تمہیں پانی پلاتی ہوں لیکن جنید اس کی بات سُنی اَن سُنی کرتا ہوا حویلی کے اندرونی حصے کی طرف بھاگ گیا۔

اس اجنبی نے تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میرے گھوڑے کو اصطبل میں نہ لے جانا یہیں رکھنا ۔ میں ابھی لوٹ جاؤں گا ۔ پھر وہ بوڑھے شیرم طغائی کے ساتھ دیوان خانے کی طرف چلا گیا تھا ۔

پانی پینے کا صرف ایک بہانہ تھا ۔ ورنہ جنید کو تو اس اجنبی کی باتوں سے شک ہوا تھا ۔ لہٰذا وہ حویلی کے اندر سے ہو کر دوسری طرف نکلا اور چکر کاٹ کر دیوان خانے کی کھڑکی کے قریب پردے کی اوٹ میں باہر کھڑا ہو گیا اور اپنا آپ چھپا کر اندر دیکھنے لگا ۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے اس کا نانا شیرم طغائی اور اجنبی دیوان خانے میں داخل ہو کر نشستوں پر بیٹھ گئے ۔ شیرم طغائی نے اجنبی سے کہا۔" اب یہاں میرے اور تمہارے علاوہ کوئی نہیں ہے ۔ کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو۔"

اجنبی نے کہا۔" میں ایک سوداگر ہوں اور تجارت کی غرض سے اکثر ہندوستان جاتا رہتا ہوں ۔ تمہارے نام مجھے گوالیار کے راجہ بکرماجیت کے اصطبل کے داروغہ احمد یوسف نے ایک پیغام دیا تھا لیکن بدقسمتی ایسی ہوئی کہ ہندوستان میں کئی برس گزارنے کے بعد جب میں سمرقند کی طرف گیا تو تمہیں یہ پیغام دینا بھول گیا ۔ اس کے بعد میں تجارت کی غرض سے مصر، حبشہ، یمن اور بنگال کی طرف مصروف رہا ۔ اور

احمد یوسف کا دیا ہوا پیغام میرے ذہن سے نکل گیا ۔ ایک عرصہ بعد جب میں دوبارہ گوالیار گیا تو احمد یوسف نے مجھے اس پیغام کا پوچھا تو مجھے یاد آیا ۔ میں نے اس سے معذرت کی اور جلدی جلدی ہندوستان سے اپنی خریداری مکمل کر کے ادھر کا رُخ کیا ۔ میرا تجارتی کارواں اس وقت سمرقند شہر سے باہر خیمہ زن ہے ۔ میں یہ پیغام پہنچا کر فوراً واپس لوٹنا چاہتا ہوں ۔ سوچتا ہوں شاید یہ منحوس خبر پہلے ہی تمہیں مل گئی ہو۔"

شیرم طغائی نے پریشانی میں کہا ۔ گوالیار کی طرف سے ہمیں کوئی ایسی خبر نہیں ملی جو منحوس ہو۔"

اجنبی نے کہا۔" تو پھر سنو ! تمہارے بھانجے سمر بیگ کو مدنی راؤ نے اس کے ملازم کے ساتھ زنداں میں ڈال دیا تھا ۔ تمہارے دوسرے بھانجے اللہ دیدی نے مالوہ کے داروغہ کو قابو کر کے اپنے بھائی سمر بیگ اور نصرت کو رہا کرا لیا اور مالوہ سے بھاگ کھڑے ہوئے لیکن بدقسمتی سے ان کا ایک دشمن جو مدنی راؤ کے اصطبل کا داروغہ ہے اور جس کا نام رام دیو ہے اس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ گوالیار سے مالوہ کی طرف جاتے ہوئے انہیں دیکھ لیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان پر حملہ کر دیا ۔ سمر بیگ اور اللہ دیدی اس جنگ میں مارے گئے ۔ نصرت زخمی ہو کر بھاگ نکلا ۔ گوالیار کے قریب وہ اپنے گھوڑے سے گر گیا اور سرکنڈوں کے ایک جھنڈ میں چھپ گیا ۔

اتفاق سے گوالیار کے راجہ کا داروغہ اصطبل اُدھر آ نکلا ۔ اس نے نصرت کی مدد کرنا چاہی لیکن نصرت اسے یہ حالات سنانے کے بعد زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسا ۔ نصرت نے ہی احمد یوسف سے التماس کی تھی کہ یہ خبر تمہیں علیحدگی میں کہی جائے تاکہ سمر بیگ اور اللہ دیدی کے بیوی بچوں پر اس کا برا اثر نہ ہو۔

بوڑھے شیرم طغائی کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے اور اس کی گردن جھک گئی تھی ۔ کھڑکی کی اوٹ میں کھڑا جنید بھی اپنے باپ، چچا اور نصرت کی موت کا سن کر آنسو بہا رہا تھا ۔ تھوڑی دیر بعد شیرم طغائی سنبھلا اور بڑے دکھ میں اس نے کہا ۔

"آہ میرے دونوں بھانجے مارے گئے ۔ وہ میرے بیٹے تھے ۔ ان سے میری کمر مضبوط

تھی - ان سے میرے بازوؤں میں قوت تھی - اب میری دونوں بیٹیاں بھی بیوہ ہوگئی ہیں میں ان دونوں کو کیسے اور کیوں کر سمر بیگ اور اللہ ویردی کے مرنے کی خبر سنا سکوں گا۔"

جلد ہی شیرم طغائی نے اپنے آنسو پونچھ لیے اور سنبھلتے ہوئے کہا۔ "تم میرے گھر کے کسی اور فرد سے اس حادثے کا ذکر نہ کرنا - میں خود کسی مناسب موقع پر اپنے بیٹے اور بیٹیوں سے یہ خبر کہہ دوں گا - ایک روز یہ موت ان پر افشاں کرنی ہی ہوگی - میں اسے کب تک ایک راز رکھ سکوں گا۔"

وہ اجنبی اٹھ کھڑا ہوا اور کہا۔ "میں اب جاتا ہوں، میرے کاروان والے بڑی بے چینی سے سمرقند میں میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

بوڑھا شیرم طغائی اٹھ کھڑا ہوا - جنید بھی کھڑکی سے ہٹ گیا اور بھاگ کر اس طرف چلا گیا جہاں گھر کے دوسرے افراد تھے۔

شیرم طغائی اس اجنبی کے ساتھ باہر آیا - اس اجنبی نے شیرم طغائی، میرم، منصور، جنید اور تیمور سے مصافحہ کیا اور اپنا گھوڑا لے کر وہاں سے رخصت ہوگیا۔

میرم آہستہ آہستہ چلتا ہوا شیرم طغائی کے پاس آیا اور فکرمندی سے اس نے پوچھا "اے میرے باپ! وہ کون سی اہم بات تھی جو اس اجنبی نے علیحدگی میں آپ سے کہی"۔

شیرم طغائی نے بات بناتے ہوئے کہا۔ "یہ سمرقند کا ایک تاجر تھا جس کاروان کے اندر یہ اپنا مال ایک ملک سے دوسرے ملک لے جاتا ہے اس کاروان کا منتظم میرا ایک پرانا دوست ہے اور جوانی میں کبھی میں بھی اس کے کاروان کے ذریعے اپنا تجارتی سامان بھجوایا کرتا تھا - اس کے کاروان کو اچانک کوئی گھاٹا پڑ گیا ہے اور اس نے اس تاجر کو میرے پاس رقم لینے کو بھیجا ہے - پر میں نے انکار کر دیا ہے - اس لیے کہ رقم جو اس نے طلب کی ہے اس قدر بڑی ہے کہ میں فی الفور اس کا انتظام نہیں کر سکتا لہذا انکار کر دیا ہے۔"

جنید اپنے نانا کی اس طرح بات بنانے پر گھور گھور دیکھ رہا تھا - اس کے چہرے پر احتجاجی جذبات اور آنکھوں میں تنقیدی روشنی تھی تاہم وہ خاموش رہا - جب کہ باپ اور چچا کی خاطر اس کا دل اندر سے رو رہا تھا۔

اپنے جذبات کا رخ بدلنے اور اپنی توجہ موت کے اس حادثے سے ہٹانے کی خاطر جنید نے میرم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ماموں! میں اور تیمور بھائی بابر کے لشکر میں شامل ہونے کے لیے کب یہاں سے روانہ ہوں گے؟"

میرم نے کہا۔ "تم دونوں کل یہاں سے روانہ ہو جاؤ - میں اور منصور تمہارے بعد باآسانی زمینوں اور باغات کی دیکھ بھال کر لیں گے - جب تم بابر کے لشکر میں جاؤ، تو اس سے مل کر میرا اور بابا کا ذکر کرنا - وہ تم دونوں کو عزت اور اہمیت دے گا۔"

میرم جب خاموش ہوا تو اس کے باپ شیرم طغائی نے کہا۔ "میرم بیٹے! جنید اور تیمور آج یہیں ہیں - کل یہ یہاں سے روانہ ہو جائیں - شکرقندی کی فصل تیار ہے - کیوں نہ آج ہی اسے کھود کر صاف کر لیں۔"

میرم نے کہا۔ "آپ ٹھیک کہتے ہیں بابا!" سیدم نے اپنے باپ شیرم طغائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بابا! میں، بولائی اور سیمون بھی آپ لوگوں کے ساتھ چلتے ہیں - جنید، منصور اور تیمور شکرقندی نکالتے جائیں گے اور ہم تینوں صاف کرتی رہیں گی - یورت گھر پر رہ جائے گی۔"

شیرم طغائی نے کہا۔ "تم ٹھیک کہتی ہو بیٹی! چلو تم تینوں بھی ساتھ چلو" اتنے میں یورت نے کہا۔ "میں گھر پر اکیلی پڑی کیا کروں گی ماموں! میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ چلوں گی۔"

شیرم طغائی نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ "چلو بیٹی! تم بھی، رونق رہے گی۔"

شیرم طغائی کے کہنے پر جنید، منصور اور تیمور نے کدالیں لے لیں پھر وہ اپنے اس باغ کی طرف چل دیے جس کے ایک حصے میں انہوں نے شکرقندی بو رکھی تھی۔

O

بابر کے لشکر میں شامل ہونے کے لیے دوسرے روز جنید اور تیمور گھر سے روانہ ہوگئے - جنید کی ماں سیدم اور بہن سیمون نے اسے رو رو کر رخصت کیا تھا - کیوں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ جنید کسی مہم پر روانہ ہو رہا تھا۔

دونوں بھائی اپنے شہر اخسی سے روانہ ہوکر خجند آئے۔ وہاں سے سمرقند، دربند اور چغانیاں ہوتے ہوئے ایک روز صبح ہی صبح وہ دریائے باران کے کنارے کنارے سفر کر رہے تھے۔ دونوں اپنے گھوڑوں کو سست روی اور آرام سے ہانک رہے تھے۔ سورج مشرق سے طلوع ہوکر زمین کی ہر شے کو لبھانے لگا تھا۔ دریا کا چمکیلا ساحل دُور تک پھیلتا گیا تھا۔ رزق کی تلاش میں دور اڑانوں کو جاتے پرندے۔ رب کون و مکان کی حمد و ثنا گاتے جا رہے تھے۔ سورج دریا کی تہ تک اور سنہری دھوپ کوہستانوں کی چوٹیوں تک پھیلتی چلی گئی تھی۔

خاموش اور پرسکون فضا میں رنگ رنگ کے اُڑتے پرندے یوں لگ رہے تھے جیسے لمحوں کی گو پریاں اچانک رقص کناں ہو گئی ہوں۔ آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ برف باری کا بھی امکان تھا جب کہ ارد گرد کے پہاڑ پہلے برف سے ڈھکے ہوئے تھے۔

اچانک جنید اور تیمور بدک اٹھے۔ اپنے دائیں ہاتھ کوہستانوں کے اندر ان دونوں کو نسوانی چیخیں سنائی دی تھیں۔ جنید نے فوراً اپنے گھوڑے کو روک لیا اور اپنی تلوار نکالتے ہوئے اس نے غور اور سوالیہ انداز میں تیمور کی طرف دیکھا۔ تیمور نے بھی اپنی تلوار کھینچ لی تھی اس کے چہرے پر تجسّس اور فکرمندی کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ اتنے میں بارش کی اڑتی ترچھی اور موٹی موٹی بوندوں کی طرح پھر نسوانی چیخیں سنائی دیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کوئی لڑکی قضا کے حصار میں اور موت کے گھاٹ پر کھڑی ہزاروں گوند جھیلتی ہوئی اس لیے چیخ چلا رہی تھی کہ شاید کوئی اس کی مدد کو آئے۔

جنید نے پریشان لہجے میں تیمور سے کہا۔ "آؤ دیکھتے ہیں یہ کون لوگ ہیں اور کیوں کسی لڑکی پر ستم ڈھا رہے ہیں۔"

تیمور جنید سے بڑا تھا۔ اس لیے اس نے خدشہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "ایسا نہ ہو یہ کوئی دھوکا اور فریب ہو اور لڑکی کی ان چیخوں کی آڑ میں ہم دونوں کو کوہستانوں کے اندر بلا کر لوٹ لینا چاہتے ہوں۔"

جنید نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ایک فیصلہ کن انداز میں اس نے کہا۔ "کچھ

بھی ہو ہم ان نسوانی چیخوں کے تعاقب میں ضرور جائیں گے۔ اس لیے کہ ہماری نیت صاف ہے۔ اگر کسی نے ہمیں لوٹنا ہوتا تو وہ اس دریا کے کنارے بھی ایسا کر سکتا تھا اور اگر وہ کھلے میدان کے بجائے کوہستانوں کے اندر ہمارے ساتھ ایسا کرنا چاہتا ہے تو پھر یہ اس کی بھول ہے۔ ہم کوہستانوں کے اندر بھی ان کی دھجیاں اُڑا کر رکھ دیں گے۔ تیمور نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر جنید کے ساتھ سرپٹ دوڑا دیا تھا۔

لڑکی کی چیخوں کی سمت میں وہ اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا رہے تھے۔

جب وہ دونوں کوہستانوں کے اندر پہنچے تو انہوں نے دیکھا آٹھ سوار ایک تدریجی ڈھلان سے ہوتے ہوئے ایک تنگ وادی میں داخل ہو رہے تھے۔ ان میں سے ایک ادھیڑ عمر کی ایک عورت کو اپنے آگے بٹھائے ہوئے تھا اور دوسرا اپنے آگے ایک نوجوان لڑکی کو دبوچے ہوئے تھا اور یہی لڑکی چیخ چلا رہی تھی۔

جنید نے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "تیمور! تیمور! میرے پیچھے آؤ۔ میرے اندازے درست ثابت ہوئے۔ کسی کو ہماری مدد کی ضرورت ہے۔ وہ سامنے دیکھو۔ آٹھ سوار نیچے وادی میں اتر رہے ہیں۔ ان کے ساتھ ایک نوخیز لڑکی اور معمر خاتون ہیں۔ شاید وہ دونوں ماں بیٹی ہیں اور یہ سوار انہیں کہیں سے اٹھا کر لائے ہوں ان کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔"

تیمور نے چھاتی تانتے ہوئے کہا۔ "اے میرے عزیز بھائی! میں تمہارے ساتھ ہوں۔" ان سواروں کے قریب جا کر جنید نے زین سے لٹکتی ہوئی اپنی کمان سنبھال لی اور پیٹھ پر بندھے ترکش سے چند تیر نکال کر اس نے اپنے گھوڑے کی خرجین میں اڑس لیے تھے۔ تیمور نے بھی اس کی طرف دیکھتے ہوئے ایسا کر لیا تھا۔

کوہستانوں کے اندر ہی اندر دونوں نے ایک مختصر ترین کا ما کاٹ کر وادی کے اندر ان آٹھ سواروں کے سامنے جا نمودار ہوئے۔ ابھی وہ دُور ہی تھے کہ جنید نے اپنے سامنے پیٹ اور چھاتی پر اپنی ڈھال جماتے ہوئے کہا۔ "تیمور میرے بھائی! انہیں ذرا نزدیک آنے دو پھر میرے اشارے کا خیال رکھنا۔"

تیمور نے کہا۔ "تم فکرمند نہ ہو میرے بھائی! میں جانتا ہوں تم حرب و ضرب

میں مجھ پر فوقیت رکھتے ہو۔ میں ایسے ہی کروں گا جیسے تم کہو گے"۔

جب وہ سوار نزدیک آئے تو جنید نے سرکش عناصر کی اندھی یلغار جیسی کھولتی آواز میں پوچھا۔ "تم کون لوگ ہو اور اس عورت اور لڑکی کو کہاں اٹھائے لیے جا رہے ہو"۔

ایک دم لڑکی نے چلاتے ہوئے کہا۔ "یہ ظالم ہیں اور ہم ماں بیٹی کو انھوں نے زبردستی اٹھا لیا ہے۔ للہ ہماری مدد کرو"۔

جنید نے چلہ پر تیر چڑھا کر چلایا اور ان میں سے ایک کو ڈھیر کر دیا۔ پھر دوسرا تیر چلا کر وہ ایک اور کو بھی ختم کر چکا تھا۔ جنید کی پیروی کرتے ہوئے تیمور نے بھی ان میں سے دو کا خاتمہ کر دیا تھا۔ باقی چار بچنے والے اپنے گھوڑوں سے کود کر پتھروں کی اوٹ میں بیٹھ گئے تھے۔

اسی افراتفری کے عالم میں لڑکی کی ماں گھوڑے سے گر گئی۔ لڑکی بے چاری فوراً اپنے گھوڑے سے کود کر اپنی ماں کی طرف بھاگی۔ شاید وہ اس کی مدد کرنا چاہتی تھی۔ اسی اثنا میں پتھروں کی اوٹ سے ان کا ایک ساتھی اٹھا اس نے بھاگتی ہوئی لڑکی کا بازو پکڑ لیا اور اسے گھسیٹتا ہوا پہاڑ کے دوسری جانب لے جانے لگا۔

جنید اس پر تیر بھی نہ چلا سکتا تھا اس لیے کہ اس نے لڑکی کو اپنے پیچھے رکھا تھا۔ اور اس کے آگے آگے اس کی اوٹ میں رہتے ہوئے وہ گھسیٹتا بھی لے جا رہا تھا۔ لڑکی بُری طرح شور اور واویلا کرنے لگی تھی۔

جنید نے تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تیمور! تیمور! تم فوراً اس لڑکی کی مدد کو جاؤ۔ میں پتھروں کے پیچھے چھپنے والے ان تینوں سے نمٹتا ہوں"۔

تیمور نے فکرمندی سے۔ "میں ان تینوں کے سامنے تمہیں اکیلا چھوڑ کر کیسے جاؤں اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو میں دادا، اپنی ماں اور پھوپھی کو کیا جواب دوں گا"۔

جنید نے سختی سے کہا۔ "تیمور! تیمور! کیا تم نہیں جانتے کہ میں انھی کی تربیت گاہ میں چھ چھ جوانوں سے اکیلا کامیاب تلوار زنی کرتا رہا ہوں پھر یہ تینوں میرے سامنے کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ بخدا میں انہیں آندھی کے اندر تنکوں کی مانند اڑا کر رکھ دوں گا۔

تم جلدی کرو۔ اس لڑکی کی مدد کو جاؤ۔ اس کی عزت اور جان دونوں کو خطرہ ہے۔ اس موقع پر ہم نے اگر اس کی مدد نہ کی تو ہم دونوں گناہگار ہوں گے"۔

تیمور نے فوراً اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اسے اس لڑکی کے تعاقب میں سرپٹ دوڑا دیا تھا۔

جنید اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے بڑھا اور ان پتھروں کے قریب آ کر وہ گھوڑے سے اتر گیا جن کے پیچھے وہ تینوں چھپ کر بیٹھے ہوئے تھے پھر جنید نے ان تینوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اگر تم تینوں میں ہمت ہے تو پتھروں کی اوٹ سے باہر نکل کر میرے سامنے آؤ۔ میں اکیلا تم تینوں کو ایک ساتھ مقابلہ کرنے کی دعوت دیتا ہوں"۔

جنید کی اس دعوتِ مبارزت پر وہ تینوں ایک ساتھ پتھروں کی اوٹ سے باہر نکل آئے اور اپنی تلواریں سونتتے ہوئے اس کی طرف بڑھنے لگے۔

وہ تینوں آہستہ آہستہ جنید کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کی حالت ان بھوکے بھیڑیوں جیسی ہو رہی تھی جن کے بھٹ کے اندر سے کسی نے ان کا شکار نکال لیا ہو۔ جنید اُن کے سامنے ستون کی طرح ایستادہ اور لہلہاتے کھیت کی طرح پُرسکون کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر اجالوں کی تازگی، آنکھوں میں اپنے سارے جذبوں کی یک رنگی اور اطمینان کی جھلک تھی۔

جب وہ تینوں مناسب فاصلہ پر آئے تو جنید یک جست خونخوار آگے بڑھا اور بپھرے عناصر کے طوفان اور ایک کوندے کی طرح لپکتے ہوئے اس نے ان تینوں پر حملہ کر دیا تھا۔ وہ تینوں چاہتے تھے کہ جنید کو کوہستانوں سے گھری ہوئی اس وادی میں گھیر کر ختم کر دیں۔ وہ اس کے گرد اپنی تلواروں کا ایک حلقہ بنانا چاہتے تھے کہ اس کے اطراف سے ایک ساتھ اس پر تلواریں گرا کر اسے ختم کر دیا جائے۔ لیکن ان کا بس نہ چل رہا تھا۔

جنید کے حملے ایسے تھے جیسے خرمن میں چنگاری اور جنگل میں آگ بھڑک اٹھی ہو۔ اس کی تلوار لپکتی، جھپکتی، کوندتی برق اور ہر طرف جگمگاتی بجلیوں کی طرح حرکت کر رہی

تھی۔ اس کے حملوں میں افق سے اُٹھتی آندھیوں کا زور اور نیلے سمندر کے چنگھاڑتے بانولا کی وحشتناکی تھی۔ جنید کی شمشیر جگر دار ہولناک کہر کی طرح ان پر پھیلتی چلی گئی۔ ان کی ڈھال اور تلوار کے ٹکرانے سے اس کوہستانی وادی کے المناک سناٹوں کے اندر ایک شور ریلا بلند ہونے لگی تھی۔

ان تینوں کی حالت جنید کے سامنے ایسے ہی تھی جیسے آندھیوں کے سامنے تنکے جیسے پتوں کے ملبوسات طوفانوں کی یلغار۔ اچانک ان میں سے ایک پر جنید کی تلوار گری اور وہ کٹ کر زمین پر گر گیا۔ اب دو کے سامنے جنید پُراسرار سراب، وقت کی اُڑتی رفتار اور رقصِ شرر کا سماں باندھ گیا تھا۔ اس کے حملوں میں اب ایسی تیزی آگئی تھی جیسے برف کے گالوں پر رنگ و شرر نازل ہوتے ہوئے شش جہت جلوے ابھار لگے ہوں۔ جنید کے تیز حملے اب ان دونوں کے شعور سماعت پر مہریں اور روح پر خوف و ہراس کی ضربیں ثبت کرنے لگے تھے۔

آواز کے عکس کو زنجیر کرتی جنید کی تلوار اب دوسرے پر نازل ہوئی اور اس کا شانہ کاٹتے ہوئے اس کے جسم کو بکھیرتی چلی گئی تھی۔ آخری بچنے والے کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں اور وہ ہاتھ جس میں اس نے تلوار تھام رکھی تھی لرز رہا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ اس کا سامنا ایسے دشمن سے ہے جس کی شجاعت و ممارست نفرت کی کڑی دھوپ کی طرح تیز اور جو صرف لاوے کی طرح پھیلنا جانتا ہے کسی کے سامنے سکڑنا نہیں۔ دو ایک بار اپنا دفاع کرنے کے بعد اس کی ہمت جواب دے گئی اور جنید کی تلوار اسے بھی موت کی نیند سُلاتی چلی گئی تھی۔

ان تینوں کی موت پر جنید بھاگتا ہوا اس معمر خاتون کے پاس آیا جو گھوڑے سے گر گئی تھی اور اب ایک پتھر کی ٹیک لگائے بے بسی کے عالم میں بیٹھی ہوئی تھی۔ جنید اس کے پاس گیا اور اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے اس نے بڑی ہمدردی سے پوچھا:

" خاتون! تم کون ہو اور یہ تم لوگوں کو اٹھانے والے کون تھے۔"

اس خاتون نے سنبھلتے ہوئے اس سے کہا۔ " خدا تمہارا بھلا کرے بیٹے!

بروقت ہماری مدد کو آئے ہو۔ میرا نام مہرنگار ہے اور وہ لڑکی جس کی مدد کے لیے تم نے اپنے ساتھی کو بھیجا ہے، میری بیٹی ہے اور اس کا نام سیرک ہے۔ ہم قوم کی تاجک ہیں، اور مرغینان[1] شہر کی رہنے والی ہیں۔

ہم دونوں ماں بیٹی کابل جانے کے لیے ایک کاروان کے ساتھ روانہ ہوئی تھیں یہاں اس جگہ کاروان پر اَن گنت لوگوں نے حملہ کر دیا۔ یہ کل سورج غروب ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ یہ سوار جو تمہارے ہاتھوں مارے گئے ہیں انہوں نے ہمارا پیچھا کیا لیکن ہم دونوں ماں بیٹی انہیں چکمہ دے کر ایک تنگ غار کے اندر چھپ گئیں اور برف سے اس غار کا منہ بند کر کے صرف ہوا کی خاطر چھوٹا سا سوراخ رہنے دیا۔

پوری رات ہم ماں بیٹی نے اس غار میں بسر کی۔ دوسرے روز جب سورج طلوع ہوا تو ہم نے غار کے منہ سے برف کی دیوار گرا دی۔ ہم دونوں ماں بیٹی کو یقین تھا کہ یہ لوگ جا چکے ہوں گے۔ اس لیے ہم نے ارادہ کیا کہ پیدل چل کر کسی قریبی بستی میں داخل ہوں گی اور وہاں سے دو گھوڑے خرید کر اور ان پر سوار ہو کر کابل کی طرف روانہ ہو جائیں گی لیکن تمہارے ہاتھوں مرنے والے رات بھر یہیں رُک کر ہمارا انتظار کرتے رہے۔ شاید انہیں شک ہو گیا تھا کہ ہمارے پاس زر و جواہرات ہیں جس کی خاطر ہم چھپ گئی ہیں۔ جوں ہی ہم دونوں غار سے نکلیں انہوں نے ہمیں دیکھ لیا اور پکڑ لیا۔

انہوں نے ہماری تلاشی لی اور نقدی کی دو تھیلیوں کے سوا انہیں ہم سے کچھ نہ ملا۔ وہ میری لڑکی سیرک کی خوب صورتی سے بے حد متاثر ہوئے اور انہوں نے ارادہ کر لیا کہ وہ سیرک کو اپنے سردار کے سامنے پیش کریں گے۔ وہ ایسی خوب صورت لڑکی ملنے پر خوش ہو گا اور انہیں انعام سے نوازے گا۔

ان حملہ آوروں کا سردار ارغون نام کا ایک امیر ہے۔ شروع میں یہ ڈاکو دو

---

[1] مرغینان کی آبادی آج بھی زیادہ تر تاجک قوم پر مشتمل ہے۔ مشہور فقیہہ اور عالم دین شیخ برہان الدین اسی شہر کے رہنے والے تھے۔

کا ایک بہت بڑا گروہ تھا لیکن بابر نے ان پر حملہ آور ہو کر اس گروہ کی اکثریت کو تہ تیغ کر کے ایک لحاظ سے ان کا خاتمہ کر دیا تھا لیکن اب پھر ان کے منتشر ہو جانے والے ساتھی مل بیٹھے ہیں اور اکثر چھوٹے چھوٹے تجارتی کاروانوں پر حملہ آور ہو کر انہیں لوٹ کھسوٹ لیتے ہیں۔ اس سے آگے جو واقعات ہوئے وہ تمہارے سامنے ہیں۔ بیٹا کیا تمہیں یقین ہے کہ تمہارا ساتھی میری بیٹی کو بچا لانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

جنید نے بڑے وثوق اور اعتماد سے کہا ۔ ”خاتون! آپ فکر مند نہ ہوں۔ میں اپنے ساتھی کو خوب جانتا ہوں وہ میرا ماموں زاد ہے۔ وہ تمہاری بیٹی کو ضرور لے آئے گا۔ ان کے آنے تک میں آپ دونوں کے لیے مرنے والوں کے گھوڑے پکڑتا ہوں اور ان کے سامان کی تلاشی بھی لیتا ہوں“۔

جنید پیچھے ہٹ گیا اور پچکا پچکار کر وہ مرنے والوں کے گھوڑے پکڑنے لگا اور انہیں پتھروں سے باندھ کر مرنے والوں کے سامان کی تلاشی بھی لینے لگا۔

O

اپنے گھوڑے کو ایڑ پر ایڑ لگاتا ہوا تیمور اس جوان کے تعاقب میں لگ گیا تھا جو لڑکی کو کھینچتا ہوا بھاگ رہا تھا۔ ایک کم اونچائی والے اس کے اس جانب تیمور نے اسے جا لیا۔ اس نے جب دیکھا کہ تیمور اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا اس کے سر پر آ پہنچا ہے تو اس نے لڑکی کو ڈھلوان سے دھکا دے دیا۔ جس سے وہ لڑکتی ہوئی نیچے چلی گئی لیکن ایک پتھر کے قریب جا کر سنبھل گئی۔

لڑکی کو لے کر بھاگنے والے نے اپنی تلوار کھینچ لی تھی۔ یہ سوچتے ہوئے اس کے حوصلے بلند تھے کہ حملہ آور صرف دو ہیں۔ ایک کو اس کے تینوں ساتھی قتل کر دیں گے اور اگر وہ اس پر قابو پا لے تو وہ دوبارہ لڑکی اور اس کی ماں کو لے کر یہاں سے روانہ ہونے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس لیے جونہی تیمور گھوڑے سے اترا اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس پر حملہ کر دیا تھا۔ تیمور نے فوراً اس کا وار اپنی ڈھال پر لیا اور جوابی حملہ کیا جسے اس کا مقابل روک نہ سکا اور تیمور کی تلوار اسے خون میں نہلاتی ہوئی نکل گئی تھی۔ لڑکی

بھی اب آ کر تیمور کے قریب کھڑی ہو گئی تھی۔

تیمور نے اپنی تلوار صاف کر کے نیام میں کی اور پہلی بار اس لڑکی کی طرف دیکھا جس کا نام جنید کو اس کی ماں نے سیرک بتایا تھا۔ تیمور نے دیکھا۔ اس کا جسم جیسے شیشہ گھر میں صبح کا منظر، گال جیسے چناروں میں آگ لگ گئی ہو، ہونٹ رس انار، ہلال ابرو، کمان پلکیں، قوس و قزاح جیسے بازو، نشیلی آنکھیں، ستاروں کی طرح نیلگوں اور شعاع عسل کی طرح شعلہ ریز۔

وہ لڑکی اپنے حسن و جمال میں ستاروں کا فسوں، طلسم ماہ تاباں بہاروں کا سحر، شرارہ فروز دشت و دمن کا نکھار، صبح آزادی کے نور کی طرح تھی۔ اس کے سراپا کی کشش میں حسن جادو، طلسم نیم خوابی، صبح کی دوشیزگی، شب کی دلہن کا سکون اور جلترنگ کا سحر تھا۔

وہ آہستہ آہستہ یوں تیمور کی طرف بڑھی جیسے کوئی بلقیس آفاق سے اتری ہو۔ جیسے بہاروں کے پہلے سورج کی دھوپ بلند ہونے لگی ہو۔ تیمور کے قریب آ کر اس آئینہ عذرا، ماہ لقا اور مہوش لڑکی نے اپنی مدھم، سریلی اور جلترنگ کا سا جادو بکھیرتی آواز میں کہا۔

”میں آپ کی ممنون اور احسان مند ہوں کہ آپ نے میری جان اور عزت بچائی۔“
تیمور نے محسوس کیا اس کے لہجے میں شبنم شبنم آسودگی کی کھنک اور انداز میں ماہ عسل کی سی بے خوابی تھی۔ جب کہ اس کی آنکھیں نیلم در نیلم جھلکتی روشنی کی طرح روشن اور تابناک تھیں۔ جب کہ اس کے بال کسی ساحر شب کے فسوں کی طرح بکھر گئے تھے۔

تیمور کچھ کہنے والا تھا کہ اس لڑکی نے پھر اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
”آپ اپنے ساتھی کو ان تین دشمنوں کے سامنے اکیلا چھوڑ آئے ہیں کیا ہمیں ان کی مدد نہیں کرنی چاہیے“۔

تیمور نے کہا۔ ”وہ میرا ساتھی ہی نہیں میرا ماموں زاد اور پھوپھی زاد چھوٹا بھائی بھی ہے۔ اس کے مقابلے میں تین دشمن تو کچھ بھی نہیں۔ بخدا اگر

اس کے سامنے چھ تیغ زن بھی آجائیں تو وہ انہیں اُون کی طرح دھنک کر رکھ دے۔ عمر میں وہ مجھ سے چھوٹا ہے لیکن ایسے موقعوں پر اس کا ہر فیصلہ میرے لیے آخری اور ایک حکم ہوتا ہے۔ وہ میرے ماموں اور پھوپھی کا اکلوتا بیٹا ہے۔ اس لیے ہمیں بہت عزیز ہے۔ آؤ ان کی طرف چلتے ہیں۔ تمہاری ماں تمہارے لیے پریشان ہو رہی ہو گی۔" سیرک چُپ چاپ سر جھکائے اس کے ساتھ ہولی۔

دونوں گھوڑے پر سوار ہونے کے بجائے پیدل چلتے ہوئے اس جگہ آئے جہاں سیرک کی ماں ایک پتھر کی ٹیک لگائے ہوئے بیٹھی تھی۔ ان دونوں نے دیکھا ذرا فاصلے پر جنید مرنے والوں کے گھوڑوں کی لگامیں ایک دوسرے سے باندھ کر جکڑ رہا تھا۔ سیرک بھاگ کر آگے بڑھی اور اپنی ماں مہر نگار سے لپٹ گئی۔

مہر نگار چند ثانیوں تک سیرک کو لپٹا کر پیار کرتی رہی پھر اس نے تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم دونوں کی مہربانی ہے بیٹے! کہ تم نے میری اور میری بیٹی کی جان بچائی۔" تیمور کچھ کہنے والا تھا کہ جنید بھی وہاں آگیا۔ سیرک نے غور سے اس کی طرف دیکھا، لیکن جنید کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں اور اس نے سیرک کی طرف دیکھا تک نہ تھا۔ پھر آہستہ آہستہ نگاہیں اوپر اُٹھاتے ہوئے اس نے سیرک کی ماں مہر نگار سے کہا۔ "میں نے دو گھوڑے آپ دونوں ماں بیٹی کے لیے علیحدہ کر لیے ہیں اور باقی گھوڑوں کو راستے میں بیچنے کے لیے ایک دوسرے سے جکڑ دیا ہے۔ اب ہمیں فوراً یہاں سے کوچ کر جانا چاہیے۔ یہاں اب بھی خطرہ ہے۔"

مہر نگار نے انتہائی شفقت سے جنید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں بیٹے کہ تم دونوں کا کیا نام ہیں۔ کہاں سے آئے ہو اور کیا منزل ہے۔"

جنید نے کہا۔ "میرا نام جنید ہے اور میرا یہ ساتھی تیمور ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے ماموں اور پھوپھی زاد بھائی ہیں۔ میں اخسی شہر کے رئیس اور بابر کے پرانے مربی محسن شیرم طغائی کا نواسہ اور تیمور ان کا پوتا ہے۔ بابر کے لشکر میں پہلے میرے چچا اور ماموں تھے۔ اب وہ لشکر چھوڑ چکے ہیں اور ان کی جگہ ہم دونوں بھائی بابر کے لشکر میں شامل ہونے جا رہے ہیں۔

مہر نگار نے خوشی اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "اس لحاظ سے ہم خوش قسمت ہیں کہ کابل تک ہمارا تمہارا ساتھ رہے گا۔ شاید میں تمہیں پہلے بتا چکی ہوں کہ ایک تجارتی کاروان کے ساتھ ہم دونوں ماں بیٹی بھی کابل جا رہی تھیں کہ ان ڈاکوؤں نے ہم پر حملہ کر دیا۔ اور کاروان کے لوگوں کو تہ تیغ کر کے لوٹ گئے۔ ان مرنے والوں کے اور بہت سے ساتھی تھے جو چلے گئے۔ ہم دونوں ماں بیٹی چونکہ ایک غار میں چھپ گئی تھیں۔ اس لیے یہ مرنے والے ہمیں تلاش کرنے کی خاطر یہیں رہے۔

بابر کے لشکر میں میرا شوہر کام کرتا ہے۔ اس کا نام علی قلی خان ہے اور وہ بابر کے لشکر کا امیر توپ خانہ ہے۔ وہ ایک عمدہ صناع ہے اور توپیں ڈھالنے کا فن اس نے قسطنطنیہ جا کر سیکھا تھا۔

مہر نگار جب خاموش ہوئی تو جنید نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کچھ تھیلیاں مہر نگار کے سامنے زمین پر ڈالتے ہوئے کہا۔ "ان تھیلیوں میں نقدی اور جواہرات ہیں۔ یہ مجھے مرنے والوں کی خرجینوں سے ملی ہیں۔ یہ آپ رکھ لیں کہ آپ دونوں ماں بیٹی کا حق ہے۔"

مہر نگار نے ایک شفیق و مہربان ماں کی سی شفقت میں کہا۔ "یہ تم دونوں رکھ لو بیٹے! یہ تم دونوں کا حق ہے۔ تم نے ان لوگوں کو ٹھکانے لگایا ہے۔ اگر تم نہ آتے تو ہم دونوں ماں بیٹی کا تو وجود ہی ختم ہو چکا ہوتا۔"

جنید نے کہا۔ "نہیں آپ یہ سب تھیلیاں رکھ لیں یہ آپ کا حق ہے۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں۔ جب کبھی ہمیں ضرورت پڑی ہم آپ سے مانگ لیں گے اب ہمیں یہاں سے کوچ کرنا چاہیے۔ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ یہاں زیادہ دیر قیام ہمارے لیے خطرناک ہے۔"

مہر نگار اُٹھ کھڑی ہوئی۔ دونوں ماں بیٹی نے تھیلیاں سنبھال لیں۔ پھر وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور وہاں سے کوچ کر گئے تھے۔

○

بابر اپنے کابل کے محل کے طرب خانے میں بیٹھا ہوا تھا ۔ اس کے جرنیل، سالار، امیر اور دوست احباب بھی وہاں جمع تھے ۔ بابر کے عین سامنے قالین پر بابر کے دربار کا مشہور گویا حافظ جلال الدین بیٹھا گا رہا تھا اور ساتھ ساتھ اکتارہ بھی بجاتا جا رہا تھا ۔

طرب خانے میں چاروں طرف ایسی خاموشی ایسا سکوت تھا جیسے فطرت نے ساری آوازوں کے خزانے سربمہر کر کے رکھ دیئے ہوں ۔ صرف حافظ جلال الدین کی آواز بلند ہو رہی تھی اور وہ اپنی شہد سے میٹھی اور گداز شام کی رنگت سے زیادہ پُرکشش آواز میں گا رہا تھا ۔

"میں اداس ہوں صندل کے ان پیڑوں کی طرح ۔
جنہیں اُداسیوں کی زرد ریت نے ڈھانپ لیا ہو ۔
لوگ خوابوں کے ادھورے پن کی طرح اپنی زندگی کے دن پورے کر کے
اُجالوں کے سحر کی طرح بہرے گونگے اندھیروں کی طرف کوچ کر رہے ہیں ۔
موت انہیں جھوٹے رنگوں کی دھوپ کی طرح
برزخ کے طلسمی جزیروں کی طرف اُڑائے جا رہی ہے ۔
میں زندگی کے بے خواب سمندر میں تنہا رہ گیا ہوں ۔
سنگی ساتھی
اجالوں کے پیاسے پرندوں کی طرح
بلند اڑانوں کے کالے سفر کو کوچ کر گئے ہیں ۔
آؤ ، اپنے مقدر کی ہر عبارت کو
اپنے ضمیر کی گناہ رنگ عکسی تحریروں کو
اپنے اعمال کے حرفوں کے خدوخال کو
اپنے گناہوں کی بے چہرگی کو پڑھیں ۔
اپنے افعال کے عکس کو زنجیر کریں ۔

اپنے رب کی طرف رجوع کریں
اس سے معافی مانگیں
جو زندگی کی گداز شمعیں روشن کرتا ہے ۔
بدن کو نور ذات کو شعور بخشتا ہے
ساعتوں کے حرم میں پیار کے گلاب کھلاتا ہے
تبسموں کو بے کنار کرتا ہے ۔
غم کی دھوپ سے امتحان لیتا ہے ۔
آؤ اپنے رب کی خوشنودی چاہیں ۔
کہ عاجزی سے کی استغفار، اس کی بخشش و رحمت کو
ریشم کی سی ملائم اور پھولوں کی خوشبو جیسا کر دیتی ہے ۔
آؤ جھوٹے آسیبوں پر لعنت کریں ۔
اس ربِ واحد کے احکام کی پابندی کریں ۔
جو مٹی کو اجالوں کا نور
نادیدہ پرچھائیوں کو ان کا غبار
اندھی مٹی کو سورج کی نوید دیتا ہے
اَن دیکھے چہروں کو چھونے کی خواہش
گداز چھاؤں کو مہربان موسم
اجلے ستاروں کو داستان
تازہ گلابوں کو خوشبو
شب نگاروں کو کرنوں کا ظہور
اور نیلے جھرنوں کو پانی عطا کرتا ہے ۔

حافظ جلال الدین کے گیت اور اس کی میٹھی آواز و پُرکشش لے نے کابل کے اس طرب خانہ میں ایک سماں باندھ کر رکھ دیا تھا ۔ اکتارے پر اس کی کھیلتی انگلیاں رُک چکی

تھیں اور اس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔

بابر اور طرب خانہ میں بیٹھے دیگر لوگوں پر بھی اس گیت کا ایسا اثر ہوا تھا کہ سب کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں جیسے وہ کسی ماورائی وجدان اور غیر مرئی ادراک میں کھو کر رہ گئے ہوں۔ بابر کے اشارے پر جب طرب خانہ کی یہ مجلس برخاست ہوئی تو لوگ اُٹھ کر باہر جانے لگے۔ بابر بھی اُٹھ کر باہر آیا۔ اس کے ساتھ اس کا وزیر قاسم اور امیر توپ خانہ علی قلی تھے۔ تینوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے اس سمت جانے لگے تھے۔ جس طرف بابر کے لشکریوں کے خیمے تھے۔

اتنے میں ایک سپاہی بھاگتا ہوا آیا اور اس نے علی قلی سے کہا۔ "امیر! آپ کی بیوی اور بیٹی آئی ہیں۔ ان کے ساتھ امیر میرم کا بھانجا جنید اور بیٹا تیمور بھی ہیں۔ میں انہیں ایک خیمے میں بٹھا آیا ہوں۔ انہوں نے مجھے اپنے پورے حالات سنائے ہیں۔ آپ کی بیوی اور بیٹی دونوں ایک تجارتی قافلے کے ساتھ ادھر آرہی تھیں کہ راستے میں ڈاکوؤں نے ان پر حملہ کر دیا۔ جس وقت وہ آپ کی بیوی کو اُٹھا کر لے جا رہے تھے۔ اس وقت جنید اور تیمور بھی وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے مل کر ان رہزنوں کا خاتمہ کر دیا جو تعداد میں آٹھ تھے اور آپ کی بیوی اور بیٹی دونوں کو بحفاظت یہاں لے آئے ہیں۔"

علی قلی نے بیتاب ہو کر کہا۔ "مجھے فوراً اس خیمے میں لے چلو جس میں تم انہیں بٹھا کر آئے ہو کہ میں اس نیکی اور احسان پر میرم کے بھانجے اور بیٹے کا شکریہ ادا کر دوں۔"

اتنے میں بابر کا بیٹا ہمایوں ایک طرف سے آیا اور بابر کے پاس آکھڑا ہوا۔

بابر نے علی قلی کو مخاطب کر کے کہا۔ "علی قلی ٹھہرو، میں بھی اس خیمے میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ میں بھی میرم کے بھانجے اور بیٹے کا شکریہ ادا کروں گا اور ان سے معلوم کروں گا کہ وہ رہزن کون تھے تاکہ ان کا صفایا کر کے تجارتی کاروانوں کے لیے سمرقند کی طرف سے کابل آنے والی شاہراہ کو پُرامن اور محفوظ بنا دیا جائے۔"

بابر، علی قلی، ہمایوں اور وزیر قاسم اس سپاہی کے ساتھ ہو لیے جو علی قلی کے

لیے اس کی بیوی اور بیٹی کے آنے کی خبر لے کر آیا تھا۔

وہی سپاہی بھاگتا ہوا ایک خیمے میں داخل ہوا۔ اندر جنید، تیمور، مہر نگار خانم اور سیرک بیٹھے ہوئے تھے۔ اس سپاہی نے جلدی جلدی انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"بادشاہ بابر، اس کا بیٹا ہمایوں، وزیر قاسم اور امیر علی قلی آرہے ہیں۔" جنید اور تیمور کھڑے ہو گئے۔ مہر نگار خانم اور سیرک دونوں ماں بیٹی بھی اُٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

جس وقت وہ کھڑے ہوئے اس کے صرف چند ثانیوں بعد ہی بابر، ہمایوں، قاسم اور علی قلی خیمے میں داخل ہوئے۔

جس وقت سیرک نے اپنے باپ کو دیکھا وہ بھاگی اور اس سے لپٹ گئی۔ علی قلی پیار سے سیرک کا سر چوم کر شفقت سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرنے لگا تھا۔ بابر نے آگے بڑھ کر جنید اور تیمور سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں بابر ہوں، میرے ساتھ یہ میرا بیٹا ہمایوں، وزیر قاسم اور امیر علی قلی ہیں۔ میں تم دونوں کو اپنے لشکر میں خوش آمدید کہتا ہوں۔"

اس کے بعد ہمایوں، قاسم اور علی قلی نے جنید اور تیمور سے مصافحہ کیا۔ پھر بابر نے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تم دونوں میں سے کون میرم کا بھانجا اور کون اس کا بیٹا ہے۔"

جنید نے کہا۔ "میں میرم کا بھانجا ہوں، میرا نام جنید ہے اور یہ ان کا بیٹا ہے۔ اس کا نام تیمور ہے۔ اس کے علاوہ ہم دونوں ایک دوسرے کے ماموں اور پھوپھی زاد بھی ہیں۔"

بابر نے پھر پوچھا۔ "تم دونوں میں سے عمر میں کون بڑا ہے اور جنگی مہارت میں کون دراز ہے۔"

اس بار تیمور نے فوراً بولتے ہوئے کہا۔ "عمر میں تو میں بڑا ہوں لیکن حرب و ضرب کے کھیل میں میرا بھائی جنید مجھ سے بہت زیادہ آگے ہے۔ حرب و ضرب میں یہ بیک وقت اپنے چھ مقابلوں سے باآسانی نمٹ سکتا ہے۔"

بابر نے چونکتے ہوئے تیمور کی طرف دیکھا اور کہا۔ "میرم کے بیٹے! تم اپنے چھوٹے بھائی کی مبالغہ آمیز تعریف کر رہے ہو یا حقیقت بیانی سے کام لے رہے ہو"۔

تیمور نے کہا۔ "میرے آقا! جب کھلا میدان بھی ہو اور گھوڑا بھی پاس ہو تو اس کی رفتار دیکھنا کون سا مشکل کام ہے۔ جنید آپ کے سامنے کھڑا ہے۔ آپ اسے آزما سکتے ہیں"۔

بابر نے اپنے وزیر قاسم کے کان میں کچھ کہا اور وہ باہر نکل گیا۔ پھر بابر نے جنید کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "میرے قلب لشکر میں ۲ عمدہ قسم کے تیغ زن ہیں۔ کیا تم ایک ساتھ ان دونوں سے مقابلہ کرو گے"۔

جنید نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "میرے آقا! ۲ تو کیا ویسے آپ چھ لے آئیں، پھر بھی ان سے مقابلہ کروں گا اور اپنی کارگزاری سے آپ کو مایوس بھی نہ کروں گا"۔

خیموں سے باہر کھلے میدان میں اچانک بڑی بڑی دفیں پیٹنے کی آوازیں بلند ہونے لگی تھیں۔ بابر نے کہا۔ "قاسم ان دونوں جوانوں سے تمہارے مقابلے کا انتظام کر چکا ہے۔ اگر تم ان دونوں کو زیر کرنے میں کامیاب ہو گئے تو میں اپنے بیٹے ہمایوں کے ساتھ ہراول لشکر کا تمہیں نائب سالار مقرر کر دوں گا۔ اگر تم تھوڑی دیر بھی ان دونوں کے سامنے جم کر لڑنے میں کامیاب رہے تو میں تمہیں ایک ہزار لشکریوں کا کماندار مقرر کر دوں گا۔ اب آؤ میرے ساتھ کہ کھلے میدان میں تمہارے مقابلے کی ابتدا ہو سکے۔

اس موقع پر علی قلی نے بابر سے کہا۔ "آپ چلیں میں بھی تھوڑی دیر تک حاضر ہوتا ہوں"۔

جنید اور تیمور دونوں بھائی بابر اور اس کے بیٹے ہمایوں کے ساتھ اس خیمے سے باہر نکل گئے تھے۔

○

بابر کے لشکری ایک کھلے میدان میں جمع ہو گئے تھے۔ دفیں ابھی تک پیٹی جا رہی تھیں۔ جب بابر، ہمایوں، جنید، اور تیمور کے ساتھ وہاں پہنچا تو دفیں بجنی بند ہو گئیں۔ میدان میں ان گنت لوگ جمع ہو گئے تھے۔ ایک طرف لکڑی کی بلیاں کھڑی کر کے اور ان کے ساتھ چادریں باندھ کر عورتوں کے لیے پردے کا انتظام کر دیا گیا تھا اور وہ مخصوص جگہ لشکر اور شہر کی عورتوں سے بھر گئی تھی۔ مہر نگار خانم اور سیرک بھی وہاں آ کر بیٹھ گئی تھیں جب کہ علی قلی بابر کے پاس آ بیٹھا تھا۔

لکڑی کے کئی تخت پوش جمع کر کے اور ان پر گدے اور سفید چادریں بچھا کر ایک شہ نشین بنا دی گئی تھی جس پر بابر، وزیر قاسم، علی قلی، ہمایوں، جنید اور تیمور بیٹھ گئے تھے۔ بابر کے دونوں بھائی ان دنوں غزنی میں تھے۔ لہٰذا وہ بابر کے ساتھ موجود نہ تھے۔ ویسے بھی وہ بابر سے کھنچے کھنچے رہتے تھے کہ اکثر ان کی طبیعت شر پسند ہو جاتی تھی۔

چند ثانیوں بعد جو جوان میدان میں اُترے وہ پوری طرح مسلح تھے وہ اس میدان کے وسط میں آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ وزیر قاسم نے جنید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرم کے بھانجے! ان ۲ جوانوں سے تمہارا مقابلہ ہو گا۔ میں نے ان دونوں کو اچھی طرح سمجھا دیا ہے۔ مقابلے کے دوران وہ تمہیں زخمی نہ کریں گے۔ تم بھی اس ہدایت پر عمل کرنا۔ زخمی کرنے کے علاوہ تم جیسے چاہو ان دونوں کو زیر کر سکتے ہو۔ اب تم میدان میں اُترو کہ مقابلہ شروع ہو۔

جنید اُٹھا اور شہ نشین سے اُتر کر وہ میدان میں داخل ہوا۔ اس کا نیا جنگی لباس جو اس کے نانا شیرم طغائی نے اسے لے کر دیا تھا۔ دھوپ میں چمک رہا تھا اپنے بائیں ہاتھ میں ڈھال اور دائیں میں تلوار لیے تیزی سے چلتا ہوا وہ ان دونوں جوانوں کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

ان دونوں میں سے ایک نے جنید سے کہا۔ "اگر امیر قاسم نے تمہیں مقابلے کی شرائط سمجھا دی ہیں تو آؤ اسے شروع کریں کہ لوگوں کو انتظار کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔

جنید نے کہا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں تم دونوں کو پہلے حملہ آور ہونے کی دعوت دیتا ہوں۔"

ان دونوں نے ایک بار ذومعنی نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر کوئی فیصلہ کرتے ہوئے دونوں آگے بڑھے اور جنید پر انہوں نے حملہ کر دیا۔ میدان میں بیٹھے لوگوں پر مقابلہ شروع ہونے پر ایک سکوت ایک خاموشی چھاگئی تھی ہر کوئی غور سے ان تینوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

جنید نے ایک کی تلوار کو اپنی ڈھال پر اور دوسرے کی تلوار کو اس نے اپنی تلوار پر لیا تھا لیکن وہ دونوں بھی انتہائی چالاک اور تیز ثابت ہوئے۔ اپنی دونوں تلواروں سے جنید کی تلوار اور ڈھال کو دفاع میں مصروف کرنے کے بعد انہوں نے جنید پر اپنی ڈھالیں برسا دیں لیکن اس وقت ان دونوں کو خاصی مایوسی ہوئی جب جنید نے ایک کو ڈھال کو اپنے خود پر اور دوسرے کی ڈھال کو اپنے کندھے پر چڑھے آہنی خول پر روک دیا تھا۔ لوگ جنید کے حق میں شور کرتے ہوئے اس کو داد دینے لگے تھے۔

شہ نشین پر بیٹھے بابر، ہمایوں، قاسم، علی قلی اور تیمور کے چہروں پر بھی سکون اور مسکراہٹ تھی۔ وہ سب جنید کے طریقۂ جنگ سے خوش اور مطمئن تھے۔

اپنا دفاع کرنے کے علاوہ اب جنید نے اپنے جارحانہ حملوں کی ابتدا بھی کر دی تھی اور ان دونوں پر اپنی تلوار اور ڈھال سے ضربیں لگاتے ہوئے اس نے ایک لحاظ سے انہیں ایک طرح سے پراگندہ اور منتشر کر کے رکھ دیا تھا۔

کافی دیر تک وہ ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کر حملہ کرتے رہے اور میدان میں بیٹھے لوگ ان کے اس مقابلے سے محظوظ ہوتے رہے۔ ایک موقع پر ان میں سے ایک نے جب اچانک جنید پر اپنی تلوار سے حملہ کیا تو جنید نے اس کا وار اپنی ڈھال پر لیا۔ اسی دوران جب دوسرا بھی جنید پر حملہ آور ہوا تو جنید نے انتہائی سرعت سے کام لیتے ہوئے پہلے کو اس کی چرمی پیٹی سے پکڑ کر اوپر اٹھایا اور اسے اس کے ساتھی کے سامنے کر دیا۔ دوسرے نے جب دیکھا کہ اس کی تلوار کی ضرب خود اس کے اپنے

ساتھی پر پڑنے والی ہے تو اس نے فوراً اپنی گرتی تلوار کو روک لیا۔ جنید نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اس نے ایک کے ہاتھ پر اپنی تلوار کا دستہ اور دوسرے کے ہاتھ پر اپنی ڈھال دے ماری تھی۔ دونوں کے ہاتھوں پر جنید کی ضرب ایسی سخت تھی کہ ان دونوں کے ہاتھوں سے ان کی تلواریں چھوٹ کر گر گئیں۔

ان دونوں نے فوراً جھک کر اپنی تلواریں اٹھا لینا چاہیں پر جنید نے ان پر حملہ کر دیا اور انہیں دور ہٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ دونوں اپنی اپنی ڈھالوں پر جنید کی تلوار اور ڈھال کے وار روک رہے تھے۔ شاید جنید نے کوئی آخری فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے اپنے حملوں میں اور زیادہ تیزی پیدا کر لی اور انہیں الٹے پاؤں پیچھے بھگانے لگا اچانک اس نے ایک کی ران پر اپنے پاؤں کی ایک سخت ٹھوکر لگائی اور وہ زمین پر گر گیا۔ جنید نے پاؤں کی ایک اور ضرب لگائی اور اس کی ڈھال اس کے ہاتھوں سے نکل کر جنید کے پاؤں کی ٹھوکر سے اڑتی ہوئی دور جا گری۔

ایک کو گرانے کے بعد جنید دوسرے کی طرف لپکا اور اس پر اپنی ڈھال سے ضرب لگائی۔ جونہی اس نے جنید کی ڈھال کو اپنی ڈھال پر لیا جنید نے اپنی تلوار اس کی گردن پر رکھ دی۔ اس طرح اس نے ان دونوں کو اپنے سامنے نہتا اور مجبور کر کے رکھ دیا تھا۔

جنید پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ ان دونوں نے اپنی تلواریں اور ڈھالیں سنبھالیں اور تحسین آمیز نگاہوں سے جنید کی طرف دیکھتے ہوئے وہ میدان سے باہر نکل گئے۔ جنید آہستہ آہستہ چلتا ہوا شہ نشین کے پاس آیا۔ بابر نے اٹھ کر بڑی گرم جوشی سے اس کے ساتھ معانقہ کرتے ہوئے کہا۔

"تمہارے بھائی تیمور نے ٹھیک کہا تھا تم چھ جوانوں سے بیک وقت نمٹنے کی صلاحیت رکھتے ہو۔ اپنے وعدہ کے مطابق میں تمہیں ہمایوں کے ساتھ اپنے ہراول لشکر کا نائب سالار مقرر کرتا ہوں۔"

بابر کے بعد ہمایوں نے اٹھ کر جنید کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ "ہراول لشکر

میں تمہاری آمد یقیناً میرے لیے باعثِ تقویت ہو گی۔ تم مجھ سے زیادہ تجربہ کار ہو۔ مَیں تم سے بہت کچھ حاصل کروں گا۔"

ہمایوں جب خاموش ہُوا تو علی قلی نے بابر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "جنید اور تیمور دونوں چونکہ میرے محسن ہیں اس لیے میری مرضی تھی کہ مَیں انہیں اپنے ساتھ توپ خانے میں رکھوں گا۔ لیکن اب جب کہ آپ جنید کو ہراول کا نائب امیر بنا چکے ہیں مجھے خوشی ہے۔ اب آپ تیمور مجھے دے دیں۔ یہ میرے ساتھ کام کرے گا۔ میرے پاس ایک فالتو خیمہ بھی ہے وہ میں اسے دے دوں گا اور یہ میرے خیمے کے ساتھ ہی رہے گا۔"

بابر نے فیصلہ دیتے ہوئے کہا۔ "ہاں، تم تیمور کو اپنے ساتھ رکھ سکتے ہو۔" پھر بابر نے ہمایوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "جانِ پدر! تم جنید کا خیمہ اپنے خیمے کے ساتھ لگواؤ اور لشکر میں منادی کرا دو کہ عظیم شیرم طغائی کے نواسے، میرم کے بھانجے اور سمر بیگ کے بیٹے جنید کو ہراول لشکر کا نائب امیر مقرر کیا گیا ہے۔ تاکہ سب کو اس کی خبر اور اطلاع ہو جائے۔"

علی قلی نے پھر بابر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے ایک اور اجازت دیجئے کہ جنید اور تیمور دونوں بھائی آج شام کا کھانا میرے ساتھ میرے خیمے میں کھائیں۔"

بابر نے شہ نشین سے اُترتے ہوئے کہا۔ "تم دونوں کو اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو۔"

بابر اور ہمایوں چلے گئے۔ علی قلی، جنید اور تیمور کو لے کر اس طرف آیا جہاں عورتوں کے بیٹھنے کو جگہ بنائی گئی تھی۔ وہ مہرنگار خانم اور سیرک شاید ان کا ہی انتظار کر رہی تھیں اور ایک طرف کھڑی تھیں انہیں دیکھتے ہی وہ تیزی سے ان کی طرف آئیں۔ سیرک نے آتے ہی جنید سے کہا۔

"مَیں آپ کو آپ کی کامیابی پہ مبارک باد دیتی ہوں۔ آپ نے واقعی ثابت کر دیا ہے کہ آپ چھ تیغ زنوں سے اکیلے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ دریائے باران کے کنارے جہاں آپ دونوں بھائیوں نے ہم دونوں ماں بیٹی کی جان اور عزت کی حفاظت کی تھی وہاں بھی تیمور نے مجھے بتایا تھا کہ آپ اکیلے چھ جوانوں سے نمٹ سکتے ہیں لیکن مجھے پوری طرح

یقین نہ آیا تھا۔ گو مجھے کچھ کچھ اعتماد ضرور ہُوا تھا۔ کیوں کہ تیمور جب مجھے بچانے کے لیے آئے تو ان کی غیر موجودگی میں آپ اکیلے نے تین حملہ آوروں کو ٹھکانے لگا کر رکھ دیا تھا لیکن آج اس میدان میں مجھے بھر پور یقین ہُوا کہ تیمور ٹھیک کہتے تھے۔ اس لیے کہ عورتیں کہہ رہی تھیں آپ کے مقابلے میں جو جوان میدان میں اُترے تھے وہ لشکر کے عمدہ ترین تیغ زن تھے۔"

جنید گردن جھکائے علی قلی کے ساتھ چلتا جا رہا تھا۔ اس نے سیرک کی کسی بات کا جواب نہ دیا تھا۔ سیرک نے احتجاج کرنے والے انداز میں کہا۔ "آپ نے میری کسی بات کا جواب نہیں دیا۔"

جنید کی گردن پھر بھی جھکی رہی۔ تاہم تیمور نے کہا۔ "جنید بولتا کم ہے اور سنتا زیادہ ہے اور پھر جہاں عورتیں ہوں وہاں یہ بالکل ہی کم بولتا ہے اور اکثر گم صُم ہو جاتا ہے۔"

علی قلی سب کو لے کر اپنے خیمے میں آیا۔ خیمے سے باہر کھڑے چند جوانوں کو اپنے خیمے کے برابر تیمور کے لیے خیمہ نصب کرنے کو کہا اور دو کو کھانا لانے کو بھیج دیا۔

سب نے مل کر کھانا کھایا۔ سیرک نے اب جنید کو مخاطب کرنا چھوڑ دیا تھا۔ شاید اس کے رویے سے اسے مایوسی ہوئی تھی۔

کھانے کے بعد علی قلی نے تیمور کو اس کا خیمہ دکھایا اور وہ اس میں چلا گیا جبکہ جنید خیموں کے اس شہر کے اندرونی حصّے کی طرف چلا گیا۔ جب وہ ہمایوں کے خیمے کے پاس گیا تو ایک سپاہی بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا اور ایک نئے خیمے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"اے امیر! آقا نے یہ خیمہ آپ کے لیے نصب کرایا ہے۔ خیمے کے پیچھے آپ کے گھوڑے کی جگہ بھی ہے۔ تھوڑی دیر تک آپ کا گھوڑا بھی یہاں پہنچ جائے گا۔"

جنید نے ایک بار احسان مندی سے اس سپاہی کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

اس سپاہی نے کہا۔ "میرا نام تردی بیگ ہے۔ میں سمرقند کا رہنے والا ہوں۔ مجھے آپ کے خیمے کی دیکھ بھال اور اس کی حفاظت پر مامور کیا گیا ہے۔ میں خوش ہوں کہ مجھے آپ کے ساتھ لگایا گیا ہے۔"

تردی بیگ کی باتوں سے جنید کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر وہ اپنے خیمے کے اندر چلا گیا تھا۔

ایک بار پھر بابر نے اپنے لشکر کے ساتھ ہندوستان کا رُخ کیا۔ ہمایوں کو اس نے کابل میں چھوڑا۔ جنید کو اس نے اپنے ہراول لشکر کا امیر مقرر کیا۔ شمالی کوہستانی سلسلے کے ساتھ سفر کرتے ہوئے اس نے پنجاب کے دریاؤں کو عبور کیا اور ایک طوفانی حملہ کر کے اس نے سیالکوٹ پر قبضہ کر لیا۔

سیالکوٹ میں اس نے اپنے ایک جرنیل ولی زملی کو حاکم مقرر کیا اور خود اس نے لاہور کا رُخ کیا۔ شہر سے باہر اس نے حاکم پنجاب دولت خان کو عبرت خیز شکست دی اور لاہور پر قبضہ کر کے وہاں اپنے ایک دوسرے جرنیل محمد علی جنگ کو حاکم اور خواجہ حسین علی اس کا نائب مقرر کیا۔

پنجاب کا حاکم دولت خان شکست کھانے کے بعد قلعہ بلوت، قلعہ کوٹلہ، قلعہ ننگوٹہ اور ان کے نواحی علاقوں کے حاکم غازی خان کے پاس چلا گیا۔ ہندوستان کے اندر مزید پیش قدمی کرنے اور حالات کا جائزہ کے لیے بابر لاہور شہر سے باہر اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہو گیا تھا۔

تیمور اپنے خیمے میں بیٹھا ہوا تھا کہ حسین سیرک اس کے خیمے کے دروازے پر آئی اور تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے رِم جھم بادو باراں اور چھم چھم ہوا کے جھونکے کے انداز میں کہا۔ "بابا نے آپ کو کھانے پر بلایا ہے"۔

تیمور اُٹھ کھڑا ہوا۔ ہاتھ میں پکڑے ہوئے تیر اس نے ایک طرف رکھ دیئے۔ جب وہ خیمے کے دروازے پر آیا تو وہاں کھڑی سیرک نے پھر اس سے کہا۔ "جو شخص مطبخ سے ہمارا کھانا لاتا ہے۔ بابا نے اسے تاکید کر دی ہے۔ اب وہ آپ کا کھانا بھی لایا کرے گا اور آپ روزانہ ہمارے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا کریں گے"۔

تیمور جواب میں کچھ کہنے والا تھا کہ ایک طرف سے جنید اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا۔ تیمور کے خیمے کے سامنے وہ رکا اور گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے اس نے کہا۔

"تیمور! میرے بھائی! میں تمہارے پاس بیٹھتا لیکن میں جلدی میں ہوں۔ میں تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ کسی سمت مزید پیش قدمی کرنے سے قبل ہمارا لشکر کچھ روز تک نہیں لاہور شہر میں ہی خیمہ زن رہے گا۔ اسی مزید پیش قدمی کے سلسلے میں بابر مجھے ایک اہم مہم پر روانہ کر رہا ہے۔ میں چند دن تک لشکر سے باہر رہوں گا۔ میں یہ اس لیے بتانے بھی آیا ہوں کہ تم میرے متعلق فکرمند نہ ہو"۔

تیمور نے فکرمندی سے پوچھا۔ "کیا اس مہم کا تعلق کسی دشمن قوت کی جاسوسی اور دیکھ بھال ہے"۔

جنید نے کہا۔ "تمہارا اندازہ درست ہے"۔

تیمور نے کہا۔ "تم بابر سے بات کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں"۔

جنید نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "نہیں ایسا ممکن نہیں۔ جو کام مجھے سونپا گیا ہے اسے اکیلا آدمی ہی احسن طریقے سے انجام دے سکتا ہے"۔

تیمور نے اداس افسردہ لہجے میں کہا۔ "جلدی لوٹ آنا میرے بھائی۔ میں تمہارے متعلق بہت فکرمند رہوں گا۔ اپنا خیال بھی رکھنا۔ میں ہر روز لشکر سے باہر نکل کر تمہارا انتظار کیا کروں گا"۔ جنید نے گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے تیمور سے مصافحہ کیا اور

پھر اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہ آگے بڑھ گیا تھا۔

اپنے لشکر سے نکل کر جنید دریائے راوی کے کنارے کنارے جنوب کی طرف بڑھا پھر اس نے اپنا رُخ مشرق کی طرف کر لیا تھا۔ وہ دم لیے بغیر لگاتار سفر کر رہا تھا۔ دریائے ستلج عبور کرنے اور صحرائے تھر پارکر سے شمال سے گزرنے کے بعد وہ پانی پت میں داخل ہوا۔ یہاں سے اس نے اپنا رُخ جنوب مشرق کی طرف کر لیا اور ایک روز وہ دہلی میں داخل ہوا۔ اپنے گھوڑے کو آرام دینے اور اس کے لیے چارہ اور اپنے لیے خوراک حاصل کرنے کی غرض سے اس نے ایک رات دہلی کی سرائے میں بسر کی اور اگلے روز وہ دہلی سے بھی کوچ کر گیا تھا۔ دہلی سے نکل کر وہ کنواہا آیا۔ یہاں اس نے رات بسر کی اور دوسرے روز وہ یہاں سے بھی روانہ ہو گیا۔ اب اس نے اپنا رُخ مشرق کی طرف گوالیار شہر کی جانب کر لیا تھا۔

ایک روز سورج غروب ہونے سے پہلے جنید کنواہا اور گوالیار کے درمیان بہنے والی اس ندی کے کنارے آ کر رکا۔ جو چندیری اور رنتھمبور کی طرف سے آتی تھی اور لمبی الھڑ کامنی کی طرح بل کھاتی اور ٹھاٹھیں مارتی ہوئی دریائے جمنا کی طرف چلی گئی تھی۔ جنید نے گھوڑے کے منہ سے دہانہ نکال کر اسے پانی پلایا پھر اسے کھلا چھوڑ دیا اور گھوڑا بڑی تیزی سے ندی کے کنارے کنارے ہری ہری گھاس چرنے لگا تھا۔ جنید نے اپنے گھوڑے کی زین سے لٹکتے مشکیزے سے پانی پیا۔ پھر وہ ندی کے کنارے بیٹھ کر ہاتھ منہ دھونے لگا تھا۔

ہاتھ منہ دھو کر اور انگوچھے سے صاف کرنے کے بعد جنید نے اپنے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ ندی کے کنارے جس جگہ وہ اس وقت کھڑا تھا۔ اس سے صرف چوتھائی فرلانگ کے فاصلے پر ایک بہت بڑا مندر تھا۔ مندر کے قریب ہی ایک بستی تھی جس سے باہر ایک چوراہا تھا اور اس چوراہے سے کئی راستے نکلتے تھے۔ ایک راستہ سیدھا جنوب رنتھمبور اور چندیری کی طرف چلا گیا تھا۔ دوسرا شمال کی طرف آگرہ کو اور وہاں دریائے جمنا پار کر کے سنبھل شہر کی طرف جاتا تھا۔ تیسرا راستہ مغرب کی طرف صحرائے

نھر پاکر اور راجپوتانہ کو جاتا تھا اور چوتھا راستہ اس ندی کو عبور کرنے کے بعد گوالیار شہر کی طرف چلا گیا تھا۔

جنید ندی کنارے لیٹ گیا اور گھوڑے کو چرنے اور پیٹ بھرنے کا موقع فراہم کرتا رہا۔ جب اس نے دیکھا کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہوتا جا رہا ہے۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اپنے گھوڑے کو اس نے لگام چڑھائی، اس پر سوار ہوا اور مندر کی طرف بڑھا۔

جنید جب مندر کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا مندر سے باہر کچھ لوگ آگ کا الاؤ روشن کیے اس کے گرد بیٹھے تھے۔ مندر کے دائیں جانب پھل دار درختوں کا چھوٹا سا ایک باغ تھا اور بائیں طرف بانس کے جھنڈ تھے۔ سورج اب غروب ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ بھیگتی شام کا کاجل دھیرے دھیرے پھیلنے لگا تھا۔ تاریکی دن کا اختتام اور ہر شے کی بے بساطی اور بے قراری کا اعلان کر رہی تھی۔ مشرقی افق پر چھائے گہرے شفق کے گہرے رنگوں میں نہا کر رہ گئے تھے۔

اپنے گھوڑے سے اُتر کر جنید آگ کے الاؤ کے پاس آیا اور وہاں بیٹھے ہوئے جوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔ "مَیں مسافر ہوں۔ اس سرزمین میں اجنبی ہوں۔ یہاں کی راہوں کا بھی شناسا نہیں۔ مَیں نے گوالیار کی طرف جانا ہے۔ کیا تم میری راہنمائی کرو گے۔"

ایک جوان نے پوچھا۔ "تم کہاں سے آئے ہو؟"

جنید نے کہا۔ "میرا مسکن سمرقند کی سرزمین ہے۔"

اس جوان نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "ہم خود یہاں اجنبی ہیں لیکن ٹھہرو، تمہیں مایوس نہ کریں گے۔ مَیں مندر کے اندر جا کر پروہت سے گوالیار کا راستہ معلوم کرتا ہوں پھر تمہاری رہنمائی کروں گا۔ میں غلط نشاندہی کر کے تمہیں بھٹکانا نہیں چاہتا۔"

وہ جوان اٹھ کر مندر کی طرف چلا گیا۔ جنید نے وہاں بیٹھے جوانوں کا

جائزہ لیا۔ وہ سب پوری طرح مسلح تھے۔ لگتا تھا وہ گویا مندر کے محافظ ہوں۔ جنید کو اس گفتگو کرنے والے جوان کی باتوں سے کچھ شک ہوا۔ تاہم وہ مستعد ہو کر اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگا تھا۔

وہ جوان مندر کے ایک کمرے میں داخل ہوا۔ اندر ایک پروہت ایک گدے پر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ اس جوان نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "مالک باہر ایک مسلمان جوان آیا ہے۔ اس کا تعلق سمرقند سے ہے اور وہ ہم سے گوالیار کا راستہ پوچھتا ہے۔ کوئی مالدار آسامی لگتا ہے۔"

اس پنڈت نے کھانا چھوڑ دیا اور تیزی سے کھڑے ہوتے ہوئے اس نے کہا "یہ بچ کر نہ جائے۔ قبل اس کے کہ وہ رات بسر کرنے کے لیے بستی کا رُخ کرے یا گوالیار کی راہ پر گامزن ہو، آؤ مل کر اسے ٹھکانے لگا دیں۔"

پنڈت نے ذرا رک کر پھر اس جوان سے پوچھا۔ "کیا تم نے اسے غور سے دیکھا ہے، وہ مسلح ہے یا عام کپڑوں میں کوئی سوار ہے۔"

اس جوان نے کہا۔ "وہ اپنے بہترین اور نئے جنگی لباس میں ہے پر اس سے کیا ہوتا ہے۔ اس ایک کے مقابلے میں ہم پانچ مسلح جوان ہیں۔ اس کے جسم کا ایک ایک عضو کاٹ کر رکھ دیں گے۔"

پنڈت نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔ "مَیں یونہی وِچار (سوچ) میں پڑ گیا تھا۔ تم آؤ میرے ساتھ دیکھ لیتے ہیں اسے۔"

پنڈت اس جوان کے ساتھ آگ کے الاؤ کے پاس آیا۔ جنید اسی طرح اپنے گھوڑے کے پاس کھڑا تھا۔ تاہم وہ چوکنا تھا اور ان کی ہر حرکت کا بغور جائزہ لیتے جا رہا تھا۔ پنڈت نے اس کے سامنے آتے ہوئے پوچھا۔ "تم کون ہو؟ کیا نام ہے؟ کدھر سے آئے ہو، کہاں جاؤ گے؟"

جنید نے کہا۔ "میرا وطن سمرقند ہے۔ میرا نام جنید ہے، مَیں تُرک مسلمان ہوں اور گوالیار جاؤں گا۔"

پنڈت نے اس بار خشک لہجے میں پوچھا۔ "گوالیار تم کیوں اور کس کے پاس جاؤ گے؟"

جنید نے اکھڑے اکھڑے لہجے میں کہا۔ "گو ایسے سوالات کا جواب دینے کے لیے میں پابند نہیں ہوں۔ تاہم بات کو سمیٹنے کے لیے میں عرض کروں کہ میں گوالیار میں راجہ بکرما جیت کے اصطبل کے داروغہ احمد یوسف سے ملنے جا رہا ہوں اب مجھ سے کوئی اور سوال پوچھنے سے قبل یہ بتاؤ کہ گوالیار جانے کے لیے مجھے کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔"

پنڈت نے اپنا سر ہلاتے ہوئے اپنے مسلح جوانوں کو اشارہ کیا۔ وہ پانچوں اُٹھ کھڑے ہوئے اور جنید کا گھیراؤ کرنے لگے تھے۔

پنڈت نے اس بار جنید کو بڑھکانے کی خاطر کہا۔ "اس کا کیا ثبوت ہے کہ تم مسلمانوں کے جاسوس نہیں ہو اور کسی مسلمان بادشاہ کی طرف سے گوالیار کے حالات و کوائف مرتب کرنے جا رہے ہو۔ تم اب یہاں سے نہ جا سکو گے۔ ہم یہیں اس مندر سے باہر ہی تم سے نمٹ لیں گے۔"

جنید نے فوراً اپنی ڈھال سنبھال لی اور اپنی تلوار بے نیام کرتے ہوئے اس نے کہا۔ "یہ تمہاری بھول ہے کہ تم یہیں اس مندر سے باہر ہی مجھ سے نمٹ لو گے۔"

آگ کے پاس بیٹھے چاروں مسلح جوان آگے بڑھنے لگے اور انہوں نے اپنی تلواریں کھینچ لی تھیں۔ تاہم ان کے پاس ڈھالیں نہ تھیں۔ جو جوان پنڈت کو بلانے گیا تھا اس نے بھی اپنی تلوار کھینچ لی اور انتہائی قہر اور غضب کی حالت میں اس نے کہا "اب یہاں سے بچ کر تمہارا جانا مشکل ہے۔ اب اس کوہستانی ندی کا کنارہ تمہاری مرگ گاہ ہو گا۔

جنید نے اپنی تلوار لہراتے ہوئے چند قدم آگے بڑھ کر کہا۔ "مجھے لڑنے کی دعوت دے کر تم لوگ غلطی اور بھول کر رہے ہو۔ تم اس وقت جس عزم سے سرشار ہو اسے میں اپنے پہلے ہی وار میں سورج کی آوارہ کرن، ویرانوں کے

دور بگولے اور مرقد سے جدا روح جیسی کر دوں گا۔ قبل اس کے اس فضائے شب میں تارِ عنکبوت کی طرح تمہارے گرد موت کا حالہ بناؤں۔ مجھے گوالیار کے راستے کی نشاندہی کرو اور میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ ورنہ یاد رکھو میں تم سب کے باطنوں کی گہرائی ناپوں گا۔ اپنی عداوت کی آگ سے تمہارے گمان کے اندھیرے اور ریاکاری کے غبار کو دور کر دوں گا۔ اگر تم نے مجھ پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی تو سُن رکھو میں ریت کی پیاسی گہرائی کی طرح تمہارے پاتال کو تم پر کھول لوں گا۔ تمہارے جذبوں کی وحشی آوازوں کو دبا دوں گا اور تم سب کی ذات کے آنگن کو دکھ کے صحرا میں بدل دوں گا۔ میرے سامنے سے ہٹ جاؤ ورنہ میری تلوار کارِ شعبدہ گر کی طرح تمہارے لیے نئی صورت گری کا کام دے گی۔

اس بار ان میں سے ایک دوسرے جوان نے بولتے ہوئے کہا۔ "ہم تمہاری ان گیدڑ گھرکیوں میں آنے والے نہیں ہیں۔ جو کچھ تمہارے پاس نقدی کے علاوہ قیمتی اشیاء ہیں ہمارے حوالے کر دو۔ ہم تمہیں جانے کی اجازت دے دیں گے۔"

جنید نے ان کی اس تنبیہہ کا جواب یوں دیا کہ بیک جست خونخوار وہ آگے بڑھا ان پر بجلی کے برستے کوندے، سمندر کے منہ میں اترنے والے دریا، ندیوں اور بپھرے ہوئے تند دھاروں کی طرح حملہ آور ہوا تھا ان میں سے دو کو پلک جھپکتے میں ختم کر کے دوبارہ پیچھے ہٹ کر اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا تھا۔

پنڈت نے مندر کے ان محافظوں کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس کے ہاتھوں ختم ہونے والے ہمارے یہ دونوں ساتھی مرے نہیں امر ہو گئے ہیں۔ تینوں آگے بڑھ کر اس پر حملہ کرو اور اسے آواز کے بگولوں کے طوفان کی طرح اٹھا کر رکھ دو۔ وہ تینوں آگے بڑھ کر حملہ آور ہوئے۔ جنید بھی آگے بڑھا اور ان پر حملہ آور ہوا تھا۔

جنید اس بار ایک نئے انداز میں حملہ آور ہوا تھا۔ وہ ان پر اپنی تلوار اور ڈھال کے ساتھ اپنی ساری تابندگی اور روشنی کے ساتھ کسی طلسم کے دیو کی طرح برس پڑا تھا۔ اس کے حملوں میں حیات کی معراج، زیست کا کمال تھا اور وہ اپنے سارے

محاط و محیط اور بساط و بسیط جذبوں کے ساتھ شبِ ہجران کی چاندنی اور طلوعِ کے نقیب کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

اس کے حملوں میں ماحول کو دھواں دھواں، شرر شرر اور پتھروں کے سینوں کو دھڑکا دینے والی تڑپ اور اُمنگ تھی ۔ وہ ستارہ فروش اور نیام بدوش بن کر ہر جہت طوفان کی طرح حملہ آور ہو رہا تھا۔ لگتا تھا اس قدیم مندر کے باہر اس نے ارضِ بسیط کے منجمد الفاظ کو پگھلانے اور اپنے سامنے لڑنے والوں کو ضرب ضرب اور زخم زخم کر دینے کا آخری فیصلہ کر لیا ہو۔

اچانک جنید نے ان تاریک فضاؤں کے اندر فلک شگاف لرزہ طاری کرنے والا اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور اپنے حملوں میں اس نے اور زیادہ شعلہ سازی اور برق تراشی پیدا کر لی تھی ۔ لگتا تھا تیرہ و تار غاروں کا کوئی ظلمت نشین وحشی باہر نکل کر چھم ابرِ باراں کی طرح برستی بوندوں کی مانند کسی پر ٹوٹ پڑا ہو۔ اس قدیم مندر کے باہر آگ کے الاؤ کے پاس دھندلی دھندلی روشنی میں جنید کے قیامت خیز حملوں نے ایک طوفان کھڑا کر کے رکھ دیا تھا۔

اچانک ان میں سے ایک جنید کی تلوار کا نشانہ بنا اور کٹ کر گر گیا ۔ پنڈت فاصلے پر گنگ، خاموش اور لب بستہ کھڑا تھا ۔ جب کہ ایک کے مرنے پر باقی دو محافظوں کے چہروں پر غم کے بدنام اندھیرے، تشنگی کے سراب، روح کے اندر جذبے، بے چین خیالوں کی تھکن، بے سمت اڑانوں کی درماندگی اور شکستوں تمہید اترنے لگی تھی ۔ جب کہ جنید کے چہرے پہ فازیانہ ثبات، سرفروشانہ دبد نئے آفاق کی تسخیر کا عمل، خوابیدہ مشیت اور تابندہ حقیقت جیسے جذبوں کا تھا ۔ جنید نے پینترا بدلا اور چار سو پیچ کھاتی بجلیوں، تند عناصر کی یلغار، سو کی تپش اور گھُپ اندھیروں کی گہرائی کی طرح حملہ آور ہو کر اس نے ان دونوں اندر کا روگ طاری کرنا شروع کر دیا تھا ۔

مندر کے سامنے رات کی لمحہ بہ لمحہ گہری ہوتی تاریکی میں جنید شعبدوں کے

آئینہ دار کی طرح ان دونوں کو ان کے منتشر ہوتے خوابوں کی تعبیر سے آگاہ کر رہا تھا ۔ اس کی تلوار اس تواتر سے برس رہی تھی گویا ایک تسلسل کے ساتھ اوس کے بیکراں زمین کے عریاں جسم پر نزول کر رہے ہوں ۔

اس کے حملوں میں ابھی تک ایسی ہی تازگی تھی جیسے کوئی مبتدی کسی منتہی پر وارد ہو رہا ہو اور وہ خوش رنگ پرندوں کی تازہ اڑان کی طرح اپنے دائیں بائیں حملہ آور ہو رہا تھا ۔ اچانک اس کی تلوار ان دونوں میں سے ایک کا خون چاٹتی ہوئی نکل گئی ۔ وہ زمین پر گرا اور ٹھنڈا ہو گیا ۔ اب اس کے سامنے اکیلے کی حالت ایسے تھی گویا بارِ مسافت سے تھکا ہارا کوئی کمزور ٹٹو ۔

راتوں کی جاگتی تاریکی میں جنید کے سامنے اس اکیلے محافظ کی آنکھیں سنگین ہو کر رہ گئی تھیں اور چہرہ پتھر کی طرح احساس کے جذبوں سے خالی ہو گیا تھا ۔ اپنی کم مائیگی اور تنہائی کا احساس کرتے ہوئے وہ مقابلہ کرنا بھول گیا اور جنید کی تلوار نے اسے دو لخت کر کے زمین پر لہولہان گرا دیا تھا ۔

اپنے آخری ساتھی کے مرنے پر وہ عیّار پروہت مندر کی طرف بھاگا ۔ جنید نے شکستوں کا غبار طاری کر دینے والی اپنی آواز میں چلّاتے ہوئے کہا ۔ "ٹھہرو ! ورنہ تم بھی میرے ہاتھوں مارے جاؤ گے ۔"

پروہت فوراً رُک گیا اور مُڑ کر دیکھنے لگا ۔ جنید پروہت کے سامنے آ کھڑا ہوا ۔ رات کی خاموشی میں پروہت کی سانس یوں سنائی دے رہی تھی جیسے سناٹے کے صحرا میں تیز ہوائیں چل نکلی ہوں ۔ پروہت نہ جانے موت کے کن گھمبیر خیالات میں غرق تھا کہ جنید نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا ۔

"گو اس فساد کی ابتدا تم نے ہی ابلیس بن کرائی تھی ۔ تمہارا کام تمہارے اور ان کے درمیان صلح کرانے لیکن تم نے جنگ کی آگ بھڑکائی اور اپنے ان ساتھیوں کو مجھ پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی ۔ اس کے باوجود میں تمہیں کچھ نہ کہوں گا ۔ تم مجھے صرف گوالیار کی طرف جانے والے راستے کی نشاندہی کر دو۔"

جنید کی طرف سے امان ملنے پر اس پروہت کے حواس درست ہوئے۔ اس کے جسم کا لرزہ ختم ہو گیا اور اس نے اپنی سانس درست کرتے ہوئے کہا۔

"یہ جو راستہ ندی پار کر کے مشرق کی طرف بڑھتا ہے۔ یہی گوالیار کو جاتا ہے"

جنید نے پوچھا۔ "ندی میں پانی کس قدر ہو گا"

پنڈت نے کہا۔ "دو دن ہوئے، یہاں اور اُوپر میں خوب بارشیں ہوئی ہیں اس لیے ندی میں پانی کافی ہے۔ شاید کئی جگہ سے تمہارے گھوڑے کو تیر کر گزرنا پڑے"

جنید نے اپنے گھوڑے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "تم یہیں رکو میں آتا ہوں"

جنید اپنے گھوڑے کے پاس آیا۔ زین سے لٹکتا ہوا اس نے کلہاڑا اُتارا اور دوبارہ پروہت کے پاس آیا۔ جنید کے پاس کلہاڑا دیکھ کر پروہت پھر فکر مند اور مغموم نظر آنے لگا تھا۔ جنید نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"تمہارے اس ابلیسی کردار کی سزا یہ ہے کہ میرا یہ کلہاڑا لو اور اپنے مندر سے ملحقہ بانس کے درختوں میں سے ایک لمبا بانس کاٹ کر اور صاف کر کے لاؤ۔ ندی پار کرتے وقت یہ بانس میں اپنے پاس رکھوں گا اور جہاں پانی زیادہ ہوا اور گھوڑے کے تیرنے کی نوبت آئی وہاں اس بانس کو ندی کی تہ میں جما کر میں زور لگاؤں گا اور اپنے گھوڑے کو ندی پار کرنے میں آسانی فراہم کروں گا"

اچانک اس پروہت پر لرزہ طاری ہو گیا اور وہ کسی ان جانے خوف اور دہشت کے تحت کانپنے لگا۔ جنید نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہاں اس کے علاوہ اور کوئی بھی نہ تھا۔ اس نے پروہت سے پوچھا۔

"کیا ہوا تمہیں۔ تم خوف سے کانپنے کیوں لگے ہو جب کہ میں تم سے وعدہ کر چکا ہوں کہ میں تمہیں قتل نہ کروں گا۔ ایک بار پھر میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں تمہیں معاف کر چکا ہوں۔

پروہت نے سہمے سہمے انداز میں کہا۔ "مجھے اپنے ہاتھ سے اپنی تلوار مار کر ہلاک کر دو لیکن میں وہاں سے بانس نہیں کاٹ سکتا اس لیے کہ وہ جگہ دیوتاؤں کے

نام مختص کر دی گئی ہوئی ہے اور جو بھی وہاں سے بانس کاٹے گا بھسم ہو کر رہ جائے گا"۔

جنید نے سخت لہجے میں کہا۔ "کیا اس سے قبل وہاں سے بانس کاٹتے ہوئے کوئی بھسم ہوا ہے"۔

پروہت نے کہا۔ "ہاں ان گنت اجنبی ایسا کرتے ہوئے بھسم ہوئے"۔

جنید نے کہا۔ "کیا تم نے اپنی آنکھوں سے بھی کبھی ایسا ہوتے دیکھا ہے"۔

وہ رُکا پھر اس نے کہا۔ "میں نے خود تو نہیں دیکھا۔ تاہم ایسی ان گنت حقیقتیں اس مندر سے وابستہ ہیں جن سے کسی بھی صورت انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مندر کے اس احاطے میں کوئی داخل نہیں ہوتا۔ جس کے اندر بانسوں کے درخت ہیں"۔

جنید نے کلہاڑا اپنے کندھے پر رکھتے ہوئے کہا۔ "تو پھر آج مجھے تمہارے دیوتاؤں کے اس احاطے میں داخل ہونا ہی پڑے گا"۔

پروہت نے کہا۔ "میں ایک بار تمہیں پھر تنبیہہ کرتا ہوں کہ ایسا کرنے سے باز رہو۔ اس احاطے میں اگر تمہیں کوئی زک پہنچی تو یہ تمہاری اپنی ذمہ داری ہو گی"۔

جنید نے پروہت کی باتوں کا کوئی جواب نہ دیا اور مندر کے اس احاطے کی طرف بڑھا جس کے اندر بانس تھے۔ پروہت دم سادھے اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ لمحہ بہ لمحہ پروہت کی حالت بدلتی جا رہی تھی اور اس کے چہرے پر خوف و ہراس پھیلتا جا رہا تھا۔ جنید جب اس احاطے میں داخل ہونے لگا تو پروہت نے آنکھیں بند کر لیں۔ جنید جب احاطے میں داخل ہو کر ایک بانس کاٹنے لگا اور اس کا کلہاڑا چلنے کی آوازیں پروہت کے کانوں میں پڑیں تو وہ آنکھیں کھول کر حیرت و تعجب سے جنید کی طرف دیکھنے لگا۔

بانس کو صاف کرنے کے بعد اسے گھسیٹتا ہوا جنید جب دوبارہ اس پروہت کے پاس آیا تو اس سے پوچھا۔ "کہاں گئے تمہارے وہ بھسم کر دینے والے دیوتا"۔

پروہت نے شرمندگی کے احساس میں کہا۔ "تم لوگ بڑے سخت اور پتھر عقیدہ لوگ ہو۔ شاید اس سرزمین کے دیوتا بھی تم لوگوں سے خوفزدہ ہیں۔

پروہت سے ہٹ کر جنید اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اس ندی میں ڈال دیا۔ وسط میں جا کر پانی کچھ زیادہ ہو گیا تھا جہاں جنید نے بانس کو پانی میں ڈال کر زور لگایا اور گھوڑے کو آسانی سے ندی پار کرنے میں مدد دی۔ دوسرے کنارے پر جا کر جنید نے بانس کو کنارے پر ہی ڈال دیا۔ پھر رات کی تاریکی میں وہ اس راستے پر اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑا رہا تھا جو گوالیار کی طرف جاتا تھا۔

○

اگلے روز سہ پہر کے وقت جنید اپنے گھوڑے پر سوار گوالیار شہر میں داخل ہوا وہ شہر کے اندر ابھی صرف آدھ فرلانگ ہی آگے گیا ہو گا کہ اس نے دیکھا ان گنت لوگ کیا مرد کیا عورتیں، بوڑھے اور بچے اندھا دھند جدھر کسی کا منہ اٹھا بھاگ رہے تھے ایسا لگتا تھا جیسے کوئی بہت بڑی عفریت ان کا پیچھا کر رہی ہو۔

گھوڑے کو ایڑ لگا کر جنید نے اس کی رفتار تیز کی اور تھوڑا سا اور آگے جا کر اس نے ایک بھاگتے ہوئے ہندو جوان کو روکتے ہوئے پوچھا۔ "اے بھائی! کیا ہوا یہ لوگ کیوں اور کس طرف بھاگے جا رہے ہیں؟"

اس جوان نے رکتے ہوئے کہا۔ "تم شاید شہر میں اجنبی ہو۔ اس لیے اپنی جان بچانے کی خاطر بھاگ جاؤ۔"

جنید نے زور دے پوچھا۔ "آخر بات کیا ہے؟"

اس جوان نے بدحواسی میں کہا۔ "آج گوالیار شہر میں مہا شیوراتری کا تہوار منایا جا رہا تھا۔ گوالیار کا راجہ بکرماجیت، اس کا بیٹا راجکمار مالدیو، اس کی بیٹی اور گوالیار کی راجکماری کنپل، گوالیار کی رانی شنکل، رانی کا بھائی سیوداس اور اس کی بیٹی کرن بھی اس تہوار میں شرکت کرنے کو آئے تھے۔

وہ جوان ذرا رکا اور خوف و بدحواسی میں اس نے اپنے پیچھے دیکھتے ہوئے کہا راجکمار اور اس کا ماموں تو گھوڑوں پر سوار تھے جب کہ راجہ اور رانی شنکل ایک ہاتھی پر اور دوسرے ہاتھی پر راجکماری کنپل اور اس کی ماموں زاد بہن کرن بیٹھی تھیں۔ تہوار

میں آ کر نہ جانے ان دو ہاتھیوں کو کسی نے چھیڑا یا انہیں کیا ہوا کہ وہ سیخ پا ہو کر بھڑک اٹھے اور آپے سے باہر ہو گئے۔ فیل بانوں نے انہیں سنبھالنے کی انتہائی کوشش کی، لیکن وہ ناکام رہے۔ اب وہ ہاتھی اس قدر بپھرے ہوئے ہیں کہ جو شخص ان کے سامنے آتا ہے اسے اپنی سونڈ میں لے کر توڑ موڑ کر رکھ رہے ہیں۔ ان گنت لوگوں کو انہوں نے سونڈ سے مار ڈالا اور بہتیروں کو اپنے پاؤں تلے کچل دیا ہے۔ سنا ہے راجہ اور رانی تو ہاتھی سے گر گئے ہیں لیکن راجکماری کنپل اور اس کی ماموں زاد بہن دوسرے ہاتھی پر اسی طرح سوار ہیں اور مدد کے لیے چیخ چلا رہی ہیں۔

اچانک وہ جوان کہتے کہتے پھر رک گیا اور مڑ کر دیکھا۔ دو کوہ پیکر ہاتھی لوگوں کو روندتے کچلتے اسی طرف آ رہے تھے۔ اس جوان نے ایک تنگ گلی کی طرف بھاگتے ہوئے کہا۔ "اے اجنبی! بھاگ کر اپنی جان بچاؤ ورنہ یہ بپھرے ہوئے ہاتھی تمہیں تمہارے گھوڑے سمیت روند کر رکھ دیں گے۔"

وہ جوان بھاگ کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ جنید نے کوئی فیصلہ کیا اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس نے اس طرف بڑھایا جدھر سے وہ دونوں دیوقامت ہاتھی چنگھاڑتے ہوئے آ رہے تھے۔

جنید جب ان دونوں ہاتھیوں کے قریب گیا تو اس نے دیکھا ایک ہاتھی بغیر ہودج اور فیلبان کے تھا۔ شاید یہ راجہ بکرماجیت کا ہاتھی تھا جو اپنی پیٹھ سے ہر چیز گرا چکا تھا۔ دوسرے ہاتھی پر فیلبان بھی تھا اور ہودج بھی، جس کے اندر دو لڑکیاں مدد کے لیے چیخ چلا رہی تھیں اور ہاتھی کا فیل بان اس پر ضربیں لگا لگا کر اسے قابو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اچانک وہ فیلبان اس ہاتھی کی سونڈ کی زد میں آ گیا اور ہاتھی نے اس فیلبان کو اس بری طرح زمین پر پٹخا کہ اس کا جسم چور چور ہو کر رہ گیا۔ جنید اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس ہاتھی کی طرف بڑھا۔ اس نے اپنی تلوار اور ڈھال سنبھال لی تھی۔

ہاتھی نے جب اسے اپنی طرف آتے دیکھا تو بپھرا ہوا اس کی طرف بڑھا۔

جونہی جنید کو گرفت میں لینے کے لیے اس نے اپنی سونڈ بلند کی جنید کی تلوار بلند ہو کر گری اور ہاتھی کی سونڈ کو کاٹتی چلی گئی تھی۔ ہاتھی انتہائی وحشت ناک انداز میں چنگھاڑا تھا۔

اس موقع سے جنید نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ وہ اس ہاتھی کے پہلو میں آیا اور ہاتھ بڑھا کر اس نے ان دونوں لڑکیوں کو ہودج سے نکالا اور اپنے پیچھے گھوڑے پر بٹھا لیا۔ لیکن جس ہاتھی کی جنید نے سونڈ کاٹی تھی وہ پلٹ کر پھر جنید پر حملہ آور ہوا۔ جنید نے بڑی احتیاط سے اپنے گھوڑے کو موڑا کیوں کہ اس کے پیچھے دونوں لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ اس کے بالکل پیچھے گوالیار کی راجکماری کنپل تھی جس نے جنید کو اس کے دونوں کندھوں سے پکڑ رکھا تھا جب کہ کنپل کے پیچھے اس کی ماموں زاد بہن کرن بیٹھی تھی۔

اپنے گھوڑے کو اس ہاتھی کی پشت پر لے جاتے ہوئے جنید نے اپنی تلوار سے لگاتار اس ہاتھی کی ٹانگ پر ضربیں لگائیں اور اس کی ٹانگ کاٹ کر رکھ دی۔ ہاتھی بے بس سا ہو کر زمین پر گر گیا تھا۔ دوسرا ہاتھی خاموش کھڑا یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔

ایک ہاتھی کو ختم کرنے کے بعد جنید چاہتا تھا کہ پہلے دونوں لڑکیوں کو کسی محفوظ جگہ پہنچائے پھر دوسرے ہاتھی سے نمٹے۔ اس غرض سے اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اس طرف بڑھا جدھر سے کچھ گھوڑ سوار آ رہے تھے اتنے میں ایک سوار اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا جنید کے قریب آیا اور کہا۔ ”میں گوالیار کا راجکمار مالدیو ہوں جن دو لڑکیوں کی آپ نے جان بچائی ہے ان میں سے ایک میری بہن راجکماری کنپل ہے اور دوسری میری منگیتر اور ماموں زاد کرن ہے۔ میں نہیں جانتا آپ کون ہیں تاہم میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے ——

مالدیو اپنی بات پوری نہ کر سکا تھا کہ قریب کھڑے ایک سوار نے جنید کو زور سے آواز دیتے ہوئے کہا۔ ”اجنبی! اپنی جان بچاؤ۔ دوسرا ہاتھی تمہاری طرف آ رہا ہے۔

دونوں لڑکیاں جنید کے گھوڑے سے فوراً کود گئیں اور بدحواسی کے عالم میں دائیں طرف ایک بھٹیارے کی دکان کے اندر جا گھسیں۔ جنید نے پلٹ کر دیکھا ہاتھی انتہائی خشمناک حالت میں اس کی طرف بھاگتا ہوا آ رہا تھا۔ جنید نے گھوڑے کو موڑا اور اس کی طرف بڑھا۔

اب وہ اپنے گھوڑے پر اکیلا تھا۔ لہٰذا وہ اجل کے صبح و شام اور صدائے شدت کی طرح بے جھجک ہاتھی کی طرف بڑھا تھا۔ قریب آ کر ہاتھی نے اپنی سونڈ آگے بڑھائی اور جنید کے گھوڑے کی پچھلی ٹانگ پکڑ کر اسے زمین پر پٹخ دینا چاہا۔ لیکن اسی لمحہ جنید نے اپنے گھوڑے کو ایک سخت مہمیز لگائی تھی۔ گھوڑا اچھل کر اپنا آپ بچا گیا اور ہاتھی اپنی اس ناکامی پر وحشت ناک انداز میں چنگھاڑ کر رہ گیا تھا ہاتھی پھر جنید کی طرف لپکا تھا۔ بازار کی دکانوں کے لوگ اب باہر نکل کر تماشہ دیکھنے لگے تھے۔

کنپل اور اس کی ماموں زاد بہن بھی اب بھٹیارے کی دکان سے راجکمار مالدیو کے پاس آ کھڑی ہوئی تھیں۔ اتنے میں گوالیار کا راجہ بکرماجیت اور اس کی رانی شنکل بھی ایک گھوڑے پر سوار وہاں پہنچ گئے اور اپنے بیٹے مالدیو کے پاس آ کھڑے ہوئے تھے۔

ہاتھی کو دوبارہ اپنی طرف پلٹتے دیکھ کر جنید کی قوتِ ارادی بھی اپنے عروج پر آ گئی تھی اس کے چہرے پر معجزوں کے امین اور محسنینِ بشر جیسا وقار اور مومنینِ عمل اور موجدانِ ہنر جیسا سکون تھا۔ وہ ان مجاہدوں کی سی علامت بن گیا تھا جو ظلمتِ دہر میں آندھیوں سے بجھتے چراغوں کی حفاظت کا فرض ادا کرتے ہیں۔

اچانک جنید نے لگاتار تین بار اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔ لوگوں نے سنا اس کی تکبیر کے تقدس میں راوی کی لہروں کی للکار، چناب کی موجوں کی پکار، دریائے سندھ کے مانجھیوں کا خروش اور دریائے جہلم کے گرتے آبشاروں کا طوفانی پن تھا۔ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر جنید ہاتھی کی طرف پلٹا اور اپنے پورے احتشام و جلال کے ساتھ

وہ ہاتھی کی پشت پر حملہ آور ہوا تھا۔ ایسا لگتا تھا وہ اجل کا گرز بن کر ہاتھی کی ہڈیوں کو کوٹ کر رکھ دے گا۔ قریب آکر وہ آندھیوں اور ہواؤں کی رفتار سے کسی جویائے راز کی طرح حملہ آور ہوا۔ اس نے ہاتھی کی پشت پر پے در پے اور دمبدم اپنی تلوار برسانی شروع کر دی تھی۔ اس کے منہ سے اب بھی اللہ اکبر کی گونج سنائی دے رہی تھی۔ اپنے حملوں کی عجیب سی خوفناک عفریت کے ساتھ جنید اس ہاتھی پر حملہ آور ہوا تھا۔ لگتا تھا وہ اپنے جوشِ قتال کی آخری آگ بھڑکا چکا ہو۔ اس نے ہاتھی کی پشت کو اپنی تلوار کا نشانہ بنا رکھا تھا اور جب ہاتھی اپنا منہ اس کی طرف کر کے اسے اپنی سونڈ میں دبوچ لینے کی کوشش کرتا، جنید پھر گھوڑے کو ایڑ لگا کر ہاتھی کی پشت پر ہو جاتا تھا۔

وہ طوفان بدوش موجوں، جھلملاتے آبشاروں اور دریاؤں کی اٹھتی گہری گونج کی طرح حملہ آور ہو رہا تھا۔ لگتا تھا وہ گوالیار میں بہاروں کی تفسیر، ستاروں کی تقدیر لکھنے اور سانس لینے صحرا، مہکتے کھیت، دہکتے دشت، نیلے دریا اور سبز میدانوں کو اپنی عظمت و شجاعت کا آئینہ دار بنانے کے لیے داخل ہوا ہو۔

اپنی تلوار سے پے در پے وار کر کے جنید نے ہاتھی کی ایک ٹانگ کاٹ دی اور دوسری بری طرح زخمی کر کے رکھ دی جس کے نتیجے میں دوسرا ہاتھی بھی بے بس ہو کر زمین پر گر گیا تھا۔ اردگرد دھڑے گوالیار کے لوگ جن پر ان دونوں ہاتھیوں نے دہشت طاری کر دی تھی وہ ہاتھیوں پر جھپٹ پڑے۔ انہوں نے دونوں کو مار مار کر ختم کر دیا۔ پھر انہیں گھسیٹتے ہوئے شہر سے باہر لے جانے لگے تھے۔

راجہ بکرما جیت، اس کی رانی تشنکل، بیٹی کنپل، بیٹا مالدیو، تشنکل کا بھائی سیوداس اور اس کی بیٹی کرن آہستہ آہستہ اس طرف بڑھے جہاں جنید اپنے گھوڑے سے اتر کر کھڑا ہوا تھا۔ قریب جا کر راجہ بکرما جیت نے جنید سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"میں گوالیار کا راجہ بکرما جیت ہوں۔ تم نے نہ صرف میری بیٹی راجکماری کنپل

اور میرے بیٹے مالدیو کی منگیتر کرن کی جان بچائی ہے بلکہ ان دونوں ہاتھیوں کا خاتمہ کر کے تم نے سارے گوالیار شہر پر احسان کیا ہے۔ لگتا ہے تم ابھی ابھی گوالیار شہر میں داخل ہوئے ہو۔

اے اجنبی! تم کون ہو، تمہارا کیا نام ہے اور تم کہاں سے آئے ہو۔ میں اس سرزمین کا نام جاننا چاہتا ہوں جس میں تم جیسے سپوت پیدا ہوتے ہیں۔ قسم بھگوان کی میرے پاس اگر تم جیسے صرف چند ہزار جوان بھی ہوں تو میں پورے ہند کی تسخیر کے لیے نکل کھڑا ہوں۔ اے جوان! تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟"

جنید نے کہا "اے راجہ! میرا نام جنید ہے، میں مسلمان ہوں اور سمرقند کے ایک نواحی شہر اخسی سے آیا ہوں، یہاں ہند کی سرزمین میں میرے ذمے ایک مہم تھی جسے میں سر کرنے آیا ہوں۔ اس مہم کا پہلا نشان چونکہ گوالیار شہر میں ہے۔ لہٰذا میری پہلی منزل بھی یہی شہر بنا ہے اور یہیں سے میں اپنے کام کی ابتدا کروں گا۔"

بکرما جیت نے اس بار قدرے پریشانی اور جستجو سے جنید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا تمہاری یہ مہم کسی حکمران کی سونپی ہوئی ہے؟"

جنید نے کہا۔ "نہیں یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ میرا باپ کئی برس پہلے جب کہ میں بچہ تھا، مالوہ کی ایک جاگیر کا مالک تھا۔ اسے اور ہمارے ایک خاندانی ملازم اور میرے چچا کو کچھ لوگوں نے قتل کر دیا۔ میں ان قاتلوں کی تلاش کرنے اس سرزمین میں داخل ہوا ہوں۔"

بکرما جیت نے اپنے اہلِ خانہ سے جنید کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "یہ میری پتنی (بیوی) تشنکل اور اس کے ساتھ اس کا بھائی سیوداس ہے۔ یہ میرا بیٹا اور گوالیار کا راج کمار مالدیو ہے۔" پھر بکرما جیت نے کرن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ سیوداس کی بیٹی اور میرے بیٹے کی منگیتر ہے۔"

پھر بکرما جیت نے اِدھر اُدھر دیکھا، شاید اس کی نگاہیں اپنی بیٹی کنپل کو تلاش کر رہی تھیں جو بالکل اس کے پیچھے چھپی کھڑی تھی۔ بکرما جیت نے مڑ کر اپنی بیٹی کا بازو

پکڑا اور اسے اپنے پہلو میں کھڑا کرتے ہوئے کہا۔ "یہ میری بیٹی اور گوالیار کی راجکماری
کنپل ہے۔ اس کی جان بچا کر تم نے مجھے نئی زندگی دی ہے۔ اے جوان! تم میرے
پورے خاندان کے محسن ہو۔"

جنید نے پہلی بار غور سے کنپل کی طرف دیکھا۔ وہ خوب دراز قد اور نوعمر
اس کی جوانی جیسے کسی ساحر کا فسوں، کسی شنکری کا جادو، جیسے ساعت ساعت
میں بجتی جلترنگ، افسانہ در افسانہ بزم افسوں، جیسے سنہری شعاعوں کا ہجوم ہو
طواف کرتے ماہ و نجوم، اس کی خوب صورتی گویا کھلی چاندنی کا چشمۂ کوہسار، صحرا، گلشن
پر سرنگوں روشنی، ہالہ بہ ہالہ نور کے فسوں کی کہانی، کہکشاں در کہکشاں، آنگن آگر پڑی ہو۔
پیار کی گونج۔

اس کی بڑی بڑی آنکھیں جیسے کشمیری جھیلوں کا گہرا پن، اس کے ابرو دھنک فرزانے اور
رنگ کمان، اس کے ہونٹ جیسے سرخ انگارے جیسے نو شگفتہ گلوں کا رس، یوں آتش کدہ
مسکراتے پھول، چاندنی کے کنول۔ وہ آکاش کی اپسرا اور ہریالی کی ساحرہ، بلوہ سا تھا کہ بکرما
شمشاد کی سی جوانی لیے سر جھکائے جنید کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے کوثریں
گلاب رنگ ہونٹ خاموش تھے۔ اس کی برکھا زلفیں، کوندے عارض، چنچل نینا
ابرو، روشن چہرہ، کالے گیسو، نرم کلائیاں، نازک چوڑیاں ہر شے ہر چیز اس کے
ساتھ خاموش اور ساکن تھی۔

پھر بکرما جیت نے اس کا بازو پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا۔ "بیٹی! اس جوان کا
جنید ہے۔ یہ اس شہر میں اجنبی ہے اس نے تمہاری جان بچائی ہے، کیا تم اس کا شکریہ
ادا نہ کرو گی۔"

کنپل نے اپنا جھکا چہرہ آہستہ آہستہ اوپر اٹھایا۔ یوں لگا جیسے فضاؤں میں
قہقہے برس گئے ہوں، دھڑکن دھڑکن رقص و مسرت شروع ہو گیا ہو۔ اور چہار سو
سنہری دھند، روپ اجالوں کا نور اور خورشید نیم خوابی بکھر گئے ہوں۔ پھر اس کے خوشنما
کے سے چشم و لب حرکت میں آئے اور جنید کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے روپ کی

پرچھائیاں برساتے اپنے شبنمی لہجے میں کہا۔ "میں آپ کی احسانمند ہوں آپ نے میری
جان بچائی۔ میں اور میری آتما (روح) سارا جیون بھی اگر آپ کی سیوا کرتے رہیں، تو
اس احسان کا بدلہ میں نہ چکا سکوں۔ آپ ہمارے ساتھ چلیے آپ کی حیثیت ہمارے
محل میں ایک معزز مہمان کی ہوگی۔"

کنپل کی گفتگو سے یوں لگا تھا جیسے رات میں خوشبو بکھر گئی ہو۔ جیسے زمین
کا کنوارہ پن جھک گیا ہو، جیسے پلکوں کے سائے میں روپ بھڑک اٹھا ہو، جیسے صحرا
کوہسار، گلشن گلشن تتلیاں اڑنے لگی ہوں اور غنچے غنچے کے ہونٹوں سے رس ٹپک
آنگن آگر پڑی ہو۔

جنید سے مخاطب ہوتے وقت حیا و شرم کے باعث وہ لعل و یاقوت کے
ابرو دھنک فرزانے اور چاندنی کے رنگ و نور کی طرح اور زیادہ حسین ہو گئی تھی۔ یوں جیسے کوئی
رس، یوں آتش کدہ خود اپنی تمازت سے پگھل کر رہ گیا ہو۔ جنید غور سے کنپل کی طرف دیکھ
رہا تھا کہ بکرما جیت نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اب جب کہ کنپل تمہیں اپنے لیے ایک معزز مہمان قرار دے چکی ہے، تم
ہمارے ساتھ چلو، وہاں گھر کے ایک فرد کی حیثیت سے رہو۔ جن لوگوں سے تم اپنے
باپ اور چچا کے قتل کا انتقام لینا چاہتے ہو، مجھے ان کے پتے کہو، میں اپنے آدمی
بھیج کر خود ہی ان سے نمٹ لوں گا۔"

جنید نے کہا۔ "میں نے اسی مہم کے لیے تو سمرقند سے یہاں تک اس قدر
طویل سفر طے کیا ہے میں ان سے اکیلا ہی انتقام لوں گا اور ایسا لوں گا کہ ان کے
چاہنے والے بھی اسے یاد رکھیں گے۔"

جنید جب خاموش ہوا تو قریب کھڑی کرن نے اسے مخاطب کرتے ہوئے
کہا۔ "دیکھیے آپ ہمارے ساتھ جانے سے انکار نہ کیجیے گا۔"

جنید سے قبل ہی مالدیو نے بولتے ہوئے کہا۔ "انکار کیسے کریں گے۔
انہوں نے میری بہن اور منگیتر کی جان بچائی ہے۔ آج سے یہ مجھے بھائی جیسے عزیز

ہیں۔ مَیں خود انہیں اپنے ساتھ لے کر چلوں گا۔"

راجہ بکرماجیت نے مسکرا کر جنید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "چونکہ مالدیو تمہیں اپنا بھائی کہہ چکا ہے۔ لہٰذا مَیں اب سے تمہیں اپنا بیٹا کہہ کر پکاروں گا۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہو اور چلو ہمارے ساتھ۔"

جنید کچھ ہچکچاہٹ محسوس کر رہا تھا کہ کنپل کی ماں شنکل نے بولتے ہوئے کہا۔ "چلو بیٹے! ہمارے ساتھ۔ میرا ایک مالدیو سے بھی بڑا بیٹا ہے۔ اس کا نام کیدار ہے۔ وہ محل میں ہے اور ہمارے تہوار میں نہ آیا تھا۔ وہ بھی تمہیں دیکھ کر خوش ہوگا۔ چلو اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔"

جنید نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ کرن پر ڈالی وہ شکل و شباہت میں کافی حد تک کنپل سے ملتی جلتی تھی۔ پھر جونہی وہ مڑ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہونے لگا۔ ایک جوان اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا وہاں آیا اور قریب ہی اُتر کر اس نے راجہ بکرماجیت کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

"پتا جی! مَیں نے سنا ہے دونوں ہاتھی بھڑک گئے تھے اور آپ لوگوں کی شاید جانیں خطرے میں پڑ گئی تھیں۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کسی اجنبی جوان نے کنپل اور کرن کی جانیں بچا کر اکیلے نے دونوں ہاتھیوں کا خاتمہ کر دیا ہے۔"

راجہ بکرماجیت نے جنید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس سے ملو کیدار یہ وہی جوان ہے جس نے کنپل اور کرن کو بچایا ہے۔ اس کا نام جنید ہے۔ یہ سمرقند کا رہنے والا ہے اور اپنے باپ کے قاتلوں کی تلاش میں ہند کی سرزمین میں داخل ہوا ہے۔" کیدار نے آگے بڑھ کر جنید سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"کنپل اور کرن کو بچا کر آپ نے ہم پر ایک عظیم احسان کیا ہے کبھی موقع آیا تو ہم آپ کے اس احسان کا بدلہ ضرور چکائیں گے۔"

پھر بکرماجیت کے کہنے پر وہ اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہونے لگے۔ ایک گھوڑے پر بکرماجیت اور اس کی بیوی شنکل بیٹھے۔ کنپل کو کیدار نے، کرن کو مالدیو

نے اور سیوداس اور جنید اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے تھے۔

راجہ بکرماجیت اور اس کے اہل خانہ کے ساتھ جنید ان کے محل میں داخل ہوا۔ وہ ایک پرانی طرزِ تعمیر کا قلعہ نما محل تھا جو ذرا بلندی پر واقع تھا۔ جب وہ محل میں داخل ہوئے تو محل کے محافظ بھاگتے ہوئے آئے اور گھوڑوں کو لے کر اصطبل کی طرف لے جانے لگے۔ ادھیڑ عمر کا ایک شخص راجہ بکرماجیت کے پاس آیا اور اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔

بکرماجیت نے گھوڑے سے اُتر کر اپنی بیوی کو اتارا پھر اس ادھیڑ عمر کے آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے جنید سے کہا۔ "یہ ہمارے اصطبل کا داروغہ احمد یوسف ہے۔ تمہاری طرح یہ بھی مسلمان ہے۔ یہ محل کے اس دائیں جانب والے حصے میں رہتا ہے جو اصطبل سے منسلک ہے تم سے مل کر یہ بھی خوش ہوگا۔"

پھر راجہ بکرماجیت نے احمد یوسف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "احمد یوسف! تم نے یہ خبر سن لی ہو گی کہ ہمارے دونوں ہاتھی سیخ پا ہو گئے تھے۔ انہوں نے کئی لوگوں کو جان سے مار دیا۔ اگر یہ جوان کنپل اور کرن کو نہ بچاتا تو وہ دونوں بھی ختم ہو گئی ہوتیں۔ آج سے یہ اس محل کا محسن ہے اور ہر کوئی اس کے حکم پر ایسے ہی عمل کرے گا جس طرح ہماری بات مانی جاتی ہے اور اس پر عمل کیا جاتا ہے۔"

احمد یوسف نے اثبات میں سر جھکا دیا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ راجہ کا گھوڑا لے کر اصطبل کی طرف چلا گیا جب کہ جنید اوروں کے ساتھ محل میں داخل ہو رہا تھا۔

محل کے دیوان خانے میں بیٹھ کر کچھ دیر تک وہ جنید کے ساتھ گفتگو کرتے رہے۔ پھر جب شام ہونے لگی تو مالدیو جنید کو لے کر دیوان خانے سے نکلا اور محل کے ایک آراستہ کمرے میں داخل ہوا۔ جنید نے دیکھا اس کے ہتھیار اور گھوڑے کی خرجینیں پہلے سے اس کمرے میں پڑی تھیں۔ وہ یہ دیکھ کر تعجب ہی کر رہا تھا کہ مالدیو نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"جنید! جنید! میرے بھائی! تمہارا قیام اس کمرے میں ہوگا۔ اس کمرے کی ایک طرف میرا کمرہ ہے اور دوسری طرف والے کمرے میں کنپل اور کرن ہوتی ہیں۔ کھانا اور ضرورت کی دیگر ہر شے اسی کمرے کے اندر مہیا کی جائے گی۔ اب تم آرام کرو۔ تھوڑی دیر تک تمہارا کھانا بھی آنے والا ہے۔"

مالدیو مڑا اور باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد کھانا بھی آگیا۔ جنید نے کھانا کھایا اور آرام کرنے کی خاطر وہ مسہری پر لیٹ گیا تھا۔

O

رات بھیگ کر گہری ہوتی جا رہی تھی۔ چاندنی کی مطربہ آسمان پر گہر افشاں بادل چھا جانے کے باعث نہ جانے کہاں کھو گئی تھی۔ تاریکیاں دشت بن کر ہر سُو محیط ہو گئی تھیں جیسے آکاش کے ہاتھوں سے سورج کا شعلوں بھرا گر گیا ہو اور بارگاہِ خداوندی نے ہر سُو گہرے اندھیرے پھونک دیئے ہوں۔

کنپل اور کرن دونوں اپنے کمرے میں بیٹھی جاگ رہی تھیں۔ اچانک کرن اپنے بستر سے اُٹھی اور کنپل کے بستر پر آکر اس کی رضائی میں گھستے ہوئے کہا۔ "کنپل! اگر تم بُرا نہ مانو تو ایک بات پوچھوں۔"

کنپل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم میری دیدی ہو۔ آج تک تمہاری بات کا کب بُرا مانا ہے۔ تم کہو کیا کہنا چاہتی ہو؟"

کرن نے ایک بار غور سے کنپل کی طرف دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "یہ جوان تمہیں کیسا لگا جس کا نام جنید ہے اور جس نے ہماری آج جان بچائی ہے؟"

کنپل گہری سوچوں میں کھو گئی۔ کرن نے اسے ٹھوکا لگاتے ہوئے کہا۔ "کہاں کھو گئی ہو کنپل! بولتی کیوں نہیں؟"

کنپل نے کہا۔ "سچ کہوں یا اپنا بھرم رکھنے کی خاطر جھوٹ بول دوں؟"

کرن نے کہا۔ "نہیں، تم سچ کہو۔"

کنپل نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "تو پھر سنو! جب وہ ہم دونوں کو بچانے کی خاطر

ان ہاتھیوں پر حملہ آور ہوا تھا تو مجھے یوں لگا تھا جیسے وہ کوئی طاقت کا مظہر ہو اور اپنے ساحرانہ عمل کی ابتدا کرنے لگا ہوں۔ اس کی تلوار بجلی کے کوندے کی طرح لپکتی تھی۔ اس کے ارادوں میں مصر کے بُت اور یونان کے اصنام کی سی پختگی تھی۔ اس کی آنکھوں میں چینی خانقاہوں کے نیلے دھوئیں کا سا اسرار تھا۔ اس کی آنکھوں کے اندر میں نے نردان کی روشنی اور اس کے بازوؤں کے اندر بھگوان کی شکتی دیکھی تھی۔ قسم بھگوان کی اس کے قدم قدم میں شیر کا عزم تھا۔ اس کی تال تال میں دیوتاؤں کی شجاعت اور اس کے سم سم میں آتما کے راز تھے۔

یہ ان جوانوں میں سے ہے جو اپنے گیان اپنی شکتی سے دوسروں کی آتما کو بھی وجدان بخشتے ہیں۔ جو چڑھتے طوفانوں میں بھی پرماتما کے رازدان بن کر سلگتی اُڑتی آگ بن جاتے ہیں۔ ایسے ہی جوان آکاش کے دیئے روشن کرتے ہیں۔ اور یہی وہ جوان ہے جن کے اندر بھگوان محوِ خواب ہوتا ہے۔"

کرن نے دبی دبی رازداری میں پوچھا۔ "اگر ایسا ہی کوئی جوان یا خود جنید تم سے محبت کا اظہار کرے تو تمہارا کیا ردِ عمل ہوگا؟"

کنپل نے کہا۔ "تو پگلی ہے تو ایک پردیسی کو میرا سوامی بنانا چاہتی ہے۔ سن رکھو! جنید ایسا جوان ضرور ہے جو جیون کے زہر سے امرت نکال لینے کا فن جانتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک پردیسی بھی ہے اور اس دھرتی کے راستوں سے ناواقف ہے اور یاد رکھو پردیسی عموماً لٹیرے اور خوابوں کے نگر کو آباد کرنے والے ہوتے ہیں۔"

کرن نے کہا۔ "اگر جنید تمہارے ساتھ پورے خلوص اور دیانتداری کے ساتھ محبت کا اظہار کرے تب؟"

کنپل نے کہا۔ "یہ تم اس وقت کیا فضول تکرار لے بیٹھی ہو۔ رات کافی گذر گئی ہے۔ چلو اُٹھ کر اپنے بستر پر جاؤ اور آرام کرو۔"

کرن نے سختی کے ساتھ کنپل سے لپٹتے ہوئے کہا۔ "نیند نہیں آ رہی پہلے

تم میرے سوال کا جواب دو۔ پھر میں اُٹھ کر چلی جاؤں گی اور تمہیں زیادہ تنگ کر دوں گی۔

کنپل کچھ سوچتی رہی پھر اس نے کہا ”میں کسی ایسے جوان کو مانگنے کسی را کے چرنوں میں یا کسی دیوتا کے مندر میں تو نہ جاؤں گی تاہم اگر وہ مجھے پریم تو میں اپنی ساری یادوں کے ہیرے موتی سمیٹ کر اس کے گلے میں پیار کی جے مالا ڈا دوں گی۔ پر کرن! جنید میرا محسن ضرور ہے پر وہ میری طرف مائل کیوں ہو گا۔ کہاں گوالیار کی راجکماری، کہاں وہ سمرقند کا رہنے والا۔ وہ مجھے کیوں پسند کرے گا۔ کیو مجھے اپنے من میں بسائے گا۔“

کنپل جذبات میں اچانک کہہ گئی۔ ”اگر وہ ایسا کرے اگر وہ مجھے چاہے قسم بھگوان کی اس پر میں اپنا تن، من، دھن سب ہی کچھ نچھاور کر کے رکھ دوں“

کرن نے کنپل کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”اگر تم ایسا سوچتی ہو تو یہ تمہا بھول ہے۔ تمہاری جوانی ایک فسوں، ایک خمار، ایک نشہ، ایک گیت اور راگ ہے۔ تمہاری سندرتا اور خوب صورتی ایک طلسم، ایک خوشبو اور جادو کی ایک ر جھم پھوار ہے۔ تمہارا جسم ایک اوس، ایک گھٹا، ایک پھول، ایک چاندنی ہے کنپل! کنپل! تم ایک کرشمہ خیز پدمنی ہو۔ تم سندرتا کے آشرم کی ایک حسین ترین پر داسی ہو۔ تم جیسی من موہنی، من بھاؤنی اور آکاش کی اپسرا جیسی لڑکی اگر آنکھ بھر کر بھی کسی جوان کو دیکھ لے تو بےچارہ تمہاری محبت میں درویش کی طرح لو لگا کر ہی بیٹھ جائے۔ کنپل! کنپل! تمہارا جسم اوس کی چھلکتی چھاگل ہے۔ تمہارے چہرے پر سند کی جوت اور آنکھوں میں روئے مہتابی ہے۔ جو کوئی تمہاری طرف سے پریم دھا کا اشارہ پائے تمہارے پریم کا سندیس بن کر رہ جائے۔

کنپل نے کہا۔ ”یہ تمہاری بھول ہے کرن! جنید ان جوانوں میں سے نہیں جو میرے جیسی کسی لڑکی کے طلسم کا شکار ہو جائے۔ وہ اپنی ذات میں خود ایک نوائے سروش اور لسانِ غیب ہے۔ میرے جیسی کئی لڑکیاں اپنے من کا مول مانگے بغیر اس کی ہو

کر رہ جائیں۔

کرن نے بڑے وثوق سے کہا۔ ”اگر تم اپنی آنکھوں میں اس کے لیے پریم بساؤ تو مجھے یقین ہے جنید اگر گوہر فروش نہیں اور قدر دان ہے تو وہ تمہارے پریم کو ضرور اہمیت دے گا۔ پر اس راستے میں ایک بہت بڑی رکاوٹ بھی تو ہے۔“

کنپل نے چونک کر پوچھا۔ ”وہ کیا؟“

کرن نے کہا۔ ”وہ مسلمان اور تم ایک ہندو کھشتری یہ جوڑ کیسے ہو؟“

کنپل نے اس بار سنجیدگی میں کہا۔ ”یہ کوئی رکاوٹ نہیں، قرآن، توریت، انجیل، اور وید سب نور، وجدان، عرفان اور نروان ہیں اور سنو کرن اگر جنید ——“

کنپل خاموش ہو گئی اور چونکتے ہوئے اس نے کہا ”ایسا لگتا ہے جنید کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا اور وہ باہر نکلنے لگے ہوں۔ کیا وہ چوری چوری یہاں سے چلے تو نہیں جانا چاہتے۔ پھر کنپل نے فوراً بستر سے اُٹھتے ہوئے کہا۔

”کرن! کرن! آؤ دیکھتے ہیں وہ کمرے سے نکل کر کیا کرنے لگے ہیں۔ اگر وہ یہاں سے رخصت ہونے لگے ہیں تو میں انہیں روک دوں گی۔“

دونوں بستر سے نکل کر بھاگتی ہوئی دروازے کے پاس آئیں۔ کنپل نے کھٹکا کیے بغیر بڑی آہستگی سے دروازہ کھولا۔ جب وہ دونوں کمرے سے نکل کر راہ داری میں آئیں تو انہوں نے دیکھا جنید اپنے کمرے سے نکل کر عمارت کے اس حصے کی طرف جا رہا تھا جس کے اندر راجہ بکرماجیت کے اصطبل کا داروغہ احمد یوسف رہتا تھا۔ کنپل نے فوراً راہ داری کی دیوار کے ساتھ چپکتے ہوئے کرن کے کان میں سرگوشی کی۔

”کرن! کرن! میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ پاؤں کی چاپ یا کھٹکا پیدا نہ ہونے دینا۔ دیکھتے ہیں جنید اپنے کمرے سے نکل کر کیا کرتے ہیں اور کدھر جاتے ہیں۔“

دونوں رازداری کے ساتھ جنید کا تعاقب کرنے لگی تھی۔ ہر سمت سکون تھا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ جنید آہستہ آہستہ اور پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ کنپل اور کرن دونوں اس کے تعاقب میں تھیں۔

جنید عمارت کے اس حصے میں داخل ہوا جس میں راجہ بکرماجیت کے اصطبل
کا داروغہ احمد یوسف رہتا تھا ۔ جنید نے آگے بڑھ کر دروازے پر ہلکی سی دستک دی
کنیل اور کرن بھی دونوں اس کے پیچھے پیچھے تھیں اور وہ دونوں ایک مدور ستون
کی اوٹ میں کھڑی ہو کر رونما ہونے والے حالات کا انتظار کرنے لگی تھیں ۔ تھوڑی دیر
بعد احمد یوسف نے دروازہ کھولا اور جنید کو دیکھتے ہی اس نے چونکتے ہوئے پوچھا
"آپ اس وقت یہاں میرے دروازے پر؟"

جنید نے کہا۔ "میں معذرت خواہ ہوں کہ رات کے اس وقت میں آپ کو
تکلیف دے رہا ہوں ۔ آپ کو یاد ہو گا کئی برس قبل ایک شخص نصرت بیگ نے گوالیار
شہر سے باہر سرکنڈوں کے ایک جھنڈ میں آپ کے سامنے دم توڑا تھا اور اس نے
ریاست مالوہ کے ایک جاگیردار سمر بیگ اور اس کے بھائی اللہ ویردی کی مرگ کا پیغام
سمرقند کے قریب ایک شہر اخسی میں پہنچانے کی منت کی تھی ۔ آپ نے یہ پیغام ایک تاجر
کو دیا ۔ پر افسوس وہ تاجر پیغام دینا بھول گیا ۔ پھر کئی برس بعد وہ تاجر سمر بیگ کے ماموں
شیرم طغائی کے پاس اخسی شہر میں پہنچا اور اس نے اسے سمر بیگ ، اللہ ویردی اور نصرت
بیگ کے قتل ہو جانے کی اطلاع ۔

اے میرے محترم ! میں اسی شیرم طغائی کا نواسہ سمر بیگ کا بیٹا اور اللہ ویردی
کا بھتیجا جنید ہوں اور اپنے باپ ، چچا اور نصرت بیگ کا انتقام لینے کے لیے ہند کی
سرزمین میں داخل ہوا ہوں "۔

احمد یوسف نے آگے بڑھ کر جنید کو گلے لگاتے ہوئے کہا "مرحبا بیٹے امرحبا
میں اس سرزمین میں تم جیسے ترک جوان کو خوش آمدید کہتا ہوں "۔

پھر احمد یوسف نے اپنے گھر کا دروازہ بند کرتے ہوئے کہا "میری اور آپ
کی گفتگو سے کہیں میرے بیوی بچے نہ جاگ جائیں ۔ ٹھہریں میں دیوان خانے کا دروازہ
کھولتا ہوں اور وہاں آرام سے بیٹھ کر گفتگو کرتے ہیں "۔

جنید نے کہا ۔ آپ زحمت نہ کریں ۔ یہیں کھڑے کھڑے آپ کے ساتھ گفتگو

کرنے کے بعد میں ابھی اور اسی وقت رات کی تاریکی میں اپنی منزل کی طرف روانہ ہو
جاؤں گا ۔

راجہ بکرماجیت کی بیٹی کنیل اور ان کے بیٹے مالدیو کی منگیتر کرن کی میں نے چونکہ
جان بچائی ہے ۔ اس لیے وہ مجھ پر مہربان ہیں اور ہو سکتا ہے وہ کل مجھے یہاں سے کوچ
کرنے کی اجازت نہ دیں اور چند دن رکنے کو کہیں جب کہ میں فی الفور کوا انجام دینا چاہتا
ہوں "۔

احمد یوسف نے جنید کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا ۔ "آپ اس قدر جلدی
نہ کریں ، اب آپ میرے لیے اجنبی نہیں ہیں ۔ سنیں ایک تو ہم دونوں کے درمیان ہم مذہب
ہونے کا رشتہ ہے ۔ جو سب سے بڑا تعلق ہے ۔ دوسرے یہ کہ میں بھی آپ کی طرح ترک
ہوں اور میرے دادا کے زمانہ سے ہم یہاں گوالیار کے راجاؤں کے پاس ملازمت کر
رہے ہیں ۔ موجودہ راجہ بکرماجیت انتہائی مخلص اور مہربان ہیں ۔ اگر آپ چاہیں ، تو
وہ آپ کی اس مہم میں آپ کی مدد کرنے کو بھی تیار ہو جائیں گے "۔

جنید نے کہا ۔ "نہیں میں اپنی اس مہم کو اکیلا سر کروں گا ۔ یہ مجھ پر ایک فرض
بن کر عائد ہو چکی ہے "۔

احمد یوسف نے کہا ۔ "آپ اس قدر عجلت سے کام نہ لیں ۔ میں اب آپ
کو دیوان خانے میں بٹھائے بغیر نہ جانے دوں گا ۔ آپ راجہ بکرماجیت کے تو محسن ہیں
ہی لیکن میرے لیے بھی اب آپ ایک معزز مہمان سے کم نہیں ہیں ۔ ذرا رکیں میں دیوان
خانے کا دروازہ کھولتا ہوں "۔

احمد یوسف آگے بڑھا ۔ جس مدور ستون کے پیچھے کنیل اور کرن چھپی ہوئی
تھیں ۔ اس کے پاس سے گزرتے ہوئے جب احمد یوسف دیوان خانے کی طرف مڑا
تو اچانک اس کی نگاہ کنیل اور کرن پر پڑ گئی ۔ وہ ان دونوں کو رات کے وقت پہچان نہ سکا
تھا ۔ لہٰذا اس نے کڑکتی ہوئی آواز میں کہا ۔ "کون ہو تم دونوں !"

احمد یوسف کی اس آواز پر جنید نے فوراً ایک سخت جھٹکے کے ساتھ اپنی تلوار

کھینچ لی تھی۔ کنپل اور کرن دونوں چپکے سے خاموش کھڑی رہیں۔

احمد یوسف جب ان دونوں کے قریب گیا تو انہیں پہچان گیا۔ پھر اس نے بڑی مہربانی اور شفقت بھری آواز میں پوچھا۔ "کنپل اور کرن بیٹی! آپ دونوں یہاں اس وقت؟"

کنپل نے فوراً اپنے دفاع میں بولتے ہوئے کہا۔ "میں اور کرن دونوں اپنے کمرے میں جاگ رہی تھیں کہ ان کے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ مجھے اندیشہ ہوا شاید یہ رات کی تاریکی میں ہم سے ملے بغیر ہی چوری چوری یہاں سے کوچ نہ کر جائیں۔ مجھے ان کی فکر تھی۔ اس لیے کہ یہ میرے محسن ہیں اور میری جان بچا چکے ہیں۔ میں انہیں رات کے وقت اجنبیوں کی طرح کوچ کر جانے سے روکنا چاہتی تھی۔ اس لیے کہ ان کا یوں رات کے وقت کوچ کر جانا صرف میرے لئے ہی نہیں۔ اس محل کے ہر فرد کے لیے تکلیف اور دکھ کا باعث ہوتا۔"

کنپل جب خاموش ہوئی تو احمد یوسف نے آگے بڑھ کر دیوان خانے کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "جنید اندر آجاؤ بیٹے! کنپل اور کرن! تم دونوں بھی اندر آجاؤ"

جنید نے فوراً اپنی تلوار نیام میں کر لی اور دیوان خانے میں داخل ہو گیا۔ کنپل نے کرن کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ " چلو اپنے کمرے میں واپس چلی جائیں"

کرن نے اس کا کان پکڑ کر مروڑتے ہوئے کہا۔ " اب تو تم ان سے ہمدردی کا اعلان کر چکی ہو۔ اور اگر ایسا کر ہی چکی ہو تو پھر پورا قدم اٹھاؤ اور ان کے ساتھ چل کر دیوان خانے میں بیٹھو"

کنپل بیچاری چپ چاپ آگے بڑھی اور دیوان خانے میں داخل ہو گئی۔ کرن اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ احمد یوسف نے کمرے میں مشعل روشن کر دی تھی۔

کنپل اور کرن دونوں جنید کے سامنے جا کر بیٹھ گئی تھی۔ احمد یوسف نے جنید کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ " اب آپ پوچھیں، مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟"

جنید نے کہا۔ "کیا آپ مالوہ کے وزیر مدینی راؤ کے داروغہ رام دیو کو جانتے ہیں اور اسے آپ نے دیکھا ہوا ہے؟"

احمد یوسف نے کہا۔ "صرف رام دیو کو ہی نہیں، میں نے مدینی راؤ کو بھی دیکھا ہوا ہے۔"

جنید نے کہا۔ "کیا آپ مجھ سے دونوں کا حلیہ بتائیں گے؟"

احمد یوسف نے کہا۔ "رام دیو نے جس روز تمہارے باپ اور چچا کو قتل کیا تھا۔ وہ یہاں گوالیار میں میرے ہی پاس کچھ گھوڑے خریدنے آیا تھا۔ وہ قد میں میرے جیسا ہی ہے۔ سر پر بال کم ہیں اور پیشانی کا زیادہ حصہ ننگا ہے۔ بائیں آنکھ کے نیچے ایک بڑا تل ہے۔ گردن چھوٹی اور ٹھوڑی گڑھے دار ہے۔ کان کا نیچے والا حصہ جسم کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ سامنے والے دو دانتوں کے درمیان فاصلہ زیادہ ہے۔ آواز بالکل کوے جیسی کرخت ہے اور گفتگو میں گنوارپن ہے۔

مدینی راؤ بھی دراز قد ہے۔ ماتھے اور گال پر زخموں کے نشانات ہیں۔ دونوں پاؤں کا اگلا حصہ باہر نکال کر چلتا ہے۔ گفتگو میں تحکمانہ انداز رکھتا ہے۔ بائیں بازو پر جلنے اور کسی اور وجہ سے سیاہ نشان ہے اور وہاں چمڑی بھی سیاہ رنگ کی ہو چکی ہے۔ مونچھیں بڑی بڑی ہیں اور ان کا اگلا حصہ نیچے کو ڈھلکا ہوا ہے۔ سر کے بال خوب گھنے اور لمبے ہیں منہ چھوٹا اور ناک کا اگلا حصہ خم کھاتا ہوا ہے۔"

جنید نے بڑی احسانمندی سے کہا۔ " میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے ان دونوں سے متعلق اس قدر تفصیل بتائیں۔ میں اب یہاں سے رخصت ہوں گا۔ آپ میری طرف سے راجہ بکرماجیت سے معذرت کر دیجیئے گا کہ مجھے ان سے ملے بغیر یہاں سے کوچ کرنا پڑا۔ ویسے میں کوشش کروں گا کہ اپنی اس مہم سے فارغ ہو کر واپس جاتے ہوئے اُن سے مل کر جاؤں۔"

کنپل نے فوراً بولتے ہوئے کہا۔ " آپ نے میری اور کرن کی جان بچائی اور ہماری وجہ سے ہی آپ اس محل کے محسن ہیں۔ آپ مجھ سے ناراض ہوں یا خفا لیکن آپ کو رات کے اس

وقت میں یہاں سے کوچ نہ کرنے دوں گی۔" آپ کل صبح میرے ماتا پتا اور بھائیوں سے ملے بغیر یہاں سے روانہ نہیں ہو سکتے۔ وہ بھی آپ کل اس وقت یہاں سے جا سکتے ہیں، اگر وہ لوگ آپ کو رخصت ہونے کی اجازت دیں" اور اگر ان کی مرضی نہ ہو تو میں آپ کو کل بھی نہ جانے دوں گی۔"

جنید اور احمد یوسف دونوں ہی کنپل کی گفتگو سن کر حیران اور ششدر رہ گئے تھے۔ اس بار احمد یوسف نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"جنید بیٹے! اب جب کہ کنپل نے اپنا فیصلہ دے دیا ہے۔ اب آج کی رات تم یہاں سے روانہ نہیں ہو سکتے۔ یاد رکھو! کنپل راجہ بکرماجیت کی اکلوتی بیٹی ہے اور اس محل کے کسی بھی فرد نے آج تک اس کی بات نہیں ٹالی۔ راجہ نے اسے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھا ہوا ہے اور اس کی ماتا اس کے پتا سے بھی بڑھ کر اس سے پیار کرتی ہے۔ چند ثانیوں احمد یوسف نے خاموش رہنے کے بعد پھر جنید سے پوچھا۔"

"تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں بیٹے! کہ تم کتنے بہن ہو۔ باپ کی مرگ کے بعد تم کس کے پاس رہتے ہو اور اس قدر دور کی مہم کو سر کرتے تم اکیلے کیوں آئے ہو۔ تم میرے ان سوالوں کا برا نہ جاننا ہے۔ اب چونکہ تم سے ایک تعلق سا قائم ہو گیا ہے۔ اس لیے میں تمہارے متعلق تفصیل سے جاننا چاہتا ہوں۔

جنید نے کہا۔ "میرا باپ مالوہ کا جاگیردار تھا۔ وہ جاگیر مدینی راؤ نے ان سے چھین لی۔ میں ان دنوں بچہ تھا۔ میرے باپ نے مجھے میری بڑی بہن، میرے چچا اور میری ماں کو میرے نانا کے پاس انھی شہر روانہ کر دیا اور خود اپنے ملازم کے ساتھ جاگیر کی واپسی کے لیے بھاگ دوڑ کرتے رہے۔ جس میں وہ ناکام ہوئے اور مدینی راؤ نے میرے باپ اور نصرت دونوں کو قید کر دیا۔ ازاں بعد میرے چچا اللہ ویردی اپنے بھائی اور میرے باپ کی رہائی کے لیے اس طرف آئے۔ انہوں نے میرے باپ سمر بیگ اور ملازم نصرت کو زنداں سے نکال لیا اور مالوہ سے بھاگ کھڑے ہوئے لیکن بدقسمتی سے گوالیار سے مالوہ کی طرف اپنے ساتھیوں کے ساتھ جاتے ہوئے مدینی راؤ کے داروغہ رام دیو نے انہیں دیکھ لیا۔ اس نے

اپنے ساتھیوں کو میرے باپ، چچا اور نصرت پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ میرا باپ اور چچا مارے گئے اور نصرت بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو۔ بعد میں نصرت کی آپ سے ملاقات ہوئی اور پھر اس سے بعد کے حالات کا آپ کو علم ہی ہے۔ افسوس نصرت بھی زخموں کی تاب نہ لا کر مارا گیا۔ وہ بڑا وفادار اور دردمند ملازم تھا۔ ہمارے ہاں اس کی حیثیت گھر کے ایک فرد کی سی تھی۔

ان دنوں ہم اپنے نانا کے ہاں رہتے ہیں۔ ان کا نام شیرم طغائی ہے اور وہ انھی شہر کے رئیس ہیں۔ میرا ایک ماموں ہے ان کے دو بیٹے منصور اور تیمور ہیں۔ میری ایک خالہ بھی ہے اس کا نام بولائی ہے اس کی شادی میرے چچا اللہ ویردی سے ہوئی تھی۔ میرا کوئی بھائی نہیں صرف ایک بڑی بہن ہے اس کا نام سیمون ہے اور اس کی شادی میرے ماموں زاد بھائی منصور سے ہو چکی ہے۔ میری ماں کا نام سیدم ہے اور وہ میرے باپ کی ماموں زاد بھی ہے۔ میری ممانی میری حقیقی پھوپھی بھی ہے۔ میں اور تیمور ان دنوں بابر کے لشکر میں شامل ہیں۔

میں بابر کے ہراول کا نائب امیر ہوں جب کہ ہراول کا امیر بابر کا بیٹا ہمایوں ہے۔ ہم نے پنجاب کا آدھے سے زیادہ حصہ فتح کر لیا ہے۔ لاہور اور سیالکوٹ ہمارے قبضے میں ہیں۔ ان دنوں میں بابر کے ہراول لشکر کا امیر ہوں اس لیے کہ ہمایوں کو کابل ہی میں رہنے دیا گیا ہے۔ میں بابر اور اپنے بھائی تیمور کو بتائے بغیر اس مہم پہ آ گیا ہوں میری غیر موجودگی میں میرا بھائی سخت پریشان ہو رہا ہو گا۔ لہذا میں اس مہم کو نمٹا کر جلدی سے لوٹ جانا چاہتا ہوں۔"

احمد یوسف نے کہا۔" اب تم اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔ اب جب کہ کنپل نے کہہ دیا ہے تو یہ تمہیں ہرگز آج یہاں سے رخصت نہ ہونے دے گی۔"

جنید نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔" اگر کنپل کا یہی فیصلہ ہے تو پھر میں کل دن کی روشنی میں یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔"

جنید اٹھا اور احمد یوسف کے دیوان خانے سے نکل کر وہ راجہ بکرماجیت کے محل

میں اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ اس کے پیچھے کنپل اور کرن بھی وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تھیں۔ کنپل کو امید تھی کہ شاید جنید رک کر ان سے گفتگو کرے گا لیکن اس نے اپنے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا تھا۔

کنپل اور کرن دونوں اپنے کمرے میں داخل ہوئیں۔ کرن نے دروازہ بند کرنے کے بعد کنپل کے بستر پر آ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "کنپل! تم تو انتہائی بے باک اور بے شرم ثابت ہوئی ہو۔ کہاں تھوڑی دیر قبل اس کمرے میں بیٹھ کر میں تمہیں جنید کی طرف راغب کر رہی تھی اور تم اس موضوع پر مزید گفتگو نہ کرنا چاہتی تھی اور پھر کہاں تم نے احمد یوسف کے دیوان خانے میں جا کر براہ راست جنید کو مخاطب کرتے ہوئے اسے رات کے وقت کوچ کرنے سے منع کر دیا۔ کنپل! کنپل! تمہیں لاج نہ آئی جنید کو کوچ سے روکتے ہوئے اور وہ بھی اپنے داروغہ احمد یوسف کی موجودگی میں۔ سنو کنپل! یہ تم پر وہاں کیسا جنون طاری ہو گیا تھا۔"

کنپل نے بڑے حوصلے اور تسلی سے کہا۔ "کرن! کرن! میں صرف شرم کے باعث تم سے ایک بات کہنا بھول گئی تھی۔ سنو! کرن! جنید پہلے جوان ہیں جنہوں نے مجھے ہاتھی کے ہودج سے نکالتے ہوئے میرے جسم کو چھوا تھا اور جو جوان ایک بار میرے شریر کو چھو چکا ہو، وہی میری زندگی کا ساتھی اور میرے جیون کا سوامی میرے جسم کا مالک اور میرا پتی ہو سکتا ہے۔ جنید چونکہ ایک بار میرے جسم کو چھو چکے ہیں۔ لہٰذا یہی میرے مالک اور پتی ہوں گے۔ جنید کے سوا میں اب کسی اور اپنا شریر (جسم) نہ چھونے دوں گی۔

جنید نے اگر مجھے اپنی پتنی بنا لیا تو یہ میری خوش قسمتی ہو گی اور اگر انہوں نے مجھے ٹھکرا دیا تو میں ساری زندگی یونہی بیٹھی رہوں گی۔ کسی اور سے ہرگز شادی نہ کروں گی۔ احمد یوسف کے دیوان خانے میں انہیں کوچ کرنے سے روک کر میں نے اپنی دانست میں ان کی طرف ایک قدم بڑھایا ہے۔ وہ میرے کہنے پر رک گئے ہیں اور مجھے امید ہے میں انہیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔ سنو کرن! ان

کوئی عام آدمی نہیں ہیں۔ وہ بابر کے ہراول لشکر کے سینا پتی ہیں اور ان کا نانا اخسی شہر کا رئیس ہے اور پھر وہ شادی شدہ بھی نہیں اور ابھی نوعمر بھی ہیں۔ کرن! کرن! انہیں حاصل کرنا اب میری زندگی کا مقصد اور میرے جیون کا منشا ہے۔"

کرن نے خجل سے لہجے میں جیسے اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہو۔ کنپل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "کنپل! کنپل! میری عزیز بہن! میں نے تمہیں سمجھنے میں غلطی کی۔ بھگوان کی سوگند تم عظیم اور بلند ہو۔ تم نے جنید کے سوا اب کسی اور کو اپنا شریر نہ چھوانے کا ارادہ کر کے ایک پوتر (پاک) اور بہترین فیصلہ کیا ہے۔ کنپل! کنپل! مجھے امید ہے تمہارا یہ فیصلہ کامیاب ہو گا۔ جنید تمہیں اتنا پیار دیں گے کہ تمہارے ہر حرف کی گویائی، ہر سماعت کی خواہش پوری ہو گی۔ تمہارے پیاسے جذبوں پر جنید پریم کی ایک آبشار بن کر آئیں گے۔ اب ہم جنید کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ نہ جانے کس سمت کے مسافر ہیں۔"

کنپل نے جذبات میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔ "کرن! کرن! میں ریت کے ویرانوں میں اور پیاس کے ارمانوں میں بھٹکتی پھرتی تھی۔ جنید نے میرے شریر کو چھو کر میرے بیمار ذہن میں روشنی اور میرے اندھیرے آنگن میں روشن چاندنی کا سیلاب بہا دیا ہے۔ انہوں نے مجھے اپنے آپ کی پہچان دی ہے۔ وہ میرے سامنے پیار کی آبشار اور پریم کا گلاب بن کر آئے ہیں۔ میں اب ان کی پرچھائیں بن کر اپنے آپ کو اندھے گونگے لمحوں کی طرح ان کے سامنے جھکا دوں گی۔"

کنپل نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اپنی گفتگو جاری رکھی۔ "میں اپنے جسم کی مہکتی مٹی کو ان پر نچھاور کر دوں گی۔ وہ میرے لیے گرم ریت میں ایک گلاب ثابت ہوئے ہیں۔ میں ان کے سنگ پگھل کر اپنے آپ کو بے چہرہ کر کے ان کے اپنے سراپا میں ڈھل جاؤں گی۔"

کرن! کرن! جنید اب میرے جسم و جان کا شعور ہیں۔ کاش! میں انہیں اپنے دل کا حال کھل کر کہہ سکتی۔"

کرن نے کہا۔" تم فکر مند نہ ہو۔ ابھی تو وہ یہیں ہیں۔ تمہیں ان سے بار گفتگو کرنے کا موقع ملے گا۔ اگر تم زیادہ ہی فکر مند ہو تو صبح انہیں جگانے خود جا اور انہیں اپنے من کی بات کہہ دینا۔ اب دیکھو رات کیسی خاموش اور گہری ہو گئی اب ہمیں سو جانا چاہیے "۔

جب کنپل نے اثبات میں گردن ہلا دی تو کرن اٹھ کر اپنے بستر پر چلی گئی کنپل نے بھی اپنے سرخ حنائی اور مرمریں جسم پر اپنے لباس کے نقرئی حاشیوں کو بر اور خوشبو کی طرح وہ اپنی مسہری پر دراز ہو گئی تھی۔

O

دوسرے روز صبح سویرے ہی کنپل جنید کے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ اکیلی ہی تھی اور کرن اس کے ساتھ نہ تھی۔ اس نے دیکھا اس کے سامنے مسہری پر جنید گہری نیند سویا ہوا تھا۔ کچھ دیر تک کنپل اپنی جگہ پر خوف زدہ سی کھڑی لرزتی کانپتی رہی پھر ہمت کر کے وہ آگے بڑھی اور جنید کا پاؤں پکڑ کر اس نے انتہائی پیار اور آہستگی سے ہلایا۔ جنید فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کنپل ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے ہونٹ بار بار حرکت میں آ رہے تھے۔ وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھی لیکن کہہ نہ پا رہی تھی۔

جنید نے فوراً اس کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا۔" کنپل! کنپل! کیا تم کچھ کہنا چاہ رہی ہو۔ بلا جھجک کہو اور اعتماد رکھو کہ میں تمہاری کوئی بات بھی رد نہ کروں گا"۔

جنید کو اپنے ساتھ مخاطب ہوتے دیکھ کر کنپل بیچاری جنید کو دیکھ دیکھ کر شرمائی، لجائی، کانپی، معصوم کلی کی طرح کپکپائی، جھرجھری لے کر سنبھلنا چاہا لیکن اپنے احساسِ جمال اور جنید کے تخاطب کے احساس سے چور ہو کر رہ گئی اور اپنا چہرہ ڈھانپ کر بے بسی کی سی حالت میں اس نے سر جھکا لیا تھا۔ جنید اپنی مسہری سے اٹھا اور اپنے دونوں ہاتھ اس نے کنپل کے نازک ریشمی کندھوں پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

" کنپل! کنپل! کہو تم کیا کہنا چاہتی ہو۔ میں تمہاری ہر بات سنوں گا اور اسے پورا کروں گا۔"

اپنے دونوں کندھوں پر جنید کے ہاتھ رکھنے سے اور اس کے توانا و جوان شریر کے لمس سے کنپل بےچاری پر اور زیادہ لرزہ اور کپکپاہٹ طاری ہو گئی۔ اس نے اپنے چہرے سے اپنے دونوں ہاتھ ہٹائے، ایک نگاہ جنید پر ڈالی پھر اس نے اپنی رس ٹپکاتی آواز میں کہا۔" جس مہم پر آپ جانے والے ہیں اس سے فارغ ہو کر ضرور یہاں واپس آئیے گا۔ کوئی شدت سے آپ کا انتظار کرے گا"۔

اتنا کہنے کے بعد کنپل پھول کی پتی کی طرح مڑی اور سرگوشی کی طرح بھاگتی ہوئی، جنید کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تھی۔ جنید اپنے کمرے میں کھڑا رہ گیا تھا۔ اس کے کانوں میں ابھی تک کنپل کی آواز کا شہنائیوں جیسا الھڑپن، انگڑائیوں جیسا بانکپن غزلوں جیسا چلن اور نظموں جیسا نیاپن گونج رہا تھا"۔

جنید نہ جانے اس تاثر میں ڈوبا وہاں کتنی دیر کھڑا رہتا کہ چند ہی ثانیوں بعد کنپل کا بھائی مالدیو اس کے کمرے میں داخل ہوا اور مسکراتے ہوئے جنید سے کہا۔ " میں نے تو سوچا تھا آپ سفر کی تھکان کے بعد تھکے ہوں گے اور گہری نیند سو رہے ہوں گے لیکن آپ تو جاگ چکے ہیں۔ آپ کی طہارت کے لیے پانی اور آپ کے لیے کھانا ملازم لا رہے ہیں۔ آپ کھانا کھا کر فارغ ہوں پھر ہم نے آپ کے لیے ایک انتہائی مشکل اور اہم کام سونپا ہوا ہے"۔

جنید نے تعجب اور فکر مندی سے پوچھا۔" کیسا کام؟"

مالدیو نے پھر مسکراتے ہوئے کہا۔" آپ فکر مند نہ ہوں۔ ہمارے لیے تو وہ کام مشکل ہے۔ شاید آپ کے لیے آسان ہو۔ بہرحال آپ پہلے کھانا کھائیں پھر میں خود ہی آپ کو لینے آؤں گا"۔

مالدیو مڑا اور کمرے سے نکل گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد جنید کے کمرے میں چار ملازم داخل ہوئے دو پانی اور خالی چلمچیاں اٹھائے ہوئے تھے اور دوسرے دونوں کے پاس جنید کے لیے کھانا تھا۔ جنید کا منہ ہاتھ دھلانے اور کھانا رکھنے کے بعد وہ چاروں چلے گئے۔ جنید خاموشی سے بیٹھ کر کھانا کھانے لگا تھا۔

کھانے کے بعد جنید اپنا لباس پہن کر مسہری پر بیٹھا ہی تھا کہ کمرے میں پھر مالدیو داخل ہوا اور اس نے جنید سے کہا۔ "ہمارے اصطبل میں ایک ایسا نوجوان گھوڑا ہے جس کی ماں ترکی نسل اور باپ عربی نسل کا تھا۔ وہ ہمارے اصطبل میں ہی پیدا ہوا اور پلا بڑھا۔ اب وہ جوان ہو چکا ہے۔ انتہائی خوب صورت، توانا اور لمبا اور دراز قد گھوڑا ہے۔ لیکن اپنے اوپر کسی کو بیٹھنے نہیں دیتا اور جب کوئی اس پر بیٹھنے کی کوشش کرے تو اپنے چاروں پاؤں پر ایسی اچھل کود کرتا ہے کہ کسی کو اس پر سوار ہونے کی جرأت نہیں ہوتی۔ اس قدر عیار گھوڑا ہے کہ کسی کو اپنی پیٹھ پر ہاتھ تک نہیں لگانے دیتا۔ احمد یوسف ہمارا اصطبل کا پرانا داروغہ اور گھوڑوں کی خصلت کا خوب تجربہ رکھتا ہے لیکن وہ بھی اپنی تمام تر مہارت کے باوجود اس جوان گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکا۔ میرے پتاجی نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ گھوڑا آپ کے حوالے کیا جائے اور آپ اس پر سوار ہو کر دکھائیں۔ اس مقصد کے لیے سب لوگ محل سے ملحق میدان میں جمع آپ کا انتظار کر رہے ہیں اور میں آپ کو لینے آیا ہوں"۔ جنید خاموشی سے اٹھ کر مالدیو کے ساتھ ہو لیا تھا۔

O

مالدیو کے ساتھ جنید محل سے ملحق ایک میدان میں داخل ہوا جس کے ارد گرد دیوار بنی ہوئی تھی اور میدان شاید گھڑسواری اور جنگی مشقوں کے لیے بنایا گیا تھا۔ جنید نے میدان میں داخل ہو کر دیکھا۔ ایک طرف میدان کے اندر سنگ مرمر کی شہ نشین بنی ہوئی تھی اور اس شہ نشین پر ساگوان کی منقش لکڑی کی چھت تھی۔ اس شہ نشین پر راجہ بکرماجیت، اس کا بڑا بیٹا کیدار، اس کی بیوی شنکل کے علاوہ کملا اور کرن بھی وہاں بیٹھی تھیں۔ جب کہ اس کے سامنے احمد یوسف ایک گھوڑے کی لگام پکڑے کھڑا تھا اور احمد یوسف کے قریب ہی کنبل کا ماموں سیوداس کھڑا ہوا تھا۔ جنید جب قریب گیا تو راجہ بکرماجیت نے اٹھ کر اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔
"میرا خیال ہے یہاں آپ کی رات پُرسکون گزری ہو گی۔ شاید مالدیو آپ کو بتا

چکا ہو کہ آپ کو اس میدان میں لانے کی کیوں زحمت دی گئی ہے"۔
جنید نے کہا۔ "مالدیو مجھے اس گھوڑے سے متعلق تفصیل سے بتا چکا ہے۔ اس میدان کے اندر میں اس گھوڑے پر سوار ہونے کی پوری کوشش کروں گا اور مجھے امید ہے میں اس میں ناکام نہ ہوں گا"۔
راجہ بکرماجیت نے کہا "تو پھر یہ گھوڑا حاضر ہے۔ آپ ہمارے سارے خاندان کے محسن تو پہلے ہی ہیں، اگر آپ نے ہمیں یہ گھوڑا سیدھا کر دیا تو یہ ہم پر آپ کا ایک اور احسان ہوگا"۔
بکرماجیت کے بعد سیوداس اور احمد یوسف نے جنید سے مصافحہ کیا۔ جنید حیران رہ گیا کہ بکرماجیت کا بڑا بیٹا کیدار اپنی جگہ پر بیٹھا رہا اور اس نے جنید کی آمد کا کوئی اثر نہ لیا تھا۔ اس موقع پر مالدیو فوراً جنید کے قریب آیا اور اس کے کان میں کہا۔
"میرا بڑا بھائی کیدار انتہائی انسان بیزار، برہم مزاج اور اکھڑ انسان ہے۔ آپ اس کی کسی حرکت کا برا نہ مانیں"۔
جنید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مالدیو! تم مطمئن رہو، ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔
جنید آہستہ آہستہ احمد یوسف کی طرف بڑھا اور اس سے اس گھوڑے کی باگ لے لی۔
احمد یوسف نے بڑی شفقت کے ساتھ جنید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ذرا دیکھ بھال کر اور احتیاط کے ساتھ۔ یہ گھوڑا جب اس پر سوار ہونے کی کوشش کی جائے تو چاروں پاؤں پر انتہائی خطرناک اچھل کود ہی نہیں کرتا اپنے دانتوں سے کاٹنے اور دولتیوں سے ریزہ ریزہ کر دینے کو بھی لپکتا ہے۔ یہ گھوڑا نہ جانے کس پیاسی مٹی کا بنا ہے کہ دھوپ کی دستک تک اپنے قریب نہیں آنے دیتا"۔
احمد یوسف پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ جنید کا چہرہ خونچکاں اور جسم پتھر ہونے لگا اس کی حالت وحشتوں کے شرار، آندھیوں کے سفیر اور سرابوں کے سمندر جیسی ہونے لگی تھی لگتا تھا وہ اپنے اور دوسروں کے درمیان فاصلوں کی نئی دیواریں کھڑی کرنے لگا ہو۔ پھر اس نے ایک سخت جھٹکے کے ساتھ گھوڑے کی لگام کھینچ لی اور اس کی پیٹھ پر ہاتھ

پھیرنا چاہا لیکن اس کے ہاتھ پھیرنے سے قبل ہی گھوڑا بُری طرح اُچھل کُود کرنے لگا
کاٹنے کو آیا۔

جنید نے گھوڑے کے منہ پر ایک بھرپور ہاتھ دے مارا اور اس کی لگام کے
اس نے دوسرے ہاتھ سے اس کے نچلے ہونٹ بھی بڑی سختی سے پکڑ کر کھینچ لیے تھے
گھوڑا بُری طرح اگلے پاؤں اٹھانے اور ہنہنانے لگا تھا۔

گھوڑے کے ساتھ ساتھ اب جنید بھی اُچھل کُود کرنے لگا تھا۔ اس کی
سے اب یوں لگتا تھا جیسے اس نے سنگ دل وقت کی نفرت اور آندھیاں اوڑھ لی
وہ لرزاں ورقصاں سایوں اور لہروں پر رواں چاندتاروں کی قاشوں کی طرح اُچھل
کر رہا تھا۔ لگتا تھا وہ وقت کی آندھیوں کا آشوب بن کر گھوڑے کے بدن کو پارہ پارہ
اور لہو لہو کر کے اس کی حالت ٹوٹی ہوئی زنجیروں جیسی کر دے گا۔ وہ اپنے کمال فن سا
کا اظہار کرنے پر تُل گیا ہُوا تھا۔

کنپل بڑے شوق اور حیرت و تعجب سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے دیکھا
جنید لمحہ بہ لمحہ، سنگ و شرر، آگ بگولہ، فسوں تصویر، طلسم خیال کی شکل اختیار کرتا جا رہا
تھا۔ اس کی حرکات میں اب انقلاب کی یلغار، حریت کی اسیری اور تشدد کا فروغ بڑھتا
جا رہا تھا۔

اچانک جنید نے اُڑانوں کی خواہش رکھنے والے پرندے کی سی جست لی اور
دوسرے ہی لمحے وہ ایک کوندے کی طرح لپکتے ہوئے ادراک کا اصول اور فتح کا رسول
بن کر اس گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو گیا تھا۔

گھوڑے پر بیٹھتے ہی جنید نے ربِ کبریا کے نام کی گونج بلند کی اور گھوڑے
کو ایک سخت اور آہنی مہمیز لگا کر اسے سرپٹ دوڑا دیا تھا۔ کافی دیر تک جنید اس
میدان کے اندر اس گھوڑے کو ایڑ پر ایڑ لگا کر وحشی انداز میں سرپٹ دوڑاتا رہا تھا
یہاں تک کہ گھوڑا بُری طرح ہانپنے لگا اور پسینہ پسینہ ہو کر رہ گیا۔
پھر جنید نے گھوڑے کی گردن تھپتھپا کر اسے پیار کیا اور اسے آہستہ آہستہ

ہنکاتا ہُوا شہ نشین کے پاس لایا۔ پھر وہ گھوڑے سے اُترا اور اس کی لگام اس نے
احمد یوسف کو دیتے ہوئے راجہ بکرماجیت سے کہا۔
"اس گھوڑے کو تھکا کر میں نے زیر کر دیا ہے۔ اب یہ کسی سے بدلگامی نہ
کرے گا۔ اسے سوار سے صرف مانوس کرنے کی ضرورت تھی جس کی اس کے لیے ابتدا کر
دی گئی ہے۔ اب کوئی بھی بلا جھجک اس کی پیٹھ پر بیٹھ سکتا ہے یہ اعتراض نہ کرے گا۔"
راجہ بکرماجیت نے احمد یوسف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔" احمد یوسف!
اب تم اس پر سوار ہو کر دکھاؤ تاکہ مجھے یقین ہو کہ یہ اب اپنے سوار سے مانوس ہو چکا ہے۔"
احمد یوسف پہلے جھجکا پھر گھوڑے کو پُرسکوں دیکھ کر وہ بلا توقف رکاب میں
پاؤں جما کر اس پر سوار ہو گیا۔ میدان کے اندر احمد یوسف نے گھوڑے پر سوار ہو کر
ایک چکر لگایا پھر شہ نشین کے پاس وہ گھوڑے سے اُتر کھڑا ہُوا تھا۔

راجہ بکرماجیت اور وہاں بیٹھے دیگر افراد کے چہروں پر سکون تھا۔ کنپل جنید
کی اس کارگزاری پر خوش اور نازاں تھی۔

راجہ بکرماجیت آگے بڑھا اور جنید کو اس نے گلے لگاتے ہوئے کہا۔" اے
میرے اجنبی اور نووارد بیٹے! تُو نے اس سرکش اور بدلگام گھوڑے کو یوں ٹھنڈا کیا ہے
جیسے کوئی اُمڈا ہُوا ساگر صحرا کی پیاس بجھا دے۔ تُو نے ایک دہکتے شعلے کو بجھا کر ٹھنڈا
راکھ کر دیا ہے۔

قسم بھگوان کی تمہارے گھوڑے پر سوار ہونے کا انداز میرے لیے نیا اور اجنبی
تھا۔ مجھے یوں لگتا تھا جیسے کوئی نادیدہ پرچھائیوں کا غبار اچک کر گھوڑے پر ہو بیٹھا
ہو۔ تم نے گھوڑے کی ساری سرکشی سنگ ظلمات کی دیوار جان کر اندھے خلاؤں میں گرا
دی ہے۔ تمہارے پختہ عزم تمہارے جوان ارادوں کو سلام۔ اب یہ عذاب جان گھوڑا
پتھروں کے سناٹے اور بے دھوپ زمین کی طرح پُرسکون اور بے ضرر ہو گیا ہے۔

جنید نے کہا۔" مجھے اب یہاں سے کُوچ کرنے کی اجازت دیجیے تاکہ میرے
ذمہ جو کام ہے اسے انجام دوں۔"

بکرماجیت نے کہا۔ "میرا ارادہ تو تھا کہ تم یہاں کچھ روز اور رکو گے۔ میں تمہیں ساتھ شکار پر لے کر جاتا۔ ہم لوگ ہاتھی سے شیر کا شکار کرتے ہیں۔ ہاتھیوں کو ہم ز رکھا ہوتا ہے اور ان کے سونڈ میں موٹی اور بھاری زنجیر دے دیتے ہیں۔ جنگل جب شیر قریب آتا ہے تو ہاتھی زنجیر گھما کر اسے مارتا ہے اور ادھ موا کر کے رکھ میں تمہیں جانے کی اجازت تو دیتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ اپنی مہم سے فارغ ہو کر تم یہاں ہمارے ہاں آؤ اور کچھ روز یہاں قیام کرو۔ میں تمہیں شکار پر لے کر چلوں گا۔ لیے ایک نیا تجربہ ہوگا۔ اور سنو یہاں سے روانہ ہونے کے لیے تمہیں میری پتنی شنکل بھی پوچھنا ہوگا۔ کیوں کہ تم اس کی عزیزہ بیٹی کنپل ہی نہیں اس کی بھانجی کرن کے محر ہو کہ تم دونوں کی جان بچا چکے ہو۔"

راجہ بکرماجیت کی بیوی شنکل بھی اُٹھ کر ان کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی اور کے ساتھ کنپل اور کرن بھی جنید کے قریب آ گئی تھی۔ شنکل نے کہا۔ "تم بے شک کُوچ کر جاؤ بیٹا لیکن وعدہ کرو کہ اپنی مہم سے فارغ ہو کر اپنے گھر لوٹتے ہوئے تم ہمیں مِل کر جاؤ گے۔ بھگوان تمہیں تمہاری مہم میں کامیاب کرے۔ ہم تمہاری وا کا انتظار کریں گے بیٹا!"

جنید نے کہا۔ "میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں اپنی مہم سے فارغ ہو کر میں یہاں سے ہو کر جاؤں گا۔"

مالدیو نے جنید کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "آئیں پھر آپ کی تیاری کریں" اس میدان سے نکل کر سب محل میں داخل ہوئے۔ احمد یوسف بھاگ کر اصط میں جنید کے گھوڑے پر زین ڈالنے لگا جب کہ مالدیو اندر سے جنید کے گھوڑے کی خرجینیں اُٹھا لایا تھا۔ کیدار محل کے اندر چلا گیا تھا جب کہ راجہ بکرماجیت، مہار شنکل، کنپل، کرن اور اس کا باپ سیوداس جنید کو رخصت کرنے کے لیے وہیں اح اور محل کے صدر دروازے کے درمیانی حصے میں کھڑے ہو گئے تھے۔

احمد یوسف گھوڑے کو اصطبل سے نکال لایا۔ جنید نے مالدیو سے

خرجینیں لے کر اپنے گھوڑے کی زین سے باندھ دیں۔ پھر اس نے ایک نگاہ کنپل پر ڈالی وہ اپنی ماں اور کرن کے درمیان یوں کھڑی تھی جیسے اُداس رنگوں کی بارش، شکستہ لفظوں کی خواہش۔ وہ بے شجر بے کنار صحرا، ریت کی پیاسی گہرائی اور بے آب آئینوں کی طرح اداس تھی۔ اس کے چہرے پر اجالوں کے پیاسے پرندے، بے صدا جسم۔ آگ میں جلتے گلاب، شب کی ٹوٹی کر چیں اور تصویر کی شکستہ لکیروں جیسا غم اور اندوہ تھا۔ اس کی آنکھوں میں بچھڑے موسم کے ان پرندوں جیسا دکھ تھا جو صحرا میں بگولوں کی طرح طرح کھا کھا کر بھٹکتی آوازوں کا تعاقب کرتے ہیں۔

جنید کوچ کر رہا تھا اور کنپل بے چاری کا دِل اس ایک رات کے مسافر کے لیے اداس تھا جو اس کی جان بچاتے ہوئے اس کے جسم کو چھو چکا تھا اور جس کے ساتھ اس نے اپنی زندگی کو وابستہ کرنے کا پختہ عہد کر رکھا تھا۔

کنپل کے گلاب لبوں پر کہنے کو پیار کی اَن گنت داستانیں مچل رہی تھیں۔ وہ خبر نہیں کس فکر میں مبہوت اور کس سوچ میں غرق بس جنید کو دیکھے جا رہی تھی۔ گھبراہٹ میں اس کے سر سے اس کا پلو ڈھلک گیا تھا اور پل کی سیدھی سیار جیسی اس کی مانگ ننگی ہو گئی تھی۔ ایسا لگتا تھا وہ ستاروں کا عکس اور ساون بن کر جنید پر گر جانا چاہتی ہو۔ وہ بس ٹکٹکی باندھے جنید کو دیکھے جا رہی تھی جو تھوڑی دیر تک اس سے رخصت ہو کر اپنی مہم پر روانہ ہونے والا تھا۔

اس موقع پر جب کہ جنید اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے کھڑا تھا اور اس کے پہلو میں کنپل کا بھائی مالدیو تھا۔ راجہ بکرماجیت نے جنید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"جنید! جنید! اگر تم پسند کرو تو میں اپنے کچھ مسلح جوان تمہارے ساتھ کر دوں جو تمہاری اس مہم میں تمہاری مدد کریں۔"

جنید نے کہا۔ "میں اکیلا ہی اپنی اس مہم کو سر کروں گا۔ ایک تو میں اپنی ذات کا اعتماد حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ دوسرے اس مہم پر کسی کو ساتھ لے جانے سے میرا کام کہیں زیادہ مشکل اور دشوار ہو کر رہ جائے گا۔ بہرحال اس پیش کش کے لیے

میں آپ کا شکر گزار ہوں مجھے اُمید ہے میں بہت جلد اس مہم سے فارغ ہو کر دوبارہ آپ کے پاس آؤں گا۔"

محل کے صدر دروازے تک سب جنید کو چھوڑنے آئے۔ دروازے سے باہر نکل کر جنید نے راجہ بکرما جیت، سیوداس، مالدیو، احمد یوسف سے مصافحہ کیا پھر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگا کر اس نے ہانک دیا تھا۔ جب جنید ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو وہ سب محل کے اندر آ گئے۔

کنول بھی ان کے ساتھ تھی لیکن وہ بٹ گئی تھی، تقسیم ہو گئی تھی۔ اس کا جسم کہیں اور تھا اور ذہن کسی اور طرف۔ پہلے اس کی آنکھوں کے آبگینوں میں نمی نمودار ہوئی پھر اُمڈتے سیلاب کی طرح آنسو پھوٹ پڑے۔ جنہیں اس نے فوراً بعد پھیر کر پونچھ ڈالا اور اپنی لمبی مرمریں گردن جھکا کر چلنے لگی تھی۔ اس کے حسین ابروؤں کا خم پر نمناکی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اُداسی اور اس کے چہرے پر بکھرے منتشر خیالات اور یادوں کی گہری دھول تھی۔

مغربی افق کے حاشیوں کا رنگ گلاب کے پھولوں جیسا ہو گیا تھا۔ اس لیے، کہ سورج ان دریاؤں کی طرح غروب ہو رہا تھا جو سمندر میں جا گرنے کی بجائے صحراؤں کی پیاس میں کھو جاتے ہیں۔ ہر شے گویا لالہ گوں ہو گئی تھی۔ مغربی حاشیوں کے رنگ شکستہ خدوخال کے ساتھ ایک یاسیت ایک ناآسودگی کے ساتھ ہر سو بکھرنے لگے تھے۔ اندھیرے کائنات کے خودنگر پاسبان بن کر پھیلنے لگے تھے۔

تیمور لشکر میں مغرب کی نماز باجماعت پڑھنے کے بعد جوں ہی اپنے خیمے میں داخل ہو کر بیٹھا خیمے کے دروازے پر ایک سپاہی نمودار ہوا اور تیمور سے اس نے پوچھا۔

"آقا ظہیرالدین آج ظہر سے امیر جنید کو بلا رہے ہیں۔ میں کئی بار ان کے خیمے میں گیا ہوں لیکن خیمہ خالی ہے اور وہ وہاں نہیں ہیں۔ میں نے خیمے پر پہرہ دینے والوں سے پوچھا تو اُن کا کہنا ہے کہ کئی روز سے امیر جنید اپنے خیمے میں نہیں آ رہے ہیں۔ میں اس لیے آپ کی طرف آیا ہوں کہ شاید وہ آپ کے خیمے میں ہوں۔ کیا آپ بتا سکیں گے کہ آپ کے بھائی امیر جنید اس وقت کہاں ہیں۔ تاکہ میں انہیں آقا ظہیرالدین کے پاس جانے کو کہہ سکوں۔ آقا ظہیرالدین بڑی بے چینی سے ان کا انتظار کر رہے ہیں۔

تیمور تڑپ کر اُٹھ کھڑا ہوا اور اس سپاہی سے اس نے کہا۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو میرے بھائی! جنید کو تو آقا ظہیرالدین نے خود کسی مہم پر روانہ کر رکھا ہے اور وہ ابھی تک وہاں سے لوٹا ہی نہیں پھر وہ کیوں کر اسے بلا رہے ہیں۔ چلو میں تمہارے ساتھ ان کے پاس چلتا ہوں۔

تیمور جب اپنے خیمے سے باہر نکلا تو اس نے دیکھا۔ دائیں طرف سے بابر سپاہی کے حلقے میں اسی سمت آ رہا تھا۔ ساتھ والے خیمے امیر علی قلی بھی باہر نکل آئے۔ جب کہ ان کی بیوی مہر نگار اور بیٹی سیرک خیمے کے پردے کی اوٹ میں کھڑی ہو کر بابر کو اپنے خیموں کی طرف آتا دیکھ رہی تھیں۔

علی قلی تیمور کے پاس آ کھڑا ہوا۔ اتنے میں بابر بھی وہاں آ گیا اور تیمور کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔ "میں آج ظہر کے وقت سے جنید کو بلا رہا ہوں لیکن وہ مل نہیں رہا کہاں چلا گیا ہے وہ۔ کیا وہ ان خیموں کی طرف نہیں آیا"۔

تیمور نے پریشانی میں کہا۔ "آقا! چند روز پہلے جنید یہاں سے کسی نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہوا تھا۔ جاتے جاتے اس نے مجھے صرف اتنا بتایا تھا کہ آپ نے اسے کسی مہم پر روانہ کیا ہے"۔

بابر نے کہا۔ "نہیں ہرگز نہیں! میں نے اسے کہیں بھی روانہ نہیں کیا۔ میں تو یہی سمجھتا رہا کہ جنید کچھ دن کے لیے کہیں شکار کو نکل گیا ہے کیوں کہ کئی دوسرے کمانڈر بھی شکار پر چلے گئے تھے لیکن اب تو سب لوٹ آئے ہیں اور جنید نہیں ہے۔ اب تم نے ایک اور انکشاف کر کے مجھے ایک نئی اُلجھن اور پریشانی میں ڈال دیا ہے۔ اس اجنبی سرزمین میں جنید پہلی بار آیا ہے۔ اس لیے وہ کہاں جا سکتا ہے۔ بہرحال وہ جوں ہی لوٹے۔ اسے میری طرف بھیجو۔ ہم ہندمیں مزید پیش قدمی کرنے کے بجائے واپس کابل لوٹ رہے ہیں۔ اس لیے کہ ہمایوں نے ہماری غیر موجودگی میں کابل سے نکل کر اپنے لشکر کے ساتھ دشمنوں پر یلغار کر دی ہے اور بدخشاں پر اپنا قبضہ مستحکم کرنے کے بعد وہ بخارا اور سمرقند کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس لیے ہمارا لوٹنا ضروری ہو گیا ہے۔ ورنہ کابل میں بغاوت کھڑی ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ لشکر آج ہی شام واپس کوچ کرے گا۔

بابر واپس چلا گیا۔ جنید سے متعلق تفصیلات جان کر تیمور اپنی جگہ پر بے چارہ گم صم کھڑا رہ گیا تھا۔ علی قلی نے اس کا شانہ پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا۔ "کیا ہوا تمہیں، کہاں کھو گئے ہو اور یہ جنید کدھر چلا گیا ہے۔

علی قلی کی بیوی مہر نگار اور بیٹی سیرک بھی اپنے خیمے سے نکل کر ان دونوں کے پاس آ کھڑی ہوئی تھیں۔ تیمور نے دُکھ سے کہا۔ "آہ! جنید نہ جانے کہاں چلا گیا۔ اس کی گمشدگی سے ہمارے گھر میں ماتم بچھ جائے گا۔ میں جب اکیلا گھر لوٹوں گا تو میرا دادا شیرم طغائی مجھ سے سخت بازپرس کرے گا۔ میرے باپ مجھے کاٹنے کو دوڑے گا۔ میری ماں مجھے کیا کیا نہ سنائے گی اور میری پھوپھی، آہ! وہ مجھے تو کچھ نہ کہے گی لیکن خود رو رو کر ہلکان ہو جائے گی۔ وہ جنید کو پکار پکار کر بین کرے گی۔ اور میری بھابی، ہائے حیف! وہ بال کھول کر ماتم کرے گی میری غیر ذمہ داری کا بھائی کی گمشدگی کا۔

کاش میں نے جنید کو تنہا نہ جانے دیا ہوتا۔ کاش میں اس کے ساتھ جاتا۔ کاش میں نے اس سے یہی پوچھ لیا ہوتا کہ وہ کہاں، کس طرف اور کیوں جا رہا ہے۔ کاش میں نے اس کے جانے کے فوراً بعد آقا ظہیرالدین سے اس کی روانگی سے متعلق پوچھ لیا ہوتا۔ اس اجنبی سرزمین میں اسے میں کہاں تلاش کروں گا۔ خبر نہیں وہ کہاں اور کس حال میں ہے۔ کاش میں خود ہی کہیں بھٹک کھو گیا ہوتا۔ میں سمجھتا ہوں میرا بازو میرے جسم سے کاٹ کر دُور پھینک دیا گیا ہو۔

مہر نگار نے آگے بڑھ کر تیمور کا شانہ پیار سے تھپتھپاتے ہوئے اسے تسلی دینے کی خاطر کہا۔ "تمہارا دادا شیرم طغائی، تمہارا باپ اور تمہاری ماں جنید کی گمشدگی پر کیوں تمہیں مارنے اور کاٹنے کو دوڑیں گے"۔

تیمور نے کہا۔ "اس لیے کہ میرا دادا اس کا نانا ہے۔ میرا باپ اس کا ماموں اور میری ماں اس کی پھوپھی ہے۔ میری بھابی اس کی سگی اور بڑی بہن ہے اور پھر جنید ہمارے خاندان میں سب سے زیادہ عزیز ہے اور دل پسند سمجھا جاتا ہے۔ وہ میرے دادا کی جان

میرے باپ کا دل اور میری ماں کی روح ہے۔ میرے دو ماموں ہیں۔ ایک کی اولاد نہیں، دوسرے کی نرینہ اولاد صرف جنید ہے۔ اس لیے میری ماں اسے اپنے بھائیوں اور باپ کی واحد نشانی جان کر اپنے سگے بیٹوں سے بڑھ کر پیار کرتی ہے اور پھر جنید ہے ہی ایسا وہ کسی کا دل نہیں دکھاتا لیکن نہ جانے مجھے ان مصیبتوں میں ڈال کر خود کہاں کھو گیا ہے۔

علی قلی نے تیمور کا بازو پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔ "آؤ میرے ساتھ خیمے میں ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ۔ جنید بچہ نہیں جو وہ کہیں کھو جائے گا۔ ہو سکتا ہے وہ ماں، ماموں اور نانا سے ملنے اپنے گھر ہی چلا گیا ہو۔ اگر وہاں نہیں گیا تو بھی فکر مند نہ ہو، تم جانتے ہو وہ اکیلا پانچ پانچ چھ چھ مسلح جوانوں سے نمٹ سکتا ہے پھر اس سے متعلق فکر مندی کیسی، آؤ میرے ساتھ کھانا کھاؤ جنید خود ہی آ جائے گا۔"

تیمور سر جھکائے خاموشی سے علی قلی خان کے ساتھ ہو لیا۔ اگلے روز ان کا لشکر لاہور سے کابل کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

O

طائر خیال کی پر افشانیوں کی طرح اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا جنید ایک روز مالوہ شہر میں داخل ہوا۔ اس وقت سورج کسی آنکھ کے ٹوٹے ستارے کی طرح غروب ہو چکا تھا اور زمین کی خاک کا غرور اندھیرے چاٹنے لگے تھے۔ انتہا درجہ کی گھمبیر اور اپنی رعونت سے لبریز رات دن کے بے داغ خیالوں کو اپنی بے جان ساعتوں کی آگ پر نچوڑنے لگی تھی۔

شہر کے اندر گھوم پھر کر جنید نے پہلے اس محل نما حویلی کا جائزہ لیا جس کے اندر مالوہ کا عیار و فریب کار وزیر مدینی راؤ چندیری رہتا تھا پھر وہ مالوہ کی ایک سرائے میں داخل ہوا۔ وہاں اس نے رات کا کھانا کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کیا اس کے بعد وہ تیار ہو کر سرائے سے نکل گیا تھا۔

جس وقت جنید مالوہ کی اس سرائے سے نکلا اس وقت رات کافی گہری ہو گئی تھی۔ ہر شے پر سکوت اور چپ طاری تھی۔ لگتا تھا ہر ذی روح انسانیت کے خیابانِ

خیالوں کے معبد، تمدن کی غاروں اور تہذیب کی گھاٹیوں میں گم ہو کر غیر مربوط خیالات کی طرح اپنی ذات کی موجودگی تک کو فراموش کر گئی ہو۔

جنید نے اپنے گھوڑے کو مدینی راؤ چندیری کی حویلی کے پچھواڑے میں روکا۔ اس نے دیکھا وہاں ایک خوب گھنا پیپل کا درخت تھا جو خوب پھیل اور بلند ہو کر حویلی کی چھت سے بھی اُوپر چلا گیا تھا۔ جنید نے اپنے گھوڑے کو اس پیپل کے درخت کے ساتھ باندھ دیا کیوں کہ وہاں خوب اندھیرا ہو رہا تھا اور وہاں کھڑا اس کا گھوڑا دور سے دکھائی نہ دے سکتا تھا۔

پھر جب وہ اپنے گھوڑے کی زین سے کمند کھولنے لگا تو اپنے اُوپر پیپل کے درخت کی اونچائی اور پھیلاؤ کو دیکھتے ہوئے اس کے ہاتھ آپ سے آپ رُک گئے۔ اس نے دیکھا پیپل کے اس پرانے اور گھنے درخت کی ایک چوٹی شاخ حویلی کی چھت کی طرف چلی گئی تھی۔ کمند کو چھوڑ کر جنید اس پیپل کے درخت پر چڑھنے لگا تھا۔

رات کے وقت تیز ہوا کے باعث پیپل کے پتے ایک دوسرے سے ٹکرا کر یوں آوازیں پیدا کر رہے تھے جیسے دُور دیسوں کی مہ جبینیں ان گنت ڈفلیاں بجاتی ہوئی، ستاروں کے گیت، اور مسکراہٹوں کے نغمات الاپ رہی ہوں۔

پیپل کی اس مضبوط ٹہنی کے ذریعے جنید مدینی راؤ کی حویلی کی چھت پر اُترا۔ پھر پنجوں کے بل چلتا ہوا بڑی احتیاط کے ساتھ وہ اس طرف آیا جہاں حویلی کی سیڑھیاں تھیں۔ وہاں آ کر جنید نے اپنی تلوار بے نیام کر لی۔ کمر پر لٹکتی ڈھال اس نے اُتار لی۔ اس کے علاوہ اس کی کمر پر تیروں سے بھرا ترکش اور بائیں کندھے پر اس کی کمان لٹک رہی تھی۔ سیڑھیوں کی اوٹ میں کھڑے ہو کر اس نے نیچے کا جائزہ لیا۔ نیچے حویلی کے اندر دو پہریدار اِدھر اُدھر ٹہل رہے تھے۔

جنید وہاں لیٹ گیا اور رینگ کر سیڑھیاں اُترنے لگا۔ چاروں طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا اور تاریک رات آہستہ آہستہ گہری ہوتی گزر رہی تھی۔

سب سے نچلی سیڑھی پر آ کر جنید رُک گیا اور ایک بار پھر ان دونوں پہریدارو

کی طرف دیکھا جب ان دونوں کی اس طرف پشت ہوئی تو جنید وہاں سیڑھیوں کی اوٹ سے نکلا اور بائیں طرف چھت دار راہداری کی طرف دبے پاؤں اور احتیاط سے بھاگ کر ایک ستون کی اوٹ میں ہو گیا ۔ اب وہ ان دونوں پہریداروں سے اور قریب ہو گیا۔

اچانک جنید نے اپنا بھاری پھل کا خنجر نکالا اور ان میں سے ایک کو ہدف بناتے ہوئے اس نے اپنا خنجر زور سے دے مارا ۔ تیز اور چھوٹے پھل کا خنجر ان میں سے ایک کے دل کو چیرتا ہوا پار ہو گیا اور وہ ایک گہری اور دبی دبی سی سسکاری لیتا ہوا زمین پر گر گیا ۔

دوسرا پہریدار اس تبدیلی اور اپنے ساتھی کی لہولہان حالت پر ششدر و دنگ رہ گیا تھا ۔ وہ ابھی اپنے ساتھی کو سنبھال ہی رہا تھا کہ جنید اس کے سر پر جا پہنچا اور اس کی گردن دبوچتے ہوئے اس نے کہا ۔ " اگر تم نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی تو خبردار میں تمہیں بھی تمہارے ساتھی کی طرح چھید کر رکھ دوں گا " ۔

وہ پہریدار بری طرح لرزنے اور کپکپانے لگا ۔ جنید نے اس کی گردن دبوچے رکھی دبوچے اس سے اس کی تلوار چھین لی ۔ پھر اس نے اس کے دوسرے ساتھی کا جائزہ لیا وہ مر چکا تھا ۔ جنید نے اس کے دل میں پیوست اپنا خنجر کھینچ لیا اور دوسرے پہریدار کو گردن سے پکڑ کر وہ یوں گھسیٹ کر چھت دار راہداری کی طرف لے جانے لگا جیسے کوئی تیندوا پانی پیتی جنگلی بکری کا شکار کرنے کے بعد اسے گھسیٹ کر کھانے کی خاطر پانی سے باہر لاتا ہے ۔

اس پہریدار کو گھسیٹتے ہوئے اس چھت دار راہداری میں لانے کے بعد جنید نے ایک جھٹکے کے ساتھ اسے زمین پر لٹا دیا ۔ اس کی گردن اس نے ایسے ہی دبوچے رکھی ۔ تاکہ وہ کوئی آواز نہ نکالنے پائے ۔ پھر اس نے اس کی گردن چھوڑ دی اور اس کی چھاتی پر اپنا آہنی گھٹنا اور شہ رگ پر خنجر کی نوک رکھتے ہوئے اس نے پوچھا ۔ " بتاؤ مالوہ کا وزیر مدنی راؤ اس وقت کہاں ہے اور وہ اس حویلی کے کس کمرے میں ہے "

وہ پہریدار اپنا سر ادھر ادھر مارتے ہوئے کچھ پس و پیش سی کرنے لگا۔ جنید

نے اپنا خون آلود خنجر اس کی ناک سے لگاتے ہوئے پوچھا ۔" اپنے ساتھی کے اس خون کو سونگھو ۔ کیا اس میں تمہیں اپنی موت کی بو نہیں آتی ؟ وہ محافظ لرز کر رہ گیا ۔

جنید نے کہا ۔" جو کچھ میں پوچھتا ہوں رکے بغیر بتاتے چلے جاؤ ۔ اگر تم نے چپ سادھ کر میرا وقت برباد کرنے کی کوشش کی تو سن رکھو ! میں کسی اجنبی کے ہاتھوں ذبح ہو جانے والی بچھیا کی طرح تمہارا حلقوم کاٹ کر تمہارے جسم سے تمہاری سانسوں کا رشتہ توڑ دوں گا "

پہریدار نے ہکلاتے ہوئے کہا ۔" میرا گلا نہ کاٹنا تم پوچھو ، میں تم سے کچھ نہ چھپاؤں گا "

جنید نے کہا ۔" تو پھر بتاؤ مالوہ کا وزیر مدنی راؤ اس وقت اپنی حویلی کے کس کمرے میں ہو گا "

اس پہریدار نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا ۔" وہ دائیں جانب دیکھو وہ حویلی میں داخل ہونے کا راستہ ہے ۔ اس راستے سے جب حویلی میں داخل ہو تو دائیں طرف دو کمرے چھوڑ کر تیسرا کمرہ مدنی راؤ کا ہے ۔ وہ اس وقت اپنے کمرے میں سو رہا ہے ۔ کیا تم اس کے دشمن ہو اور اس سے اپنا کوئی دیرینہ انتقام لینا چاہتے ہو ۔ کیا تم اس حویلی میں مدنی راؤ کے لیے برے وقت کا کوئی ہولناک عذاب بن کر آئے ہو "

جنید نے اس کے اس سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا ۔" یہ کہو وہاں کمرے پر کسی کا پہرہ بھی ہے "

پہرے دار نے کہا ۔" وہاں اس کمرے پر کسی کا پہرہ نہیں اور کمرہ بھی کھلا رہتا ہے "

جنید نے کہا ۔" اور مدنی راؤ کے اصطبل کا داروغہ رام دیو کس جگہ رہتا ہے "

پہریدار نے کہا ۔ جس جگہ تم اس وقت بیٹھے ہو اور یہ راہداری جو بائیں طرف جا رہی ہے ۔ یہ سیدھی عمارت کے اس حصے میں جا داخل ہوتی ہے ۔ جس میں اس حویلی کے اصطبل کا داروغہ رام دیو رہتا ہے ۔ اور سنو مدنی راؤ کی نسبت رام دیو پر ہاتھ ڈالنا ذرا مشکل ہے کیونکہ اس کے ساتھ اس کے تین بیٹے بھی رہتے ہیں جو خوب جوان ، توانا اور

نچے تیغ زن ہیں۔ اگر تمہاری دشمنی رام دیو سے ہے تو اس پر ہاتھ ڈالنے کا خیال ترک کر دو اور یہاں سے بھاگ جاؤ۔ ورنہ یاد رکھو تم اکیلے ہو اور رام دیو کے تین بڑے کوئی ساتھی اکیلا تمہیں پیس کر رکھ دے گا۔ بھاگ جاؤ ورنہ مارے جاؤ گے۔ رام دیو سے انتقام لینا تمہارے بس کا روگ نہیں۔"

ان باتوں کے دوران اس پہریدار نے اپنی کمر سے اپنا خنجر نکال لیا اور اسے جنید کے سینے میں گھونپ دینا چاہا لیکن جنید اس کی ہر حرکت پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ اس نے فوراً اس کا بازو پکڑ کر مروڑ لیا اور خنجر چھین کر اس نے دور پھینک دیا تھا۔

اس کا خنجر چھین کر ایک طرف پھینکنے کے بعد جنید نے اس کے منہ پر اپنے دائیں ہاتھ سے ایک بھرپور ضرب لگائی پھر اس نے تن بدن میں لرزہ طاری کر دینے والی اپنی ہولناک آواز میں پوچھا۔

"کیا تم رام دیو کے رشتہ دار ہو جو تم مجھے اس پر حملہ کرنے سے روک رہے ہو۔ اور مجھے ڈرا دھمکا کر یہاں سے بھاگ جانے پر مجبور کر رہے ہو۔ یاد رکھو، مدینی راؤ اور رام دیو دونوں ہی میرے حدف ہیں اور میں اپنے حدف کو اپنے انتقام کی ضرب کا نشانہ بنائے بنا کیوں کر لوٹ جاؤں گا۔"

اس کے ساتھ ہی جنید اپنے خنجر کو حرکت میں لایا اور دوسرے پہریدار کا بھی اس نے خاتمہ کر دیا۔ پھر وہ اُٹھا اور پہلے پہریدار کی لاش کو گھسیٹتا ہوا وہ راہداری میں لے آیا تھا۔ چند ثانیوں تک راہداری میں ہی کھڑے ہو کر وہ سوچتا رہا پھر کوئی آخری فیصلہ کرتے ہوئے حویلی کے اندرونی حصے کی طرف جانے والے دروازے کی طرف بڑھا تھا۔ شاید اس نے پہلے مدینی راؤ سے نمٹنے کا فیصلہ کیا تھا۔

حویلی کے اندر جا کر جنید نے دائیں طرف دو کمرے چھوڑے اور تیسرے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے کا دروازہ کھلا تھا اپنے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں ڈھال لیے جنید بے محابا اندر چلا گیا۔ پہلے دروازے کو اس نے اندر سے زنجیر لگائی پھر آگے بڑھا۔ کمرے کے وسط میں آب نوس کی مسہری پر کوئی گہری نیند سو رہا تھا۔

جنید نے کمرے کا جائزہ لیا۔ چھت سے لٹکتی کمرے کے اندر بلور کی دو مشعلیں روشن تھیں اور کمرے کا پورا فرش اور دیواروں کا کچھ حصہ سنگ مرمر کا تھا۔ جنید نے آگے بڑھ کر اس سونے والے کے اُوپر سے لحاف ہٹایا۔ اس نے دیکھا وہ کوئی ادھیڑ عمر کا شخص ہے۔ جنید کو یقین ہو گیا کہ یہی مدینی راؤ ہے۔ لہذا لحاف ہٹانے کے بعد اس نے مدینی راؤ کا شانہ پکڑ کر زور سے ہلایا۔

مدینی راؤ ایک دم ہڑبڑاہٹ میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ جب اس نے جنید کو تلوار اور ڈھال سنبھالے اپنے پاس ہی کھڑے دیکھا تو اس نے کسی قدر ہکلاتے ہوئے پوچھا۔ "تم کون ہو اور رات کے اس وقت مجھ سے کیا چاہتے ہو۔"

جنید نے تیز غراتی آواز اور غضب ناک و وحشت خیز اپنی آواز میں کہا۔

"اے قیمت کے بیوپاری! اپنی ذات کے زندان سے نکل اور مجھے پہچان۔ شاید لیٹے لیٹے تم پر اب بھی نیند کا غلبہ ہے اور تو ابھی تک خوابوں کے بن باس میں کھویا ہوا ہے۔ اُٹھ کر بیٹھ کہ میں تیرا دشمن ہوں۔ تیری رُوح کو بے سمت کرنے، تیری انا کو مجروح کرنے اور تیری آتی جاتی سانسوں کا سلسلہ اکھیڑنے میں تیری اس حویلی میں داخل ہوا ہوں۔"

مدینی راؤ نے اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے۔ "اے مُورکھ انسان! پہلے یہ تو بتا کہ تو ہے کون؟ اور یہ بھی جان لے کہ تُو کس سے مخاطب ہے۔ میں مالوہ کا وزیر مدینی راؤ ہوں اور میری ایک ہلکی سی پکار پر یہاں کئی پہرے دار اور محافظ جمع ہو جائیں گے اور تجھے تیری ذات کے حصار سے نکال کر نفرت کی کڑی دھوپ اور سانس کی بجھتی چتاؤں میں ڈال دیں گے۔"

پھر مدینی راؤ نے کسی قدر توقف کے بعد کہا۔ "تو مجھے شکل سے تو بانکا، سجیل، توانا اور وجیہہ لگتا ہے۔ تیرے جیسے کڑیل اور حسین جوان کی کسی سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔ اگر تُو غلطی سے میری اس حویلی میں گھس آیا ہے تو جا لوٹ جا۔ میں تجھے کچھ نہ کہوں گا اور تجھے رات کے اندھیرے میں کرنوں کا کوئی بنجارہ جان کر معاف کر دوں گا۔

بھاگ جا یہاں سے، ابھی تو نے زندگی کا کچھ نہیں دیکھا - ابھی تیرے سامنے سمٹے
لیے زندگی کے گل رنگ لمحات پڑے ہیں - ابھی تیری یادوں کے پنچھی کئی ملتے بچھڑے
گیت گا ئیں گے۔ یہاں سے چلے جانا ہی تیری بھلائی ہے - مجھ سے ٹکرانا ایک عذاب
سے دشمنی ایک پیہم اذیت ہے - جا چلا بھی جا - ابھی میں تجھے پیار سے کہہ رہا ہوں
اگر تو نے کہا نہ مانا تو پھر پہلے میرے زہریلے حروف ڈسیں گے پھر کئی زہر آلود تلوار
تجھ پر برس کر تیری جیون ریکھا کو لہو لہو کر دیں گی۔"

مدینی راؤ جب خاموش ہوا تو جنید نے اپنی تلوار کی نوک اس کی گردن پر رکھتے
ہوئے کہا۔" میری طرف غور سے دیکھ اور اپنے ماضی میں چند برس پیچھے جا - جب
تو نے ایک مسلمان رئیس سمر بیگ سے اس کی جاگیر چھین کر اسے دربدر کی ٹھوکریں
کھانے پر مجبور کیا پھر اسے زنداں میں ڈال دیا اور بعد میں تیرے اصطبل کے
رام دیو نے اسے اس کے چھوٹے بھائی اللہ ویردی اور ان کے ملازم نصرت
گوالیار کے قریب ہلاک کر دیا۔

مدینی راؤ ! اب مجھے غور سے دیکھ، میں اسی سمر بیگ کا جوان فرزند ہوں
تیرے روم روم کو دہکانے، تیرے تن بدن کی ہوس کی آگ بجھانے اور تیرے
کو بیابان کی ویرانیوں میں ڈالتے میں سمرقند کے شہر اخسی سے یہاں تک آیا
کیا تو سمجھتا ہے کہ تو کسی کو آواز دے کر اپنی جان بچا لے گا، ہرگز نہیں - میں پہرہ
والے تیرے دونوں محافظوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہوں - قبل اس کے کہ
رات کی اس تاریکی میں تیری گردن کاٹ کر چلا جاؤں - بتا تیرے پاس کوئی جواز ہے
تو نے کیوں میرے نیک خو باپ کو اس کی جاگیر سے محروم کیا - کیوں تو نے اسے
میں پکڑ کر زنداں میں ڈال دیا اور کیوں تو بعد میں میرے باپ اور چچا کے قتل کا باعث
بن گیا - اگر تیرے پاس ان کے قتل کا کوئی جواز ہے تو بول ورنہ دیکھ میری تلوار گردن
میں آ کر کیسا انصاف کرتی ہے۔

سمر بیگ کا نام سن کر مدینی راؤ ایک بار یوں چونک سا پڑا تھا گویا

خوابوں کے بے انت سلسلے منقطع ہو گئے ہوں - پھر جب اس کی گردن پر رکھی اپنی
تلوار کی نوک پر جنید نے دباؤ اور بڑھایا تو مدینی راؤ کی حالت ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی کے
اندر پڑے کسی سرطان زدہ انسان جیسی ہو گئی تھی -

مدینی راؤ نے جب کوئی جواب نہ دیا اور اس کی گردن جھک سی گئی تو جنید نے
اس پر طنز کرتے ہوئے کہا۔" دیکھ مدینی راؤ ! تو وہ وزیر ہے جس کے ایک اشارے
پر لوگوں کی گردنیں ناپی جاتی ہیں - پر رات کی اس تاریکی میں تو میرے سامنے کیسا
مجبور اور بے بس ہے -

سن مدینی راؤ ! پانی رواں ہو تو پانی ہے ورنہ غلاظت اور گندگی سے بھرا جوہڑ
تو بھی تعفن اور بو دینے والا غلاظت کا ایک جوہڑ ہے اور تیرے پاٹنے کا وقت آ گیا
ہے۔" اس کے ساتھ ہی جنید نے اپنی تلوار لہرا کر بلند کی پھر گرائی اور مدینی راؤ کی گردن
کاٹ کر رکھ دی - مدینی راؤ کا دھڑ بستر سے فرش پر گر گیا - جنید نے اس کے بستر سے
تلوار صاف کی اور باہر نکل گیا -

جنید پھر اسی چھت دار راہداری کے اندر آیا اور اس کے بیچ و بیچ جس سمت
مرنے والے پہریدار نے نشاندہی کی تھی، اسی سمت آگے بڑھنے لگا - وہ راہداری ذرا فاصلے
پر ایک دوسری عمارت میں جا داخل ہوئی جس کے پچھواڑے میں حویلی کا اصطبل تھا -
اپنے گرد و پیش کا جائزہ لینے کے بعد جنید اس عمارت میں داخل ہوا -

اس نے دیکھا ایک کمرے میں ایک ادھیڑ عمر کا آدمی سویا ہوا تھا - جنید نے
اندازہ لگا لیا کہ یہی رام دیو ہے - اس کمرے سے ملحقہ دوسرے کمرے میں تین جوان سوئے
پڑے تھے - شاید وہ رام دیو کے بیٹے تھے اور اس سے اگلے کمرے میں کچھ عورتیں اور
لڑکیاں تھیں - تینوں کمرے بیچ کے دروازوں سے ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے
تھے - جنید نے سب سے پہلے عورتوں والے کمرے کو باہر سے زنجیر لگا کر بند کر دیا
پھر وہ رام دیو کے بیٹوں کے کمرے کو بھی زنجیر لگانے کے لیے جب دروازے کی
طرف بڑھا کیوں کہ رام دیو کے علاوہ وہ کسی اور پر ہاتھ نہ اٹھانا چاہتا تھا -

جنید دروازے کی طرف ابھی چند ہی قدم بڑھا تھا کہ رام دیو کا ایک بیٹا جا
اٹھا اور گرجتی آواز میں اس نے پوچھا۔ "کون ہو تم اور کس غرض سے ہمارے
میں داخل ہوئے ہو۔"

جنید نے جان لیا تھا کہ رام دیو کے بیٹے جاگ اٹھنے سے اس کے لیے خطرا
امڈنے شروع ہو گئے ہیں۔ لہٰذا کچھ کہنے کے بجائے وہ اپنی تلوار لہراتا ہوا ایسے غضبنا
انداز میں اس کی طرف بڑھا جس طرح کوئی تیز رو اور طوفانی دریا اپنے دونوں کنارو
کی تخریب اور زمین کو ادھیڑنے اور چاک کرنے کا عمل کرتے ہوئے دور تک بڑھ
جاتا ہے۔

جنید کو اپنی طرف اس انداز میں بڑھتے دیکھ کر اس نے اپنی مسہری کے پاس
سے لٹکتی اپنی چرمی پیٹی سے اپنی تلوار کھینچ لی۔ ساتھ ہی اس نے اپنے دونوں بھائی
کو جگانے کے لیے انہیں آواز دی۔ جنید کسی ویران کر دینے والی موج کی طرح آگے
بڑھا اور رام دیو کے اس بیٹے پر اس نے حملہ کر دیا۔

رام دیو کا بیٹا جنید کے اس خطرناک وار کو روک نہ سکا اور جنید کی تلوار اسے
کاٹ کر دو حصوں میں کر گئی تھی۔ اتنی دیر تک رام دیو کے دونوں بیٹے بھی اٹھ کھڑے
ہوئے۔ جنید موت کے لاوے کی طرح ان پر بھی حملہ آور ہوا اور ان میں سے بھی ایک
کو کاٹ دیا۔ دوسرا اپنی تلوار سنبھال کر رام دیو کے کمرے کی طرف بھاگا۔ جنید نے چیتے
کی طرح پھلانگتے ہوئے اس کا تعاقب کیا اور رام دیو کے کمرے میں جا کر اس کی پیٹھ
پر بھی تلوار مار کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اتنی دیر تک رام دیو بھی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے اپنے کمرے کے فرش پر
جو اپنے بیٹے کی خون آلود لاش پڑی دیکھی تو اس پر جنون طاری ہو گیا اور اس نے قہر
آلود نظروں سے جنید کو گھورتے ہوئے پوچھا۔ "کون ہو تم۔ میرے گھر میں کیوں داخل
ہوئے ہو اور میرے بیٹے کو تم نے کیوں قتل کیا ہے"

پھر رام دیو نے جنید کے جواب کا انتظار کیے بغیر دیوار سے لٹکتی اپنی تلوار

کھینچ لی اور دوبارہ بھوکے بھیڑیے کی طرح غراتے ہوئے اس نے کہا۔ "میرے بیٹے کو
قتل کرنے کے بعد اب تم یہاں سے بچ کر بھاگ نہیں سکتے۔

جنید نے رام دیو کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "تو تم تلوار چلانا بھی جانتے ہو۔ سنو!
میں تمہارے ایک نہیں تینوں بیٹوں کو قتل کر کے تمہارے گھر کو حشر زدہ کر چکا ہوں۔ تمہارے
بیٹے بھاگ کر میرے راستے کی دیوار بننے کی کوشش نہ کرتے تو میں ان سے کوئی تعرض نہ کرتا
میں تو رام دیو تمہیں اجل کی بیڑیاں پہنانے اور موت کے اندھے گڑھے میں دفن کرنے کو
آیا تھا۔

رام دیو! اے رام دیو! میری طرف غور سے دیکھ۔ کیا تو نے گوالیار سے باہر
سمر بیگ، اس کے بھائی اللہ ویردی اور اس کے ملازم نصرت پر حملہ کر کے انہیں قتل
نہ کیا تھا۔ رام دیو! سن میں اسی سمر بیگ کا جوان بیٹا ہوں اور انتقام لینے تمہارے
پاس آیا ہوں۔

سن، میں نے تیرے آقا مدینی راؤ کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس کی لاش
خون میں لت پت اس کے کمرے میں پڑی ہوئی ہے۔ میں نے تمہارے گھر کی عورتوں سے
کوئی تعلق نہیں رکھا اور وہ اپنے کمرے میں محفوظ ہیں——

جنید کہتے کہتے رک گیا کیوں کہ دور راہداری کی طرف جہاں اس نے دو پہریداروں
کو قتل کیا تھا کسی کی آوازیں ابھرنے لگی تھیں۔ جنید طوفان کی طرح آگے بڑھ کر رام دیو
پر حملہ آور ہو گیا۔ رام دیو نے اپنی تلوار سے جنید کے حملے کو روکنا چاہا لیکن بری طرح
ناکام رہا۔ جنید نے اپنے پہلے ہی وار میں اس کی گردن کاٹ دی اور تلوار صاف
کر کے باہر نکل گیا۔

رام اور اس کے بیٹوں کا خاتمہ کرنے کے بعد جنید جب باہر نکلا تو اس نے
دیکھا اس راہداری کی طرف شور مچا ہوا تھا جس طرف وہ دو پہریداروں کی لاشیں رکھ
کر آیا تھا۔

جب وہ راہداری کے اندر ستونوں کی اوٹ لیتا ہوا ذرا آگے بڑھا، تو

اس نے دیکھا - کئی مسلح جوان اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے - شاید وہ ان مرنے والے دو پہریداروں کے ساتھی جو سو رہے تھے اور اب جاگ کر ان اپنے دو ساتھیوں کے قاتل کو تلاش کر رہے تھے -

راہداری کے مدور ستونوں کی آڑ لیتا ہوا جنید سیڑھیوں کے قریب آیا
میں ایک محافظ حویلی کے اندر سے نکلا اور بلند آواز میں اس نے کہا " مہاراج مدینی
کو بھی کسی نے قتل کر دیا ہے - اتنے میں حویلی کے اس حصے سے ایک شور اُٹھا
حصے میں رام دیو رہتا تھا اور یہ بلند ہونے والی آوازیں عورتوں کی تھیں - شاید
رام دیو کے گھر کی عورتیں جاگ گئی تھیں اور رام دیو اور اس کے تینوں بیٹوں کی
لاشیں دیکھ کر شور اور آہ و فغاں کرنے لگی تھیں -

کچھ محافظ اپنی تلواریں لہراتے اور بھاگتے ہوئے رام دیو کے گھر کی طرف چلے گئے تھے - جب وہ جنید کے پاس سے گزرنے لگے تو جنید نے فوراً اپنے آپ کو ستون کے پیچھے چھپا لیا پھر اس بھگدڑ اور افراتفری کے عالم سے فائدہ اُٹھانے کی خاطر جنید سیڑھیوں کی طرف بھاگا - وہ جان گیا تھا کہ خطرات سر پہ منڈلا رہے ہیں وہ جلد از جلد اب مدینی راؤ کی اس حویلی سے نکل جانا چاہتا تھا -

جنید ابھی تین چار سیڑھیاں ہی چڑھا تھا کہ دور حویلی کے صدر دروازے کے پاس کھڑے ایک محافظ نے بلند آواز سے چلاتے ہوئے کہا - " وہ بھاگ رہا ہے - قاتل بھاگ رہا ہے ، وہ سیڑھیاں چڑھ کر چھت پر جا رہا ہے - اسے پکڑ لو جانے نہ پائے - حویلی کی سیڑھیوں پر چونکہ مشعل جل رہی تھی اور وہ روشن تھیں لہذا جنید دیکھ لیا گیا تھا - لیکن جنید بڑی تیزی سے حرکت میں آیا تھا اور بھاگ کر وہ حویلی کی تاریک چھت پر چڑھ گیا تھا -

ابھی وہ چھت پر ہی تھا کہ اس کے پیچھے ایک اور محافظ کی آواز بلند ہوئی " اسے پکڑ لو جانے نہ پائے ، اس نے رام دیو اور اس کے تینوں بیٹوں کو بھی قتل کر دیا ہے - اس نے رام دیو کی عورتوں کو ان کے کمرے میں بند کر دیا تھا لیکن ان

کمرے کی کھڑکی بند کرنا بھول گیا تھا لہذا عورتوں نے کھڑکی سے نکل لاشیں دیکھ لیں اور شور کرنا شروع کر دیا "-

جنید نے اپنے پیچھے اُٹھنے والی کسی آواز پر کان نہ دھرا بھاگ کر وہ پیپل کے درخت پر چڑھا پھر تیزی سے نیچے اُترنے لگا - جس وقت وہ نیچے اُتر کر اپنے گھوڑے کی باگ کھول رہا تھا چھت کے اُوپر سے کچھ محافظوں نے اسے دیکھا اور شور کرتے ہوئے واپس بھاگ گئے -

" اس کا تعاقب کرو - اس کا پیچھا کرو - قاتل بھاگ رہا ہے - اس نے حویلی کے پچھواڑے پیپل تلے اپنا گھوڑا باندھ رکھا تھا - اس کا پیچھا کرو - بھاگنے نہ پائے -

جنید نے اپنا گھوڑا کھولا اس پر جلدی جلدی سوار ہوا اور اسے ایڑ لگا کر بھگا دیا - جب وہ شہر سے باہر نکلنے والی سڑک پہ آیا تو وہ چونک پڑا - اسے اپنے پیچھے کئی گھوڑے بھاگنے کی آوازیں سنائی دی تھیں - جنید نے مڑ کر دیکھا ، اندھیرا ہونے کے باوجود اس نے اندازہ لگا لیا کہ چودہ پندرہ سوار اس کے تعاقب میں لگے ہوئے تھے -

مالوہ شہر کی کوئی فصیل نہ تھی لہذا اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا جنید شہر سے باہر نکل گیا - وہ اسی شاہراہ پر چڑھ گیا تھا جس شاہراہ پر سفر کرتے ہوئے وہ مالوہ شہر میں داخل ہوا تھا - شاید وہ گوالیار کا رخ کر رہا تھا - کافی دیر تک یہ تعاقب جاری رہا - یہاں تک کہ مشرق کی طرف سے صبح کی تجلی کا سیلاب اُمڈنے لگا تھا -

پھر سورج طلوع ہوا اور صبح کی نقرئی تنویریں دھرتی کے شاداب سینے پر رقص کرنے لگی تھیں اور دھوپ تیز ہو کر ٹیلوں کے کلیجوں میں اُترنے لگی تھی - گھنی گھاس کی نوکوں پہ لہراتے شبنم کے قطرے گھوڑے کے پاؤں سے چور ہونے لگے تھے - جنید نے مڑ کر دیکھا تعاقب کرنے والے اس کے بالکل قریب تھے -

اچانک کچھ فیصلہ کرتے ہوئے جنید نے گوالیار کو جانے والی شاہراہ چھوڑ دی اور اپنے گھوڑے کو اس نے بائیں طرف موڑ لیا اور گھوڑے کو اونچی نیچی اور ناہموار زمین پر وہ تیزی سے بھگانے لگا تھا -

یہ تعاقب دوپہر تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ جنید کا تعاقب کرنے والوں نے اپنے اور جنید کے درمیان فاصلہ کچھ اور کم کر کے اس پر تیر چلا دیئے۔ ایک تیر جنید کی چیرتا ہوا گوشت میں پیوست ہو گیا۔ جنید نے فوراً تیر کھینچ کر پنڈلی سے نکال دیا۔ آنے والے زخم کو اس نے گھوڑے کے پیٹ کے ساتھ دبا لیا تھا تاکہ خون بہنا بند ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس کی رفتار اور تیز کر دی۔ وہ فوراً کرنے والوں کے تیروں کی زد سے نکل جانا چاہتا تھا جو کسی بھی لمحہ اس کے لیے خطر ثابت ہو سکتے تھے۔

تیر سے آنے والے زخم سے درد کی ٹیسیں اُٹھنے لگی تھیں لیکن جنید ضبط سے لیتا ہوا گھوڑے کو ایڑ پر ایڑ لگا کر بھگاتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے اور تعاقب کرنے والوں کے درمیان فاصلہ کچھ زیادہ کر لیا۔ تعاقب جاری تھا۔ تاہم وہ کم از کم کے تیروں سے محفوظ تھا۔

یہ خوفناک تعاقب سہ پہر تک جاری رہا یہاں تک کہ سامنے ایک گھنا جنگل آ گیا۔ جنید گھوڑے کو بھگاتا ہوا اس میں داخل ہو گیا۔ ذرا اندر جا کر جنید نے جب مڑ کر دیکھا تو کرنے والے اس جنگل سے باہر رک گئے تھے اور پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے اپنے گھوڑے وہاں سے موڑ لیے تھے۔ جنید سمجھا کہ شاید وہ کسی اور راستے سے جنگل میں ہو کر اس پر قابو پانے کی کوشش کریں گے۔ لہٰذا وہ اپنی اسی رفتار سے جنگلی بیلوں اور سے بچتا ہوا گھوڑے کو بھگاتا رہا یہاں تک کہ جنگل میں تاریکی پھیلنے لگی۔ اجل صفات اندھیرا ہر شے پر چھانے لگا اور تیز ہواؤں کی ناگنیں بُری طرح پھنکارنے لگی تھیں۔

جنید نے اندازہ لگا لیا کہ سورج اب غروب ہو رہا ہے۔ جنگل کا معاملہ رات سر پر آ رہی تھی، اجنبی سرزمین تھی اور رات کے وقت جنگل سے نکل کر کوا لیا۔ طرف جانے کا راستہ بھی جنید کو معلوم نہ تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ تعاقب کرنے والوں بھی خدشہ تھا کہ نہ جانے وہ جنگل کے کس راستہ سے ہو کر اس پر آ ٹوٹیں۔

ایک گھنا درخت دیکھ کر جنید نے اپنے گھوڑے کو اس کے نیچے اس

باندھ دیا کہ گھوڑا آڑ میں رہے اور اگر تعاقب کرنے والے ادھر سے گزریں تو انہیں دُور سے دکھائی نہ دے۔ ساتھ ہی اس نے زین سے لٹکتا ہوا اپنا اُونی کمبل کھول لیا تھا تاکہ اسے اوڑھ کر سردی سے بچ سکے۔

پھر جنید نے اپنی ٹانگ کا زخم دیکھا۔ وہ کافی گہرا تھا۔ جنید نے اپنے گھوڑے کی زین سے لٹکتا مشکیزہ اتارا۔ پہلے اس نے پانی پیا پھر زخم دھو کر خوب صاف کیا۔ اپنی خرجین سے مرہم نکال کر اس میں بھری اور اس پر پٹی باندھ دی پھر وہ کمبل، پانی کا مشکیزہ اور گھوڑے کی وہ چرمی خرجین جس کے اندر اس نے خشک پھل، نقدی اور دیگر ضروریات کی چیزیں ڈال رکھی تھیں وہ لے کر اس احتیاط کے ساتھ اس درخت پر چڑھ گیا کہ اگر تعاقب کرنے والے اس طرف آئے تو وہ درخت کے اُوپر سے ان پر تیر اندازی کر کے ان کا خاتمہ کر دے گا۔

درخت کے اُوپر ایک مناسب جگہ جنید بیٹھ گیا۔ پانی کا مشکیزہ اس نے ایک ٹہنی سے باندھ دیا اور چونکہ وہ پچھلے آٹھ پہر کا بھوکا تھا لہٰذا خرجین سے خشک پھل نکال نکال کر کھانے لگا۔ جب پیٹ بھر گیا تو اس نے مشکیزے سے پانی پیا اور خرجین کو بھی اس نے درخت کی ایک ٹہنی کے ساتھ باندھ دیا۔

جنید کو وہاں بیٹھے ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ چاند اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ مشرق سے طلوع ہو کر بلند ہُوا۔ ہر شے چاندنی میں نہا گئی تھی۔ لگتا تھا پوری انام ایک الوہی تجلّی سے معمور و مخمور ہو گئی تھی۔ چاندنی اور نمی میں ڈوبی ہوائیں اب ہوائیں۔ اب ہر چیز کی نظروں میں کرنیں اور لبوں پر نمی بکھیرنے لگی تھیں۔ چاند نے طلوع ہو کر یوں ہر شے کو اپنی طرف راغب کر لیا تھا جیسے کنواریاں اپنی سہیلی کی بارات کو دیکھتی ہیں۔ جنید کمبل اوڑھ کر بیٹھ گیا تھا۔

جنید اسی طرح درخت کے اُوپر بیٹھا رہا۔ رات گزرتی رہی۔ حسن کا خدا چاند بلند سے بلند تر ہوتا ہُوا تیرگی میں نہاں قدرت کے عناصر کی شوخیاں اور عیاریاں عیاں کرنے لگا تھا۔ لگتا تھا رات چاند کی صورت میں اپنے ہاتھوں میں شعلوں اور انگاروں بھرا تھال لے

کہ رقص کرنے لگی ہو۔

اچانک جنید چونک سا اٹھا اور اس کے بدن پر خوف کی سی کپکپی طاری ہو کر رہ گئی۔ یوں لگتا تھا جیسے جنگل کے اندر ہزاروں برس کی سوئی ہوئی عفریتیں کسی انسان کی بُو پا کر جاگ اٹھی ہوں اور خاموشیوں کے شہر کو صداؤں سے بھر دینا چاہتی ہوں۔

جنگل سے اُٹھنے والی ان آوازوں کو جنید نے غور سے سُنا۔ ایسی آوازیں تھیں جیسے کئی شیر اپنی غاروں سے نکلے ہوں اور غراتے دھاڑتے اس درخت کی طرف آ رہے ہوں جس درخت پر جنید بیٹھا ہُوا تھا۔ شیروں کے لگاتار دھاڑنے سے یوں لگ رہا تھا جیسے گردشِ چشم ولب آوازوں کے طوفانوں میں ڈوب کر ختم ہو جائے گی۔

جنید بڑی تیزی سے نیچے اُترنے لگا۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ شیر ادھر ہی آ رہے ہیں لہٰذا وہ نیچے اُتر کر اپنے گھوڑے کو بچانا چاہتا تھا۔ گو شیروں کی موجودگی میں نیچے اُتر کر گھوڑے کو بچانا ایک انتہائی خطرناک فعل تھا لیکن جنید شیروں سے اپنے گھوڑے کو بچانے پر مجبور تھا۔ اس لیے کہ وہ بُری طرح زخمی تھا اور شیروں کے ہاتھوں اس کے گھوڑے کے مارے جانے سے اس جنگل سے اس کا نکلنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہو جائیگا۔ لہٰذا وہ کسی نہ کسی صورت اپنے گھوڑے کو بچانا چاہتا تھا۔

جنید ابھی تھوڑا سا ہی نیچے اُترا تھا کہ ٹھٹھک کر رُک گیا۔ چاندنی رات میں اس نے دیکھا جس درخت کے ساتھ اس نے اپنے گھوڑے کو باندھ رکھا تھا اس کے قریب ہی سات آٹھ جوان توانا اور خوب قد آور اور لمبے شیر ببر نمودار ہوئے۔ جنید کا گھوڑا خوف کے مارے بُری طرح زمین پر پاؤں مار مار کر منہنانے اور نتھنے پھڑپھڑانے لگا تھا۔ شیر آگے بڑھ کر جنید کے گھوڑے پر ٹوٹ پڑے۔ لمحوں کے اندر انہوں نے گھوڑے کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا اور تیزی سے اس کا گوشت کھانے لگے۔ اپنے گھوڑے کی یہ حالت دیکھ کر جنید پر دیوانگی اور جنون طاری ہو گیا تھا۔ اس کی حالت اس دریا سے مختلف نہ تھی جو چٹانوں سے ٹکرا کر بل کھاتا اور شور کرتا ہوا پیچھے ہٹتا ہے اس کے چہرے پر انگارے اور آنکھوں میں موت کے ہیولے رقص کرنے لگے تھے۔

شیر بُری طرح غراتے ہوئے گھوڑے کے جسم کو ادھیڑ رہے تھے۔

جنید حقیقت کے ایک طوفان اور ہمدردی و اخوت کے ایک لاوے کی طرح حرکت میں آیا۔ اپنی کمان اس نے سنبھالی اس پر تیر چڑھایا اور تاک کر مارا۔ رات کی چاندنی میں نہائی خاموشی کے اندر اس کا تیر سنسناتا ہُوا ایک شیر کے جسم کو چیرتا ہُوا اس کے دل میں پیوست ہو گیا۔ وہ شیر درخت کی سمت بُری طرح ہوا میں اُچھلا لیکن بے بسی کی حالت میں زمین پر گرا اور کراہ کر رہ گیا۔ دل میں پیوست تیر کی تکلیف کے باعث وہ گوشت کھانا بھول گیا اور بُری طرح دھاڑنے لگا۔

جنید نے اب دوسرا تیر مارا جو ایک دوسرے شیر کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ اس طرح اس نے ایک طرح سے سارے شیروں کو چھید کر رکھ دیا تھا۔ زخمی ہو جانے کے باعث سارے شیر گھوڑے کا تازہ گوشت کھانا بھول گئے اور بُری طرح غراتے دھاڑتے وہ جس طرف سے آئے تھے اسی طرف بھاگ گئے۔ جنید بے چارہ سوکھے گلشن کے نعطر کی طرح اداس اداس اس درخت پر بیٹھا رہ گیا تھا۔ اسے اپنے گھوڑے کے مارے جانے کا سخت صدمہ ہو رہا تھا۔

وہ بے چارہ سوچوں میں کھو کر رہ گیا تھا اور کل مردہ پہاڑوں جیسی تھکا دینے والی رات کومل و تازہ چاندنی کے ساتھ مِل کر وقت کے لمحوں پر تابندگی اور نشیلہ جادو بکھیرتی ہوئی بھاگتی جا رہی تھی۔

آدھی رات کے بعد جب کہ چاند سَر سے مغرب کی طرف ڈھلک گیا تھا۔ جنید درخت سے نیچے اُترنے لگا۔ درخت پر بیٹھنے سے وہ سخت سردی محسوس کرنے لگا تھا اور زخم سے تیز ٹیسیں اُٹھنے لگی تھیں۔ نمی میں ڈوبی ٹھنڈی ہوائیں ماحول کو کہر آلود کرتی جا رہی تھیں شب کے پچھلے پہر کے ستارے اپنے تنفس میں اسیر پھڑپھڑاتے ہوئے کائنات کی چشم خوش جمال میں پاکیزگی اور چمک پیدا کر رہے تھے۔

جنید نیچے اُترا۔ اس نے دیکھا اس کے گھوڑے کا پنجر اِدھر اُدھر بکھرا پڑا تھا۔ شیروں نے زین اور اس سے بندھا سامان چیر پھاڑ کر رکھ دیا تھا۔ چند ثانیوں وہاں کھڑا

ہو کر وہ نہ جانے کن گہری سوچوں میں کھویا رہا۔ شاید اپنے گھوڑے کا دکھ کر رہا تھا کہ اس کے سفر کا رفیق اور ساتھی تھا۔

سردی تیز ہو گئی تھی۔ جنید کا جسم ٹھنڈ سے کپکپا رہا تھا۔ اس نے پیٹھ پر بندھا تیروں سے بھرا ترکش درست کیا۔ کمان کندھے سے لٹکائی۔ پانی کا مشکیزہ جس میں اب تھوڑا سا پانی رہ گیا تھا۔ وہ بھی اس نے کندھے سے لٹکا لیا۔ چرمی خرجین کو اس نے ترکش کے ساتھ اپنی پیٹھ کمر باندھ لیا اور اپنے ہاتھوں میں وہ اپنی تلوار اور ڈھال لیکر اندازے سے وہ اس سمت چل دیا۔ جدھر سے اس گھنے اور خوفناک جنگل سے اسے باہر نکلنے کی اُمید ہو سکتی تھی۔ اب اس کی سمجھ میں آیا تھا کہ مدینی راؤ کے آدمی کیوں کر اس کا تعاقب ترک کر کے لوٹ گئے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جنگل میں کثرت سے درندے رہتے ہیں۔ لہذا جنید اس میں داخل ہو کر بچ نہ سکے گا۔ وہ ایک طرح سے جنید کو موت کے اندھے کنوئیں میں پھینک کر لوٹ گئے تھے۔

جنید کو چلنے میں بھی تکلیف ہو رہی تھی لیکن وہ جبر کر کے چلتا رہا۔ وہ چاہتا تھا کہ چلنے سے زخم گرم ہو کر درد کم کر دے گا اور پھر اسے اس جنگل سے بھی تو نکلنا تھا ورنہ وہ جانتا تھا کہ وہ بھوکا پیاسا اس جنگل کی عفریت اور بلاؤں کا شکار ہو کر رہ جائے گا۔ کافی دیر تک چلنے کے بعد جنید کی حسیات پر گویا ہتھوڑے برس کر رہ گئے۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی چیز اپنے قدموں کی بھاری آہٹ کے ساتھ اس کا تعاقب کر رہی ہو وہ تڑپ اٹھا اور مڑ کر دیکھا۔ دھلی دھلی اور چھن چھن کر آتی چاندنی میں اس کی نظر ایک بھورے رنگ کے دیو ہیکل ریچھ پر پڑی جو بھاگتا ہوا اس کے پیچھے آ رہا تھا۔

جنید اپنے زخم اور اس میں اٹھنے والی درد کی ٹیسوں کو فراموش کر گیا۔ اڑتے وقت کے بے رحم جھونکے موت کا لمس اور مرگ کی آرزو لیے ایک بار پھر اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے اور وہ مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔

ریچھ قریب آ کر اپنے دونوں پاؤں پر کھڑا ہو گیا اور اپنے اگلے دونوں پاؤں چھاتی پر مارتا ہوا وہ منہ سے انتہائی دہشت ناک انداز میں جھاگ نکالتا ہوا جنید کی طرف بڑھا۔

جنید جانتا تھا کہ اس سے مقابلہ کیے بغیر اور اس کو زیر کر لینے کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔ ورنہ لمحوں کے اندر اس کا جسم اس کے گھوڑے کی طرح ادھڑ کر رہ جائیگا۔

ریچھ پر بُرا اثر ڈالنے کی خاطر جنید خود بھی اس پر حملہ آور ہونے کے لیے تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ جنید کے اس اقدام سے ریچھ ایک جگہ رُک گیا اور مُنہ سے بھیانک آوازیں نکال نکال کر رات کی خلا کے پُراسرار سناٹے میں ایک خوف و ہراس اور دہشت و بے چینی برپا کرنے لگا تھا۔

جنید جب اس ریچھ کے قریب گیا تو ریچھ نے اپنے دونوں پنجے خوب زور سے لہرا کر اور منہ سے خونخوار آوازیں نکالتے ہوئے جنید کو دے مارے۔ جنید نے اس کے دونوں پنجوں کو اپنی ڈھال پر روکا۔ پھر اس کی خون آشام تلوار حرکت میں آئی۔ پوری قوت سے اس نے اپنی تلوار مار کر ریچھ کی پچھلی ایک ٹانگ کاٹ کر رکھ دی۔ ریچھ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا اور زمین پر گر گیا۔ جنید نے ایک بار پھر تلوار لہرا کر بلند کی اور دوبارہ گراتے ہوئے اس نے ریچھ کی دوسری ٹانگ بھی کاٹ کر رکھ دی۔

اب ریچھ بے ضرر اور حرکت کرنے کے قابل نہ رہا تھا۔ جنید کے چہرے پر فتح و کامیابی کی چمک آ گئی تھی کیوں کہ اس نے ریچھ کو ٹھکانے لگا کر ایک بار پھر اپنے آپ کو محفوظ کر لیا تھا۔

جنید پھر اپنی تلوار بلند کر کے ریچھ کی گردن کاٹ دینا چاہتا تھا کہ اُس کی حسیات پر پھر ہتھوڑے برسنے لگے اور اس کے ذہن کی کیفیّات زیر و بم کا شکار ہو کر رہ گئیں۔ اس نے جنگل کے سرد سنّاٹے میں ایک ساتھ کئی ریچھوں کے بھاگنے اور مُنہ سے غراہٹ آمیز آوازیں نکالتے سُنا۔ جنید نے یقین کر لیا کہ ایک ساتھ کئی ریچھ اس کی طرف آ رہے ہیں۔ لہذا ان سے اپنے آپ کو بچانے کی خاطر وہ زخم سے اٹھنے والے درد کی پرواہ کیے بغیر بڑی تیزی سے ایک درخت پر چڑھنے لگا۔ وہ ابھی درخت پر تھوڑا سا اوپر ہی گیا تھا کہ دس بارہ ریچھ بھاگتے، غراتے اس درخت کے نیچے آ رکے، جنید تھوڑا سا اور اوپر جا کر اس درخت کے ایک موٹے ٹہنے پر ایک طرح سے ٹیک

لگا کر بیٹھ گیا تھا ۔

دو ریچھ ایک ساتھ مُنہ نیچے اور پیٹھ اُوپر کر کے اس درخت پر چڑھنے لگے جنید کے لبوں پر اب مسکراہٹ تھی وہ مطمئن تھا کہ اب وہ آسانی کے ساتھ ان ریچھوں سے نمٹ سکے گا ۔

دونوں ریچھ درخت پر چڑھتے ہوئے جب جنید کی تلوار کی زد میں آئے تو جنید حرکت میں آیا اور باری باری تلوار مار کر اس نے ان دونوں ریچھوں کی پچھلی ٹانگیں کاٹ دی تھیں ۔ دونوں ریچھ چکراتے ہوئے سر کے بل زمین پر گر گئے ۔ سارے ریچھ ان دو زخمی ریچھوں پر ٹوٹ پڑے ۔ پہلے انہوں نے ان کا خون چاٹنا شروع کیا ۔ پھر وہ بُری طرح پیچھے گئے اور ان دونوں زخمی ریچھوں کو وہ ادھیڑا اور بھنبھوڑ کر کھانے لگے تھے ۔ جنید کی طرف سے ایک طرح سے وہ غافل ہو گئے ۔

جنید نے ان ریچھوں کو بھگتنے اور ان سے نمٹنے کا ایک اور طریقہ اختیار کیا ۔ اس نے اپنے ترکش کے اندر سے ایک مضبوط رسّی نکالی ۔ اس رسّی کا ایک سرا اس نے جس ٹہنے پر وہ بیٹھا ہوا تھا اس سے باندھا اور دوسرا سرا اس نے اپنی کمر کی چرمی پیٹی سے باندھ لیا تھا ۔ پھر وہ نیچے اُترا اور درخت کے تنے پر اس جگہ رکا جہاں سے اگر وہ تلوار لہرائے تو ان ریچھوں تک پہنچ جائے ۔

ریچھ اپنے دونوں ساتھیوں کی لاشیں ادھیڑنے میں اس قدر محو تھے کہ انہوں نے جنید کی طرف دھیان ہی نہ دیا ۔ جنید نے ایک ہاتھ سے درخت اور اپنی کمر سے بندھی رسّی کو پکڑے رکھا اور پے در پے اپنی تلوار کے وار کر کے اس نے تین ریچھوں کو کاٹ کر رکھ دیا ۔ باقی ریچھ غراتے ہوئے اس کی طرف لپکے ۔ رسّی کے سہارے جنید درخت کے تنے پر اس قدر اوپر ہو گیا کہ ریچھ اگر کھڑا ہو کر بھی پنجہ مارے تو اس تک نہ پہنچے ۔ ریچھ درخت کے گرد غصّے کی حالت میں کھڑے ہوئے اور جنید کی طرف لپکنے کی کوشش کرنے لگے ۔

جنید نے اب برق کے کوندوں کی طرح اپنا کام شروع کیا اور پے در پے

ان ریچھوں پر تلواریں برسانی شروع کر دیں ۔ ان میں سے کسی کا سر اور کسی کے پاؤں کٹ گئے ۔ صرف ایک ریچھ سلامت بچا باقی سارے ریچھ زخمی اور مُردہ حالت میں زمین پر گرے تھے ۔ زندہ بچنے والا ریچھ ایک قریبی جھاڑی میں چھپ کر بیٹھ گیا تھا ۔ شاید اس نے گھات لگائی تھی کہ جب جنید درخت سے اُترے اس پر حملہ کر دے ۔

چاند کی چاندنی میں جنید اس ریچھ کی ہر حرکت کو دیکھ رہا تھا ۔ وہ ایک دفعہ اوپر گیا ۔ درخت سے بندھی رسّی کھول کر اپنی کمر سے بھی علیحدہ کی اور اسے اپنی ترکش میں ڈال لیا ۔ پھر وہ نیچے اُترنا شروع ہوا ۔ وہ جھاڑی میں چھپے ہوئے ریچھ کی طرف بھی غور سے دیکھ رہا تھا جب کہ ریچھ بھی خوفناک انداز میں اس کی طرف دیکھتا ہوا اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہا تھا ۔

جنید جب درخت سے نیچے کودا تو ریچھ جھاڑی سے نکلا اور جھک کر چلتا ہوا منہ سے کوئی آواز نکالے بغیر آگے بڑھ کر جنید پر ٹوٹ پڑا تھا ۔ جنید مطمئن اور اس کے اس حملے کے لیے تیار تھا ۔ اس نے اپنی ڈھال آگے کی اور تلوار بلند کر کے گرائی ۔ تلوار ریچھ کے سر پر گری اور ریچھ کی کھوپڑی کو تربوز کی طرح چیر کر رکھ دیا ۔ جنید نے اب دوسرا وار کیا اور ریچھ کو اس کی کمر سے کاٹ کر رکھ دیا ۔ ریچھ کے بالوں سے جنید نے اپنی تلوار صاف کی اور دوبارہ جنگل سے نکلنے کے لیے ایک سمت کا تعین کر کے چل پڑا ۔ اب اس نے اپنی ننگی تلوار اور ڈھال اپنے ہاتھوں میں پکڑ رکھی تھی ۔

خطرے کے باوجود جنید رات کسی درخت پر بسر نہ کرنا چاہتا تھا ۔ اس لیے کہ وہ جانتا تھا رات کے وقت اکثر درندے سوئے ہوں گے اور جنگل سے اس کے نکل جانے کے مواقع ہیں لیکن سورج طلوع ہوتے ہی جب درندے اپنے شکار کی تلاش میں نکل پڑے تو اس کا بچ کر جنگل سے نکلنا کسی قدر محال اور ناممکن ہو کر رہ جائے گا ۔ لہٰذا وہ تیزی سے لنگڑا لنگڑا کر چلتا ہوا آگے بڑھتا رہا ۔

جنید رات کو زہریلی سرد ہواؤں کی مار میں چلتا رہا ۔ ہر چیز خوابوں کے تجسیم کے عمل میں محو تھی ۔ چاند اپنی روشنی میں برہنہ چمک رہا تھا ۔ ناگن خزاں کی رُت اپنے مقدر کے

جزیروں کی تلاش میں پھنکار رہی تھی۔ تیرگی کی امین رات جلتے بجھتے خاموش لمحوں کے الاؤ کے ساتھ اپنی منزل کی بے نام دھول کی طرف سرکتی رہی۔ پھر مشرق کی طرف سپیدہ سحر نمودار ہوا۔ رات کے آبنوسی اندھیرے رخصت ہونے لگے۔ پرندے درختوں میں اپنے آشیانوں کے اندر چہچہاتے ہوئے اپنے رب کی حمد گانے لگے۔ سورج جس وقت دور مشرق کی کوہستانی چوٹیوں کے پیچھے سے نمودار ہوا جنید جنگل سے نکل کر باہر آچکا تھا۔

سرد ہوائیں ابھی تک چل رہی تھیں۔ آسمان اب گھرے گھنے بادلوں میں چھپ گیا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے بارش ہونے والی ہو۔ گہرے گہرے کالے سیاہ بادل آسمان کے سینے پر دندنانے لگے تھے۔ جنگل سے باہر آکر جنید رک گیا۔ شاید وہ اس امر کا تعین کرنے لگا تھا کہ اسے اب جنگل سے نکل کر کس طرف اپنا سفر جاری رکھنا چاہیے۔

وہاں کھڑے کھڑے کوئی فیصلہ کرنے کے بعد جنید کسی طرف روانہ ہونے ہی والا تھا کہ اس کے کانوں میں ایک مدھم اور دھیمی سی آواز پڑی۔ گانے کی آواز۔ دور کوئی گا رہا تھا۔ آواز بائیں طرف سے آرہی تھی۔ جنید ادھر دیکھنے لگا۔ اسے کچھ دکھائی نہ دیا، کیوں کہ نظروں کے سامنے درختوں کے جھنڈ آگئے تھے۔ روز و شب کے بے کراں سلسلے کی طرح آواز لمحہ بہ لمحہ بلند ہو رہی تھی۔

اب جنید صاف اور واضح طور پر گانے کے بول سن سکتا تھا۔ کوئی سلگتی شبنم کی آنچ جیسی آواز میں خزاں کو خوشی، مجہول کو معروف، نامعلوم کو معلوم اور روح کے زخم کو مندمل کر دینے والا گیت گا رہا تھا۔

جنید نے محسوس کیا گانے والے کے بولوں میں قلبِ کائنات کے گھاؤ جیسا درد تھا۔ گانے والے کی یہ آواز جنید کے لیے خوشبو کا ایک جھونکا، اخوت کا ایک پیغام اور حقیقت کا ایک طوفان ثابت ہوئی۔ وہ مایوس تھا کہ اب اپنی زخمی ٹانگ کو گھسیٹتے ہوئے کس طرف کا رخ کرے گا۔ وہ بھوکا پیاسا بھی تھا اور زندگی سے مایوس نظر آتا تھا لیکن گانے کی یہ آواز اس کے لیے امیدوں کا رنگ بھرتی ہوئی ایک کرن ثابت ہوئی تھی۔ د

آواز کی سمت آگے بڑھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد گانے والا خاموش ہو گیا اور فضاؤں میں تیرتی اس کی آواز چپ کی راکھ بن کر رہ گئی۔ تھوڑا سا فاصلہ آگے جا کر جنید نے دیکھا وہاں ایک شاہراہ گزر رہی تھی جس پر مغرب کی طرف سے ایک لمبی قطار میں چالیس پچاس بیل گاڑیاں آ رہی تھیں۔ جنید کے لبوں پر مسکراہٹ، آنکھوں میں روشنی اور چہرے پر سکون کے رنگ بکھر گئے۔ سو وہاں شاہراہ کے کنارے کھڑا ہو کر ان بیل گاڑیوں کے آنے کا انتظار کرنے لگا تھا۔

جب وہ بیل گاڑیاں نزدیک آئیں تو جنید نے دیکھا ہر بیل گاڑی میں آٹھ دس دس جوان بیٹھے ہوئے تھے اور سب کے پاس بڑے بڑے کلہاڑے تھے۔ جنید نے جب انہیں ہاتھ دے کر روکا تو آگے والی بیل گاڑیاں رکنے کی وجہ سے پیچھے والی بیل گاڑیاں بھی آہستہ آہستہ رکنے لگیں۔ پھر کئی جوان بیل گاڑیوں سے اتر کر جنید کے گرد جمع ہو گئے۔ ان کے پوچھنے پر جنید نے زخمی حالت میں جنگل کے اندر داخل ہونے، وہاں شیروں کے ہاتھوں اپنے گھوڑے کے مارے جانے اور خونخوار ریچھوں سے پالا پڑنے کے سارے واقعات اس نے تفصیل سے سنائے تھے۔ تاہم وہ مدینے سے اپنی دشمنی اور اس کے قتل کے حالات حذف کر گیا تھا اور انہیں یہ کہہ کر بتایا تھا کہ وہ اس سرزمین پر اجنبی ہے۔ کچھ لوگوں نے اسے لوٹنے کی خاطر اس کا تعاقب کیا اور وہ ان کے آگے آگے بھاگتا ہوا اس جنگل میں آ گھسا تھا۔

ان میں سے ایک جوان نے کہا۔ "یہ جنگل گوالیار کے راجہ بکرماجیت کی ملکیت ہے۔ اس جنگل میں انتہائی خطرناک جانور پائے جاتے ہیں۔ راجہ ہر ماہ اس میں شکار کرنے آتا ہے۔ کئی کئی دن یہاں خیمے لگا کر پڑا رہتا ہے اور جنگلی جانوروں کا شکار کرتا ہے۔ یہ سارا علاقہ اس کی عملداری میں شامل ہے۔ ہم سب لکڑہارے ہیں۔ ہماری بستی یہاں سے دو کوس مغرب کی طرف ہے۔ اس علاقے کے راجہ نے جنگل کا کچھ حصہ ٹھیکے پر لے رکھا ہے جس سے ہم اس کے لیے لکڑیاں

کاٹتے ہیں اور یہ لکڑی پھر بڑے شہروں کو جاتی ہے۔

تم ایسا کرو ہمارے ساتھ جنگل میں چلو۔ شام کو لکڑیاں کاٹ کر جب فارغ ہوں گے تو تمہیں اپنے ساتھ اپنی بستیوں کی طرف لے جائیں گے۔ سے تم مکھیا کے پاس جانا وہ تمہاری مدد کر دے گا اور تم دوبارہ اپنے سفر پر روانہ یہاں اکا دکا بیل گاڑی سفر نہیں کر سکتی۔ ورنہ ہم تمہیں کہیں پہنچا ہی دیتے۔ کیونکہ بیل گاڑی پر جنگل کے درندے حملہ کر دیتے ہیں۔ تم دیکھتے ہو یہ پچاس گاڑیاں ہیں ہر گاڑی میں دس جوان ہیں۔ اتنی گاڑیوں اور اتنے لوگوں کو دیکھ کر درندے نزدیک نہیں آتے اور ہم آرام سے اپنا کام کر کے شام کو اپنے گھروں کو لوٹ جاتے

جنید نے کہا۔" میں زخمی ہوں، میں اس حالت میں کیونکر تمہارا ساتھ دے سکوں گا۔"

ایک جوان اس ہجوم سے نکلا اور جنید سے کہا۔" کیا آپ زیادہ زخمی ہیں"

جنید نے اپنا لباس اوپر کر کے اس کو اپنی پنڈلی کا زخم دکھایا جس پر بندھی پٹی ساری خون آلود ہو رہی تھی۔ اس جوان نے بڑی ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے

" میرا نام لیراج ہے۔ میں تمہاری خاطر اپنی آج کی دہاڑی ضائع کرتا ہوں تمہیں اپنے ساتھ اپنی بستی کی طرف لے جاتا ہوں۔ وہاں تم جتنے دن چاہو میرے جھو نما گھر میں رہنا۔ ہندوؤں کی اونچی ذات کی بستیوں سے تمہارے لیے میں کھانے کی اشیاء بھی لا دیا کروں گا۔ جب تمہارے زخم ٹھیک ہو جائیں تو تم اپنی منزل چلے جانا۔ اس سارے کام کا کوئی آپ سے میں صلہ بھی نہ لوں گا۔"

ایک اور جوان نے لیراج کو اپنی تیز نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔" لیراج! کیا تیرا دماغ تو نہیں چل گیا۔ تو خوب جانتا ہے۔ آج تک جو بھی بیل گاڑی ادھر سے گزرا ہے کبھی سلامت گھر نہیں پہنچا۔ جنگلی درندوں نے اس پر حملہ کر کے اس کے بیلوں سمیت چبا ڈالا۔ پھر تم اس اجنبی کے لیے اس قدر بڑا خطرہ کیوں مو لے رہے ہو۔ یہ شخص مجھے اپنے حلیے سے مسلمان لگتا ہے۔ جب یہ ہماری ذات برادری

نہیں، ہمارے دھرم دھیان سے ہی اس کا کوئی تعلق نہیں تو پھر کیوں تم آنکھیں بند کر کے اپنے آپ کو موت کے اندھے کنوئیں میں گراتے پر تُل گئے ہو۔ اپنا فیصلہ بدل لو۔ نہ اکیلے واپس لوٹ کر خود بھی مارے جاؤ گے اور اس اجنبی کی موت کا باعث بھی بنو گے جانتے ہو کوئی بھی اکا دکا بیل گاڑی سلامتی کے ساتھ جنگل کے اس پہلو سے نہیں گزر تی۔"

جنید نے لیراج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔" تم میری موت سے متعلق فکر مند نہ ہونا تم مجھے واپس لے کر چلتے ہو۔ تو سنو! میں زخمی ضرور ہوں لیکن اس سے میری توانائی تو ع نہیں ہوئی کیوں کہ میں نے زخم کے خون روک دیا تھا۔ اگر راستے میں کسی درندے ہم پر حملہ کیا تو سنو! میں تمہیں تمہاری اور تمہارے بیلوں کی حفاظت کی ضمانت ہوں۔ اب اگر تم میرے ساتھ چلتے ہو تو ٹھیک ورنہ میں اکیلا ہی اس شاہراہ پر پیدل ری بستیوں کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔"

لیراج نے کہا۔" نہیں اجنبی! تم ان کی باتوں میں نہ آؤ، میں تمہیں واپس لے کر ں گا۔ تم یہیں رکو، میں اپنی گاڑی باہر نکال لیتا ہوں۔" لیراج بھاگ کر گیا اور اپنی بیل ی کو اس نے قطار سے باہر نکال لیا۔ اس کی بیل گاڑی میں بیٹھے لکڑہارے دوسری یوں میں منتقل ہو گئے۔ پھر سب لوگ اپنی اپنی بیل گاڑیوں میں سوار ہو گئے اور بیل گاڑیوں کا کارواں مشرق کی طرف روانہ ہو گیا۔

جنید آگے بڑھ کر لیراج کی بیل گاڑی میں سوار ہو گیا۔ لیراج نے بیل گاڑی کے ن بیلوں کو ہانک دیا اور وہ جنگل کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتی ہوئی شاہراہ پر مغرب ف جانے لگے تھے۔

تھوڑی دور جا کر جنید نے کہا۔" مجھے پیاس لگی ہے کیا پانی نہیں ملے گا۔ میرے زے میں پانی تھا لیکن یہ رات کا ختم ہو چکا ہے۔"

لیراج نے کہا۔" ذرا دم لو۔ کچھ دور آگے ایک باؤلی ہے۔ میں اس میں سے کا مشکیزہ بھر لاؤں گا اور آپ پی لینا۔"

جنید نے کہا۔ "کیا تم اپنے پاس بیل گاڑی میں کھانے پینے کا سامان نہیں صبح سے شام تک جنگل میں کام کرتے ہوئے کیسے بھوکے پیاسے گزارہ کرتے

لیراج نے کہا۔ "میرے پاس گھر کی گائے کی لسّی اور کھانا تو ہے لیکن ہم ہم شودر ہیں اور آپ مسلمان، ہمارے ہاں کی چیزیں تو ہندوؤں کی تینوں بڑی کھائیں تو آپ کیسے اور کیونکر کھالیں گے۔"

جنید نے کہا۔ "میں مسلمان ہوں، میرا نام جنید ہے۔ ہمارا مذہب لوگ ذات پات کی تقسیم کے سخت خلاف ہے۔ اچھا انسان وہی ہے جو نیک اور ہو۔ ہمارا مذہب شرف آدمیت اور انسانیت کی توقیر کا درس دیتا ہے۔ سب ا کی اولاد ہیں۔ آدمؑ مٹی سے بنا تھا۔ سب خدا کی مخلوق ہیں اور خدا اسے پسند اس کے بھیجے رسولؐ کے بتائے ہوئے راستوں پر چلتے ہیں۔ یہ لوگ قابلِ احترام پالنے والے ہوتے ہیں۔ تم لوگ شودر ہو تو کیا ہوا۔ تم ہماری طرح باعزّت اور د اوروں کو گھٹیا سمجھنا خود اپنی ذات گھٹیا ہونے کا اعلان ہے۔"

لیراج نے خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔ "تو کیا آپ ہمارے کھالیں گے اور ہمارے مٹی کے مٹکوں کا پانی پی لیں گے۔"

جنید نے کہا۔ "تم لاؤ تو سہی مجھے سخت بھوک لگی ہوئی ہے۔"

بیلوں کی باگیں چھوڑ کر لیراج اٹھا اور بیل گاڑی کے چھت دار حصے سے پینے کی اشیاء نکال لایا۔ جنید نے دیکھا لیراج اس کے لیے سرخ چنگیر میں رکھی باجرے لگی اور تنور کی پکی دو روٹیاں اٹھا لایا تھا۔ ساتھ میں سرخ مٹی کی رکابی میں سرسوں کا ساگ اور سرخ مٹی ہی کی کٹلیا میں گاڑھی لسی تھی۔

جنید نے پہلے لسّی پی پھر مزے لے لے کر ساگ کے ساتھ باجرے روٹی کھانے لگا تھا۔ بیلوں کو ہانکتے ہوئے لیراج نے مڑ کر دیکھا اور بڑے شوق سے پوچھا۔ "یہ ہمارے ہاں کی روٹی، ساگ اور لسّی کیسے لگے۔"

جنید نے تیز تیز کھاتے ہوئے کہا۔ "اس سرزمین پر ایسا لذیذ کھانا

پہلی بار کھا رہا ہوں۔"

لیراج نے اپنی مونچھوں کو اونچا کرتے ہوئے کہا۔ "یہ میری بہن کشتا نے پکایا ہے۔ وہ بہت اچھا کھانا تیار کرتی ہے۔"

جنید نے پوچھا۔ "تم گھر کے کتنے افراد ہو۔"

لیراج نے کہا۔ "بس کل تین، ایک میں آپ کے سامنے، دوسری میری چھوٹی بہن کشتا اور تیسرا میرا باپ، اس کا نام دھرم دھت ہے۔"

جنید نے دونوں روٹیاں کھالیں۔ ساگ اور لسّی بھی اس نے ختم کر دی اور خالی برتن اٹھا کر اس نے گاڑی کے چھت دار حصے میں رکھتے ہوئے کہا۔ "لو لیراج! تم آج چھٹی کرو۔ تمہارا آج کا کھانا تو میں نے کھا لیا۔"

لیراج نے کہا۔ "میں خوش قسمت ہوں کہ آپ نے میرے گھر کا کھانا کھایا۔ ورنہ ہمارے اونچی ذات کے ہندو ہم شودروں کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں جیسے بھگوان نے ہمیں ان کے پاؤں کی میل سے تخلیق کیا ہو اور ان لوگوں کو آکاش کی ——

لیراج کہتے کہتے خاموش ہو گیا اور لرزنے کانپنے لگا۔ جنید نے پوچھا۔ "تم خاموش کیوں ہو گئے ہو۔ اور یہ اچانک تمہاری حالت کیوں بدلنے لگی ہے؟"

لیراج نے کپکپاتی آواز میں کہا۔ "وہی خطرہ سامنے آگیا ہے جس کا میرے ساتھیوں نے خدشہ ظاہر کیا تھا۔ شاید ہم دونوں کا اور میرے بیلوں کی زندگی کا یہ آخری دن ہے۔"

جنید نے پریشانی میں پوچھا۔ "کیا بات ہے۔ تم اس قدر فکر مند کیوں ہو رہے ہو۔"

لیراج نے ہاتھ سے بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ادھر جنگل کی طرف دیکھیں۔"

جنید نے جب مڑ کر دیکھا تو دو جوان چیتے گھات لگائے اور دبے پاؤں چلتے ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ شاید وہ بیلوں اور انسان کی بو پا کر جنگل سے نکل آئے تھے۔ یا وہ بیل گاڑیوں کے کارواں دیکھ کر باہر نکلے ہوں اور تب سے وہیں کھڑے ہوں۔ کچھ بھی ہوا دونوں جوان چیتے ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔

جنید نے تسلّی کے انداز میں کہا۔ "لیراج! لیراج! تم دل نہ چھوڑنا، ہمّت

نہ ہارنا - میں تمہاری، تمہارے بیلوں کی ان چیتوں سے حفاظت کروں گا - دیکھو دونوں
چیتے جو شاید نر مادہ ہیں ابھی گھات لگا کر آہستہ آہستہ ہماری طرف بڑھ رہے ہیں اور
تھوڑی دیر تک وہ ہماری طرف دوڑ پڑیں گے - تم دونوں بیلوں کی ڈوریاں مضبوطی سے
پکڑ کر رکھو تاکہ چیتوں کو دیکھ کر یہ بے قابو اور بے راہ نہ ہو جائیں - اس طرح گاڑی کے
اُلٹ جانے کا خطرہ ہے اور ایسی صورت میں ہم ان چیتوں سے اپنا دفاع نہ کر پائیں گے
تم بیلوں کی ڈوریاں پکڑ کر اور اپنا کلہاڑا سنبھال کر کھڑے ہو جاؤ - پر فکر مند نہ ہونا
میں بھی تمہارے ساتھ کھڑا ہوں گا -

سنو! چیتے یا تو گاڑی کی پچھلی سمت سے چڑھ کر ہم دونوں پر حملہ آور ہونے
آئیں گے یا وہ سامنے کی طرف سے بیلوں پر ٹوٹ پڑیں گے - میں دونوں طرف سے
رہوں گا - لیراج! تمہیں کچھ نہ کرنا ہوگا - بس تم معمول کے مطابق اپنے بیلوں کو ہانکتے
تمہاری طرف کوئی بھی ——

جنید خاموش ہو گیا کیوں کہ دونوں چیتے اب اپنی پوری رفتار سے ان کی طرف
بھاگ کھڑے ہوئے تھے - جنید کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں ڈھال تھی اور
وہ دونوں خونخوار چیتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مستعد ہو گیا تھا - لیراج کا رنگ خوف
اور دہشت کے مارے پیلا ہو گیا تھا جب کہ بیل دونوں چیتوں کو اپنی طرف بھاگتے
کر برہمی اور بے چینی کا اظہار کرنے لگے تھے -

دونوں چیتوں نے بھی خوب عیاری سے کام لیا - نر گاڑی کے سامنے جتے
بیلوں کی طرف آیا جب کہ مادہ گاڑی کے اوپر چڑھ کر جنید اور لیراج پر حملہ آور
ہونے کے لیے گاڑی کی پچھلی سمت آئی - جنید نے چلا کر کہا -

"لیراج! لیراج! اپنا کلہاڑا ہوا میں گھمانا شروع کر دو، تاکہ چیتا سامنے
طرف سے اوپر نہ آئے - پچھلی سمت سے آنے والے چیتے سے میں نمٹ لیتا ہوں"
جنید گاڑی کے پچھلے حصے میں آ کھڑا ہوا تھا - جونہی مادہ ایک لمبی زقند کے
ساتھ گاڑی میں آئی جنید نے اس کے سامنے اپنی ڈھال کر کے اس پر اپنی تلوار برسائی

جنید کا پہلا ہی وار کام کر گیا - مادہ کی گردن کٹ کر علیحدہ ہو گئی اور اس کا دھڑ گاڑی کے
اندر بے جان ہو کر گر گیا -

نر چیتا سامنے کی طرف سے بیلوں پر حملہ آور ہوا تھا - وہ بیلوں پر چھلانگ نہ
لگا سکا تھا - اس لیے کہ ہوا کے اندر گھومتے لیراج کے کلہاڑے نے اسے شش و پنج میں
ڈال دیا تھا اور اس کا دھیان بیلوں کے بجائے کلہاڑا گھماتے لیراج کی طرف ہو گیا تھا -
مادہ کا خاتمہ کرنے کے بعد جنید مڑا اور زور سے چلاتے ہوئے اس نے کہا - "لیراج! لیراج!
بیلوں کی ڈوریاں کھینچ کر گاڑی کو روک دو" -

لیراج نے فضا کے اندر اپنا کلہاڑا گھمانا بند کر دیا اور دونوں بیلوں کی ڈوریاں زور
سے کھینچتے ہوئے اس نے گاڑی روک دی - تاہم وہ سوچوں میں ڈوب گیا تھا کہ دیکھوں
جنید اب کیا کرتا ہے" -

جنید نے گاڑی سے نیچے کودتے ہوئے کہا - "لیراج! تم اوپر ہی رہو - اب یہ
ایک ہی چیتا رہ گیا ہے - اب اس سے نمٹنا کوئی مشکل کام نہیں ہے -"

جنید کے اس طرح بیباکی سے نیچے کودنے پر لیراج اور زیادہ ہراساں اور خوفزدہ
ہو گیا - شاید اسے یہ خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ اگر چیتے نے جنید پر قابو پا لیا تو اس کا بچ کر اپنے
گھر پہنچنا ناممکن ہو کر رہ جائے گا - نیچے کودنے کے بعد جنید گاڑی کے پہیے کے ساتھ
لگ کر کھڑا ہو گیا -

چیتا اس کے سامنے بڑے خونخوار انداز اور انتہائی برہمی کے عالم میں دائیں بائیں
ایک خطِ مستقیم پر چکر لگانے لگا تھا - وہ اپنے منہ سے غصے اور غیض و غضب سے بھرپور
آوازیں بھی نکالتا جا رہا تھا - اچانک چیتا رکا اور خوفناک انداز میں اس نے جنید پر چھلانگ
لگا دی تھی -

جنید چیتے کے اس حملے کے لیے پوری طرح تیار تھا - جونہی چیتا اس کے اوپر آ کر
گرنے لگا جنید نے اس کے منہ پر اس قوت اور زور سے اپنی آہنی ڈھال ماری کہ چیتا
بری طرح دھاڑتا ہوا بائیں طرف گر گیا تھا - لیکن جلد ہی چیتا اٹھ کھڑا ہوا اور حملہ آور ہونے

کے لیے وہ پھر چکر کاٹنے اور ہلکے ہلکے غرّانے لگا تھا۔ چند ہی ثانیوں بعد چیتے نے اس
کے اوپر زقند لگا دی۔ جنید نے پہلے کی طرح پھر اس کے منہ پر پوری قوت سے
مارتے ہوئے اسے دُور کرا دیا۔ اپنی دوسری ناکامی پر چیتا سٹپٹا کر اور انتہائی غصے
غرّا کر رہ گیا تھا۔

چیتا جب پھر کھڑا ہو کر ایک جنون اور دیوانگی کے عالم میں پہلے کی طرح
کاٹنے لگا تو جنید گاڑی کے پہیے کی ٹیک چھوڑ کر آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ چیتے نے
بے باکی سے جنید کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اس نے چکر لگانے بند کر دیئے اور ایک
جگہ کھڑا ہو گیا۔ جنید جب ذرا اس کے نزدیک گیا تو چیتا اس پر جھپٹ پڑا اور
منہ کھول کر وہ آگے بڑھا اور جنید کو پنجہ مارا۔ جنید نے اس کا پنجہ اپنی ڈھال پر لیا
ساتھ ہی اس نے اپنی ڈھال پر تلوار مار کر چیتے کا پنجہ کاٹ دیا۔ چیتا درد کی شدت
تکلیف کے کرب کی وجہ سے بُری طرح دھاڑا۔ اب وہ لنگڑانے لگا تھا۔

جنید نے اب اسے دم نہ لینے دیا اور آگے بڑھ کر اس نے تابڑ توڑ
سے چیتے کے منہ پر سر پر ضربیں لگانی شروع کر دیں۔

ایک پنجہ کٹ جانے کے باعث چیتا جوابی حملے کے قابل نہ رہا تھا۔
نڈھال سا ہو کر وہ زمین پر گر گیا۔ جنید نے آگے بڑھ کر اس پر اپنی تلوار گرائی اور
کی گردن کاٹ دی۔

گاڑی کے اندر کھڑے لیراج کے چہرے پر خوشی اور سکون بکھر گئے تھے
اس نے اپنی بلند آواز میں نعرہ مارا جو شاید اس کی طرف سے خوشی اور فتح کا نعرہ
لیراج خوشی سے بے قابو ہو کر گاڑی سے نیچے کودا اور بھاگ کر اس
جنید کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ ”مہاراج! قسم بھگوان کی آپ انسان نہیں
آپ ایک ناقابلِ تسخیر اوتار ہیں۔ آپ نے جس طرح ان دونوں چیتوں پر بے
حوصلہ مندی سے قابو پایا ہے یہ کسی عام انسان کا کام نہیں ہے۔ بھگوان کی سوگند
جس شخص کے آپ ساتھی ہوں وہ رات کی تاریکی میں کبھی درندوں سے اٹے

اس جنگل سے بے محابا گزر سکتا ہے۔
کاش آپ کسی راج کے راج کمار، کسی لشکر کے سیناپتی ہوتے۔ میں نہیں
جانتا آپ کون ہیں، کہاں سے آئے ہیں اور اجنبی و پردیسی کی طرح کس طرف چلے جائیں
گے لیکن میں آپ کی شجاعت، آپ کی بہادری اور آپ کی جرأت کو پرنام (سلام)
کرتا ہوں“۔ پھر لیراج نے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا۔

”مہاراج! کیا میں ان دونوں چیتوں کو گاڑی میں ڈال کر اپنے ساتھ نہ لے
جاؤں۔ میں ان کی چمڑی اُتار کر آپ کی شجاعت اور رفاقت کی نشانی جان کر اپنے گھر
میں رکھوں گا“۔

جنید نے کہا۔ ”لیراج! لیراج! تم میرے دوست، میرے بھائی ہو۔ مجھے
مہاراج کہہ کر مخاطب نہ کرو۔ میرا نام جنید ہے اور مجھے میرے نام ہی سے مخاطب کرو“۔

لیراج نے ایک بار پھر جنید سے لپٹتے ہوئے کہا۔ ”میں آپ جیسے بھائی پر ہمیشہ
فخر محسوس کروں گا“۔

جنید نے کہا۔ ”آؤ اس چیتے کی لاش بھی اُٹھا کر گاڑی میں رکھیں اور یہاں سے
کُوچ کر چلیں“۔

دونوں نے مل کر چیتے کو اُٹھایا اور گاڑی میں ڈال دیا۔ ساتھ ہی وہ خود بھی
گاڑی میں سوار ہو گئے اور دونوں بیلوں کو ہانک کر وہ مغرب کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

جس شاہراہ پر وہ جا رہے تھے اب وہ شمال مغرب کا رُخ کر کے لمحہ بہ لمحہ جنگل
سے دُور ہوتی جا رہی تھی۔ جنید نے غور سے لیراج کی طرف دیکھتے ہوئے کسی قدر شوق
اور جستجو میں پوچھا۔ ”تمہارے ہاں شودر ذات کو کیوں کمترین اور نیچ سمجھا جاتا ہے“۔

لیراج نے دُکھ سے کہا۔ ”یہ ہندو برادری کی سب سے بڑی لعنت ہے۔
بڑی ذات کے ہندو تو ہمیں اپنے مندر میں دیویوں کے چرن چھونے یا دیوتاؤں کے
مندر میں پوجا پاٹ کی اجازت تو ایک طرف وہ ہمیں اپنے مندروں کا رُخ بھی نہیں
کرنے دیتے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ تو پیار کی جے مالا لے کر پیدا ہوتے ہیں جب کہ ہم

شودروں کے نصیب شمشان کی آگ جیسے ہیں۔ جانے اس دیس کے باسیلو
تفریق و تقسیم کی چتائیں کب تک جلتی رہیں گی اور اس دھرتی کے اندھے راز
ہماری حالت کب تک پردیسی لٹیروں اور دیئے کے آنسوؤں جیسی رہے گی۔ ر
نے تو پورب، پچھم، اُتر، دکن پر سب کا حق یکساں رکھا ہے۔ اونچی ذات کے
کی نس نس سے ہمارے لیے نفرت و کراہت کا سندیس پھوٹتا ہے۔ وہ اپنے آپ
سوراج اور رام جانتے ہیں جب کہ ہمیں دیوتاؤں کا سراب جانتے ہیں۔ وہ مذ
بھجنوں، گیتوں، اشلوکوں اور منتروں پر ہمارا کوئی حق تسلیم نہیں کرتے۔

بڑی ذات کے ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ اس دھرتی پر پہلا انسان پرش تھ
بجلی کے بھالے کی طرح تیز اور روشن تھا۔ جب دیوتاؤں نے قربانی کے لیے پر
بھینٹ چڑھائی تو پرش کی چربی سے بسنت، اس کی گرمی سے ایندھن، اس کی
کے عمل سے خزاں پیدا ہوئی۔ برہمن اس پرش کے منہ سے، کھشتری دونوں باز
سے۔ دونوں رانوں سے ویش اور ہم شودر اس کے دونوں پاؤں اور ان کی میل
پیدا ہوئے۔ پھر بڑی ذات کے ہندو کہتے ہیں اسی پرش کے دماغ سے چاند، آنکھ
سورج، منہ سے اِندر اور اگنی، سانس سے وایو، ناک سے ہوا، سر سے آکاش
اس کے دونوں پیروں سے یہ دھرتی بنی۔

برہمن کہتے ہیں ابتدا میں نہ است (عدم) تھا نہ ہست (وجود) پانی
پانی تھا جو اتھاہ گھمبیر اور گہرا تھا۔ اس وقت نہ موت تھی نہ امر (ابدیت) تاریکی
تاریکی پوشیدہ تھی۔ کائنات میں پانی ہی پانی تھا۔ خواہش ذہن کا پہلا بیج ہے۔
جو موجود ہو کر خلا میں ڈھکا ہوا تھا۔ خواہش کی تپش کی طاقت کے باعث نمودار ہو
یہ مجذوب دماغوں کے غضب ناک گروہ جیسے برہمن کہتے ہیں جسم نہیں آتما امر ہوتی
آتما ایک جسم سے دوسرے جسم میں اپنا جیون بدلتی رہتی ہے۔ اس کو نروان اک
اس وقت نصیب ہوتا ہے جب وہ خواہشوں کے جال سے آزاد ہو جاتی ہے
اس کو وہ آواگون کہتے ہیں۔

یہ دیس برہمنوں، کھشتریوں اور ویشوں کے لیے ہے۔ اس دیش میں ہم شودر
تو موت کے لمس کی آرزو، گلیوں میں بدبو کے دھبے، ٹمٹماتے دیئے اور مرقد کی صورت
لینے پر مجبور ہیں لیکن یہ برہمن لوگ یہ نہیں سوچتے کہ جب گتھی تاریک گپھاؤں کی طرح
مرگ کے سرد جھونکے آتے ہیں تو موت کی وادیوں میں وہ سب کو ایک جیسے عمل سے ہانک
کر لے جاتے ہیں۔ وہاں تو کوئی ذات پات کوئی تفریق نہیں ہے۔"

لیراج نے ذرا خاموش رہ کر کہا۔ "جنید بھائی! کیا آپ کے مذہب میں بھی ایسی
کوئی تفریق و تقسیم ہے؟"

جنید نے کہا۔ "نہیں ہرگز نہیں۔ ہمارے ہاں سب انسان ایک جیسے ہیں۔
گورے کالے میں کوئی تمیز نہیں۔ سب مسجد میں اکٹھے کھڑے ہو کر اور کندھے سے کندھا
ملا کر اپنے ربِ واحد کی عبادت کرتے ہیں۔ ہمارے مذہب میں اپنے خدا کے حضور وہی
قابلِ عزت و احترام ہے جو نیک اعمال کرتا ہے اور ان راستوں پہ چلتا ہے جن کی اس
کے لیے خدا نے اپنے آخری رسول محمدؐ بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نشاندہی کر
دی ہے۔"

لیراج بڑی حسرت اور بڑے دکھ سے کہا۔ کاش کوئی وید، کوئی رشی اور کوئی
اَنت سموں کا نجارہ ان برہمنوں پر بھی یہ حقیقت واضح کرے کہ سب انسان ایک جیسے
ہیں، مندر سب کے لیے یکساں اور بھگوان سب کا سانجھا ہے۔ پر کون ایسا ہونے دیگا
آہ پنڈت منو کی ذات کی اس تفریق کے عمل نے ہمیشگی کے لیے ہمارے نصیب میں نیچ کی
میل اور گھٹیا ہونے کا گند رکھ دیا۔ نہ جانے کب کوئی آئے گا جو ان زنجیروں، ان بے جا
بندھنوں کو کاٹ کر سب کو ایک جیسا کر دے گا"۔

لیراج لمبی سانس لیتا ہوا خاموش ہو گیا اور سفر جاری رہا۔ آسمان پر گہرے بادل
یوں بھاگ رہے تھے جیسے ابھی برس کر زمین کو تھل سے جل بنا دیں گے۔ لیراج نے دونوں
بیلوں کی دُم مروڑ کر ان کی رفتار تیز کرتے ہوئے کہا۔ بادل جھک رہے ہیں بارش شروع
ہونے سے پہلے پہلے ہمیں گھر پہنچ جانا چاہیئے۔

سفر جاری رہا یہاں تک کہ سامنے ایک دریا آگیا جس کا گاچنی جیسا پانی ٹھاٹھیں مارتا ہُوا بہہ رہا تھا۔ جنید نے دیکھا دریا کے اس پار کنارے کے ساتھ ساتھ دائیں بائیں دُور تک بستیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ لیراج جب اپنی بیل گاڑی کو دریا کے پل پر لے آیا تو اس نے جنید سے کہا۔

"یہ پل گوالیار کے راجہ بکرماجیت کا بنایا ہوا ہے۔ پہلے اس جگہ لکڑی کا کمزور پل ہوا کرتا تھا۔ یہ مضبوط پُل کوئی دس برس پہلے بنا تھا۔ اس پل کے دونوں طرف مضبوط دروازے ہیں جو رات کے وقت بند کر دیئے جاتے ہیں تاکہ جنگل سے نکل کر کوئی درندہ رات کے وقت ان بستیوں میں داخل نہ ہو۔ اس دریا میں پانی اس قدر گہرا اور تیز ہوتا ہے کہ درندے اسے پار کر کے بستیوں کی طرف آنے کی ہمت نہیں کرتے۔"

اس پل کے اس پار ایک کھُلا اور وسیع میدان ہے۔ گوالیار کا راجہ بکرماجیت جب جنگلی جانوروں کا شکار کرنے آتا ہے تو اسی میدان کے اندر اپنا پڑاؤ کرتا ہے اور یہیں سے ہاتھیوں پر سوار ہو کر وہ درندوں کے شکار کو نکلتے ہیں۔ یہ راجہ مہاراجہ لوگ اس جنگل میں درندوں کا شکار شوقیہ اور تفریح کے طور پر کرتے ہیں۔ راجہ بکرماجیت ہر ماہ دو ماہ بعد اس پل کے اس پار آکر اپنے خیموں کے ڈیرے ڈالتا ہے اور کئی روز تک یہاں رُک کر شکار کرتا ہے۔"

لیراج خاموش ہو گیا کیوں کہ پل پار کر کے اس نے اپنی گاڑی کو بائیں طرف موڑ دیا تھا۔ اب وہ جنوب کی طرف دریا کے کنارے کنارے دور دور تک پھیلی بستیوں کی طرف جا رہے تھے۔ دریا کے کنارے جو پہلی بستی آئی لیراج اس میں داخل ہوا۔ بستی کے سارے مکان کچی مٹی کے بنے ہوئے تھے۔ تاہم کچھ مکان ایسے بھی تھے جن میں پختہ چھوٹی اینٹ استعمال ہوئی تھی اور یہ مکان اپنے مکینوں کی امارت کا پتہ دیتے تھے۔

جب لیراج بستی میں داخل ہُوا تو اَن گنت لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے شاید اس کا یوں اکیلے بستی میں واپس آنا اُن کے لیے اجنبی اور نیا تھا اور جب لوگوں نے اس کی بیل گاڑی کے اندر دو جوان اور بڑے بڑے چیتوں کی لاشیں دیکھیں تو وہ اس

طرح کے سوال کرنے لگے۔ لیراج بار بار جنید کی طرف اشارہ کر کے ان لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ یہ دونوں چیتے میرے روبرو اس جوان نے تنہا مارے ہیں۔ لوگ پھٹی پھٹی نگاہوں اور حیرت سے جنید کی طرف دیکھتے رہے۔

لیراج اپنی گاڑی کو آگے بڑھاتا رہا اور لوگ اس کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ جوں جوں وہ آگے جا رہا تھا لوگوں کے جمگھٹے میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ لیراج نے ایک کچے مکان کے سامنے اپنی بیل گاڑی کو روک دیا۔ شاید وہ لیراج کا گھر تھا کیونکہ وہاں لیراج اپنی بیل گاڑی سے اتر گیا۔ جنید بھی اس کی طرف دیکھتے ہوئے نیچے اُتر آیا تھا۔

لوگوں کا شور سن کر اس مکان سے ایک بوڑھا باہر نکلا اور تعجب اور پریشانی سے اس نے لیراج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم لوٹ آئے ہو بیٹے! خیریت تو ہے اور یہ تمہاری بیل گاڑی کے گرد اس قدر لوگ کیوں جمع ہیں۔"

لیراج نے جنید سے کہا۔ "اے میرے بھائی! یہ میرے باپ دھرم دھت ہیں۔" جنید نے آگے بڑھ کر دھرم دھت سے ہاتھ ملایا۔ پھر اس نے بلند آواز سے کہ جس سے سارے لوگ سن سکیں، جنید کی ساری داستان انہیں سُنا دی تھی۔ لوگ تعجب اور حیرت سے جنید کی طرف دیکھ رہے تھے۔

لیراج اور جنید نے پہلے دونوں چیتوں کی لاشیں اُٹھا کر نیچے رکھ دیں اور اپنے ہی گھر کے اپنے ایک آدمی سے اس نے چماروں کو بُلانے کے لیے کہا تاکہ چیتوں کی کھالیں اُتاری جا سکیں۔ لوگ اب آہستہ آہستہ واپس جانے لگے تھے۔ لیراج جب بیل گاڑی سے اپنے بیلوں کو علیحدہ کرنے لگا تو اس کے باپ دھرم دھت نے کہا

"بیلوں کو گاڑی سے بعد میں علیحدہ کرنا۔ پہلے مہمان کو اندر بٹھاؤ اور پھر میری بات سنو۔ تمہارے جانے کے بعد ہم پر تو ظلم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔"

لیراج نے گھبرا کر پوچھا۔ "کیا ہُوا باپو!"

دھرم دھت نے کہا۔ "پہلے مہمان کو اندر بٹھاؤ۔ پھر میری بات دھیان دے

"لیراج نے جنید کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے ایک کمرے میں لا کر بٹھاتے ہوئے
"بابا کچھ پریشان ہیں، نہ جانے انہیں کیا ہوا ہے۔ آپ ذرا بیٹھیں میں ان کی بات
پہلے وہ کبھی ایسے پریشان اور مغموم نہ ہوئے تھے۔ آج خبر نہیں انہیں کیا ہوا۔

لیراج باہر نکلا اور باپ سے پوچھا "کشتا کہاں ہے وہ کہیں نظر نہیں آ رہی
نے اپنی چھوٹی بہن سے متعلق پوچھا تھا۔ جنید مسہری سے اٹھ کر دروازے کی اوٹ میں
ہوا اور ان کی گفتگو سننے لگا۔

دھرم دھت نے کہا۔ میں کشتا سے متعلق ہی تو تم سے بات کرنے والا
سن! تیرے یہاں سے جانے کے بعد تیری بہن کشتا کو راند اور اس نے بھائی اٹھا
لے گئے ہیں۔ میں نے ان سے ڈھیر سماجت کی لیکن بے رحم نکلے اور کشتا کو لے جا
نے اپنے گھر بٹھا لیا ہے۔ میں پنچایت کے لوگوں کو ان کے ہاں لے کر گیا تھا لیکن
نے پنچوں کی بات ماننے سے بھی انکار کر دیا ہے۔ اس لیے کہ پنچ خود ان بدمعاشوں
ڈرتے ہیں۔ انہوں نے کہا تھا اگر کسی کی ہمت ہے تو کشتا کو شام سے پہلے پہلے آ کر
جائے ورنہ کشتا کا بیاہ راند سے کر دیا جائے گا۔

انہوں نے یہ بھی کہا تھا اگر کشتا نے اس بیاہ سے انکار کیا تو ان کے گھر میں
کی حیثیت راند کی ایک داشتہ کی سی ہو کر رہ جائے گی۔ میری مانو تو تم خود ان کے ہاں
اور ان کی منت سماجت کر کے اپنی بہن کو اپنے ساتھ لے آؤ اور اگر وہ کشتا کو واپس
تو پھر ہم شام سے پہلے پہلے ہی کشتا کو راند سے بیاہ دیں گے تاکہ وہ کم از کم ان کے ہاں
ایک داشتہ کی زندگی بسر کرنے سے تو بچ سکے۔ آہ میں کیسا مجبور ہوں کہ دکھ غم اور تکلیف
اپنی بیٹی کی میں کوئی مدد بھی نہیں کر سکتا۔ کاش یہ دن دیکھنے سے پہلے میرے دیدے
جاتے یا میرا سر یہ ہی تباہ ہو گیا ہوتا۔

لیراج نے انتہائی غصے، بیزاری اور نفرت میں کہا۔ "ہرگز نہیں، میری
کشتا کی شادی راند سے کیوں کر ہو سکتی ہے۔ میں جانتا ہوں وہ راند سے سخت نفرت
کرتی ہے۔ اگر آپ نے اس کی شادی راند سے کرنے کی کوشش کی تو وہ گلے میں پھندا

ڈال کر اپنے آپ کا خاتمہ کر لے گی۔"

دھرم دھت نے پیار سے کہا۔ "تو اے میرے بیٹے! کیا تم برداشت کر لو گے کہ
تمہاری بہن راند کی جورو کے بجائے اس کی داشتہ بن کر رہ جائے۔"

لیراج نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ میرے جیتے جی کوئی اسے اپنی داشتہ کیوں کر بنا
سکتا ہے۔ میں اس کا بھائی ہوں۔ میں ہر اس ہاتھ سے ٹکراؤں گا جو میری بہن کی طرف بڑھے
تم یہیں مہمان کے پاس رہو بابو! میں راند کے ہاں جاتا ہوں اور اپنی بہن کو لے کر آتا ہوں۔
آج میں ان بدمعاشوں سے فیصلہ کر کے رہوں گا۔ یا تو ان کے ہاتھوں مارا جاؤں گا، یا
اپنی بہن کو سلامت لے کر آؤں گا۔

دھرم دھت نے کہا۔ "نہیں بیٹے! ان سے جھگڑا نہیں کرنا۔ تم رکو میں بھی تمہارے
ساتھ چلتا ہوں اور ایک بار پھر ان کی منت کر کے کشتا کو واپس لانے کی کوشش کرتے
ہیں"۔ لیراج نے سخت غصیلی آواز میں کہا۔ "تم یہیں رہو بابو! میں اکیلا ہی جاؤں گا۔
تم ساتھ گئے تو تم مجھے ان کے ساتھ کھل کر بات نہ کرنے دو گے"۔ لیراج جب غصے
میں باہر نکلنے لگا تو جنید نے دروازے کی اوٹ سے باہر آتے ہوئے کہا۔

"ٹھہرو لیراج! پہلے میری بات سنو! میں نے تمہاری اور تمہارے باپو کے درمیان
پوری گفتگو سن لی ہے۔ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ راند اور اس کے بھائی تمہاری بہن کشتا کو کیوں
اٹھا کر لے گئے ہیں۔ کیا تمہاری ان سے کوئی دشمنی ہے یا کوئی اور گھریلو رقابت ہے"۔

لیراج نے کہا۔ "ہماری ان سے کوئی دشمنی اور عداوت نہیں ہے۔ یہ ہماری اپنی
بدقسمتی ہے کہ میری بہن کشتا بہت خوب صورت اور حسین ہے۔ راند اسے پسند کرتا ہے۔
اس نے کئی بار ہم سے کشتا کا رشتہ مانگا لیکن ہم نے اس بنا پر انکار کر دیا کہ کشتا اسے
ناپسند ہی نہیں اس سے شدید نفرت کرتی ہے۔ راند نے ہمیں دھمکی دی تھی کہ اگر
کشتا کی اس سے شادی نہ کی گئی تو وہ کشتا کو اٹھا کر لے جائے گا اور آج وہ پاپی اپنے بھائیوں
کے ساتھ آیا اور کشتا کو اٹھا لے گیا۔"

جنید نے پوچھا۔ "راند کے اور کتنے بھائی ہیں۔"

لیراج نے کہا۔" وہ کُل پانچ بھائی ہیں"۔

جنید نے کہا۔" کیا وہ ایسے ہی منہ زور ہیں کہ وہ پنچوں کی بات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے یہ تمہاری پوری بستی ہی ان پانچوں کے سامنے بے بس اور مجبور ہے۔"

لیراج نے کہا" آپ کا کہنا کسی حد تک درست ہی ہے۔ ایک تو وہ پانچوں بھائی ہیں ہی طاقت ور، پانچوں پہلوان نما اور بڑے زور آور ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس بستی کے مکھیا کے بھانجے ہیں۔ بستی کا مکھیا خود ان کی حرکتوں سے بیزار ہے لیکن ان کے خلاف کچھ کر نہیں سکتا۔ اس لیے کہ وہ خود ان سے ڈرتا ہے۔ بستی کے تقریباً سبھی لوگ ان سے خوفزدہ ہیں کیونکہ اس بستی میں تین بھائی لکڑہارے تھے۔ ان کے ماں باپ مر چکے تھے۔ ان تینوں لکڑہاروں کی ان پانچوں بھائیوں سے کسی امر پر تکرار ہو گئی اور انہوں نے ان تینوں لکڑہاروں کو قتل کر دیا۔ حالاں کہ وہ لکڑہارے بھی بڑے طاقت ور جوان تھے۔ پر یہ بدمعاش ان پر غالب آئے۔ جب سے انہوں نے ان تینوں لکڑہاروں کو قتل کیا ہے تب ہی سے پوری بستی ان سے خوفزدہ اور متنفر ہے پر کوئی ان کے خلاف آواز بلند نہیں کرتا۔"

جنید نے کہا۔" چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ دیکھتے ہیں وہ کیسے اور کیوں کرشتا کو واپس نہیں کرتے۔"

لیراج نے بڑی ممنونیت سے کہا۔" نہیں، نہیں۔ آپ زخمی ہیں اور پھر پہلے ہی ان دو چیتوں سے مجھے بچا کر کیا آپ کے مجھ پر کم احسان ہیں جو میں اس کام میں بھی آپ کو شریک کروں۔ آپ یہیں رہیں باپو آپ کے پاس بیٹھتے ہیں میں اکیلا کشتا کو لینے جاتا ہوں۔ اگر لوٹ کر نہ آ سکا تو سمجھ لینا لیراج اپنی بہن کی عزت اور لاج کی خاطر موت کی بھینٹ چڑھ گیا ہے۔

جنید نے لیراج کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا" تم ایسی باتیں کر کے وقت ضائع کر رہے ہو۔ چلو میرے ساتھ اور مجھے ان کے گھر کی راہنمائی کرو۔ کشتا

ضرور اپنے گھر میں واپس آئے گی"۔ لیراج چپ چاپ جنید کے ساتھ ہو لیا۔

ایک پختہ اینٹوں کی بنی ہوئی حویلی کے سامنے آتے ہوئے لیراج نے کہا۔ یہ ان پانچوں بھائیوں کی حویلی ہے۔"

جنید نے کہا۔" تم رک کیوں گئے ہو۔ اندر داخل ہو۔ فکر مند نہ ہو کہ ہم سچائی پر ہیں۔" جنید کی رہنمائی کرتا ہوا لیراج حویلی میں داخل ہوا۔ سامنے حویلی کے برآمدے میں پانچ ہٹے کٹے جوان بیٹھے ہوئے تھے۔ ان پر نظر پڑتے ہی جنید نے پوچھا۔" ان میں راند کون ہے اور اپنے بھائیوں میں اس کی کیا حیثیت ہے۔"

لیراج نے کہا۔" جو سب سے بائیں طرف ہے وہی راند ہے اور یہ اپنے بھائیوں میں سب سے بڑا ہے"۔

لیراج کو دیکھتے ہی راند نے پوچھا۔" تم اپنی بہن کو لینے آئے ہو یا مجھ سے بیاہنے"۔

لیراج نے کہا۔" میں اپنی بہن کو لینے آیا ہوں"۔

راند نے پوچھا۔" کیا تو نے میرے علاوہ اس کے لیے کسی اور پتی کا انتخاب کر لیا ہے"

لیراج نے کہا۔" ہاں میں اسے تم سے نہ بیاہوں گا"۔ راند نے جنید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔" کیا تم اس جوان کو اپنی بہن کے بر کی حیثیت سے ساتھ لائے ہو کہ اس کی مدد سے تم اپنی بہن کو ہم سے چھڑا سکو"۔

لیراج نے کہا۔" ہاں ایسا ہی سمجھ لو"۔

راند برانگیختہ ہو کر کھڑا ہوا اور دھاڑتی آواز میں اس نے کہا۔" تم دونوں یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ ورنہ اس گھر سے تم دونوں کی لاشیں اٹھیں گی۔ کشتا کو اب اس گھر سے کوئی نہیں لے سکتا۔ جاؤ چلے جاؤ، اسی میں تم دونوں کی بہتری ہے۔

لیراج اپنے ہاتھ میں، اپنے کلہاڑے پر اپنی گرفت مضبوط کر کے کچھ کہنے والا تھا کہ اس سے پہلے ہی جنید نے راند کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔" تم نے کشتا کو کہاں بند کر رکھا ہے۔ اسے باہر نکالو پھر دیکھو میں اسے کس طرح اپنے ساتھ لے کر جاتا ہوں"۔

راند بائیں طرف ایک کمرے کی طرف بڑھا اور اس کے دروازے کی زنجیر کھولتے

ہوئے اس نے بلند آواز میں کہا "کشتا باہر آجاؤ۔ تمہارے بھائی لیراج نے تمہارے لیے تمہارا پتی چن لیا ہے اور وہ دونوں تمہیں لینے آئے ہیں۔"

کمرے سے کشتا نکلی۔ وہ گیتوں کے دھنک جادو، نکھری صبح، الفاظ کی خوشبو، نور کے کوندے اور مسرت کی قوس قزح جیسی خوب صورت تھی۔ اس کا حسن جیسے کانسی چاہتوں کی بدلیاں، کونپلوں کے تن میں گھلا امرت، قطرہ قطرہ شبنمی خواب، جیسے جگمگاتے ستاروں کا مسکن۔ وہ کمرے سے یوں باہر آئی تھی جیسے ضیاء نور کی کوئی گڑیا۔ یا بادلوں کی کوئی اسیر پری قوس قزاح کے رنگوں کا چھڑکاؤ کرتی نمودار ہوئی ہو۔ اس کی نشیلی جھیل جیسی آنکھوں میں مسرتوں کی بشارتیں اور بے آواز تمناؤں کا فسوں پنہاں تھا۔ اس کی چال کی نغمگی، آہ گویا فرات کے تاریک غاروں میں پرانی داستانوں اور قدیم اساطیر کا جادو بکھر گیا ہو۔ اس کے بدن کی حشر سامانی رگ رگ میں سن سن اور روم روم میں زندگی کا شہد ٹپکا رہی تھی۔

کمرے سے نکل کر چند قدم شبنمی آنچ کی طرح دھیمے دھیمے اور آہستہ آہستہ چلی پھر وہ تیز بھاگی اور باہیں پھیلا کر اپنے بھائی سے لپٹ کر رونے لگی تھی۔ اس کی باہوں کے پھیلاؤ میں بھی رنگوں کا ایک سیلاب تھا۔

راند نے اس بار جنید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اے اجنبی! میں نے تمہیں کشتا دکھا دی ہے، اب اگر تم میں ہمت ہے تو اسے لے جا سکتے ہو۔"

جنید نے کہا۔ "اے خبیث روحوں کے گماشتے! میں اسے لے جا رہا ہوں۔ تم پانچوں میں اگر ہمت ہے تو روک کر دکھاؤ۔"

راند نے جنگلی بیل کی طرح رانبھتے ہوئے کہا۔ "ذرا کشتا کے ساتھ یہاں سے باہر نکل کر دکھاؤ۔"

جنید نے پہلی بار کشتا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "کشتا! تم اپنے بھائی سے علیحدہ ہو کر اور بے فکر ہو کر حویلی سے نکلو اور اپنے گھر جاؤ، لیراج! تم بھی کشتا کو لے کر چلو، میں ان سے نمٹ لیتا ہوں۔"

کشتا نے ایک بار غور سے جنید کی طرف دیکھا اور علیحدہ ہو کر آہستہ آہستہ وہ حویلی کے بیرونی دروازے کی طرف لپکی۔ جنید نے کہا۔ "لیراج تم بھی چلو بہن کے ساتھ، میں ان سے نمٹ کر آتا ہوں۔"

لیراج نے اپنا کلہاڑا تولتے ہوئے کہا۔ "خواہ آپ تلوار مار کر میری گردن ہی کیوں نہ کاٹ دیں۔ میں یہاں آپ کو اکیلا چھوڑ کر ہرگز نہ جاؤں گا۔ یہ آپ کو میری بہن کا پتی اور بر کہہ چکے ہیں۔ پھر کیونکر میں آپ سے پہلے موت کو گلے نہ لگا لوں گا۔"

جنید نے کہا۔ "ہم تینوں میں کوئی کیوں موت کو گلے لگائے۔ ان پانچوں نے اگر ہماری راہ روکنے کی کوشش کی تو موت خود ان کے گلے کا ہار بن جائے گی۔" پھر جنید نے لیراج کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "آؤ باہر چلیں۔"

جنید جب لیراج کے ساتھ جانے کے لیے مڑا راند نے اپنی تلوار کھینچی اور جنید کی طرف بڑھا۔ اس کے بھائیوں نے بھی اٹھ کر اپنی تلواریں نکال لی تھیں۔ جنید راند کی طرف یوں مڑا جیسے قدرت کے تخریبی عناصر نوع انسانی کو دھواں دھواں اور فضائے عالم کے ذرہ ذرہ کو لہو لہو کرنے نکلے ہوں۔

جنید راند پر قیامت کی آندھی اور طوفان و تلاطم کی طرح حملہ آور ہوا۔ راند نے ان کے وار روکنے کی پوری کوشش کی لیکن وہ ناکام رہا اور جنید کی تلوار راند کو اس کے کندھے سے چیرتی ہوئی پیٹ تک چلی گئی تھی۔ راند کے منہ سے ایک بھیانک اور خوفناک چیخ نکلی پھر اس کا جسم بے جان ہوتا ہوا بے بسی کی حالت میں زمین پر گر گیا۔ اس کے جسم سے گاڑھا سرخ خون نکل کر زمین کو رنگین کرنے لگا تھا۔

کشتا صدر دروازے کے پاس جا کر رک گئی تھی۔ جنید لیراج کے ساتھ پھر مڑ کر چلنے لگا تو راند کے ایک بھائی نے کسی خونخوار مرکھنے بیل کی طرح رانبھتے ہوئے بھیانک آواز میں جنید سے کہا۔

"ہمارے بھائی کو قتل کرنے کے بعد اب تم کہاں جاتے ہو؟ یہاں سے بھاگنا اب آسان نہ ہوگا۔ تم کیا سمجھتے ہو، راند کا خاتمہ کر کے تم اپنے کام سے فارغ ہو گئے ہو۔ تم

تینوں کی بدبختی تو اب ہم شروع کریں گے - اب بھی ہم کہتے ہیں کہ کشتا کو کوئی بھی
سے نہیں لے جا سکتا - اب یہ ہم چاروں میں سے کسی کی بیوی بنے گی۔"

جنید نے اپنی خون آلود تلوار ان کی طرف لہراتے ہوئے کہا" تم چاروں
میری طرف آگے تو بڑھو پھر دیکھو تمہاری یہ بے معنی بحث و تکرار، بے دانش و
کی باتیں، لایعنی منطق کے جھگڑے اور تمہارا لاحاصل و بے کار تکلّم میں کیسے
کی دھول اور تم چاروں کے سینے کا غبار بنا کر اڑاتا ہوں - میری طرف آؤ، میں تم
کے سینے کا غبار بنا کر اڑاتا ہوں" - میری طرف آؤ، میں تم چاروں کو ایک ساتھ مقا
کرنے کی دعوت دیتا ہوں - میں جانتا ہوں تمہارا ہر فقرہ خالی اور تمہارا ہر جذبہ جعلی
تمہارا سارا تعصب تمہارا سارا غضب میرے یقین اور میری سچائی کے سامنے ہیچ
آئے گا -

میری طرف آؤ کہ میں اپنی تلوار اور ڈھال سے تم پر زردیوں کی نحوست ابھ
کی پھانس اور حوادث کا طوفان طاری کروں - میں جانتا ہوں تم لوگ ننگ و ناموس
ہو اسی لیے تمہارا اخلاقی زوال قدیم کھنڈرات جیسا اور تمہارے خصائل کا انحطاط ایک
منحوس اور فرسودہ علامت ہے - شاید تمہارے گھر میں تمہاری کوئی ماں کوئی بہن اگر
ہوتا تو تم کسی اور کی بیٹی کسی اور کی بہن کو یوں اٹھا کر اپنے ہاں نہ لے آتے۔"

راند کے بھائی نے کہا" ہم ایسی باتیں سننے کے عادی نہیں ہیں - دیکھو ہم
پر حملہ آور ہوتے ہیں - اپنا آپ بچا سکتے ہو تو بچا دکھاؤ۔"

جنید کو مخاطب کرنے والا آگے بڑھا اور اس کے پیچھے اس کے تینوں بھا
اپنی تلواریں لہراتے ہوئے آئے - جنید نے لیراج سے کہا" لیراج! تم وہاں کنارے
جا کر کھڑے ہو جاؤ، پھر دیکھو میں ان کی کیا درگت بناتا ہوں -

لیراج نے کہا" میں آپ کو اکیلا نہ چھوڑوں گا - ورنہ یہ چاروں خونخوار
آپ کو نقصان پہنچائیں گے۔"

جنید نے کہا" تمہارے پاس نہ تلوار ہے اور نہ ڈھال، تم پیچھے ہٹ جا

لیراج نے کہا" میرے پاس میرا کلہاڑا تو ہے - یہ لکڑیاں کاٹ سکتا ہے تو ان
بدمعاشوں کو نہ کاٹے گا - رہی ڈھال تو ان چاروں کے پاس بھی تو کوئی ڈھال نہیں ہے -

جنید خاموش ہو گیا کیونکہ وہ چاروں اب کندھے سے کندھا ملا کر حملہ آور ہونے
کے لیے قریب آ گئے تھے - جنید زخمی ہونے کے باوجود ماضی کے کسی سائے اور بن کے
بھوت کی طرح حرکت میں آیا اور آگے بڑھتے ہوئے اس نے ان کے دائیں جانب حملہ
کر دیا۔ قبل اس کے وہ سب دائیں طرف سمٹتے، جنید نے سب سے دائیں طرف والے کی
تلوار اپنی ڈھال پر روکنے کے بعد اس کی ٹانگیں اپنی تلوار سے کاٹ دیں - وہ انتہائی کرب
کی حالت میں چیخ مارتا ہوا گر گیا۔

حویلی کے اس ماحول میں ایک وحشت ناکی، ایک تنگی اور بے رحم حوادث کی خونی
منحوس لکیریں پھیلتی چلی گئی تھیں -

جنید اب فکر کے کوندے اور جذبوں کے بھڑکاؤ کی صورت ان تینوں پر حملہ آور
ہو گیا تھا - اس کے بکھراؤ میں حملوں کی ایک نئی تشکیل، اس کی آنکھوں میں طوفانوں کا جھکاؤ
اور اس کے انداز میں حوادث کے بے رحم نقوش تھے - وہ ایسے خوفناک انداز میں حملہ آور
ہوا تھا جیسے کوئی بارودی سرنگ اچانک ہی پھٹ پڑی ہو -

اپنے تیز حملوں سے اس نے ان تینوں پر خوف و تشکیک اور ایک بے نام اذیت
طاری کر کے رکھ دی تھی - ان کی تلواروں کو اپنی ڈھال پر روکتا اور ان پر تیز اور جان لیوا
حملے کرتا ہوا جنید ایک طوفان کھڑا کر گیا تھا -

اس کے ہر حملے میں ایک تنظیم ایک سبھاؤ تھا - لگتا تھا وہ ذات کی ساری زنجیروں
توڑ کر اور مرگ کے سارے دائروں کو اپنی گرفت میں لے کر ہر شے کو اداس کر دے گا -
دفعتاً جنید کی تلوار ان میں سے ایک کی گردن پر گری اور اسے کاٹتی ہوئی نکل گئی تھی -

اپنا پینترا بدلنے کے لیے جنید ذرا پیچھے ہٹا - راند کے زندہ بچنے والے دونوں
بھائیوں کے سینے میں اب غموں کا طوفان امڈ کھڑا ہوا تھا - ان کی حالت اس شکستہ کشتی جیسی
تھی جو سطح دریا کے الم میں لرزاں ہو کر رہ گئی ہو - ان کی نظروں میں بے بسی کا اعلان اور

ذہن دھواں دھواں ہو کر رہ گیا تھا۔

جنید نے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تم نے دیکھا تمہارے تینوں بھائیوں کی شیطنت کا کیا انجام ہوا۔ سنو! تم دونوں بھی اب پل بھر کے مہمان ہو۔ اب تم صرف دو ہو، اب جب میں تم پہ حملہ آور ہوں گا تو تمہاری خون چشیدہ زبانیں سوکھ جائیں گی اور تمہارے بدن کی ہر ہڈی تڑخ جائے گی۔"

جنید پھر آگے بڑھا اور ان پہ حملہ آور ہو کر وہ ان کے بدن پر جراحتوں کے نقوش ثبت کرنے لگا تھا۔ ان دو کو اب وہ بری طرح اپنے تیز اور جان لیوا حملوں سے اپنے آگے آگے چکر دینے لگا تھا۔

اپنے گھر کے حلاوت بخش سکون میں ہی ان دونوں کے چہرے آندھی میں بجھ جانے والے چراغ جیسے ہو رہے تھے۔ اپنے ہولناک حملوں سے ان کی ہر سمت، اُن کی ہر جانب جنید نے دام اور شرارے بچھا کر رکھ دیئے تھے۔

ان دونوں کے چہروں پر تھکن کے آثار اب نمایاں ہو کر دکھائی دینے لگے تھے جب کہ جنید ابھی ویسا ہی تازہ دم تھا جیسے کوئی نئے اور انوکھے جذبوں کی لہر دل کی گہرائیوں سے نکل کر طوفان کھڑا کر دیتی ہے۔

لیراج چاہتا تھا کہ اس کام میں وہ بھی جنید کی مدد کرے۔ لہٰذا وہ آہستہ آہستہ ان دونوں کی پشت پر گیا تاکہ پیچھے سے ان پر حملہ آور ہو لیکن اسی لمحے جنید نے ان میں سے ایک پر زنجیریں تک کاٹ دینے والی ایسی ضرب گراں لگائی کہ اس کا جسم دو حصوں میں کٹ گیا۔ آخری بچنے والا اپنی جان بچانے کی خاطر دائیں طرف مڑا اور ادھر بھاگ کھڑا ہوا۔ جنید نے اس کا پیچھا کیا۔ جب وہ ایک کمرے میں داخل ہو کر اس کا دروازہ بند کرنے لگا تو جنید نے اپنی تلوار بلند کر کے اس پر گرائی اور اس کی زندگی کا دیا بھی اس نے بجھا دیا۔ اس حویلی کا صحن ان کے اپنے ہی خون سے رنگین ہو گیا تھا اور بستی کا کوئی بھی فرد ان کی مدد کو نہ آیا تھا۔

جنید اب اس کے پاس آیا جس کی سب سے پہلے اس نے ٹانگیں کاٹی تھیں۔ اُس

نے دیکھا۔ وہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ جنید نے اس کے کپڑوں سے اپنی تلوار صاف کر کے نیام نیام کی اور لیراج سے کہا۔ "چلو اب چلیں۔ یہ کہتے تھے کشتا کو یہاں سے کوئی لے جا نہیں سکتا۔ لیراج! میں نے کہا تھا نا کشتا کو کوئی روک نہیں سکتا۔ کیا میں نے اپنا کہا سچ نہیں کر دکھایا"۔

لیراج نے آگے بڑھ کر جنید کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ بھگوان کی قسم مجھے یوں لگتا ہے جیسے آپ کسی شہر طلسمات اور چاند کی بستی کے باسی ہوں اور اس دھرتی سے آپ کا کوئی تعلق نہ ہو۔ میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار کوئی ایسا جوان دیکھا ہے جو اپنے دشمن کو تنکا تنکا کر کے طوفان میں اُڑا دے۔

حسین کشتا جس کے چہرے پر تھوڑی دیر قبل تک پھیکا مجروح کن حزن اور پلکوں پر اشک لرزاں تھے وہاں اب اس کے چہرے پر نغمات کا رس اور معصوم آنکھوں میں ستاروں کی قوس قزح کے رنگ ناچ رہے تھے۔ وہ قطرۂ شبنم میں لہراتی سُرخ لکیروں اور حسین قوسوں کے دل نشین زاویوں کی طرح اور زیادہ پُرکشش اور سحر انگیز ہو گئی تھی۔

وہ دروازے کے پاس کھڑی جنید کی اس کامیابی پر یوں مسکرا رہی تھی۔ جیسے نرم ہوا کے خوش کن جھونکوں میں ٹہنی ٹہنی پھول اور پات پات کلی لہراتی مسکاتی ہے۔ پھر وہ کرنوں کی رانی لڑکی برسات میں کوندتی برق کی طرح آہستہ آہستہ جنید اور لیراج کی طرف بڑھی۔ وہ اس حسین انداز میں چلتی ہوئی آگے بڑھی تھی، گویا پھول مہک کر، کوئی گیت کھنک کر، کوئی لحن، کوئی روپ، کوئی زمزمہ، کوئی حسن بہک کر اور جھنکار کی کوئی آہنگ اور آوازوں کا کوئی نقش حسین کرنوں کے آنچل پر لہرایا گیا ہو۔

قریب آ کر کشتا نے اپنی مدھ بھری آنکھوں میں شبنمی آنچ لیے جنید کی طرف دیکھا پھر لحظہ لحظہ خنک ہوتی شام اور ساحل کی مخملی ریت جیسے نرم سہانے انداز میں اس نے جنید سے کہا۔ "اے مہربان اجنبی مہمان! آپ نے کیا خوب ان کے تعصب کے اندھیروں کو روشنی کی نئی آبشاروں سے کاٹا۔ ان کی قربتوں کو صدیوں کے بعد میں بدل دیا۔ اپنے آپ کو سرکش اور ناقابلِ تسخیر جاننے لگے تھے۔ کیا خوب آپ نے ان کی ہستیوں کے سارے تکبر کو

ان ہی کی ظلمت کے تابوت میں بند کر دیا ہے۔ میں جیون بھر آپ کی احسانمند رہوں گی کہ آپ نے نہ صرف میری آبرو کی حفاظت کی بلکہ میرے بھائی کی جان بھی بچائی۔ اگر میرے بھائی لیراج اکیلے مجھے لینے آتے تو یہ درندے اب تک ان کا خاتمہ کر دیتے۔"

کشتا جنید کے اس قدر قریب کھڑی تھی کہ جنید نے محسوس کیا کہ اس کے سرخ ہونٹوں کے کورے برتن جیسے پنڈے سے جنم جنم کی پیاس بجھاتی ایک خوشبو اور اس کی سانسوں کے گلوں کی مہک اٹھ رہی تھی۔ چند ثانیوں تک کشتا خاموش رہی اور اپنے پورے خلوص، ایثار اور محویت سے جنید کو دیکھتی رہی پھر اس نے پیار کی میٹھی تڑپ بکھیرتی آواز میں کہا۔ "آپ ہمارے ساتھ ہمارے گھر چلیں۔ ہمارے باپو آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔ بھگوان کی سوگند آپ نے وہ کام کیا ہے جو ہماری بستی کا مکھیا اور پنچ بھی نہ کر سکے۔"

لیراج نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کشتا! میری بہن! ان کا نام جنید ہے۔ یہ ہمارے گھر سے ہو کر اور باپو سے مل کر آئے ہیں۔" پھر وہیں کھڑے کھڑے لیراج نے جنید کی پوری داستان اور راستے میں چیتوں سے اس کی جان بچانے کی ساری تفصیل سنا ڈالی۔ جب لیراج خاموش ہوا تو کشتا نے فکر مندی اور پریشانی میں پوچھا۔

"کیا آپ زخمی ہیں اور ابھی تک کسی نے آپ کے زخم کی مرہم پٹی نہیں کی بھگوان کی پناہ، اگر آپ نے زخمی ہوتے ہوئے ان پانچوں کو اس قدر آسانی سے ختم کر دیا ہے اگر آپ اچھے ہوتے پھر تو ان جیسے دس بھی آپ کے سامنے ہیچ تھے۔ کیا میں آپ کا زخم دیکھ سکتی ہوں۔"

لیراج نے نیچے جھک کر جنید کی پنڈلی سے اس کا لباس ہٹایا تو کشتا نے دیکھا اس کی پنڈلی پر پٹی بندھی تھی اور وہ ساری خون سے رنگین تھی اور خشک ہو چکی تھی۔

کشتا نے اپنے بھائی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں فوراً گھر چلنا چاہیے اور ان کے زخم کی دیکھ بھال کرنی چاہیے۔ پنڈلی کے اس زخم کی وجہ سے انہیں زیادہ چلنا پھرنا بھی نہیں چاہیے۔"

لیراج نے جنید سے کہا۔ "جنید! میرے بھائی! چلو گھر چلیں، باپو ہمارے متعلق سخت فکر مند ہو رہے ہوں گے۔"

رانند کے مکان سے باہر بہت سے لوگ جمع ہو چکے تھے لیکن وہ اندر نہ آ رہے تھے۔ جنید، لیراج اور کشتا جب باہر نکلے تو انہوں نے دیکھا ساری گلی مرد عورتوں سے بھری تھی اور لوگ رانند اور اس کے بھائیوں کے قتل پر چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔

جنید نے وہاں جمع سب مرد عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "سنو لوگو! میرا نام جنید ہے۔ میں مسلمان ہوں۔ رانند اور اس کے بھائیوں نے کشتا کو اس کے گھر سے اٹھا کر جرم کیا تھا اور اس جرم میں ان پانچوں کو میں نے قتل کر دیا ہے۔ اگر ان کا کوئی رشتہ دار مجھ سے انتقام لینا چاہے تو وہ گوالیار کے راجہ بکرما جیت کے پاس آ جائے میں وہاں ملوں گا۔"

لیراج نے تعجب سے پوچھا۔ "آپ راجہ بکرما جیت کے جاننے والے ہیں۔"

جنید نے کہا۔ "ہاں۔"

لیراج فخر سے جنید کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ لوگ اپنی چہ میگوئیوں میں رانند اور اس کے بھائیوں کے قتل پر اطمینان کا اظہار کر رہے تھے۔ جنید، لیراج اور کشتا لوگوں کے درمیان سے نکل کر گھر کی طرف جا رہے تھے۔

جنید، لیراج اور کشتا جب گھر داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا بوڑھا دھرم دھت اپنے گھر کے صحن میں ادھر ادھر بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ آسمان پر بادل اور جھک آئے تھے اور گرج چمک ہونے لگی تھی۔

گھر میں داخل ہوتے ہی کشتا بھاگی اور رات دن کے بیقرار گرداب کی طرح اپنے باپ سے لپٹ گئی تھی۔ دھرم دھت نے پیار اور شفقت سے کشتا کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "کیا رانند اور اس کے بھائیوں کو ہماری حالت پر رحم آ گیا جو انہوں نے تجھے تیرے بھائی اور جنید کے ساتھ بھیج دیا ہے۔"

کشتا نے دھرم دھت سے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا۔ "باپو! وہ مجھے کیا آتے

دیتے۔ پھر کشتا نے جنید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اگر آج یہ نہ پہنچتے باپو تو آپ بھی اپنی بیٹی کی شکل نہ دیکھ سکتے۔ میں نے رات آنے پر ان کے ہاتھوں بے آبرو ہونے کے بجائے اپنے آپ کو ختم کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر اکیلے پانچوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ بھیا ان کی مدد کرنا چاہتے تھے لیکن انہوں نے اُن کو ایسا کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔

باپو! آج اگر یہ نہ ہوتے تو ہمارا گھر برباد و ویران ہو جاتا۔ بھیّا نے مجھے ان سے لیتے اکیلے ضرور جانا تھا ورنہ انہوں نے بھیا کو ضرور نقصان پہنچا کر چھوڑنا تھا۔ باپو یہ مہمان ہمارے گھر میں خوش قدم ہیں کہ انہوں نے ہم دونوں بہن بھائی کی جان بچائی۔“

دھرم دھت چند ثانیوں تک گہرے ممنونانہ جذبات میں جنید کو دیکھتا رہا پھر وہ آگے بڑھا اور ایک دم اس نے جنید کے پاؤں پر گرتے ہوئے کہا۔ ”آپ دیوتا ہیں اوتار ہیں“—— جنید نے ایک دم جُھک کر دھرم دھت کو اُوپر اُٹھاتے ہوئے کہا۔ ”یہ آپ کیا کرتے ہیں۔ آپ میرے بزرگ ہیں۔ آپ کو میرے پاؤں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے کوئی اتنا بڑا معرکہ آپ کے لیے تو سَر نہیں کیا جس کے لیے آپ یوں میرے پاؤں پکڑیں۔“

دھرم دھت نے احتراماً جنید کے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ ”مہاراج! اس گھر کے لیے اس سے بڑھ کر اور کون سا معرکہ ہو سکتا ہے جو آپ نے ہماری خاطر انجام دیا ہے۔ ہم تینوں ساری عمر آپ کی خدمت کرتے رہیں تو بھی اس کا حق ادا نہ کر سکیں۔“

جنید نے بڑی عاجزی سے کہا۔ ”آپ مجھے مہاراج نہ کہیں۔ لیراج مجھے بھائی کہتا ہے۔ آپ مجھے بیٹا کہہ کر پکاریں۔ میرے لیے یہ رشتہ فخر کا باعث ہوگا۔“

دھرم دھت نے کہا۔ ”کہاں آپ کہاں ہم شودر جن کو پاؤں کی میل اور گلیوں کی گندگی سے بھی کمتر سمجھا جاتا ہے۔“

جنید نے کہا۔ ”یہ آپ کا وہم ہے۔ سب انسان ایک سے اور مٹی سے پیدا

ہوئے ہیں۔ ان میں نیک اور خالق کے ہاں برگزیدہ وہی ہے جو ان راستوں کی پیروی کرتا ہے۔ جو سارے جہانوں کا رب بندوں کے لیے اپنے رسولوں اور نبیوں کے ذریعے متعین کرتا ہے۔ آپ مجھے بیٹا کہہ کر پکاریں مجھے خوشی ہوگی۔“

دھرم دھت نے خوشی اور سکون سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔ ”بیٹے! اگر اس میں تیری خوشی ہے تو میں تمہیں بیٹا کہہ کر ہی پکارتا ہوں۔“ کشتا اور لیراج جو دونوں قریب ہی کھڑے تھے جنید اور دھرم دھت کی اس گفتگو پہ کھل کر مسکرا رہے تھے۔

لیراج نے مسکراتے ہوئے اپنے باپ سے کہا۔ ”باپو! آپ کی باتیں تو ہو چکیں۔ جنید بھائی زخمی ہیں۔ زخم ان کی ٹانگ پر ہے۔ میں نے ابھی کھول کر دیکھا نہیں۔“

دھرم دھت نے چونک کر کہا۔ ”تم دونوں بہن بھائی جنید کو اندر کمرے میں بٹھاؤ میں مرہم اور پٹی لاتا ہوں۔ جلدی کرو کشتا تم ایک کٹورے میں زخم دھونے کے لیے پانی بھی رکھ دو۔“

کشتا بھاگتی ہوئی دائیں طرف لکڑی کی اس گھڑونچی کی طرف چلی گئی جس پر پانی سے بھرے کچّی مٹی کے سُرخ گھڑے رکھے ہوئے تھے۔ پانی کا کٹورہ لے کر کشتا جب کمرے میں داخل ہوئی تو جنید مسہری پر بیٹھا تھا اور اس کے سامنے دوسری مسہری پر لیراج بیٹھا جنید کی پنڈلی کے زخم پر بندھی پٹی کھول رہا تھا۔

پانی کا کٹورہ کشتا نے فرش پر رکھ لیا اور لیراج کے پاس بیٹھ گئی۔ اتنے میں دھرم دھت اندر داخل ہوا اس کے پاس پٹیاں اور لکڑی کا پیالہ تھا جس میں مرہم تھی دھرم دھت نے نیچے فرش پر ہی بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”لیراج! تم چھوڑ دو میں خود پٹی کھول کر دیکھتا ہوں اور مرہم لگا کر پٹی بدلتا ہوں۔“

دھرم دھت نے زخم پر بندھی خون آلود پٹی اتار دی۔ اپنی پٹیوں کے اندر رکھی اس نے روئی نکالی اور اسے پانی میں ڈبو ڈبو کر پہلے زخم خوب صاف کیا پھر اس نے جنید کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”پہلے تم نے کسی سے اچھی مرہم پٹی کرائی ہے۔ زخم خراب نہیں ہونے پایا اور پھر یہ اتنا گہرا بھی نہیں۔ دو چار روز تک بالکل ٹھیک ہو جائیگا۔“

جنید نے کہا۔ " زخم پر یہ پٹی میں نے جنگل کے اندر خود ہی باندھی تھی۔ میں
پاس مرہم پٹی کا پورا سامان رکھتا ہوں اور یہ مرہم میں خود ہی بناتا ہوں " نسخہ مجھے میرے
نانا نے بتایا تھا۔ ان کا نام شیرم طغائی ہے اور کبھی وہ ایک عمدہ جرنیل ہوا کرتے تھے۔
دھرم دھت نے زخم میں مرہم بھر کر پٹی باندھ دی تھی۔

فرش سے اُٹھ کر جنید کے ساتھ مسہری پر بیٹھتے ہوئے دھرم دھت نے
سے کہا " بیٹے! تمہارے اور جنید کے جانے کے بعد چمار آئے تھے۔ وہ کہہ رہے
کھالیں بیچنی ہوں تو ہمیں دے دیں۔ ہم ان کا معقول معاوضہ دیں گے۔

لیراج نے کہا۔ باپو! چیتے کی کھال بڑی مہنگی بکتی ہے۔ وہ یہ کھالیں لے
کسی مکھیا کے پاس جا کر بیچیں گے اور بڑی رقم کمائیں گے۔"

دھرم دھت نے کہا۔ " جو کچھ وہ دیتے ہیں لے لو۔ بچاروں سے وہ بھی غر
لوگ ہیں ان سے اپنی روزی کما لیں گے۔"

لیراج نے کہا ٹھیک ہے باپو! میں تھوڑی دیر تک ان کے پاس جاؤ
گا اور جو کچھ وہ اپنی خوشی سے دیں گے وہ لے کر کھالیں انہیں دے دوں گا۔"

جنید نے کہا۔ جب تم باہر جاؤ تو میرا بھی ایک کام کرنا۔ یہاں تمہاری بستی سے
اچھا گھوڑا مل جائے تو مجھے بتاؤ میں اسے خرید لوں گا۔ اگر یہ کام آج ہی ہو جائے تو بہتر
کیوں کہ میں کل یہاں سے کوچ کرنا چاہتا ہوں۔

دھرم دھت نے کہا۔ " کیا تم واقعی کل یہاں سے کوچ کر جاؤ گے بیٹے!
دِن رکو گے نہیں۔"

جنید نے کہا۔ " میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ پھر کبھی یہاں آؤں گا۔ میں آ
کو بھولوں گا نہیں۔ میں زیادہ دن یہاں قیام نہیں کر سکتا۔ میں یہاں سے سیدھا گوالیا
جاؤں گا۔ وہاں مجھے شاید راجہ بکرماجیت کے ہاں بھی کچھ روز رہنا پڑے۔

سنو لیراج! جب تم مجھے اپنے دیگر لکڑ ہاروں کے ساتھ جنگل سے باہر لے
تو اپنے حالات تم لوگوں کو سناتے ہوئے میں کچھ حقائق کو نظر انداز کر گیا تھا۔ اب میں تمہ
اپنے اصل حالات سناتا ہوں۔"

اس کے بعد جنید نے مالوہ میں مدینی کے ہاتھوں اپنے باپ کی جاگیر چھننے،
اپنے باپ، چچا اور نصرت کے قتل، بابر کے لشکر میں شامل ہونے، لاہور سے گوالیار
وہاں سے مالوہ میں مدینی راؤ اور رام دیو کے قتل اور پھر تعاقب کرنے والوں سے بچنے
کی خاطر جنگل میں داخل ہونے، شیروں کے ہاتھوں اپنے گھوڑے کے مارے جانے
اور جنگل میں رات کے وقت اپنے آپ پر ریچھوں کے حملہ کرنے کی ساری کتھا اور
کہانی تفصیل اور حقیقت کے ساتھ سنا دی تھی۔

جنید جب خاموش ہوا تو لیراج نے کہا۔ " آپ کی مہربانی ہے کہ آپ نے ہم
پر اعتبار کر کے اپنے اصل حالات ہم سے کہے۔"

جنید نے کہا۔ " لیراج! میرا جلدی لوٹنا بہت ضروری ہے۔ میرا بھائی تیمور
بڑی بے چینی سے میرا منتظر ہو گا۔ اگر وہ مجھے تلاش کرتا ہوا گھر چلا گیا اور میری ماں کو
میری گم شدگی کی خبر ہو گئی تو اس پر قیامت بیت جائے گی اس لیے کہ وہ مجھ سے بہت
محبت کرتی ہے۔ میں جنگ میں مارا جاؤں تو وہ صبر کر سکتی ہے لیکن میری گم شدگی اس
کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گی۔"

لیراج اپنی جگہ پر سے اُٹھتا ہوا بولا۔ " میں پھر جاتا ہوں، جلدی ہی لوٹ آؤں
گا۔ میں چماروں سے بھی بات کر آؤں گا اور آپ کے لیے کوئی گھوڑا بھی دیکھ لوں گا۔"

لیراج باہر نکل گیا۔ دھرم دھت اور کشتا وہیں جنید کے پاس بیٹھ کر باتیں
کرنے لگے تھے۔ ایک دم جنید کو کوئی خیال گزرا اور لیراج کے پیچھے بھاگا۔ وہ ابھی
بیرونی دروازے سے باہر نکلا ہی تھا۔ جنید نے اسے پکارا۔ " لیراج! گھوڑا زین اور
اپنے ساز سمیت ہو۔"

لیراج نے کہا۔ " آپ بے فکر رہیں ایسا ہی ہو گا۔" جنید پھر دھرم دھت
اور کشتا کے پاس جا کر بیٹھ گیا تھا۔

کافی دیر تک جنید اور دھرم دھت آپس میں باتیں کرتے رہے۔ کشتا بھی ان

کے پاس بیٹھی رہی پھر وہ اُٹھ کر باہر چلی گئی کیوں کہ سُورج غروب ہونے والا تھا اور وہ کھانا تیار کرنے لگی تھی۔

سورج غروب ہونے تھوڑی دیر پہلے لیراج لوٹا اور جنید سے کہا۔ ”میں نے آپ کے لیے چار بہترین گھوڑے پسند کیے ہیں۔ ان میں سے آپ جو چاہیں لے سکتے ہیں۔ راند کے مکان سے باہر جمع ہونے والے لوگوں سے آپ نے جو یہ کہہ دیا تھا کہ اگر ان کا کوئی انتقام لینے والا ہو تو اسے راجہ بکرما جیت کے پاس بھیج دیں اس کا لوگوں پر خاطر خواہ اثر ہُوا۔ وہ آپ کا احترام اور عزت کرنے لگے ہیں۔ میں نے جس سے بھی بات کی وہ آپ مفت گھوڑا دینے پر رضامند ہو گیا۔ میں نے ان میں سے چار گھوڑوں کو پسند کیا۔ ان کے مالک اپنے گھوڑوں کو لے کر میرے ساتھ ہی آ گئے ہیں اور باہر گلی میں کھڑے ہیں۔ چاروں گھوڑے اپنے ساز سمیت ہیں۔ آپ اُٹھ کر گھوڑے دیکھ لیں اور جو پسند آئے لے لیں۔“

جنید اور دھرم دھت لیراج کے ساتھ اُٹھ کر باہر گلی میں آئے۔ وہاں چار عمدہ نسل کے توانا گھوڑے کھڑے تھے اور ان کے مالکوں نے ان کی باگیں پکڑ رکھی تھیں۔ جنید نے گھوڑ

جنید گھوڑوں کو دیکھنے لگا۔ ایک بار وہ ان کے آگے سے اور ایک بار ان کے پیچھے سے گذرا۔ پھر وہ اُن کی زین ہٹا کر ان کی پیٹھ دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک لمبے قد آور اور سُرخ رنگ کے گھوڑے کی طرف اس نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ گھوڑا ٹھیک ہے۔ باقی گھوڑے تم لے جا سکتے ہو۔ تینوں مالک اپنے گھوڑوں کو لے کر چلے گئے۔ جنید نے جس گھوڑے کو پسند کیا تھا اس کے مالک سے پوچھا۔ ”کیا لوگے اس کا؟“

اس نے کہا۔ ”آپ راجہ بکرما جیت کے آدمی ہیں۔ ہم آپ کی پرجا ہیں۔ آپ سے کچھ نہ لوں گا۔ یہ گھوڑا میں آپ کو تحفتاً پیش کرتا ہوں۔“

جنید نے سختی سے کہا۔ ”دیکھو! میں مول چکائے اور قیمت دیئے بغیر گھوڑا نہ لوں گا۔ میں مفت کیوں لوں۔ تم اس کے مالک ہو۔ تم نے اس کی خدمت کی

کا مول حاصل کرنے کے حقدار ہو“۔
ہے۔ تم اس کا مول حاصل
جنید کو خفا دیکھ کر گھوڑے کا مالک نے کہا۔ ”میں اس کا مول کیا لگاؤں گا۔ آپ جو دیں گے لے لوں گا۔“

جنید اندر گیا اور کمرے میں رکھی اپنے گھوڑے کی چرمی خرجین کے اندر سے اس نے نقدی کی تھیلی نکالی۔ اس میں سے اس نے کچھ سنہری سکّے لیے اور باہر آیا۔ وہ سکّے جنید نے گھوڑے کے مالک کو دیتے ہوئے کہا۔ ”میں نے گھوڑے کو دیکھ کر اس کی قیمت لگائی ہے۔ اس کے باوجود اگر تم یہ محسوس کرو کہ یہ قیمت کم ہے تو کہو میں تمہیں اور دے دوں گا۔“

گھوڑے کے مالک نے کہا۔ ”بھگوان کی قسم آپ نے گھوڑے کے مول سے مجھے زیادہ رقم دے دی ہے۔“

جنید نے کہا۔ ”تو پھر رکھ لو۔ میں نے اتنی رقم اپنی خوشی سے تمہیں دی۔ تم نے اس گھوڑے کی خوب خدمت کی ہے۔ تم اس کے حقدار ہو۔“

سورج اب غروب ہو رہا تھا۔ گھوڑے کا مالک چلا گیا۔ لیراج نے گھوڑے کو اندر لا کر اس جگہ باندھ دیا جہاں ان کی گائے بندھی ہوئی تھی اور اس کی زین اتار کر اُسے دانہ چارہ ڈال دیا تھا۔

کشتا کھانا تیار کرتی رہی۔ جنید، دھرم دھت اور لیراج پھر کمرے میں بیٹھ کر آپس میں باتیں کرنے لگے تھے۔ باہر اب ہلکی ہلکی بُوندا باندی شروع ہو گئی تھی۔ پھر کشتا کھانا لے کر کمرے میں داخل ہوئی۔ کھجور کے پتّوں سے بنی لال اور سبز رنگ کی چنگیر میں اس نے انواع و اقسام کے کھانے جمائے ہوئے تھے۔

کھانے کی چنگیر اس نے مسہری پر رکھ دی پھر ایک چادر فرش پر بچھانے کے بعد چنگیر اس پر رکھ دی۔ دوبارہ وہ باہر گئی اور لال مٹی کی کوری ٹھلیا میں پانی لے آئی۔ ساتھ ہی سُرخ مٹی کے خوب پکے ہوئے خوب صورت پیالے بھی تھے۔

دھرم دھت نے اُٹھتے ہوئے جنید سے کہا۔ ”چلو بیٹا! کھانا کھائیں۔ جنید اور

لیراج اُٹھ کر دھرم دھت کے ساتھ فرش پر بچھی ہوئی چادر پر بیٹھ گئے جب کہ کر
پر بیٹھ گئی تھی۔

جنید نے کشتا کو مخاطب کر کے کہا۔ "کیا تم کھانا نہیں کھاتی ہو؟"

جنید کے اس سوال پر کشتا یوں ہنس دی جیسے ستاروں کا دامن موتیوں سے
گیا ہو۔ ساتھ ہی اس نے کہا۔ "کیا میں انسان نہیں جو کھانا نہیں کھاتی"

• جنید نے کہا۔ "تو پھر ہمارے ساتھ آ کر کھاؤ۔"

دھرم دھت نے بھی کہا۔ "آجاؤ بیٹی! کشتا اٹھی اور ان کے ساتھ
بیٹھ کر کھانے لگی۔ باہر بارش اب تیز ہو گئی تھی۔ کھانے کے بعد وہ کچھ دیر بیٹھے
اس دوران کشتا نے اسی کمرے میں سب کے لیے بستر لگا دیے۔ بارش کے با
سردی بڑھ گئی تھی لہٰذا وہ اپنے اپنے بستر میں گھس گئے تھے۔

رات کے پچھلے حصّے میں کہیں بارش تھم گئی تھی۔ لیراج صبح سویرے اندھ
منہ ہی جنید کو گھمانے دریا کی طرف لے گیا۔ وہیں ان دونوں نے ہاتھ منہ دھو لیا۔ جب
جنید اس کے ساتھ گھر لوٹا تو اس نے دیکھا۔ دھرم دھت گائے کا دودھ دھو رہا تھا
گائے کے تھنوں سے نکلتی ہوئی دودھ کی شیریں دھاریں مٹی کی ٹھلیا میں پڑ رہی تھیں
جو دھرم دھت نے اپنے دونوں گھٹنوں کے اندر دبا رکھی تھی۔ قریب ہی حسین کشتا
جھکی گرم تنور کی کوکھ سے روٹیاں نکال کر اور انہیں کپڑے سے جھاڑ جھاڑ کر چنگیر
رکھتی جا رہی تھی جب کہ گائے کی چھوٹی سی اور پیاری سی بچھیا گائے کے قریب ہی بندھی
تھی اور دودھ پینے کی خاطر وہ بار بار اپنا ... گائے کی طرف بڑھا رہی تھی۔

جنید لیراج کے ساتھ چھپّر میں گیا اور اپنے گھوڑے پر زین ڈالنے لگا تھا۔

کھانے کے بعد جنید نے اپنا گھوڑا نکالتے ہوئے کہا۔ "میں اب کوچ کر
رہا ہوں۔ میں آپ لوگوں ممنون ہوں کہ آپ لوگوں نے میری اس قدر خدمت کی۔"

دھرم دھت، لیراج اور کشتا جنید کی اس رخصتی پر اداس ہو گئے تھے۔ دھرم
دھت نے کہا۔ "ہم نے تمہاری کون سی خدمت کی ہے بیٹے! بلکہ تم ہمیں اپنے احسا

تلے داب کر جا رہے ہو بیٹے! کیا میں اُمید رکھوں کہ تم کبھی لوٹ کر اس کٹیا میں آؤ گے"

جنید نے کہا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں میں آپ لوگوں سے ملنے ضرور آؤں گا۔" پھر
اس نے دھرم دھت اور لیراج سے ہاتھ ملا کر اپنا گھوڑا باہر نکالا اور کشتا پر ایک الوداعی
نگاہ ڈال کر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور گھوڑے کو اس نے ایڑ لگا دی۔

کشتا، لیراج اور دھرم دھت اپنے گھر کے دروازے پر اُداس کھڑے تھے۔
جب کہ جنید وہاں سے کوچ کر گیا تھا۔

سرما کی گہری ہوتی شام سردی کی طویل رات سے گلے ملنے والی تھی۔ گھروں
حویلیوں میں جھلملاتے تیل کے چراغ۔ چربی کی موم بتیاں اور کافوری شمعیں روشن
شروع ہو گئی تھیں۔

کرن بھاگتی ہوئی کنپل کے کمرے میں داخل ہوئی اور اپنی پھولتی سانس
میں اس نے کہا۔ "کنپل! کنپل! تمہارے وہ آ گئے۔"

کنپل فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور کسی قدر خوشی ملے جذبات میں اس نے پو
"کون آ گئے؟"

کرن نے کہا "میرے ساتھ اتنی بنا نہ کرو۔ سب کچھ جانتے ہوئے
انجان بن جاتی ہو، جنید بھائی آ گئے ہیں۔"

کنپل نے بھاگ کر کرن کو گلے لگاتے ہوئے پوچھا۔ "کہاں ہیں وہ؟"

کرن نے کہا۔ "وہ ابھی ابھی محل میں داخل ہوئے ہیں۔ جس وقت میں
اپنے کمرے سے نکل کر انہیں دیکھا۔ اس وقت تمہارے پتا، مالدیو اور تمہاری ماتا
کے قریب کھڑے ان سے باتیں کر رہے تھے۔ جب کہ تمہارا بڑا بھائی کیدار ان

کے بعد اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا اور داروغہ احمد یوسف ان کے گھوڑے کو اصطبل
کی طرف لے جا رہا تھا۔ آؤ ہم دونوں بھی ان کے پاس چلتے ہیں۔"

کرن کے ساتھ کنپل چپ چاپ باہر آئی۔ ان دونوں نے دیکھا۔ راجہ بکرماجیت
مالدیو اور کنپل کی ماں شنکل ابھی تک اصطبل کے قریب ہی کھڑے جنید سے باتیں کر رہے
تھے۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے کرن کا باپ سیوداس ایک طرف سے آیا اور جنید سے
مصافحہ کرنے لگا۔

کنپل اور کرن جب ذرا قریب گئیں تو کنپل کی ماں نے ان دونوں کی طرف دیکھتے
ہوئے بلند آواز میں کہا۔ "تم دونوں دُور دور رہ کر شرما کیوں رہی ہو، آجاؤ جنید آیا ہے
ان سے ملو۔"

کنپل اور کرن دونوں آگے بڑھیں اور قریب جا کر انہوں نے جنید کو دل کش انداز
میں پرنام کیا۔ شنکل نے جنید سے کہا۔ جب سے تم یہاں سے مالوہ کی طرف گئے ہو تمہاری
غیر موجودگی میں کنپل ہر وقت تمہاری بہادری، شجاعت اور شرافت کی تعریف کرتی
رہی ہے۔"

کنپل کچھ شرمائی لیکن جلد ہی وہ اپنے آپ پر قابو پا گئی۔ جنید کے آنے پر اس
کی حالت اس گہرائی جیسی تھی جس سے چاہت کی لہریں اٹھتی ہوں۔ وہ اس ساحل کی
طرح ہو رہی تھی جس کی نرم گود میں اَن گنت لہروں کے نغمے اور زمزمے پنہاں ہوں۔
جنید کے آنے پر اس کی ساری کھوئی ہوئی ساعتیں، بکھرے خواب، اور ادھورے لمحے
سمٹی سمٹی پیار کی اُڑتی گرد کی طرح ایک تنوع، ایک تازگی، ایک جدّت طرازی اور
نئی ترنگ کی شکل اختیار کر گئے تھے۔

جنید کے آنے پر وہ ساری احساساتی، جبلی، منطقی، عقلی، وجدانی اور
جمالیاتی سرحدیں پھلانگ کر اپنے من کے اندر ہی اندر سمندر کے کنارے پھیل جانے
والی لہروں کی طرح ناچ اٹھی تھی۔ جنید کے آنے پر اس کی آرزوں کا صنم خانہ تو روشن
ورآباد ہو گیا تھا۔ اس نے ایک نگاہ بھر کر جنید کی طرف دیکھا۔ اس کے کپڑوں پر سفر کا

گرد و غبار تھا۔ اتنے میں سیوداس نے پوچھا۔ "جنید! یہ تمہارے پاس دوسرا گھوڑا کیا تم نے اپنا گھوڑا بیچ کر یہ لے لیا ہے"۔

جنید نے کہا۔ "نہیں میرا گھوڑا مارا گیا ہے"۔

راجہ بکرما جیت نے فکرمندی سے پوچھا۔ "کیسے؟"

جنید کچھ کہنے والا تھا کہ رانی شنکل نے بولتے ہوئے کہا۔ "پہلے آرام کر دیوان خانے میں بیٹھیں پھر جنید سے کچھ پوچھیں۔ یہیں اصطبل کے پاس ہی اسے کھڑا کر لیا ہے۔

راجہ بکرما جیت نے فوراً ایک نادم سے جذبے میں کہا۔ "ہاں ہم نے احساس ہی نہیں کیا۔ چلو اندر چل کر بیٹھتے ہیں"۔ سب دیوان خانے میں آئے اور انہیں سارے پیش آنے والے واقعات کی تفصیلات کہہ رہا تھا۔

جنید جب خاموش ہوا تو راجہ بکرما جیت نے کہا۔ "تمہاری مہم تو ختم جنید! اب کل سے ہماری مہم کی شروعات ہوں گی"۔

جنید نے پوچھا۔ "کیسی مہم؟"

راجہ بکرما جیت نے کہا۔ "شاید میں نے اس سے پہلے بھی تم سے ذکر کیا میں اپنے مصاحبین اور لشکر کے ایک حصے کے ساتھ تقریباً ہر ماہ دو ماہ بعد شکار جاتا ہوں۔ جس جنگل میں شکار ہوتا ہے یہ وہی ہے جس کا تم نے اپنے واقعات میں ہے۔ اس جنگل کے مغرب میں جو دریا بہتا ہے۔ اسی دریا کے کنارے پل کے پاس میدان میں ہمارا پڑاؤ ہوتا ہے۔ شاید میں نے تم سے پہلے بھی کہا کہ شیر اور چیتے کا ہاتھیوں کی مدد سے کیا جاتا ہے اور عام کھانے والے جانوروں کو ہنکارا لگا کر شکار کیا جاتا ہے۔

شیر اور چیتے کا شکار کرنے والے ہاتھی کئی کئی ماہ کی تربیت کے بعد سدھائے جاتے ہیں پھر جا کر کہیں یہ شیر کا سامنا کرتے ہیں۔ جنگل میں ان ہاتھیوں کی سونڈ میں لوہے کی خاصی وزنی زنجیریں تھما دی جاتی ہیں اور جب شیر یا چیتا قریب آتے ہیں تو ہاتھی انہیں زنجیریں لہرا کر مارتے ہیں۔ لیکن شیر کی اس قدر دہشت ہے کہ سدھانے کے باوجود جب یہ ہاتھی جنگل میں داخل ہوتے ہیں تو سمجھ جاتے ہیں کہ شیر کا شکار شروع ہونے والا ہے۔ لہٰذا خوف اور دہشت سے لگاتار لید کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

جنید! اس بار تم ساتھ ہو تو یہ شکار زیادہ دلچسپ ہو گا۔ اگر تم سفر کے باعث تھکے ہوئے نہیں ہو تو میں کل صبح ہی صبح یہاں سے شکار کے لیے کوچ کا انتظام کر دوں"۔

جنید نے کہا۔ "آپ میری تھکاوٹ کا کوئی خیال نہ کریں۔ میں کل پوری طرح آپ کا ساتھ دوں گا"۔

راجہ بکرما جیت نے کہا۔ "یقین جانو! مجھے تم سے ایسے ہی مثبت جواب کی امید تھی۔ جنید نے کہا "لیکن میری ایک شرط ہے کہ میں آپ کے ساتھ صرف دو دن شکار میں حصہ لے کر وہیں سے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔ میری ماں، میرے نانا اور میرے ماموں میرے لیے پریشان ہوں گے اور وہ ہر روز شہر سے باہر نکل کر میری راہ دیکھتے ہونگے"۔

راجہ بکرما جیت نے کہا۔ "میں تمہاری شرط تسلیم کرتا ہوں لیکن تمہاری یہ شرط ماننے کے لیے میری بھی ایک شرط ہے"۔

جنید نے پوچھا۔ "کیسی شرط"

راجہ بکرما جیت نے کہا۔ "شکار کے پڑاؤ سے دو دن بعد میں اس شرط پر تمہیں جانے دوں گا کہ تم وعدہ کر کے جاؤ کہ پردیسی اور اجنبیوں کی طرح ہمیں بھول نہ جاؤ گے اور یہاں ہمارے ہاں آتے جاتے رہو گے۔ اور سنو جنید! اس گھر سے میں عنقریب تمہیں ایک خوشخبری سناؤں گا"۔

جنید نے کہا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں آپ لوگوں کو بھولوں گا نہیں اور یہاں آتا رہوں گا"۔

راجہ بکرما جیت نے کہا۔ "اب جب کہ تم نے یہاں آتے رہنے کا وعدہ کر لیا ہے تو میں وہ خوشخبری بھی تم سے ابھی کہے دیتا ہوں جس کا میں نے تم سے ذکر کیا ہے۔ راجہ بکرما جیت رکا پھر اس نے اپنی بیٹی کنپل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کنپل۔ تم ... ایک

توجنید کے لیے کپڑوں کا انتظام کرو۔ تمہاری ماں کہہ رہی تھی کہ اس نے جنید کے لیے کپڑے سلوا کر رکھے ہوئے ہیں ۔ دوسرے کسی ملازم سے کہو کہ وہ جنید کے اشنان کے لیے پانی کا انتظام کرے تاکہ اس کے سفر کی تھکاوٹ دُور ہو اور یہ کل دلچسپی سے شکار میں ... سکے ۔" کنپل کچھ کہے بغیر خاموشی سے اُٹھ کر باہر نکل گئی ۔

کنپل جب چلی گئی تو راجہ بکرماجیت نے کہا۔ جنید ! اس وقت یہاں اس ... میں کنپل کی ماتا خنکل، کنپل کا بھائی مالدیو، اس کا ماموں سیوداس اور ماموں زاد بہن ... علاوہ میں اس کا باپ بیٹھا ہوا ہوں۔ کوئی اجنبی نہیں، ہر ایک سے خون کا رشتہ ہے میں تم سے کہنے والا ہوں اس کا ان سب کو علم ہے ۔

سنو جنید ! کنپل ایک انتہائی حساس لڑکی ہے ۔ تم نے کنپل کی جان بچا... چونکہ اسے اپنے ہاتھوں میں اُٹھا کر ہاتھی سے اتارا تھا اور تم نے اس کے بدن کو چھ... لہذا کنپل نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تم چونکہ اس کے بدن کو چھو چکے ہو لہذا وہ تمہیں ہی اپنے ... حیثیت سے قبول کرے گی اور اگر اس کی بات نہ مانی گئی تو وہ ساری عمر بیاہ نہ کر... کنپل نے یہ بات اپنی ماں سے کہی اور اس کی ماں نے مجھ سے ذکر کیا ۔ لہذا ہم ... مل کر فیصلہ کیا ہے کہ کنپل تم سے بیاہی جائے گی ۔

تم کبھی اپنی ماں کو یہاں لے کر آؤ اور کنپل کو بیاہ لے جاؤ ۔ تمہاری مر... خواہ اسے اپنے ساتھ سمرقند لے جاؤ یا یہیں گوالیار میں شادی کے بعد میرے لشکر... سینا پتی بن کر رہو ۔ یہ سب تمہاری صوابدید پر چھوڑا جاتا ہے ۔ کیا تمہیں ... فیصلہ منظور ہے اور تم کنپل سے شادی پر رضامند ہو ۔"

جنید نے کہا ۔" کنپل ایک انتہائی سلجھی ہوئی خوب صورت و سیرت ... لڑکی ہے ۔ میں کیوں کر اس کے ساتھ شادی سے انکار کر سکتا ہوں ۔

راجہ بکرماجیت نے خوشی اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا ۔" تم نے ... بات کر کے میرا دل خوش کر دیا ہے ۔ سنو جنید ! کنپل صرف اپنا تن چھونے کی وجہ ... تم سے وابستہ نہیں ہو رہی بلکہ اب وہ تمہیں پسند بھی کرتی ہے ۔ گوراجاؤں کی بیٹی...

... تلاش کرنے کی خاطر ان کے لیے سوئمبر رچائے جاتے ہیں لیکن کنپل کے لیے ایسے کسی سوئمبر ... انتظام نہ ہوگا ۔ تم جب اور جس وقت چاہو کنپل کو بیاہ کر لے جا سکتے ہو ۔ گو میرے ... لڑکے کیدار کو تمہارے مسلمان ہونے پر اعتراض ہوگا کیوں کہ وہ کٹر مذہبی انسان ہے ... اس رشتے کی مخالفت کرے گا لیکن اس شادی کو میرا فیصلہ جان کر وہ کچھ نہ بولے ... اور میرے فیصلے کو آخری سمجھے گا اس لیے کہ وہ میری انتہائی عزت اور احترام کرتا ہے ... کبھی میرا کہا اس نے ٹھکرایا نہیں ——

راجہ بکرماجیت کہتے کہتے رک گیا کیونکہ حسین کنپل جنید کے لیے نئے کپڑے لے کر دیوان... خانے میں داخل ہوئی تھی ۔ اسے دیکھتے ہی راجہ بکرماجیت نے کہا ۔" آ جاؤ بیٹی ! آ جاؤ ! ... ہم سب نے مل کر تمہارے متعلق ہی ایک فیصلہ کیا ہے ۔

کنپل خاموشی سے آ کر اسی نشست پر بیٹھ گئی جہاں سے وہ اُٹھ کر گئی تھی اور ... جنید کے کپڑے اس نے اپنی گود میں رکھ لیے تھے ۔ راجہ بکرماجیت نے پھر اس کو مخاطب ... کرتے ہوئے کہا ۔" کنپل ! تمہاری غیر موجودگی میں ہم نے تمہاری زندگی کا ایک اہم فیصلہ ... کیا ہے ۔ دیکھو تم شرم کے باعث اُٹھ کر بھاگ نہ جانا بلکہ یہیں بیٹھ کر میری پوری گفتگو سننا بیٹی، ... یہاں کوئی اجنبی نہیں سب تمہارے اپنے ہیں ۔ سنو ! میں نے آج سے تمہیں جنید کے ساتھ ... منسوب کر دیا ہے ۔ آج سے —— نہیں بلکہ ابھی سے یہ تمہارا اور تم اس کی منگیتر ہو ۔"

کنپل بچاری کی گردن شرم کے باعث جھک گئی تھی ۔ اپنی زیست کے اس ... نئے عنوان پر اس کے ذہن کے سارے جمود ختم ہو گئے تھے ۔ وہ بارش کے قطروں سے ... لدی ٹہنیوں کی طرح جھک گئی تھی اور اس کے من کے منجمد اندھیاروں میں روشنی کی ... لکیریں رقص کرنے لگی تھیں ۔ شرم کے باعث وہ یوں ہو گئی تھی ۔ جیسے برگ گلاب پر شبنم ... کے قطروں میں سورج کی پہلی کرن داخل ہو کر انہیں منور اور رنگین بنا گئی ہو ۔ اس کے ... چہرے پر اُجلے تبسم جیسا نکھار اور خورشید کا اولیں لمس برداشت کرتے قطروں جیسی ... خوب صورتی اور کشش حلول کر گئی تھی ۔

راجہ بکرماجیت نے پھر اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا ۔" کنپل ! میری

بیٹی! تم جب اور جس وقت چاہو جنید سے مِل سکتی ہو۔ صرف اپنے بھائی کیدار سے ز کرنا۔ وہ کٹر آدمی ہے۔ شاید اعتراض کر بیٹھے مجھے تم دونوں پر مکمل بھروسہ اور ہے۔ اتنے میں دروازے پر ایک خادم نمودار ہوا اور اس نے کہا۔" مَیں نے کے اشنان کے لیے پانی گرم کر دیا ہے۔

بکرماجیت نے جنید سے کہا۔" جنید! تم اٹھو بیٹے! نہا کر لباس تبدیل پھر کھانا کھائیں"۔

کنپل نے اٹھ کر لباس جنید کو تھما دیا اور جنید غسل کے لیے اس خادم چلا گیا۔

راجہ بکرماجیت نے اس بار اپنی بیوی شنکل سے کہا۔" دو ایک روز قبل مجھ سے کہا تھا کہ تم نے جنید کے لیے کچھ تحائف تیار کر رکھے ہیں جو اس کے اور گھر والوں کے ہیں۔ وہ تم ابھی اسے دے دو کیونکہ رات کے پچھلے حصے میں یہا کوچ کریں گے اور کل طلوع آفتاب سے تھوڑی دیر بعد وہاں پہنچ جائیں گے تھوڑی دیر تک ایک ہرکارے کو دریا کے کنارے شودروں کی بستیوں کے سا مکھیا کی طرف روانہ کرتا ہوں کہ وہ جنگل میں ہنکارے کے لیے آدمی تیار رکھیں"۔ شنکل نے کہا۔" مَیں بھی کل آپ کے ساتھ یہاں سے روانہ ہوں گی ال کے لیے جمع کی ہوئی ساری چیزیں اپنے ساتھ لے جاؤں گی اور وہیں اسے د رخصت کر دوں گی۔

اس بار کنپل نے بولتے ہوئے کہا۔" اس بار مَیں بھی شکار کے لیے آپ ساتھ جاؤں گی اور کرن بھی چلے گی۔"

راجہ بکرماجیت نے کہا۔" لیکن تم دونوں بہنیں تو آج تک کبھی شکار پر گئیں۔ کنپل! تم تو مجھ سے کہا کرتی تھیں کہ تمہیں شکار سے ہول آتا ہے۔ پھر آج کیسے ہمارا ساتھ دینے پر رضامند ہو گئی ہو۔

شنکل نے کہا۔" کنپل شاید جنید کی وجہ سے شکار پر جانے کے لیے تیار ہو گئی

ونکہ جنید کی موجودگی ہی چٹانوں کا سا تحفظ اور اور روحوں کے زخموں کا اندمال بخشتی ہے"۔

راجہ بکرماجیت نے اس بار اپنے بیٹے مالدیو سے کہا۔" مالدیو! تم مہاوتوں کو حکم دو کہ رات کا کھانا کھانے کے بعد ہاتھیوں کو لے کر یہاں سے روانہ ہو جائیں تاکہ کل جب ہم وہاں پہنچیں تو ہاتھی وہاں موجود ہوں"، کنپل اور کرن تم دونوں اٹھ کر کھانا لگوا دو، جنید بھی نہا کر آنے والا ہے۔ پھر اس کمرے میں سب اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں"

کنپل اور کرن اٹھ کر باہر نکل گئیں اور تھوڑی دیر بعد انہوں نے کھانا دیوان خانے میں چنوا دیا۔ اتنی دیر جنید اور مالدیو بھی آ گئے اور وہ سب اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھانے لگے تھے۔

O

دوسرے روز جب کہ ابھی رات پوری طرح گزری نہ تھی اور ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ جنید گہری نیند سو رہا تھا کہ کسی نے اس کا کندھا پکڑ کر ہلایا۔

جنید جب جاگا تو اس نے دیکھا اس کی مسہری کے قریب حوا اس کے شعلوں کی طرح حسین کنپل کھڑی ہوئی تھی۔ جنید نے بیٹھے ہوئے پوچھا۔" کیا بات ہے۔ خیریت تو ہے"۔

کنپل نے کہا۔" سب خیریت ہے۔ آپ اٹھ کر تیاری کریں تھوڑی دیر بعد کوچ ہونے والا ہے۔ صبح کا کھانا وہیں جا کر کھایا جائے گا۔ آپ اٹھیں میرے ساتھ آئیں۔ مَیں آپ کے لیے پانی گرم کرا چکی ہوں"۔

کنپل جب جانے لگی تو جنید کو فوراً گویا کوئی بات یاد آ گئی اور اس نے پکارا "کنپل! کنپل! میری بات سنو"۔ کنپل مڑی اور دوبارہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی جنید نے سامنے رکھے دیوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔" بیٹھو اور میری ایک بات سنو!"

کنپل جنید کا کہا مانتے ہوئے خاموشی سے بیٹھ گئی۔ جنید نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔" یہ جو میرا اور تمہارا رشتہ طے ہوا کیا یہ تمہاری مرضی اور منشا سے ہوا

ہے۔" کنپل کے چہرے پر شیشوں کے شہر کی دلکش گلیوں جیسی حیا آمیز سُرخی پھیل گئی اس کی گردن جُھک گئی۔

جنید نے پھر اسے پکارا۔ کنپل! کنپل! میں تمہاری زبان سے کچھ سُننا چاہتا ہوں۔ شاید پھر ہمیں یوں تنہائی اور علیحدگی کے لمحات میسر نہ ہوں کہ میں پرسوں کوچ کر جاؤں گا۔"

کنپل ایک روشن لکیر کی طرح حرکت میں آئی۔ ایک بار اس نے غور سے جنید کی طرف دیکھا پھر اس نے اپنی تنگست و ریخت اور لرزتی کانپتی آواز میں کہا، "ہاں، یہ سب کچھ میری رضامندی سے طے ہوا ہے۔"

جنید نے چند لمحوں کے تفکّر کے بعد کہا۔ "کنپل! کنپل! میرا گھر سمرقند کے قریب اخسی شہر میں ہے۔ تم جانتی ہو میرا باپ مارا جا چکا ہے۔ میری ایک شادی شدہ بڑی بہن اور ایک ماں ہے۔ اس حویلی میں میرا نانا، ماموں، پھوپھی، خالہ اور دو ماموں زاد بھائی بھی رہتے ہیں۔ جن میں سے ایک میرے ساتھ بابر کے لشکر میں شامل ہے اور دوسرا میرے نانا اور ماموں اور اپنے دادا اور باپ کے ساتھ اپنے باغات اور فصلوں کی نگرانی کرتا ہے وہ میری بہن سیمون کا شوہر بھی ہے۔ ہمارا گزارا کھیتی باڑی اور باغات کے پھلوں کی آمدنی پر منحصر ہے۔ تم نے یہاں گوالیار میں ایک اچھے اور خوش کُن ماحول میں پرورش پائی ہے۔ کیا تم میرے ساتھ وہاں ان سنگلاخ کوہستانوں سے گھری وادیوں کے اندر گزارا کر لو گی۔"

میری ماں کو ابھی میرے باپ کے قتل ہو جانے کا علم نہیں ہے۔ آہ جب اسے یہ خبر ملے گی تو اس بے چاری پر نہ جانے کیا گزرے گی۔ کیا تم اسے سنبھال سکو گی۔ کنپل! یہ نہ سمجھنا کہ مجھے تم سے کوئی لگاؤ نہیں۔ میں یہ باتیں تم سے اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میرے ساتھ اخسی شہر کی طرف جانے سے پہلے وہاں کے پورے حالات تمہارے ذہن میں ہوں۔ کنپل! کنپل! میں تمہیں کسی دھوکے اور خوش فہمی میں نہیں رکھنا چاہتا۔ میں تمہیں عزّت، وقار اور وہ مقام دینا چاہتا ہوں جو تمہاری ہستی اور شخصیت کے مطابق

کنپل سر جھکائے کچھ سوچتی رہی۔ اس کی معصوم آنکھوں میں کچھ کچھ دُکھ کا شائبہ تھا۔ ایسا لگتا تھا وہ خود اپنی ذات سے لڑ کر اپنے آپ کو سنبھال رہی ہو۔ پھر جنید کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے دُکھ سے کہا۔ "مجھے دُکھ ہوا آپ کو ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں تھیں۔ مجھے آپ پر بھروسہ اور اعتماد ہے۔ تبھی میں نے اپنے آپ کو آپ سے وابستہ کر دیا۔ آپ کے نانا تو اخسی شہر کے رئیس ہیں اور ان کی اپنی کھیتیاں اور باغات ہیں۔ بھگوان کی قسم یہ سب کچھ نہ بھی ہوتا تو میں آپ کے ساتھ ایک بے چھت کے ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے میں بخوشی رہنے کو تیار ہوں۔ مجھے کسی مال و متاع کی ضرورت نہیں۔ میری کل پونجی آپ ہیں۔ گو میں نے ساری زندگی ان محلوں میں گزاری ہے لیکن میں چاہت و غریبی کی مانوس خوشبو سے خوب واقف ہوں۔ میں اکثر ان دُکھیا بیواؤں کے پاس بھی بیٹھی ہوں جو اپنے گھروں کے پچھواڑے اُپلے تھاپتی ہوئی روتی ہیں۔

آپ بے فکر رہیں میں انتہائی عُسرت اور تنگی میں بھی آپ کے ساتھ گزارہ کر لوں گی اور شکایت کا حرف تک زبان پر نہ لاؤں گی۔ میں اوروں کی امداد پر بھروسہ کرنے کی قائل نہیں ہوں اور پھر اپنے آپ سے الگ ہر شے واہمہ ہے۔ آپ بے فکر رہیں۔ میں آندھی طوفان، دُکھ، تکلیف، آسائش و خوشی، یعدو مایوسی ہر حالت میں آپ کا ساتھ دوں گی۔ میں اپنی ہستی، اپنی ذات پر بھی آپ کو ترجیح دوں گی۔ میں صداؤں کے کارواں کی طرح ہر حال میں آپ کے ساتھ رواں دواں رہوں گی۔

جنید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ کنپل! کنپل! میں ہمیشہ تم پر فخر کرتا رہوں گا میں پرسوں یہاں سے کوچ کروں گا اور گھر جا کر اپنی ماں اور بہن سے تمہارا ذکر کروں گا۔ میری ماں اور بہن مجھ سے بے انتہا محبت کرتی ہیں۔ اس لیے کہ میں اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا اور بہن کا واحد بھائی ہوں۔ وہ تمہارے متعلق سُن کر بے حد خوش ہوں گی۔"

کنپل نے کہا۔ "میں آپ سے ایک بات کہنا بھول گئی تھی۔ آپ ابھی تک کسی سے یہ ذکر نہ کریں کہ آپ بابر کے لشکر میں ہراول کے نائب سالار ہیں۔ میرا باپ

اور یہاں کے لوگوں کے خیالات بابر کے خلاف ہیں۔ بابر تین چار بار ہند پر حملہ کر چکا اور یہاں کے لوگوں کو خطرہ ہے کہ وہ ایک روز ہمارے خلاف جنگ کی ابتدا کر دے گا۔ لہٰذا یہاں کے لوگ اسے پسند نہیں کرتے۔ یوں بھی میرے پتاجی کا جھکاؤ کے سلطان ابراہیم لودھی کی طرف ہے۔ دونوں میں آپس میں تحائف کا تبادلہ ہوتا ہے اور ہم سب گھر والے کئی بار آگرہ میں سلطان ابراہیم کی ماں اور اس کے دیگر رشتہ داروں کے ساتھ ان کے محل میں جا کر رہے ہیں۔ ان دنوں ویسے بھی میرے پتاجی اور ابراہیم لودھی کے درمیان بابر اور راناسانگا کے خلاف اتحاد و تعاون کے پیغام رسانی ہو رہی ہے۔ اگر میرے بھائی کیدار کو خبر ہو گئی کہ آپ بابر کے لشکر کے ایک امیر ہیں تو وہ میری راہ کا پتھر بن جائے گا۔"

اس کے علاوہ میں آپ سے یہ بھی کہوں کہ میں نے اپنی ماں سے مشورہ کر کے اپنے اصطبل کے داروغہ چچا احمد یوسف سے آپ کے دین کی تعلیم حاصل کرنا بھی شروع کر دی ہے۔ میں چاہتی ہوں جب میں آپ کے ساتھ سمرقند کی طرف جاؤں تو مسلمان کی حیثیت سے کوچ کروں۔"

جنید نے کہا۔ "مجھے تم پر فخر ہے کنپل!"

کنپل نے کہا۔ "جلدی کیجیے۔ باتوں باتوں میں کافی وقت نکل گیا۔ ورنہ سب لوگ تیار ہو کر ہمارا انتظار کرنا شروع کر دیں گے۔ آپ ہاتھ منہ دھو کر تیاری کریں اور میرے ساتھ آئیں۔" جنید اٹھا اور کنپل کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ گوالیار سے کوچ کر رہے تھے۔

○

راجہ بکرماجیت اپنے مصاحبین اور چھوٹے سے ایک لشکر کے ساتھ جب لیراج اور کرشنا کی بستی کے پاس دریا کے پل کے عین سامنے پہنچا تو وہاں اس شکار کے لیے سدھائے ہاتھی پہلے ہی پہنچ چکے تھے اور ارد گرد کی سب بستیوں کے مکھیا وہاں موجود تھے۔

بکرماجیت کے لشکریوں نے پہلے راجہ کا خیمہ نصب کیا۔ وہ ایک پورا محل نما خیمہ تھا جو باہر سے چمڑے کا اور اندر اس کے خوب صورت دبیز کپڑے لگے ہوئے تھے۔ چمڑے کی ہی دیواروں کے ساتھ خیمے کو کئی کمروں میں تبدیل کر دیا تھا اور خیمے کے فرش پر پہلے دریاں اور ان پر موٹی دبیز قالینیں بچھا دی گئی تھیں۔

راجہ کا خیمہ نصب ہونے کے بعد اس کے چاروں طرف ان گنت خیمے مصاحبین اور لشکریوں کے لیے نصب کر دیئے گئے تھے۔ راجہ بکرماجیت کے ساتھ اس کا چھوٹا بیٹا مالدیو ہی آیا تھا جب کہ نظم و نسق سنبھالنے کی خاطر بڑا بیٹا کیدار گوالیار میں ہی رہا تھا۔ اپنا خیمہ نصب ہونے کے بعد بکرماجیت، کنپل، مالدیو، شنکل، کرن اور سیلہ داس کے ساتھ اپنے خیمے میں داخل ہوا۔ اس نے ان بستیوں کے مکھیا کو طلب کیا اور شکار کے لیے ہنکارا کرنے والے آدمیوں سے متعلق گفتگو کرنے لگا۔

لیراج بھاگتا ہوا اپنے گھر میں داخل ہوا اور اپنے باپ دھرم دھت کو پکارتے ہوئے اس نے چلا چلا کر کہا۔ "باپو! باپو! جنید آ گئے، جنید آ گئے۔"

دھرم دھت اور کرشنا تقریباً بھاگتے ہوئے باہر نکلے اور دھرم دھت نے کسی قدر ڈانٹ کے انداز میں پوچھا۔ "کیا ہو گیا ہے تمہیں جو تم یہ شور کیے جا رہے ہو"

لیراج نے کہا۔ "باپو! جنید آ گئے ہیں۔"

دھرم دھت نے کہا۔ "یہ تم کیا ہانک رہے ہو۔ تم اپنے حواس میں تو ہو۔ جنید کل ہی تو یہاں سے گیا ہے پھر آج وہ واپس کیسے آ گیا اور اگر آ ہی گیا ہے تو وہ ہے کہاں اور تم اسے اپنے ساتھ کیوں نہیں لے کر آئے ہو۔"

لیراج نے کہا۔ "میں دریا کی طرف گیا تھا۔ وہاں بستی کے مکھیا نے سب جوانوں کو بلایا تھا۔ راجہ بکرماجیت کے شکار اور تفریح کے لیے جنگل میں ہنکارہ کرنے کی خاطر راجہ بکرماجیت کے ہاتھی رات کے پچھلے حصے میں ہی وہاں پہنچ چکے تھے لیکن راجہ اپنے لشکریوں کے ساتھ ابھی ابھی وہاں پہنچا ہے۔ وہ میرے دیکھتے دیکھتے وہاں آیا ہے۔

باپو! وہاں میری موجودگی میں راجہ کا بہت بڑا اور محل نما خیمہ نصب تھا۔ پھر جانتے ہو باپو کیا ہوا۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے ہاں باپو میں نے اپنی آنکھوں سے جنید کو راجہ بکرماجیت کے ساتھ اس کے خیمے میں داخل ہوتے دیکھا۔ سنو باپو! راجہ بکرماجیت نے بڑے پیار سے جنید کا ہاتھ تھام رکھا تھا اور ان کے پیچھے کچھ عورتیں تھیں۔ ایسا لگتا تھا وہ بکرماجیت کی رانی اور اس کی بیٹیاں تھیں۔ ان کے لباس اور چال ڈھال سے تو ایسا ہی لگتا تھا اور ہاں باپو میں اپنا کلہاڑا لینے آیا ہوں۔ آج کوئی بھی لکڑیاں کاٹنے نہیں جا رہا۔ سب راجہ کے ساتھ شکار کے لیے ہنکارہ کرنے کو جائیں گے۔"

دھرم دھت نے بڑی آس بڑی اُمید میں کہا۔ "لیراج! تم جنید سے تو کہتے ادھر سے گھر آنے کو ہی کہتے۔"

اس موقع پر کشتا نے بولتے ہوئے کہا۔ "باپو! لگتا ہے، جنید راجہ کا سب سے اچھے مصاحب، یا اس کے لشکر میں کسی اعلیٰ عہدے پر ہیں۔ ایسا ہی شیر دِل جوان مہاراجوں کے ہی ساتھ رہنے کے لیے ہے۔ بھیّا نے اچھا کیا جو گھر آنے کو نہ کہا۔ اور پھر یہ انہیں کہہ بھی کیسے سکتے تھے جب وہ راجہ بکرماجیت کے ساتھ تھے۔ کون بھیّا کو راجہ کے پاس جانے دیتا۔ اگر ان کو ہمارا کچھ خیال ہے تو وہ خود ہی ہمارے ہاں آئیں گے۔"

لیراج نے جلدی میں کہا۔ "ہاں باپو! کشتا ٹھیک ہی تو کہتی ہے اگر ان کو ہمارا کچھ خیال ہوا تو وہ خود ہی ہم سے ملنے ہمارے گھر میں آئیں گے۔"

لیراج نے اپنا کلہاڑا لیا اور دروازے کی طرف بھاگتے ہوئے کہا۔ "جا رہا ہوں باپو! اب شام ہی کو لوٹوں گا۔"

○

وہاں صبح کا کھانا کھانے کے بعد راجہ بکرماجیت، جنید، کنپل، کرن، شنکل، مالدیو اور سیوداس کے ساتھ اپنے خیمے سے نکلا۔ خیمے کے باہر راجہ بکرماجیت کے

دس ہاتھی تیار کھڑے تھے۔ بکرماجیت نے اپنی بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "شنکل! تم اور سیوداس دونوں بہن بھائی میرے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ کنپل! تم جنید کے ساتھ بیٹھ جاؤ اور مالدیو کے ساتھ کرن بیٹھ جائے گی۔ باقی سات ہاتھی مالدیو بیٹے! تم اپنی مرضی سے اپنے شکاریوں میں بانٹ دو۔"

مالدیو فوراً گیا اور راجہ کے شکاریوں کو ہدایات جاری کر کے لوٹ آیا۔ پھر راجہ کے ہاتھی کی سیڑھی لگائی گئی اور بکرماجیت، شنکل اور سیوداس لکڑی اور لوہے کی بنی مضبوط پالکی کے اندر بیٹھ گئے۔ پھر جنید اور کنپل اپنے ہاتھی کی پالکی میں سوار ہوئے اور آخر میں مالدیو اور کرن بیٹھے پھر راجہ بکرماجیت نے روانگی کا حکم دیا۔

سب سے آگے ہنکارہ لگانے والے دریا کے کنارے کی ان بستیوں کے سینکڑوں جوان تھے جو اپنے ہاتھوں میں ڈھول، تاشے، کلہاڑے اور برچھے اُٹھائے ہوئے تھے۔ ان کے پیچھے راجہ کے سدھائے ہوئے ہاتھی اور آخر میں راجہ کے گھوڑ سوار لشکری تھے۔ جنگل کے پاس جا کر ہنکارہ کرنے والے سب لوگوں کو اور راجہ کے گھوڑ سوار لشکریوں کو جنگل سے باہر ہی روک دیا گیا۔ صرف راجہ کے شکار کے لیے سدھائے ہوئے دس ہاتھی جنگل میں داخل ہوئے اور کافی دیر تک جنگل میں آگے بڑھتے رہے۔

راجہ بکرماجیت اپنے ہاتھی کو جنید کے ہاتھی کے قریب لایا اور جنید سے کہا۔ جنید میں تم سے یہ کہنا بھول گیا کہ پہلے صرف ان ہاتھیوں سے درندوں کا شکار ہوگا اس کے بعد ہنکارے کی مدد سے دوسرے کھانے والے جانوروں کا شکار کیا جائے گا۔ اس جنگل کے اندر کچھ مخصوص جگہیں ہیں جہاں شیر اور چیتا ہوتا ہے۔ ابھی ہم ان ہی جگہوں کی طرف جا رہے ہیں اور ہاتھیوں اور ان کے مہاوت کو بھی ان جگہوں کا پتہ ہے۔ میں تم اور مالدیو تو صرف تماشہ دیکھنے والوں میں ہوں گے ورنہ شکار یہ شکاری کریں گے جو ہمارے ساتھ سات ہاتھیوں پر سوار ہیں۔ یہ سب پرانے اور منجھے ہوئے شکاری ہیں اور اپنے بھالے برچھوں سے درندوں کا شکار کرنے میں بڑے ماہر اور تجربہ کار ہیں۔

راجہ کے حکم پر جب اس کے ہاتھی کے مہاوت نے ہاتھی کو جنید کے ہاتھی کے

اور قریب کیا تو بکرماجیت نے کہا۔ "جنید بیٹے! کنپل کا خیال رکھنا۔ جو صرف تمہاری وجہ سے آج شکار کے لیے آئی ہے۔ ورنہ اس کام سے ایسی خوفزدہ ہے کہ ادھر کا رخ کرنا بھی پسند نہیں کرتی۔"

جنید نے کہا۔ "آپ بے فکر رہیں، میں اسے سنبھال لوں گا۔"

بکرماجیت نے پھر کہا۔ "یہ شکار کوئی اتنا آسان نہیں ہے۔ شیر اور ببر انتہائی پھرتیلے ہیں۔ ان ہاتھیوں کی زنجیر کی ضرب سے اکثر بچ جاتے ہیں۔ بہت موقع پر اس طریقہ کار سے ہم نے ان درندوں کا شکار کیا ہے۔ اکثر دن بھر جنگل گھومنے کے بعد بھی کچھ ہاتھ نہیں آتا۔"

راجہ بکرماجیت خاموش ہو گیا اور جب اس کا ہاتھی آگے بڑھ گیا تو کنپل نے اس اور شہد بھرے انداز میں جنید سے کہا۔ "میں صرف آپ کی موجودگی کی وجہ سے اس طرف آئی ہوں۔ ورنہ اس کام سے مجھے سخت نفرت اور بیزاری ہے۔ یہ خیال کر کہ ابھی تھوڑی دیر بعد ہمارے سامنے کوئی شیر یا چیتا نمودار ہو گا میرے جسم میں ایک کپکپی اور خوف طاری ہونا شروع ہو گیا ہے۔"

اچانک کنپل کہتے کہتے خاموش ہو گئی اور پھر چیخ مار کر وہ بری طرح جنید کی پشت سے لپٹ کر اور اپنا سر اس کے کندھوں پر رکھ کر ایک طرح سے جنید کے پیچھے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کرنے لگی تھی کیوں کہ اس نے ایک بھیڑیا دیکھ لیا تھا جو ہاتھیوں کو دیکھ کر درختوں کے ایک جھنڈ کر نکل کر بھاگ نکلا تھا۔

جنید نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ہوا کنپل!"

کنپل نے کہا۔ "یہ کیا جانور تھا جو ابھی درختوں کے جھنڈ سے نکل کر بھاگا ہے۔ مجھے اس نے اچانک نمودار ہو کر پریشان اور خوفزدہ کر دیا ہے۔"

جنید نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "بس اتنی سی بات ہے، وہ تو بھیڑیا تھا ہاتھیوں کو دیکھ کر بھاگ گیا۔"

کنپل نے شکوہ کرتے کے انداز میں کہا۔ "کیا آپ میری بزدلی اور کمزوری پر

ہیں۔"

جنید نے کہا۔ "ایسی بات نہیں۔ اب جب کہ تم اس جنگل میں آ ہی گئی ہو تو پھر کچھ حوصلہ بھی رکھو۔"

کنپل نے پوچھا۔ "جب شیر نکلا تو وہ کہیں چھلانگ لگا کر ہاتھی کی پیٹھ پر بیٹھے لوگوں پر حملہ تو نہ کر دے گا۔"

جنید نے کہا۔ "اگر وہ چھلانگ لگا کر ہاتھی کی پیٹھ پر آ بھی جائے تو کیا کرے گا مہاوت اور ہاتھی پر بیٹھا ہر کوئی لوہے اور لکڑی کی بنی اس پنجرہ نما پالکی میں محفوظ ہے لہٰذا شیر کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔" کنپل کچھ مطمئن ہو کر خاموش ہو گئی اور وہ آگے بڑھتے رہے۔

دو میل آگے جانے کے بعد اچانک بالکل ان کے قریب ہی شیر ایسے انداز میں دھاڑا کہ سارا جنگل لرز کر رہ گیا۔ کنپل نے پھر کانپتے ہوئے جنید سے پوچھا۔ "ہم اس پالکی میں محفوظ تو ہیں نا۔ شیر اسے کوئی نقصان تو نہ پہنچائے گا۔"

جنید نے کہا۔ "کنپل! تم بالکل بے فکر ہو کر شیر اور ہاتھیوں کا یہ تماشہ دیکھو۔ ہم اس پالکی میں محفوظ ہیں شیر یہاں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔" کنپل کا حوصلہ کچھ بڑھ کر اور ادھر ادھر نظریں گھماتے ہوئے دھاڑنے والے شیر کو دیکھنے لگی تھی۔

شیر کی دھاڑ سنتے ہی ان شکاری ہاتھیوں نے فوراً ایک نیم دائرے اور قوس کی شکل اختیار کر لی تھی اور ان کے مہاوتوں نے ان کے آگے لوہے کی زنجیریں پھینک دی تھیں جو انھوں نے اپنے سونڈ میں تھام لی تھی۔ اب ان کے عین سامنے شیر بری طرح دھاڑا اور جب ذرا اور وہ آگے بڑھے تو انھوں نے دیکھا کہ دو نر مادہ شیر تھے اور دونوں کے ساتھ ان کے دو بچے بھی تھے۔

راجہ بکرماجیت نے زور سے چلاتے ہوئے اپنے شکاریوں سے کہا۔ "یہ دونوں نر مادہ شیر اور ان کے دونوں بچے اب جانے نہ پائے۔ بچوں کو زندہ پکڑنے کی کوشش کرو۔ ان کو پال لیں گے۔"

ہاتھیوں نے آگے بڑھتے ہوئے دونوں نر مادہ شیر کے گرد ایک دائرہ بنا
اور اب سارے ہاتھی اپنی سونڈوں میں دبائی آہنی زنجیروں کو ایک گول چکر میں لہرا
تھے۔ شیر وہاں سے اِدھر اُدھر بھاگنے نہ پار رہے تھے اس لیے کہ ان کے بچے دبا
نہ ہل رہے تھے۔ لہٰذا ان کے اِردگرد ہاتھی آہستہ آہستہ آگے بڑھتے اور زنجیریں لہرا
ہوئے اپنا حلقہ تنگ کرنے لگے تھے۔

کنپل اب کسی قدر بے خوف ہو کر یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ ایک شکا
کو نہ جانے کیا سُوجھی کہ اس نے پالکی کے اندر بیٹھے ہی بیٹھے اپنا ہاتھ باہر نکال کر
کے بچّے پر کمند پھینک دی۔ بچّے کی گردن کمند میں پھنس گئی اور شکاری نے
اپنی طرف کھینچ لیا۔

اپنے بچّے کی یہ حالت دیکھ کر دونوں شیر بپھر گئے اور انہوں نے ایک
اس شکاری کی پالکی پر چھلانگ دی جس نے بچے کو کمند لگا کر کھینچا تھا۔ دونوں شیر
پالکی سے اس قدر زور سے ٹکرائے تھے اور پالکی کا تنگ ٹوٹ گیا اور پالکی چار شکار
ہاتھی کی پیٹھ سے نیچے گر گئی۔ جس کمند میں شیر کا بچہ پھنسا ہوا تھا اس کا سرا شکاری
زمین پر گرنے کے بعد پالکی سے باندھ دیا اور خود محفوظ ہو کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ
کے اندر بیٹھ گیا۔

دونوں شیروں نے آگے بڑھ کر پالکی کو بُری طرح جھنجھوڑنا شروع کر دیا تھا
پالکی ایسی مضبوط تھی کہ وہ اس کے اندر بیٹھے شکاریوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے، اتنی
تک دوسرے مہاوتوں نے اپنے ہاتھیوں کا رُخ اس طرف کر دیا تھا۔ ایک ہاتھی نے
کو جھنجھوڑتی شیرنی کی پُشت سے اس زور سے زنجیر لہرا کر ماری کہ زنجیر شیرنی کی کمر
پر پڑی اور اس کی ریڑھ کی ہڈی کو توڑ کر رکھ دیا۔ کراہنے کے انداز میں شیرنی ایک
ہولناک انداز میں دھاڑی اور زمین پر گر کر ختم ہو گئی۔

شیر نے اس ہاتھی پر حملہ کر دیا اور قریب تھا کہ وہ اس کی سونڈ کو اپنے منہ
لے کر چیر پھاڑ دے کہ دو اور ہاتھی آگے بڑھے اور بیک وقت انہوں نے اپنی زنجیریں

کر دے ماریں۔ شیر بھی زمین پر گِرا اور بے جان ہو گیا۔

راجہ بکرما جیت نے خوشی اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے اپنے شکاریوں سے
کہا۔ آج ہم خوش قسمت ہیں کہ اتنی جلدی دو شیروں کا شکار کر لیا۔ یہ اپنے بچوں کی
وجہ سے ہمارے سامنے ایسے بے بس اور مجبور ہو گئے تھے۔ ورنہ کبھی ہاتھ نہ آتے۔
شیر کے بچّے کو بھی پکڑ لو۔ جو پالکی گر گئی ہے اسے یہیں رہنے دو اور اس کے شکاری دوسرے
ساتھیوں کے ساتھ بیٹھ جائیں۔ اس بے پالکی کے ہاتھی کی پیٹھ پر مرنے والے ان دونوں
شیروں کو لاد کر باندھو اور واپس چلیں آج کا کام اتنا ہی کافی ہے۔ کل شکار کے لیے
جنگل میں آگے بڑھیں گے۔ شیر کا دوسرا بچّہ بھی کمند میں پھنسے اپنے بھائی کے پاس آ کھڑا ہوا
تھا۔ زمین پر گری ہوئی پالکی کے شکاری فوراً حرکت میں آئے۔ پالکی کا دروازہ کھول کر وہ
باہر نکلے اور شیر کے دوسرے بچّے کو بھی پکڑ کر انہوں نے قابو کر لیا۔

پھر انہوں نے دونوں شیروں کو ہاتھی کی پیٹھ پر لاد کر باندھ دیا اور مختلف پالکیوں
میں بٹ کر بیٹھ گئے۔ شیر کے دونوں بچّوں کو بھی پالکی میں بِٹھا لیا گیا تھا۔ پھر وہ اسی راستے
واپس جا رہے تھے۔ جس راستے وہ جنگل میں داخل ہوئے تھے۔

جنگل میں داخل ہوتے وقت بھیڑیے سے ڈر جانے والی کنپل نے اب اپنے
آپ کو جنید کی موجودگی میں خوب سنبھالا تھا اور ڈر کر چھُپنے کے بجائے اس نے ہاتھیوں
کے ذریعے شیر کا شکار بڑے شوق اور محویت سے دیکھا تھا۔ جنگل میں اب گہرا سناٹا
تھا اور وہ واپس جا رہے تھے۔

جنگل سے باہر نکل کر راجہ بکرما جیت نے ہاتھیوں کو کیمپ کی طرف واپس بھجوا
دیا۔ پھر وہ اپنے لشکر اور ہنکارہ کرنے والوں کے ساتھ پانچ میل آگے جا کر جنگل
کے اس حصّے میں داخل ہوئے۔ جہاں درخت کم اور گھاس زیادہ تھی اور جس کے
اندر زیادہ تر چرنے والے جنگلی جانور پائے جاتے تھے۔ یہاں ایک طرف گھوڑوں پر
سوار شکاری اپنے لشکر کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔

راجہ بکرما جیت، جنید، مالدیو، سیوداس کنپل کرن اور شنکل بھی گھوڑوں

پر سوار ان کے ساتھ تھے ۔ دوسری طرف سے ہنکارہ کرنے والے جب شور کرتے اور پیٹ پیٹ کر جانوروں کو ہانکتے ہوئے اس طرف لاتے تو شکاری اپنے گھوڑوں کو ان پر ٹوٹ پڑتے اور کمندیں پھینک کر اور اپنے درمیان گھیر کر انہوں نے کئی بارہ سنگھے، نیل گائے، جنگلی مینڈھے اور ان کے بچے پکڑ لیے تھے ۔

جنگل کے اس حصے میں شام تک شکار ہوتا رہا اور پھر شکار کیے جانوروں رسیوں میں جکڑ کر وہ واپس جا رہے تھے ۔ دوسرے روز بھی اسی طرح شکار ہوا کوئی شیر یا چیتا تو شکار نہ کر سکے تاہم کھانے کے لیے انہوں نے چرنے والے کافی شکار کر لیے تھے ۔

○

دھرم دھت، لیراج اپنے گھر کے کمرے میں بیٹھے تھے اور کشتا ان کے سامنے کھانے کے برتن رکھ رہی تھی ۔ باہر سرما کی تیز ہوائیں اشجار کے پتے گرا گرا کر گھسیٹتی ہوئی دور لے جا رہی تھی ۔ اپنے باپ اور بھائی کے سامنے کھانا رکھ کر کشتا کی ٹھلیا لائی تھی ۔ ابھی اس نے ٹھلیا رکھ کر کھانے کے لیے بیٹھنا چاہا ہی تھا کہ دروازے پر زوردار دستک ہوئی ۔

وہ دروازے کی طرف جانے ہی والی تھی کہ لیراج نے کہا ۔ "تم بیٹھو کر میں خود دیکھتا ہوں"

کشتا بیٹھ گئی ۔ لیراج باہر آیا ۔ اس نے جب دروازہ کھولا تو دنگ رہ گیا دروازے پر جنید اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے کھڑا تھا اور اپنے دونوں کندھوں پر اس نے دو ہرنی کے بچے اٹھا رکھے تھے ۔ لیراج جنید سے گلے ملنے لگا تھا۔ اتنے میں کمرے کے اندر سے دھرم دھت کی آواز آئی ۔ "لیراج! تم باہر جا کر چپ کیوں ہو، کون آیا ہے ؛"

لیراج نے بلند آواز میں کہا ۔ "جنید آئے ہیں باپو!"

دھرم دھت نے ڈانٹ دینے کے انداز میں کہا ۔ "تو اندر لاؤ نا باہر کیوں کھڑا کر دیا ہے ۔"

جنید مکان میں داخل ہوا ۔ گھوڑے کی باگ لیراج نے اس سے لے لی تھی ۔ اتنی دیر تک دھرم دھت اور کشتا بھی باہر آ گئے ۔ کشتا نے جنید سے پوچھا ۔ "یہ آپ نے اپنے کندھوں پہ کیا اٹھا رکھا ہے ؛"

جنید نے ہرنی کے دونوں بچوں کو نیچے اتارتے ہوئے کہا ۔ "یہ ہرنی کے دو بچے ہیں ایک تمہارے لیے ایک لیراج کے لیے ۔ چاہے تو دونوں بہن بھائی انہیں کھا لو چاہے انہیں اپنے ہاں رکھ کر پال لو ۔"

کشتا وہاں بیٹھ گئی اور ہرنی کے دونوں بچوں کو اس نے پیار کرتے ہوئے کہا ۔ "میں ان دونوں کو پالوں گی ۔" پھر کشتا ان دونوں بچوں کو اس چھپر کی طرف لے گئی ۔ جہاں ان کی گائے اور بچھیا بندھتی تھی ۔ وہاں اس نے ان دونوں بچوں کو باندھ دیا اور ان کے آگے ہری ہری گھاس ڈال دی تھی ۔

لیراج جب جنید کا گھوڑا بھی باندھنے کے لیے چھپر کی طرف لے جانے لگا ۔ تو جنید نے کہا ۔ لیراج! میرا گھوڑا یہیں رہنے دو ۔ میں رکوں گا نہیں ۔ جلدی میں ہوں اور ابھی لوٹ جاؤں گا ۔"

دھرم دھت نے کہا ۔ "گھوڑا بیشک یہیں کھڑا رہنے دو بیٹیا! پر تم ذرا دیر کو ہمارے ساتھ کمرے میں بیٹھو تو سہی نا ۔"

دھرم دھت کی بات مانتے ہوئے جنید کمرے میں داخل ہوا ۔ اس نے دیکھا کمرے کے اندر چادر پر کھانے کے برتن لگے تھے ۔ دھرم دھت اور لیراج کے ساتھ وہ وہاں بیٹھ گیا ۔ اتنی دیر تک کشتا بھی ہرنی کے دونوں بچوں کو باندھ کر وہاں آ گئی تھی ۔ دھرم دھت نے کہا ۔ "ہمیں خبر ہو گئی تھی کہ تم راجہ بکرماجیت کے ساتھ یہاں آئے ہو ۔ جس روز تم یہاں پہنچے اسی روز لیراج نے تمہیں راجہ بکرماجیت کے ساتھ اس کے خیمے میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا ۔ اس نے گھر آ کر ذکر کیا ۔ تو میں نے کہا ۔ "تم جنید کو ساتھ ہی لے آتے ۔ لیکن ان دو دنوں میں کشتا نے میرا ناک میں دم کر دیا تھا ۔ یہ بار بار مجھے

سنانے کو کہتی تھی کہ جنید اب ہمارے ہاں نہ آئیں گے اس لیے کہ وہ راجہ بکرماجیت کا
ہیں اور راجہ بکرماجیت کبھی پسند نہ کرے گا کہ ان کا کوئی ساتھی، کوئی مصاحب شودروں
کی بستی میں ان کے گھر جا کر اُٹھے بیٹھے اور کھائے پئے لیکن تم نے ہمارے گھر آ کر ان
سارے شکوے، سارے گلے دھو کر رکھ دیئے ہیں۔ اب یہ تمہارے متعلق مجھے
نہیں دے سکتی۔"

جنید نے کہا۔ "کشتا ایک لحاظ سے ٹھیک ہی کہتی ہے۔ راجہ کے سا
ہوئے میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ خود راجہ بکرماجیت اور اس کے سب مصاحب
شودروں کے سخت خلاف ہیں اور انہیں جنم کا پلید اور ناپاک جانتے ہیں۔ ال
راجہ بکرماجیت کی بیٹی کنپل ہی ایک ایسی ہے جو ہندو معاشرے میں ذات پات
اس تقسیم کے سخت خلاف ہے۔ اسے میں بالکل صحیح بتا کر آیا ہوں کہ شودروں کی
کچھ لوگوں نے میری مدد کی تھی۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ وہ شودروں سے بھی
کرتی ہے۔ میری غیر موجودگی میں اگر راجہ بکرماجیت نے مجھے بُلایا تو وہ بہانہ کرکے
ٹال دے گی کہ میں سیر کے لیے دریا کی طرف گیا ہوں، اس لیے میں یہاں رکوں گا نہ
لوٹ جاؤں گا۔"

دھرم دت نے کہا۔ "تم بیٹھ کر کھانا تو کھاؤ بیٹے!"

جنید نے کہا۔ "پڑاؤ سے جب میں چلا تو کھانا تیار ہو رہا تھا۔ اس لیے
راجہ کے ساتھ جا کر کھانا کھانا پڑے گا کیونکہ اگر میں نے کھانا یہاں کھا لیا تو راجہ کر
کا کھانے پر کیسے ساتھ دے سکوں گا۔"

اس بار کشتا نے کہا۔ "آپ بیٹھیں تو سہی نا۔ کچھ یہاں سے کھا لیں کچھ
کے ساتھ بیٹھ کر کھا لیجئے گا۔ اس طرح آپ پر دونوں طرف سے کوئی شکوہ نہ رہے

جنید نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں ایک تو آپ لوگوں کو ہرنی کے یہ دو
دینے آیا تھا۔ دوسرے میں یہ بتانے آیا ہوں کہ کل صبح ہی صبح میں یہاں اس پڑاؤ
واپس اپنے لشکر کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔"

دھرم دت نے بھرے لہجے میں پوچھا۔ "ہمیں پھر کب ملو گے؟"

جنید نے کہا۔ "آپ لوگوں کو خبر ہے کہ میں بابر کے لشکر میں شامل ہوں۔
ہم لاہور اور سیالکوٹ پر قبضہ کر چکے ہیں۔ پنجاب کا بیشتر سرسبز و آباد علاقہ ہمارے قبضے
میں ہے اور اب ہم ان علاقوں کی طرف پیش قدمی کریں گے اور جب میں ادھر آیا، تو
آپ لوگوں سے ضرور ملوں گا۔"

جنید نے فربہ گوشت اور میدے کے بنے نان کے چند لقمے جلدی جلدی
لیے پھر دھرم دت اور لیراج سے مصافحہ کرکے وہ باہر آیا۔ اپنے گھوڑے کو مکان سے
نکال کر وہ اس پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگا دی تھی۔

جنید جب راجہ بکرماجیت کے خیمے میں داخل ہوا تو کنپل شاید اسی کا انتظار کر رہی
تھی۔ وہ ایک کمرے سے نکلی اور جنید سے کہا۔ "پتا جی تین بار آپ کا پوچھ چکے ہیں۔
میں نے ان سے بہانہ کر دیا تھا کہ آپ ذرا دریا کی طرف گئے ہیں۔ کھانا لگ چکا ہے اور
آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔ اگر آپ تھوڑی دیر تک اور نہ آتے تو پتا جی آپ کی تلاش
میں کسی کو آپ کے پیچھے روانہ کرنے والے تھے۔ اب آئیں میرے ساتھ، کھانے پر آپ
کا انتظار ہو رہا ہوگا۔" جنید چپ چاپ کنپل کے ساتھ ہو لیا۔

○

دوسرے روز جنید وہاں سے کوچ کی تیاری کر چکا تھا۔ کنپل اس کے گھوڑے کی
خرجینوں میں وہ سب کپڑے اور تحائف ڈال چکی تھی جو انہوں نے جنید کے گھر والوں کے
لیے بنائے تھے۔

گو وہ بھاگ بھاگ کر اس کے کوچ کی ہر تیاری کو آخری شکل دے رہی تھی لیکن
اندر ہی اندر جنید کی دوریوں کے غم میں اس کی حالت بن کے مندر کے پجاری جیسی ہو
رہی تھی۔ اس کے ماتھے پر اُداسی اور غم کی لہریں صاف ظاہر تھیں اور چوب نمناک کی
طرح وہ اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔ آخری بار وہ جنید کے گھوڑے کی خرجین میں
رسیلے سیب اور گہرے رنگ کے سنگترے ڈال کر آئی تھی اور پھر اس کمرے میں آ کر بیٹھ

گئی تھی جو اس کے اور کرن کے لیے مخصوص تھا۔ کرن پہلے سے وہاں موجود تھی لیکن
ٹوٹی پھوٹی سی اس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ اس کی پیشانی کی تحریروں سے لگتا تھا
من، اپنی ذات، اپنے بدن کو اندر ہی اندر جلا رہی ہے اور اس کے لہو کی حرکت
بننے لگی ہو۔ کرن بے چاری بڑی ہمدردی اور شفقت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

کنیل کی گردن جھکی ہوئی تھی اور وہ خاموش تھی گویا اس کے لبوں کو نطق عطا نہ ہوا ہو۔ وہ قدم قدم خرام نغمہ اور اپنی گفتگو سے آبشاروں کی نغمگی کھڑی کر دینے والی لڑکی سپنوں کی سبھا اور خوابوں کے صنم خانے کی طرح خاموش، چپ اور اداس ہو گئی تھی۔ جیسے وہ لٹ گئی ہو، یادوں کی بھیگی آنکھوں اور خاموشی کی آخری پونجی کے علاوہ اس کے پاس کچھ بھی نہ رہا ہو۔

کرن نے بڑے پیار سے اسے پکارتے ہوئے کہا۔ "کنیل! کنیل! یہ تم نے اپنی حالت کیا بنالی ہے۔ خود ہی جنید بھائی کے کوچ کی تیاریاں بھی مکمل کرتی رہی اور اب اس قدر اداس لگ رہی ہو۔ جیسے برسوں کی مریض۔ جنید بھائی ہمیشہ کے لیے تمہیں اپنے ساتھ رکھنے کی جستجو میں یہاں سے جا رہے ہیں۔"

اس خورشید لقا اور مہ قبا لڑکی نے آہستہ آہستہ اپنی گردن اوپر اٹھائی اور کرن کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے سوالیہ اور استفہامیہ انداز میں پوچھا۔ "کرن! کرن! میری خوشی کی تتلیاں جلد کیوں اڑ جاتی ہیں۔ سنہرے خواب ٹوٹ پھوٹ کیوں جاتے ہیں۔ گہری نیند پراگندہ کیوں ہو جاتی ہے، ملنے والے بچھڑ کیوں جاتے ہیں۔"

کنیل ذرا چپ ہوئی پھر اس نے دوبارہ حصار فکر میں ڈوبی اپنی اجنبی ترنم آواز میں کہا۔ "کرن! میں جو پرانی اور قدیم راج کماریوں کے جنم ستوپ کے قصے کرتی تھی ان جیسی حالت میں اب میں خود مبتلا ہو گئی ہوں۔

کرن! کرن! میرا دل ڈوب رہا ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں ہر جلتے چراغ کی طرح جنید کی صورت کو ترستی رہوں گی اور یوں ہی اوس میں بھیگی ہوا جیسی دوریوں کی اس دہلیز میں میرا جسم اک لمس خفی کی آس میں ٹوٹ بکھر جائے گا۔

خود ہی کسی روز مرگ کے سکوت میں ایک کھنڈر آباد جسم جیسی ہو جاؤں گی۔"

کرن نے کہا۔ "کنیل! کنیل! میری عزیز بہن! تم اپنے آپ کو سنبھالو! میں جانتی ہوں۔ جنید کی یہ جدائی تمہارے لیے ناقابلِ برداشت ہے لیکن پھر بھی اسے میری طرح سمجھو کہ اس کا یہاں سے جانا تم دونوں کا ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کا بن جانے کا ایک پیش خیمہ ہے۔ تم جنید بھائی کے کوچ کے وقت اس طرح تو ——"

کرن کہتے کہتے خاموش ہو گئی کیونکہ باہر سے راجہ بکرماجیت کی آواز سنائی دی "کنیل! کنیل! باہر آؤ بیٹی! جنید جا رہا ہے۔"

کنیل بے چاری تڑپ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور کرن کے ساتھ باہر آئی۔ کنیل نے دیکھا جنید اپنے جنگی لباس میں انتہائی پرکشش اور باوقار لگ رہا تھا اور اس کے ساتھ راجہ بکرماجیت، سیلوداس، مالدیو اور شنکل تھے۔ کنیل اور کرن بھی ان کے ساتھ ہو لیں۔ سب خیمے سے باہر آئے، وہاں جنید کا گھوڑا تیار کھڑا تھا۔ سب اس کے گھوڑے کے پاس آکھڑے ہوئے۔ پھر شنکل نے جنید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"جنید بیٹے! ہم سب بے چینی سے تمہارا انتظار کریں گے۔ اگر تمہاری ماں کسی وجہ سے نہ آسکے تو تم اکیلے آکر کنیل کو جب چاہو لے جا سکتے ہو۔ یہ اب ہمارے پاس تمہاری امانت ہے۔"

پھر شنکل نے اپنا منہ جنید کے کان کے قریب لے جا کر کہا۔ "جنید! میرے بچے! کنیل صرف تمہاری خاطر اور تمہیں خوش رکھنے کے لیے اپنے اصطبل کے داروغہ محمد یوسف سے اسلام کی تعلیم بھی حاصل کر رہی ہے۔"

جنید کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی اور جب شنکل پیچھے ہٹی تو اس نے بکرماجیت، سیلوداس اور مالدیو سے مصافحہ کیا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہونے کے بعد کنیل پر ایک الوداعی نگاہ ڈالی اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہاں سے کوچ کر گیا۔ کنیل وہاں بت کی طرح کھڑی اسے دیکھے جا رہی تھی۔ وہ ذہن انسانی کے گنجلک عمل کی

طرح الجھی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں وحشت تھی جیسے شیشۂ رخسار سے ٹکرا دیا گیا ہو اور نیم کے کڑوے پیڑ کی طرح چپ اور اُداس کھڑی جنید کو جا دیکھ رہی تھی۔ پھر اس کی آنکھوں سے اشکوں کے سوتے پھوٹ نکلے جنہیں کی نظریں بچا کر اپنے پلو سے خشک کر رہی تھی۔

○

جس وقت سائے لمبے اور دھوپ مدھم ہو رہی تھی جنید اپنے گھوڑ دوڑاتا ہوا اس ندی کنارے آ رکا تھا جس کے اُس پار مندر کے محافظوں کا جھگڑا ہوا تھا اور پروہت کے نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے مندر کے احاطے بانس کاٹ لیا تھا۔ گھوڑے کو روک کر جنید نیچے اُترا اور گھوڑے کو پانی پلا وہ دوبارہ سوار ہوا اور ندی عبور کرنے لگا تھا۔

سرما کے باعث ندی میں پانی نہ ہونے کے برابر تھا۔ درمیان میں چا زنجیر جیسی پانی کی ایک لکیر تھی جو دور تک چلی گئی تھی۔ جنید نے جب گوالیار کو ہوئے ندی کو عبور کیا تھا تو اس وقت سرما کی بارشوں کے باعث ندی اپنے کنار تک بہہ رہی تھی لیکن اب خشک سالی کے باعث ندی کا زیادہ حصہ خشک ہوا تھا۔

جنید نے ندی عبور کرنے کے بعد زین سے لٹکتی اپنی چھاگل کا جائزہ لیا بالکل خالی تھی۔ جنید سیدھا مندر کی طرف اس جانب گیا جہاں مندر کے بائیں ہا بانسوں کے جھنڈ کے پاس ڈول لگا ایک پنگھٹ تھا۔ جنید نے دیکھا مندر کا جس سے جاتی بار وہ جھگڑا کر کے گیا تھا مندر سے باہر کھڑا تھا۔ اس نے شاید جنید دیکھ اور پہچان لیا تھا۔ لہٰذا وہ مندر کے اندر چلا گیا تھا۔ جنید نے ڈول کے ذ پنگھٹ سے پانی کھینچ کر پہلے خود پیا پھر وہ اپنا مشکیزہ بھرنے لگا تھا۔

دفعتاً مشکیزہ بھرنے کے بعد جنید کی نگاہیں مندر کی طرف اُٹھ گئیں۔ ا دیکھا وہ پنڈت اندر جانے کے بعد ایک بار پھر باہر آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ جنید کو ا

بڑی بے باکی کے ساتھ اسے دیکھنے اور پہچاننے کے بعد انتہائی مشکوک لگا۔ وہ یہاں مندر میں کسی اور تصادم میں نہ پڑنا چاہتا تھا۔ لہٰذا وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگا دی لیکن ابھی وہ تھوڑی دُور ہی گیا تھا کہ دس کے قریب سواروں نے اس کا تعاقب کرتے ہوئے اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑانا شروع کر دیا تھا۔

وہ سب مندر سے متصل ایک احاطے سے نکلے تھے۔ جنید نے ایک دم اپنے گھوڑے کو بائیں طرف ذرا ذرا فاصلے پر کھڑی چٹانوں کی طرف موڑ لیا تھا۔ شاید ان کے آگے آگے بھاگ کر اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنے کے بجائے اس نے ان سے نمٹ لینے کا ارادہ کر لیا تھا۔

چٹان کی اوٹ میں ہوتے ہی جنید نے کندھے پر لٹکتی اپنی کمان سنبھال لی اور پشت پر بندھے ترکش سے تیر کھینچ لیے تھے۔ پھر جب اس نے محسوس کیا کہ تعاقب کرنے والے تیر کی مسافت میں آ گئے ہیں تو اس نے ان پر آندھی کی طرح تیروں کی لگاتار بوچھاڑ کر دی تھی۔ چھ آدمیوں کو اس نے اپنے تیروں سے چھید کر رکھ دیا تھا اور وہ اپنے گھوڑوں سے گر کر دم توڑ گئے تھے۔

باقی زندہ بچنے والے چاروں سوار اسی چٹان کے ساتھ آ لگے جس کی اوٹ میں خود جنید چھپا ہوا تھا۔ پھر جنید نے اوٹ میں رہتے ہوئے دیکھا وہ چاروں دو دو کی ٹولیوں میں بٹ گئے تھے اور دائیں بائیں سے چٹان کے گرد گھوم کر جنید کی طرف بڑھنے لگے تھے۔

جنید نے فوراً کوئی فیصلہ کیا۔ اپنی کمان اس نے کندھے سے لٹکا لی۔ ہاتھ میں پکڑے ہوئے دو تیر اس نے واپس ترکش میں ڈال دیے اور اپنی تلوار ڈھال سنبھال لی۔ پھر اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر بائیں ہاتھ بڑھا۔ اب وہ ان دو کی طرف بڑھا جو اس کے زیادہ قریب تھے اور جن کا اس پر پہلے حملہ آور ہونے کا امکان تھا۔ اپنے گھوڑے کو تیزی سے بھگاتا ہوا جنید ان پر وارد ہوا۔ پہلے ہی وار میں اس نے سامنے والے کو کاٹ دیا۔ دوسرے نے سنبھل کر جنید کا پہلا وار اپنی تلوار پر روک لیا۔

لیکن اسی لمحہ جنید نے اپنی ڈھال اس کے منہ پر دے ماری۔

جس وقت وہ اپنے گھوڑے سے لڑکھڑا کر نیچے گرنے لگا تھا۔ جنید نے اپنی تلوار برسائی اور اسے کاٹ دیا۔ اب جنید چٹانوں سے ٹکرانے والے تیر کی طرح مڑا اور دوسرے دونوں کی طرف بڑھا۔ اتنی دیر تک وہ دونوں کے قریب آگئے۔ جنید ایک لمحہ ضائع کیے بغیر ان پر حملہ آور ہو گیا۔

ان دونوں کے پاس تلواروں کے علاوہ ڈھالیں بھی تھیں اور انہ جنید کے مہلک وار روکنے کے علاوہ اس پر جوابی حملے بھی شروع کر دیئے۔

مقابلے کو طول پکڑتے دیکھ کر جنید کی حالت بدلنے لگی۔ اس کے پُر جہانگیر جذبے، ہر سمت کو تسخیر کرنے کی دھول، کتاب انقلاب کے اوراق عزم اور زہرہ و پروین پر کمندیں ڈالنے کی لہریں پھیلنے لگی تھیں۔ پھر قدرت کی باقاعدگی کی طرح اس کی جوانی میں دیوانی اور جذبات میں طغیانی پھیل گئی۔ وہ شوق و طرب اور وہی پرانے اندازِ خوب میں حملہ آور ہوا اور ان دونوں پر جھپٹ کا اس نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا۔

پھر جنید کے حملوں میں وہی طوفانی تاختوں کا عمل، حوصلوں کا اعتبار کا کرشمہ، محنت و سعی کا وقار اپنے عروج پر آگیا۔ ایک کا وار اس نے اپنی ڈ پر روکا اور دوسرے کے حملہ کرنے سے قبل ہی جنید نے اس زور اور تیزی سے اپنی تلوار گرائی کہ وہ ککڑی کی طرح کٹ گیا اور ایک ہولناک چیخ کے ساتھ پتھر پر گر گیا۔ آخر میں اکیلا بچنے والا ایسا پریشان اور بدحواس ہوا کہ وہ جنید کا ایک وار بھی نہ روک سکا اور جنید کی تلوار اسے بھی خون میں نہلا گئی تھی۔

وہاں تھوڑی دیر اپنے گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے جنید نے کچھ سوچا نے اپنی تلوار نیام میں کر لی اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہ مندر کی طرف واپس بھاگا تھا۔ سورج اب غروب ہو رہا تھا۔ اندھیرا زمین اور فضاؤں میں سرگوشی کی اترنے لگا تھا۔ رقاص حسن اور کسی مطربہ بزم طرب کی طرح شفق نے آسمان

مغربی حاشیوں پر اپنا رنگین آنچل لہرا دیا تھا۔

گھوڑے کو باہر باندھ کر جنید جب مندر میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا وہ پنڈت جس نے اس کے پیچھے اپنے آدمی لگائے تھے مندر کے اندر مشعلیں اور کافوری شمعیں روشن کر رہا تھا۔ پاؤں کی آہٹ پا کر پنڈت پلٹا اور جب اس نے جنید کو اپنی خون آلود تلوار پکڑے اپنے سامنے دیکھا تو اس کے منہ سے خوف میں چیخ نکل کر رہ گئی۔ ہاتھ میں پکڑی مشعل اس کے ہاتھ سے گر گئی اور وہ آسیب زدہ کی طرح کانپنے اور تیز آندھی میں کھڑے درخت کی طرح لرزنے لگا تھا۔

جنید نے اسے مخاطب کرتے ہوئے اپنی آواز کی پوری گھن گرج میں کہا۔

"یہاں سے گوالیار کی طرف جاتے ہوئے جب تم نے مجھے لوٹنے کی کوشش کی تھی تو میں تمہارے ساتھیوں کا خاتمہ کرنے کے بعد تمہیں معاف کرتے ہوئے زندہ چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ لیکن اس بار تم نے میرے تعاقب میں اپنے آدمی لگا کر اپنی غلیظ فطرت، گندی سرشت اور عیاری طبع کا اظہار کیا ہے۔ اب میں کیوں کر تجھے معاف کر سکتا ہوں"۔

پھر جنید آگے بڑھا تلوار مار کر اس نے پنڈت کو کاٹ دیا۔ باہر آ کر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگا کر اپنی منزل کی طرف اس تے سرپٹ دوڑا دیا تھا۔

O

ایک روز اخسی شہر میں داخل ہونے کے بعد تیمور اپنے گھوڑے سے اترا اور اپنی حویلی کے دروازے پر دستک دی۔ وہ ملول اور غمگین تھا۔ شاید جنید کی گمشدگی نے اس کی یہ حالت کر دی تھی۔

دروازے پر دستک دینے کے بعد اس نے اپنے آپ کو اس خیال کے تحت کچھ سنبھالا کہ شاید جنید گھر ہی آگیا ہو۔ اتنے میں حویلی کا دروازہ کھلا اور دروازہ کھولنے والا اس کا باپ میرم تھا۔ تیمور کو دیکھتے ہی میرم نے باہیں پھیلائیں اور اسے گلے لگا کر چومنے لگا۔

جنید کی بہن اور منصور کی بیوی سیمون یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ وہ شور کرنے لگ
"نانا! امی! پھوپھی! جنید اور تیمور آگئے۔

شیرم طغائی، منصور، سدم، بولائی، یورث اور خود سیمون بھی بھاگتی ہوئی
پر آئی۔ اتنی دیر تک میرم، تیمور سے گلے مل کر علیحدہ ہو چکا تھا۔ پھر شیرم طغائی
لپٹا کر پیار کر رہا تھا۔ میرم نے حویلی سے باہر جھانکا وہاں صرف تیمور کا گھوڑا کھڑا
اور جنید نہ تھا۔ ایک جستجو اور فکرمندی سے میرم نے تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا
"جنید کہاں ہے؟"

تیمور کی گردن جھک گئی اور اس نے ندامت آمیز لہجے میں کہا "اے میرے
باپ! میں آپ لوگوں سے کیا کہوں کہ جنید کہاں ہے؟"

جنید کی ماں سدم نے اپنے دل پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "کوئی خیر کی خبر سنا
بچے!" جنید کی بہن سیمون، پھوپھی یورث اور خالہ بولائی کی حالت بھی غیر ہونے
تھی۔ بوڑھا شیرم طغائی بھی بکھرنے لگا تھا اور منصور کے چہرے پر فکرمندی کے آثار
نمودار ہو گئے تھے۔

میرم نے بگڑتے اور خفا ہوتے ہوئے کہا۔ "کیا کہنا چاہتے ہو تم کھل کر کہو"
تیمور نے ایک بار سب کو غور سے دیکھا۔ پھر اس نے کابل سے جنگ کے
لیے روانہ ہونے، سیالکوٹ اور لاہور فتح کرنے اور لاہور سے جنید کے اچانک غائب
ہو جانے کے سارے واقعات تفصیل سے بتا دیئے تھے

میرم نے بگڑتے ہوئے کہا۔ "تم بکواس کرتے ہو۔ وہ تمہارا چھوٹا بھائی
ہے۔ تم نے اسے اکیلا جانے کیوں دیا۔ یہ اس کی نہیں تمہاری غلطی ہے۔"

جنید کی پھوپھی اور تیمور کی ماں نے کھا جانے والی نگاہوں سے تیمور کی طرف
دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم ہمیں اس کی گم شدگی بتانے آئے ہو کہ ہم سب اس کی گمشدگی
اور جدائی پر مر مٹیں۔ اس کے چلے جانے پر روئیں اور ماتم کریں۔ کیا تم یہ بتانے
آئے ہو کہ میرے بھائیوں کی آخری نشانی بھی ہم سے کھو گئی ہے؟"

تیمور نے کہا۔ "اے میری ماں! اگر مجھے خبر ہوتی کہ میرا عزیز بھائی یوں مجھ
سے اچانک جدا ہو جائے گا تو میں اسے اپنی نظروں سے اوجھل ہی کیوں ہونے دیتا"
تیمور کی ماں اور یورث نے ایک زوردار تھپڑ تیمور کے منہ پر مارتے ہوئے
کہا۔ "تم بکواس کرتے ہیں۔ اس میں تمہاری سستی شامل ہے۔ جب وہ تمہیں بتا کر
جا رہا تھا تو تم اس کے ساتھ جاتے، اس کا پیچھا کرتے کہ وہ کدھر کا رخ کرتا ہے۔

تیمور نے احتجاجاً کہا۔ "ماں! تم تو ایسی گفتگو کر رہی ہو جیسے وہ مجھے عزیز نہ
تھا یا وہ میرا بھائی نہ تھا۔ بخدا میں اپنی ذات اپنی ہستی تک اپنے اس بھائی پر قربان
کر دوں۔ سنو ماں! اس نے جنگ میں بہت اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ لہذا
امیر نے اسے اپنے ہراول لشکر کا نائب سالار مقرر کر دیا تھا۔ اس عہدے کو مدِنظر
رکھتے ہوئے مجھے اس کی بات ماننا پڑی تھی۔ کاش میں اپنے بھائی کا تعاقب کرتا اس
کے پیچھے جاتا۔

سدم، سیمون اور بولائی تو پہلے ہی سسک سسک کر رو رہی تھیں۔ یورث نے
بھی دروازے کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔ "آہ! پہلے میرے بھائی سمر بیگ اور اللہ ویردی
مارے گئے اور جنید بھی کھو گیا۔ ہائے حیف! میرے باپ کی نسل ہی ختم ہوتی دکھائی دے
رہی ہے۔ میں کاہے کو اس دن کے لیے زندہ تھی۔ کسی چٹان سے ٹکرا جاتی کسی تاریک
اندھے کنوئیں میں کود گئی ہوتی۔"

تیمور نے بوکھلا دینے والی آواز میں پوچھا۔ "یہ تم کیا کہہ رہی ہو ماں! ماموں سمر
بیگ اور اللہ ویردی کب اور کیسے مارے گئے؟"

اس بار شیرم طغائی نے بولتے ہوئے کہا۔ "اے میرے بچے! تمہیں یاد ہوگا سمرقند
سے ایک تاجر آیا تھا جس نے مجھ سے علیحدگی میں گفتگو کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔
اس نے علیحدگی میں مجھ سے یہی کہا تھا کہ مالوہ کے وزیر مدینی راؤ نے سمر بیگ اور نصرت
کو پکڑ کر قید میں ڈال دیا تھا۔ پھر اللہ ویردی کسی طرح ان دونوں کو جیل سے نکال کر لے
بھاگا۔ پر مدینی راؤ کے داروغہ نے ان تینوں کو روک کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ میں

نے کچھ عرصہ اس خبر کو چھپائے رکھا۔ پر کب تک میں ایسا کر کے اندر ہی اندر
تھا۔ آخر تمہارے اور جنید کے جانے کے بعد ایک روز یہ بُری خبر میں نے سب
دی۔ بیٹے! تمہارے اور جنید کے جانے کے بعد ہم نے ایک اور فیصلہ کیا ہے
اور سیمون دونوں میاں بیوی کو ہم نے بولائی کے حوالے کر دیا ہے۔ اب کوئی
سکتا کہ بولائی کے اولاد نہیں ہے۔ منصور اس کا بیٹا اور سیمون اس کی بہو اور بیٹی

پھر شیرم طغائی رکا اور ایک آہ بھرتے ہوئے وہ بے چارہ بوڑھا سپاہی
کہہ رہا تھا۔ اِس گھر میں سمر بیگ، اللہ ویردی اور نصرت کی موت کا غم کچھ کچھ
تھا لیکن آج تم نے اے فرزند! جنید کی گم شدگی کی خبر دے کر اس زخم کو ہرا
کر دیا ہے۔ کاش میرا بچّہ جنید کہیں کھو نہ گیا ہوتا اور وہ تمہارے ساتھ ہوتا
قدرت کا یہی فیصلہ ہے کہ میری دونوں بیٹیاں اپنی نرینہ اولاد کی نسل آگے بڑھا
سکیں تو میں شیرم طغائی کیا کر سکتا ہوں۔

میں ہر ایک سے جنگ کر سکتا ہوں، خود اپنی ذات سے لڑ سکتا ہوں
قدرت کے ایسے فیصلوں کے خلاف میں کیسے اور کیوں کر بغاوت اور سرکشی
ہوں۔" پھر شیرم طغائی کی بوڑھی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور گردن جھکاتے ہوئے
اس نے کہا۔ "آہ! میرا بیٹا! میرا فرزند! میرا جنید! تو کہاں کھو گیا میرے بچے

شیرم طغائی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر میرم اور منصور کی آنکھیں بھی
گئی تھیں۔ یورث، بولائی اور سیمون سسک سسک کر رونے لگی تھیں تاہم
کی ماں بڑے صبر اور تحمل کے ساتھ کھڑی سب کچھ برداشت کر رہی تھی۔ تیمور
روتی ہوئی اپنی ماں یورث کی طرف بڑھا اور اسے اس کے دونوں کندھوں سے
ہوئے اس نے ڈھارس اور تسلی دینے کی خاطر کہا۔ "اے میری ماں! مطمئن رہو، میں
بھائی کو تلاش کروں گا۔ اسے ڈھونڈنے کی خاطر میں ہند کی سرزمین کا ایک ایک
چھان ماروں گا۔"

یورث نے تیمور کے دونوں ہاتھ پکڑ کر جھٹکتے ہوئے کہا۔ "دُور رہو مجھ

میرے دونوں بھائی نہ رہے۔ میرے بھائی کا واحد اور عزیز فرزند جنید ہمارے پاس نہ
رہا۔ اب میرے لیے کیسی تسلّی اور کیسی ڈھارس ہو سکتی ہے۔ جنید میرے ماں باپ کی
طرف سے ایک نشانی تھی۔ میرے خاندان کا ایک ورثہ تھا۔ اس کے کھو جانے کی خبر دے
کر تم لوگوں نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔"

اس بار جنید کی ماں سیدم آگے بڑھی اور یورث کو اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے
کہا۔ "اے میری بہن! تو جانتی ہے جنید مجھے کیسا عزیز اور پیارا ہے۔ وہ میری آنکھوں
کا نور، میری زیست کی مضبوط لاٹھی، میرے ضمیر کا اطمینان، میرے دل کا قرار اور میرے
مستقبل کی اُمید ہے۔ پر دیکھو میری بہن! میں اس کے غم میں رو نہیں رہی۔ اس لیے کہ
میرا دل کہتا ہے میرا بیٹا زندہ ہے اور میں جانتی ہوں وہ کہاں ہے۔"

یورث نے چونک کر پوچھا۔ "اے میری بہن! اگر تُو جانتی جنید کہاں ہے،
تو پھر ہمیں کیوں نہیں بتاتی۔"

شیرم طغائی، بولائی، سیمون، منصور، میرم اور تیمور بھی آگے بڑھ کر سیدم
کے قریب آ کھڑے ہوئے اور اس طرح سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔
جیسے وہ ان کے لیے کسی بہت بڑی خوشی کا اعلان کرنے والی ہو۔

سیدم نے کہا۔ "میرا دل کہتا ہے میرا بیٹا زندہ ہے۔ جس روز سمرقند کا وہ
بوڑھا تاجر بابا کے پاس سمر بیگ، اللہ ویردی اور نصرت کے مارے جانے کی منحوس
خبر لے کر آیا تھا اور اس نے بابا سے علیحدگی میں گفتگو کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔
اس روز ہم سب لوگ یہاں صحن میں کھڑے تھے لیکن بابا جب اس تاجر کو لے کر
دیوان خانے کی طرف چلے گئے تو جنید بھی پانی پینے کا بہانہ کر کے اس کی طرف چلا گیا
تھا۔ میرے خیال میں اس نے بابا اور اس تاجر کے مابین ساری گفتگو سن لی تھی اور اُسے
خبر ہو گئی تھی کہ اُس کا باپ اور چچا مارے گئے ہیں۔ اس واقع کے بعد وہ بجھ سا گیا تھا
اور چپ چپ رہنے لگا تھا۔ تاہم میری موجودگی میں وہ زبردستی اپنے آپ کو معمول کے
مطابق رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ میں اس معاملے میں ضرور اس سے بات کرتی پر اگلے روز

بابر کے لشکر میں شامل ہونے کے لیے یہاں سے کوچ کر گیا اور میں اس کے چُپ کی وجہ نہ جان سکی۔

جب بابل نے مجھے اس کے باپ اور چچا کی المناک موت کی خبر دی پھر مجھ سے آپ معلوم ہو گیا کہ جنید اس دن ملول اور اُداس کیوں تھا۔ اس نے اس کے باپ اور چچا کے مرنے کی اطلاع اسی تاجر سے سُن لی تھی اور لاہور شہر میں تیمور سے جدا ہو کر وہ اپنے باپ اور چچا کا انتقام لینے کی خاطر یقیناً مالوہ کی طرف چلا گیا ہو گا۔ سیدم ذرا رکی پھر اس نے اپنے باپ شیرم طغائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اے میرے باپ! میرا دل کہتا ہے میرا بیٹا مدینی راؤ اور رام دیو سے باپ اور چچا کا انتقام لینے میں کامیاب رہے گا۔ اے میرے باپ! میں نے کسی سے تو نہیں لیکن اس دوران میں اپنے بیٹے سے متعلق دو خواب کثرت سے دیکھتی رہی۔ ایک خواب میں وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہواؤں میں اڑتا تھا اور میری طرف ہاتھ کر مسکراتا تھا۔

دوسرے خواب میں اپنی خون آلود تلوار فضا میں بلند کیے وہ میرے سامنے تھا اور اس کے چہرے پر کامیابی اور فوز مندی، طمانیت و تشفی، فرحت و مسرت شادمانی و انبساط کے جذبات ہویدا کرتے تھے۔

اے میرے باپ! پہلے خواب کی تعبیر میں یہ نکالتی ہوں کہ میرا بیٹا بابر کے لشکر میں ترقی کر کے ہراول کا نائب امیر ہو گیا اور اس کے لیے وہ میری طرف مسکرا کر دیکھتا ہے۔ دوسرے خواب کی تعبیر میں یہ نکالتی ہوں کہ میرا بیٹا مدینی راؤ اور رام دیو کو قتل کرنے کے بعد اپنی خون آلود تلوار فضا میں بلند کر کے توصیف، مدح و ستائش و آفرین کی میری طرف دیکھتا ہے۔ اے میرے باپ! میرا بیٹا زندہ ہے اور عنقریب وہ مدینی راؤ اور رام دیو کے قتل کی خبر لے کر ہمارے پاس آئے گا۔"

شیرم طغائی نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔" تیری زبان مبارک ہو میری بیٹی جس روز میرا بیٹا یہ خبر لے کر گھر لوٹا میں اپنے رب کی راہ میں سو بکریاں قربان کر دوں گا"

پھر بوڑھا شیرم طغائی وہیں صحن کی سخت زمین پر سجدے میں گر گیا اور بلند آواز میں سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلٰی پکار کر اپنے ربّ کا شکر ادا کر رہا تھا۔ بوڑھا شیرم طغائی جب سجدۂ شکر سے اُٹھا تو میرم نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"بابا! کیا میں آج ہی جنید کی تلاش میں روانہ نہ ہو جاؤں۔ میں جب تک اسے گھر نہ دیکھ لوں مجھے اطمینان نہ ہو گا۔"

شیرم طغائی کے بولنے سے قبل ہی تیمور نے کہا۔ "بابر قندھار پر قبضہ کرنے کے بعد اپنے لشکر کے ساتھ پھر ہندوستان کا رُخ کرے گا۔ میں اس کے ساتھ جاؤں گا۔ اور بابر سے مسلح جوانوں کا ایک دستہ حاصل کر کے وہاں اپنے بھائی کو تلاش کروں گا۔"

اس بار منصور نے بولتے ہوئے کہا۔ "میں بھی تیمور کے ساتھ روانہ ہوں گا اور ہم دونوں بھائی مل کر جنید کو تلاش کریں گے۔ جنید کے مل جانے پر یہ دونوں تو بابر کے لشکر میں ہی رہ جائیں گے جب کہ میں گھر آ کر اس کے بخیریت ہونے کی خوشخبری دوں گا۔"

شیرم طغائی نے اپنا فیصلہ دیتے ہوئے کہا۔" ہاں یہ ٹھیک ہے کہ تیمور اور منصور دونوں بھائی جنید کی تلاش میں جائیں۔ میرم! تم میرے پاس رہو۔ مجھے تمہاری یہاں ضرورت رہے گی۔ شاید ان دونوں کو ہندوستان جانے کی ضرورت بھی نہ پڑے اور جب یہ بابر کے پاس کابل جائیں تو جنید اپنے لشکر میں واپس آ چکا ہو۔"

تیمور نے فوراً شیرم طغائی کی تائید کرتے ہوئے کہا۔" دادا ٹھیک کہتے ہیں۔ بابا کو جنید کی تلاش میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اور منصور بھائی جائیں گے اور انشاء اللہ بہت جلد اپنے گھر کے لیے خوش خبری لائیں گے۔"

اس کے بعد وہ سب تیمور کو حویلی کے اندر لے گئے۔ دوسرے روز تیمور اور منصور کابل کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

○

جس روز منصور اور تیمور کابل شہر کے پاس آئے تو انہوں نے دیکھا بابر کا لشکر

قندھار شہر پر حملہ آور ہونے کے لیے کابل شہر سے باہر کوچ کے لیے تیار تھا۔ دونوں جب اس حصے میں آئے جس میں امیر علی قلی کا توپ خانہ تھا تو انہوں نے دیکھا۔ امیر علی قلی خان اِدھر اُدھر بھاگتے ہوئے اپنے چھوٹے کمانداروں کو ہدایات دے رہا تھا۔ دائیں طرف سے بابر اور اس کا بیٹا ہمایوں بھی اپنے محافظ دستوں کے ساتھ علی قلی کی طرف آرہے تھے۔

منصور اور تیمور کے وہاں پہنچنے سے قبل ہی بابر اور ہمایوں علی قلی کے پاس جاکر کسی موضوع پر گفتگو کرنے لگے تھے۔ ان دونوں کے قریب جاکر تیمور نے اپنے گھوڑے سے اترتے ہوئے منصور سے کہا۔ "اے میرے بھائی! وہ سامنے جو تین شخص کھڑے ہیں ان میں دائیں طرف والے بابر اور اس کا بیٹا ہمایوں ہیں اور بائیں طرف توپ خانے کے امیر علی قلی ہیں۔"

ان کے قریب جاکر تیمور اور منصور نے ان تینوں سے مصافحہ کیا۔ پھر تیمور نے کہا۔ "یہ میرے بڑے بھائی منصور ہیں۔"

علی قلی نے پوچھا۔ "کیا یہ بھی لشکر میں شامل ہوگا؟"

تیمور نے کہا۔ "نہیں یہ میرے ساتھ جنید کو تلاش کرنے آئے ہیں۔ ہمارے گھر والے اس سے متعلق سخت فکر مند ہیں۔" پھر تیمور نے مختصراً اپنے ماموں سمر بیگ اور اللہ دیردی کے حالات اور جنید کے قاتلوں سے انتقام لینے کے خدشات کا اظہار بابر، ہمایوں اور علی قلی سے کردیا۔"

بابر نے تاسف کرتے ہوئے کہا۔ "کاش! یہ حالات تم نے مجھے پہلے کہے ہوتے تو میں لاہور ہی سے اپنے چند دستے جنید کی تلاش میں روانہ کردیتا۔ بہرحال اس وقت ہم قندھار کی طرف کوچ کر رہے ہیں۔ وہاں سے واپسی پر میں اپنے لشکر کے ساتھ پھر ہندوستان کا رُخ کروں گا اور وہاں جنید کو تلاش کرانے کی کوشش کروں گا۔ وہ میرے ہراول کا نائب امیر ہے اور لشکر میں مجھے اس کی سخت ضرورت ہے۔ تم دونوں بھائی علی قلی کے ساتھ ہی کام کرو۔"

بابر اور ہمایوں آگے بڑھ گئے۔ علی قلی نے منصور اور تیمور کو اپنے ساتھ لے لیا۔ تھوڑی دیر بعد لشکر وہاں سے قندھار کی طرف کوچ کر رہا تھا۔

○

بابر کے لیے قندھار پر حملہ آور ہونے کے حالات انتہائی سازگار تھے اس کا حریف شیبانی خان ایران کے بادشاہ اسمٰعیل صفوی کے ساتھ ایک جنگ کے دوران مارا جاچکا تھا۔ بابر اسمٰعیل صفوی کی بے پناہ قوت سے بھی خوفزدہ تھا لیکن قدرت نے اس کا خوب انتظام کیا۔

اسمٰعیل صفوی نے اس قدر قوت جمع کرلی تھی کہ وہ اپنے ہمسائے حکمرانوں کے معاملات میں دخل اندازی کرنے لگا تھا۔ آخر قدرت نے اسے اس کی سزا دی اور ترکی کے عظیم سلطان اور عثمانی ترکوں کے فرزندِ عظیم سلطان سلیم سے اسمٰعیل صفوی کی جنگ چھڑ گئی۔ چلدران کے مقام پر سلطان سلیم نے اسمٰعیل صفوی کو ایسی ہولناک اور قیامت خیز شکست دی کہ اسمٰعیل صفوی اپنی ساری چوکڑیاں اور منصوبے بھول گیا سوہ اپنی سرحدوں کے اندر محدود ہوگیا اور آئندہ کسی کو پریشان کرنے کی جرأت نہ کی۔

قندھار پر شیبانی خان نے ایک طرح سے قبضہ کرلیا تھا لیکن اسمٰعیل صفوی کے اس کے خلاف حرکت میں آنے کی وجہ سے وہ قندھار کو چھوڑ کر چلا گیا اور قندھار کے حاکم شاہ بیگ ارغون نے اپنی خود مختاری کا اعلان کردیا تھا۔ ان حالات میں جب ایک جنگ کے دوران شیبانی خان مارا جاچکا تھا اور ایران کے بادشاہ اسمٰعیل صفوی کی کمر ترکی کے سلطان سلیم نے توڑ کر رکھ دی تھی، بابر کے لیے قندھار پر حملہ بڑا سود مند ثابت ہوسکتا تھا۔

بابر نے بڑی برق رفتاری سے قندھار کی طرف پیش قدمی کی تھی۔ حاکم قندھار شاہ بیگ ارغون کو بھی بابر کے حملہ آور ہونے کی اطلاع ہوگئی تھی۔ لہٰذا وہ اپنے لشکر کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے شہر سے باہر نکل کر صف آراء ہوگیا تھا۔ وہاں پہنچنے کے بعد بابر نے پڑاؤ کیا۔ لشکر کو ہراول، قلب، میمنہ، میسرہ اور توپ خانہ پانچ

حصّوں میں تقسیم کرکے اپنی صفیں درست کیں۔

جنگ میں حصّہ لینے کے لیے اس نے ہراول، قلب، میمنہ اور میسرہ تیار کیا۔ توپ خانے کو علی قلی کی کمانداری میں اس نے ایک محفوظ حصّے کی صورت سے علیحدہ رکھا۔ منصور اور تیمور بھی اسی محفوظ حصّے میں شامل تھے۔

بابر نے سب سے پہلے اپنے ہراول، میمنہ اور میسرہ کو آگے بڑھایا۔ بابر نے اپنے قلب کے ساتھ بھی دشمن پر ضرب لگانی شروع کر دی تھی۔ منصور اور توپ خانے کے محفوظ دستوں کی حیثیت سے ذرا فاصلے پر بڑی دلچسپی سے جنگ کا نظارہ کر رہے تھے۔

وہ دونوں بھائی علی قلی کے قریب ایک چٹان پر بیٹھے تھے اور بڑی محویت سے اس جنگ کو دیکھ رہے تھے۔ جواب لمحہ بہ لمحہ سختی اور تندی اختیار کرتی جا رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا انسانیت کے شعور اور لاشعور میں ایک تہلکہ مچ گیا ہو۔ ایشیا کی ان گمنام کوہتانی وادیوں کے اندر ایک کہرام ایک شور اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ انسانی خون ندی نالوں کی پتلی گذرگاہ کی طرح بہہ نکلا تھا۔ میدانِ جنگ میں ہر طرف دفالمحوں کے کالے تابوت کی طرح موت وزیست کے دھندلکے نظر آنے لگے

بابر نے اپنے حملوں میں جب باد و باراں جیسی سختی اور آتے جاتے بادلوں کا تسلسل پیدا کر دیا تو قندھار کا حاکم شاہ بیگ ارغون ان حملوں کی تاب نہ لا سکا۔ اپنے لشکر کو اس نے پسپا ہو کر شہر کے اندر داخل ہو کر دروازے بند کر لینے کا حکم دیا تھا۔ شاہ بیگ ارغون کے اس حکم پر اس کے لشکری یخ زدہ شام میں خزاں کے پتوں کے اُڑتے بگولوں کی طرح شہر کی طرف بھاگنے لگے تھے۔

دفعتاً منصور نے چونکتے ہوئے کہا۔ "تیمور! تیمور! میرے بھائی دیکھو کیا وہ ہمارا بھائی جنید نہیں ہے"؟ منصور نے ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ تیمور نے اس سمت غور سے دیکھا پھر ایک طرح سے اس نے نعرہ لگاتے ہوئے اور بے پناہ خوشی میں چلاتے ہوئے کہا۔ "ہاں بخدا وہ ہمارا بھائی جنید ہے"۔ ہمارے قریب بیٹھے علی قلی نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔ لیکن یہ اچانک آیا کہاں سے تھوڑی دیر پہلے جب جنگ کے لیے صفیں درست ہو رہی تھیں تو یہ لشکر میں شامل نہ تھا اور اب تم دیکھ رہے ہو کہ وہ ہراول لشکر کی کمانداری کر رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے بابر نے اسے کہیں چھپا رکھا ہوا اور بوقتِ ضرورت اسے باہر نکال کر اس سے یہ کام لینے کا ارادہ کیا ہو"۔

منصور اور تیمور نے علی قلی کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس لیے کہ وہ دونوں بھائی بڑی محویت سے جنید کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ علی قلی بھی اب بڑے انہماک سے جنید کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جو شہر کے دروازے کی طرف بھاگتے دشمنوں پر ان کی اطراف سے ضربیں لگا رہا تھا۔

ان تینوں نے دیکھا جنید کے حملہ آور ہونے کے ہر رنگ میں قیامت، ہر جھپٹ میں جلال و احتشام تھا۔ وہ ان زہرہ جبیں، رشک نجوم اور خورشید ساز جیالوں کی طرح حملہ آور ہو رہا تھا جو معرکۂ ہست و نیست میں سنان سنان اجل کے سائے، تیغ تیغ فتح کی دھول، سپر سپر ارتقا کے جگمگاتے اُفق، انجم انجم شبستانِ خیال، شعلہ شعلہ محبت کا فسوں اور سایہ سایہ نگاہوں کا سکون کھڑا کر کے شجاعت کے روحِ رواں کی طرح ہر طرف ہر سمت مثلِ خورشید و مہتاب اپنی تازگی لازوال بکھیر کر رکھ دیتے ہیں۔

جنید کے حملوں سے ایسا لگ رہا تھا جیسے سچائیوں کی عصمت سے جھوٹ کے آسیب کو کاٹتے ہوئے آوازوں کے عکس کو پا بہ زنجیر کرنے لگا ہو۔ اس کی ضربوں کے سامنے دشمن کے لشکریوں کی حالت پیاسے شجر، اڑتی بے رنگ مٹی، بے چراغاں مزار اور شہر خزاں کے طاقوں کی ویرانی اور محرابوں کے سناٹے جیسی ہو گئی تھی۔

شاہ بیگ ارغون کے لشکر کی حالت اب عجیب ہو گئی تھی۔ بائیں طرف سے ہمایوں آندھیوں کے کالے سفر بے رنگ خیالات کی طرح اُڑا رہا تھا۔ سامنے کی طرف سے خود بابر زمین پر برسنے والی سورج کی کرنوں کی طرح ان پہ نازل ہو کر ان کے دفاع کے حصار کو آبگینوں کے اونچے محل کی طرح ریزہ ریزہ اور ان کی ہر تدبیر کو زخم زخم کر رہا تھا۔

جب کہ دائیں طرف سے جنید نے ان پر قاتل لہروں اور عداوتوں کے بھرپور طوفانوں کی طرح
ان پر حملے شروع کر دیئے تھے۔

تین اطراف کے اس دباؤ سے شاہ بیگ ارغون کے لشکری بدحواس ہو کر شہر
کی طرف بھاگے۔ جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو بابر، ہمایوں اور جنید بھی اپنے لشکر
کے ساتھ ان کے اندر گھس کر ان کا قتلِ عام کرتے ہوئے شہر میں داخل ہو گئے تھے۔
موقع پر شاہ بیگ نے عقلمندی سے کام لیا اور وہ اپنے لشکریوں کے ساتھ شہر میں داخل
نہ ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ شہر میں داخل ہو جانے کے بعد وہ محصور ہو جائے گا اور ایک نہ ایک
روز شکست کھا کر اپنی جان گنوا بیٹھے گا۔ لہٰذا وہ اپنے مختصر سے ساتھیوں کے ساتھ
جنگ سے بھاگ کر بلوچستان اور وہاں سے سندھ کی طرف نکل گیا تھا۔ شہر کے اندر تھوڑی
دیر کی جنگ کے بعد قندھار پر بابر کا مکمل قبضہ ہو گیا تھا۔

جنگ جب ختم ہو گئی تو منصور اور تیمور اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے شہر میں
داخل ہوئے۔ وہ اپنے امیر علی قلی سے اجازت لے کر شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ ان
کا رُخ اپنے لشکر کے وسط میں اس جگہ تھا جہاں بابر، ہمایوں اور جنید کھڑے آپس میں
گفتگو کر رہے تھے۔

قریب جا کر منصور اور تیمور اپنے گھوڑوں سے اُترے پھر وہ بھاگ کر باری باری
جنید سے گلے ملنے لگے۔ بڑے بھائی کی حیثیت سے منصور نے کچھ کچھ جواب طلب انداز
میں پوچھا۔ "جنید! میرے عزیز بھائی! تم کہاں چلے گئے تھے۔ کدھر کھو گئے تھے۔
تمہاری وجہ سے دادا، بابا، اماں، پھوپھیاں اور سیمون سخت پریشان ہیں۔ میں نے تمہاری
گم شدگی پر دادا کی آنکھوں میں زندگی میں پہلی بار آنسو دیکھے تھے۔ وہ بہت پریشان تھے۔
ہم دونوں کو انہوں نے تمہاری تلاش میں روانہ کیا تھا۔"

جنید نے ہلکی سی مسکراہٹ میں کہا۔ "تم دونوں کے آنے سے قبل میں آقا کو
اپنے ہی حالات سنا رہا تھا۔ میں لاہور سے مالوہ کی طرف چلا گیا تھا۔ شاید تم دونوں کو
خبر نہ ہو کہ میرا باپ اور چچا مارے جا چکے ہیں۔"

منصور نے کہا۔ "ہمیں اور سب گھر والوں کو اس کا علم ہے۔ دادا کے پاس جو
ایک بار سمرقند کا تاجر آیا تھا وہ یہی منحوس خبر لایا تھا۔ اس خبر کو کچھ عرصہ دادا نے راز میں
رکھا پھر تم دونوں بھائیوں کی روانگی کے کچھ روز بعد سب کو بتا کر اپنا بوجھ ہلکا کر لیا۔"

جنید نے کہا۔ "اس تاجر کی گفتگو چوری چھپے میں نے بھی سُن لی تھی۔ لہٰذا میں لاہور
سے تیمور بھائی کو غلط تاثر دیتے ہوئے مالوہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ میں جانتا تھا کہ اگر میں نے
حقیقت کہی تو اوّلاً تو تیمور مجھے جانے ہی نہ دے گا۔ ورنہ میرے ساتھ جانے پر ضد کرتا
اور میں ایسا نہ چاہتا تھا۔ میں نے مالوہ میں داخل ہو کر مالوہ کے وزیر مدنی راؤ اور اس
کے داروغہ رام دیو کو قتل کر دیا۔ یہی دونوں میرے باپ، چچا اور نصرت کے قاتل تھے۔
اب میں پُرسکون ہوں کہ میں نے اپنے باپ اور چچا کا انتقام لے لیا ہے۔"

اس بار تیمور نے حیرت سے پوچھا۔ "تم اپنے لشکر میں کب داخل ہوئے جنید!"

جنید نے کہا۔ "مالوہ سے میں لاہور گیا۔ وہاں سے پتہ چلا کہ آگے بڑھنے کے بجائے
لشکر کابل جا چکا ہے۔ جب میں کابل میں داخل ہوا تو خبر ہوئی کہ لشکر قندھار شہر پر حملہ
کرنے کے لیے کوچ کر گیا ہے۔ لہٰذا میں بھی ادھر روانہ ہو گیا۔ میں اُس وقت یہاں پہنچا
جب میدانِ جنگ میں دونوں لشکر اپنی صفیں درست کر رہے تھے۔ آقا نے مجھے آرام
کرنے کا مشورہ دیا تھا پر میں نے بضد ہو کر جنگ میں حصہ لیا ہے۔"

منصور نے چند ثانیے خاموش رہنے کے بعد بابر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"آقا! کیا کچھ روز کے لیے ہم دونوں بھائی جنید کو اپنے ساتھ گھر لے جا سکتے ہیں۔
اس کی گم شدگی پر ہمارے گھر کا ہر فرد ملول اور غم گین ہے۔ اس کے وہاں جانے پر ہمارے
گھر میں خوشی اور اطمینان کی بہار آ جائے گی۔"

بابر نے جنید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم کچھ روز کے لیے منصور اور تیمور
کے ساتھ گھر چلے جاؤ۔ لیکن جلد لوٹ آنا۔ میں بھی صرف چند روز یہاں قندھار میں قیام
کروں گا اور اپنے بیٹے عسکری کو یہاں کا حاکم مقرر کر کے کابل روانہ ہو جاؤں گا۔
سنو! تم جلدی کابل آنا۔ کیوں کہ میں ہندوستان پر حملے کی ابتدا کرنا چاہتا ہوں اور یہ ہمارا

آخری اور فیصلہ کُن حملہ ہوگا"۔

جنید نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "آپ فکر نہ کریں، مَیں بہت لوٹ آؤں گا"۔

بابر اور ہمایوں وہاں سے ہٹ گئے۔ اتنی دیر تک علی قلی وہاں آگیا اور کو گلے لگا کر ملنے لگا اور شکوہ کرنے کے انداز میں پوچھنے لگا۔ "تم کہاں کھو گئے تھے بیٹا"

جواب میں جنید نے اپنی داستان مختصر کر کے سنا ڈالی تھی۔ جنید جب خاموش ہوا تو منصور نے علی قلی سے کہا۔ "ہم نے آقا بابر سے اجازت لے لی ہے۔ جنید کو لے کر ہم تھوڑی دیر تک یہاں سے اپنے گھر کی طرف کُوچ کر جائیں گے۔ یہ دونوں بھائی چند روز گھر رہیں گے پھر لشکر میں لوٹ آئیں گے"۔

علی قلی نے منصور اور جنید سے کہا۔ "تم دونوں بھائی میری ایک بات سنو!"

تیمور اپنی جگہ پر ہی کھڑا رہا جب کہ جنید اور منصور کو ذرا فاصلے پر لے جا کر ان سے گفتگو کرنے لگا تھا۔ جنید کبھی کبھی چور نگاہوں سے تیمور کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا۔ شاید علی قلی کی گفتگو کا موضوع تیمور ہی تھا۔

اپنی گفتگو ختم کر کے علی قلی نے بلند آواز میں کہا۔ "تم تینوں پہلے میرے ساتھ کھانا کھاؤ پھر یہاں سے گھر روانہ ہونا"۔

تینوں خاموشی سے علی قلی کے ساتھ چل پڑے۔ راستے میں جنید نے علی قلی کی نگاہیں بچا کر تیمور کے کان میں کہا۔ "تم خوش ہو امیر علی قلی اپنی بیٹی سیرک تم سے بیاہنے کی پیشکش کرتا ہے۔ تم فکر مند نہ ہونا مَیں تمہیں ماموں اور نانا سے اس کی اجازت لے دوں گا"۔

جواب میں تیمور کے ہونٹوں پر خوش کن مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ تینوں نے علی قلی کے ساتھ کھانا کھایا پھر وہ تینوں اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں سے کُوچ کر گئے تھے۔ ان کی روانگی سے قبل بابر نے مالِ غنیمت سے ان کا حصّہ ان تینوں کو بھجوا دیا تھا۔

○

جنید، منصور اور تیمور ایشیا کی ان گمنام کوہستانی وادیوں میں سفر کر رہے تھے

نالوں کی نیلی نیلی گذرگاہیں تھیں۔ اخسی شہر کی طرف جاتے ہوئے وہ ان ہی جن کے اندر ندی پہاڑوں سے گزر رہے تھے جو زمانۂ قدیم میں غارت گر اقوام کا ماضی بنی رہی بن والے بہتر پناہ گاہوں اور مرغزاروں کی تلاش میں قدرت کی سی باقاعدگی سے اپنے ہیں اور وہ خیموں اور چمڑے کے سینہ بندوں کے ساتھ شمال کی بھیانک سرزمینوں بٹ جانے والے سے نکل کر جنوب کی ان وادیوں کا رُخ کرتی رہی تھیں۔

یہی وہ وادیاں تھیں جن کے شمال سے لوار، بلغار، ہن، سیتھین، آرین، ترک منگول اور دیگر غارت گر اقوام نے خروج کیا اور اپنی بھولی بسری یادوں کے ساتھ انہوں نے بیرونی تہذیبوں کے اندر ایک طغیانی اور قہرالیسی کا سا طوفان کھڑا کر رہا تھا۔ یہی وہ راستے تھے جن پر قدیم فاتح خوانین و سلطان بڑے بڑے یورت والی صحرائی خیمہ نشین اقوام کے ساتھ شمال سے جنوب اور جنوب سے شمال کی طرف دھندلے جزیروں اور زمین کے زرخیز ٹکڑوں کی تلاش میں آوارہ گرد نجومیوں کی طرح سفر کرتے رہے۔ اور اب بھی ان علاقوں میں ان نیم تاریک صحرائی اقوام کے نشانات زندہ تھے۔ اب بھی دریائے یورال سے لے کر آرمیش تک کا نیم صحرائی علاقہ جو چنگیز خان کے بڑے بیٹے جوجی کی ملکیت تھا اس پر ازبک کے نام سے اس کے وارث قابض تھے۔ جب کہ وسط ایشیا کا قلب جو سطح مرتفع تبت کے اُوپر واقع ہے وہاں اب بھی چنگیز خان کے بڑے بیٹے چغتائی کی اولاد آباد تھی اور مسلمان ہو کر وہ اپنے اندر بڑی تیزی سے تبدیلیاں کر رہے تھے۔ ان دونوں اقوام کے درمیان قدیم بُت پرست کرغیز اور جنگلی قزاق قبائل آباد تھے جو اب قدیم تہذیب کا لبادہ اُتار کر نئی روشنی کی طرف آ رہے تھے۔

جاڑہ اپنے عروج پر تھا۔ برف پھیل پھیل کر اور کوہستانی برفانی چوٹیوں سے ہوتی ہوئی نیچے وادیوں میں شاہ دانہ کے باغات تک پھیل گئی تھی۔ آمد و رفت کے بڑے بڑے درّے برف باری سے بند ہوتے جا رہے تھے۔

کوہستانوں کے اندر نیلے پانی کی دھاریں جم گئی تھیں۔ بھیڑیں اور کالی پہاڑی بکریاں گھاس کو ترسنے لگی تھیں۔ شاہین، جرے اور دوسرے کوہستانی پرندے اپنے عقبی

کے خطرات سے بے نیاز برفانی سرزمینوں سے اُڑ کر فطرت کے تجسس کی طرح جنوبی ایشیا کی گرم سرزمینوں کا رُخ کر رہے تھے۔

قدیم خانہ بدوش قبائل اپنی چرمی چھولداریاں اپنے گدھوں اور خچروں پر لادے نفیریاں اور دفیں بجاتے ہوئے بڑی تیزی سے شمال کے برفستانوں کو الوداع کہتے ہوئے جنوب کی طرف جا رہے تھے۔ ان ہی علاقوں اور سرزمینوں میں سفر کرتے ہوئے ایک روز جنید، منصور اور تیمور اخسی شہر میں داخل ہوئے اور اپنی حویلی کے دروازے پر دستک دی۔

میرم نے جب حویلی کا دروازہ کھولا اور منصور اور تیمور کے ساتھ اس نے جنید کو کھڑے دیکھا تو وہ بھاگ کر باہر نکلا اور جنید کو اپنے ساتھ لپٹا کر پیار کرنے لگا۔ پھر علیحدہ ہو کر وہ زور زور سے شور کرنے لگا۔ " بابا! سیدم! یورث! بولائی! سیمون باہر آؤ، دیکھو کون آیا ہے، میرا بیٹا آیا ہے، جنید آیا ہے۔"

سب سے پہلے بوڑھا شیرم طغائی اس تیزی سے باہر آیا کہ اس کے عمامے کے پیچ بھاگنے سے ڈھیلے ہو گئے تھے۔ اس کے پیچھے پیچھے سیدم، یورث، بولائی اور سیمون بھی بھاگ رہی تھیں۔

شیرم طغائی نے آگے بڑھ کر جنید کو اپنے ساتھ لپٹا لیا پھر وہ بڑی طرح اس کا منہ گال، آنکھیں، ناک اور پیشانی چوم رہا تھا۔ شیرم طغائی کے بعد سیدم، یورث، بولائی اور سیمون کو گلے لگا کر پیار کر رہی تھیں۔ اس دوران تیمور نے تینوں گھوڑوں کو اصطبل پر باندھ دیا تھا۔

سیدم پیار سے جنید کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ کہنے والی تھی کہ شیرم طغائی نے جنید کو اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے کہا۔ " سیدم! سیدم! میری بیٹی! یہاں جنید سے کچھ مت کہنا۔ پہلے سب دیوان خانے میں چل کر بیٹھتے ہیں پھر جنید کے احوال اس سے سنتے ہیں"

حویلی کا دروازہ بند کر کے سب دیوان خانے میں جا بیٹھے تھے۔ شیرم طغائی نے جنید کو اپنے ساتھ بٹھا لیا تھا پھر پیار سے اس نے اپنا بازو جنید کی کمر کے گرد ڈالتے ہوئے کہا۔" اتنے دن میرا بیٹا کہاں رہا۔ تم نے یہ بھی نہ سوچا بیٹے! نانا پریشان ہو گا۔ ماں، پھوپھی

خالہ اور بہن تیری جدائی پر رو رہی ہوں گی۔ ماموں میرم غمگین اور بھائی تیرے لیے بے چین ہوں گے۔"

جنید نے کہا۔" نانا! میں نے اس تاجر سے سارے حالات سن لیے تھے جس نے علیحدگی میں آپ کو میرے باپ اور چچا کے قتل کی اطلاع دی تھی۔ میں مدنی راؤ اور رام دیو سے انتقام لینے کی خاطر لاہور میں تیمور سے علیحدہ ہو گیا تھا۔ نانا! میں نے مدنی راؤ اور رام دیو دونوں کی گردنیں کاٹ دی ہیں۔"

سیدم نے اُٹھ کر جنید کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔" خدا کی قسم! مجھے اپنے بیٹے سے ایسی ہی اُمید تھی۔ پر بیٹے! میں تیری ماں ہوں۔ وہاں جانے کے لیے تو نے کم از کم مجھے تو اعتماد میں لیا ہوتا کہ ہم لوگ تیرے فراق میں یوں پریشان نہ ہوتے۔"

قریب بیٹھی یورث پیار سے جنید کی کمر پر ہاتھ پھیر رہی تھی جب کہ اس کی بہن سیمون اس کے بالوں میں اپنی لمبی لمبی خوب صورت انگلیوں سے کنگھی کر رہی تھی۔ جنید اپنی ماں سیدم سے کچھ کہنے والا تھا کہ شیرم طغائی نے کہا۔ " مجھے اپنے پورے حالات تفصیل سے سناؤ بیٹا!"

جنید نے اپنا گلا صاف کیا پھر اس نے تیمور سے علیحدہ ہو کر لاہور سے اپنی روانگی۔ مندر میں پروہت کی تنبیہ کے باوجود بانس کاٹنے۔ گوالیار میں راج کماری کنپل کی جان بچانے، راجہ بکرما جیت کی طرف سے کنپل سے شادی کی پیش کش، مدنی راؤ اور رام دیو کے قتل، جنگل میں اپنے گھوڑے کی موت۔ لیراج کے ساتھ دو چیتوں سے مقابلہ، لیراج کے ہاں قیام۔ اس کی بہن کشتا کی مدد اور راجہ بکرما جیت کے ساتھ شکار کے سارے حالات تفصیل کے ساتھ سنا ڈالے تھے۔

جنید خاموش ہو گیا۔ بوڑھا شیرم طغائی کچھ سوچنے لگا تھا۔ اس دوران جنید کی چھوٹی بہن سیمون نے جھک کر جنید کے کان میں کہا۔ " جنید! جنید! میرے عزیز بھائی! کنپل کیسی لڑکی ہے۔ کیا وہ بہت خوب صورت ہے۔ ہندوستان کی روایتی راجکماری کی طرح اور کیا وہ تمہارے ساتھ شادی کرنے کے بعد یہاں ہمارے اندر اخسی شہر میں ایک

عام مسلمان لڑکی کی طرح زندگی بسر کرے گی۔"

جنید کے لبوں پر بہن کی اس گفتگو سے مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ اس نے یورث کے کان میں کہا۔ "اے میری بہن! وہ یہاں ایک سادہ سی لڑکی بن کر رہے گی اور تم سب کی خدمت کرے گی وہ بہت ———"

جنید خاموش ہو گیا اور سیمون کے کان سے اپنا منہ ہٹا لیا کیوں کہ اس کے نانا شیرم طغائی نے اس سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔ "جنید! میرے بیٹے! ہماری طرف سے تمہیں اجازت ہے تم جب اور جس وقت چاہو اس راجکماری سے شادی کر سکتے ہو۔ اس گھر کے کسی فرد کو اعتراض نہ ہو گا اس لیے کہ ہم نے ابھی تک تمہاری اور تیمور کی شادی کا کہیں سلسلہ شروع نہیں کیا لیکن ایک خیال رکھنا بیٹے! ہو سکتا ہے وہ غریب اور شودر لڑکی کشتا بھی تمہاری ہمدردیوں اور چاہت کی طلب گار ہو۔ اگر تم کبھی محسوس کرو کہ اس کا جھکاؤ، اس کا میلان تمہاری طرف ہے تو اس غریب لڑکی کا دل نہ توڑنا۔ ایسی صورت میں تمہیں اجازت ہو گی تم دونوں سے شادی کر سکتے ہو۔"

جنید نے بات کا رُخ موڑتے ہوئے تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تیمور بھائی! میرے گھوڑے کی خرجینیں کہاں ہیں؟"

تیمور نے اپنے قریب ہی رکھی دو چرمی خرجینیں اُٹھا کر جنید کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ رہی دونوں خرجینیں، میں تمہارے گھوڑے کی زین سے اتار لایا تھا۔"

جنید نے ایک خرجین سے نقدی کی دو تھیلیاں نکال کر اپنے نانا شیرم طغائی کی گود میں رکھتے ہوئے کہا۔ "نانا! یہ وہ سنہری سکّے ہیں جو جنگ کے دوران مالِ غنیمت سے میرے حصّے میں آئے ہیں۔"

تیمور اور منصور نے بھی اپنی نقدی کی تھیلیاں نکال کر شیرم طغائی کی گود میں رکھ دی تھیں۔ شیرم طغائی نے ساری تھیلیاں اٹھا کر یورث کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ سنبھال لو بیٹی! تم اس گھر کی بڑی اور میرے بیٹے کی ساتھی ہو۔"

یورث نے تھیلیاں سنبھالتے ہوئے شیرم طغائی سے کہا۔ "کیا ان تھیلیوں سے

متعلق میں بھی کوئی فیصلہ اپنی مرضی سے کر سکتی ہوں۔"

شیرم طغائی نے کہا۔ "بے شک میری بیٹی! تو اس کا حق رکھتی ہے تو جو چاہے کر سکتی ہے۔"

یورث نے نقدی کی ساری تھیلیاں اٹھا کر اللہ ویردی کی بیوہ، شیرم طغائی کی چھوٹی بیٹی اور جنید کی خالہ بولائی کی گود میں رکھتے ہوئے کہا۔ "آج سے اس گھر کا سارا اثاثہ بولائی کی نگرانی میں رہے گا۔ جس کو ضرورت ہو گی اسی سے مانگے گا تاکہ اسے احساس ہو کہ یہ گھر اس کا اپنا ہے اور وہ اس کی کلی طور پر مالک ہے۔ میں یہ تھیلیاں سیدم کی گود میں بھی رکھ سکتی تھی لیکن سیدم کا جنید جیسا نایاب بیٹا اور سیمون جیسی لاجواب بیٹی ہے اسے کوئی احساسِ محرومی نہیں لہٰذا میں نے اسی لیے یہ تھیلیاں بولائی کی گود میں رکھ دی ہیں۔"

سیدم نے یورث کے دونوں ہاتھ پکڑ کر چومتے ہوئے کہا۔ "یورث! یورث! میری بہن! تم عظیم ہو۔ خدا کی قسم حسنِ سلوک میں تم اپنے بھائی سمربیگ اور اللہ ویردی جیسی ہو۔"

میرم نے آگے بڑھ کر یورث کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "تم نے میری بہنوں کا ایسا خیال رکیا۔ بخدا مجھے تم جیسی بیوی پر فخر ہے۔"

پھر شیرم طغائی نے بولتے ہوئے کہا۔ "یورث! میری بیٹی! تم نے واقعی اس گھر کی بڑی خاتون ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔ تم نے میری بچّی بولائی کو احساسِ محرومی سے بچا کر میرے دل کے زخموں پر مرہم اور میرے ضمیر پر سکون کے سائے ڈال دیئے ہیں۔ خداوندِ ارض و سماوات تیری عظمت، تیرے وقار میں اور اضافہ کرے گا۔"

شیرم طغائی جب خاموش ہوا تو جنید نے اپنی دوسری چرمی خرجین سنبھالتے ہوئے کہا۔ "کنیل اور اس کی ماں نے ہم سب کے لیے کچھ تحائف بھی روانہ کیے ہیں۔" پھر جنید نے خرجین کے اندر کپڑوں کا ایک جوڑا نکال کر شیرم طغائی کو تھماتے ہوئے کہا۔ "نانا! یہ آپ کے لیے ہے۔"

اس کے بعد اس نے میرم، منصور، تیمور، سیدم، یورث، بولائی اور کو بھی ان کے کپڑے دیئے اور اپنے کپڑے جو سب سے قیمتی تھے نکال کر ایک رکھ لیے۔ پھر اسی خرجین سے اس نے جواہرات جڑے سونے کے کنگن نکال سیدم، یورث اور بولائی کو دیئے اور جواہرات ہی جڑا ایک ہار اپنی بہن کو دیا۔ پھر سیمون، سیدم، یورث اور بولائی کھانا تیار کرنے کے لیے وہاں سے گئیں جب کہ شیرم طغائی، میرم، جنید، منصور اور تیمور وہیں بیٹھ کر باتیں کرنے

اس بار منصور نے شیرم طغائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "دادا بابر کے ہیں علی قلی نام کا ایک امیر توپ خانہ ہے۔ اس کی ایک بیٹی ہے جس کا نام سیرک وہ بہت حسین اور نیک ہے۔ علی قلی اپنی اس بیٹی کا رشتہ تیمور کو دینے کا خواہش ہے۔ اس نے اس بارے میں مجھ سے اور جنید سے بات کی تھی۔ میں نے اسے کہ میں اپنے باپ اور دادا سے بات کروں گا۔"

شیرم طغائی نے سوالیہ انداز میں میرم کی طرف دیکھا اور جواب میں میرم عاجزی سے باپ کے سامنے اپنی نگاہیں جھکا دیں۔ شیرم طغائی نے اپنا فیصلہ د ہوئے کہا۔ "تیمور! میرے بیٹے! تمہیں علی قلی کی بیٹی سیرک سے شادی کرنے کی ہے۔" تیمور کے چہرے پر سکون سا بکھر گیا تھا۔ پھر وہ کھانا آنے تک اپنے گھریلو پر گفتگو کرتے رہے تھے۔ جنید اور تیمور نے اس طرح ایک ہفتہ گھر میں قیام کیا وہ اپنے لشکر کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

پنجاب کا حاکم دولت خان بابر سے شکست کھانے کے بعد قلعہ ملوت، کوٹلی، قلعہ کنکوبہ اور ان سے وابستہ شہروں اور علاقوں کے حاکم غازی کے پاس چلا تھا۔

بابر جب ہندوستان کی اپنی مہم کو ادھورا چھوڑ کر کابل واپس چلا گیا، تو لت خان اور غازی خان دونوں حرکت میں آئے۔ انہوں نے مل کر ایک بہت بڑا کر تیار کیا اور سیالکوٹ کی طرف بڑھے۔ سیالکوٹ پر انہوں نے اس قدر سخت شدید حملہ کیا کہ سیالکوٹ میں بابر کا حاکم دلی ذملی اس حملے کی تاب نہ لا سکا اور شہر کر کے بھاگ گیا۔

سیالکوٹ کی فتح کے دولت خان اور غازی خان کا حوصلہ اس قدر بڑھا کہ دل نے اپنے لشکر کی قوت میں اور اضافہ کیا اور ابراہیم لودھی کے تاج و تخت پر کرنے کی خاطر دہلی کی طرف کوچ کیا۔

انہوں نے اچانک دہلی کا محاصرہ کیا لیکن ابراہیم لودھی نے باہر نکل کر اس اصرے کو توڑا اور دولت خان اور غازی خان کو ایسی عبرت ناک شکست دی کہ وہ

پانی پت کے راستے بھاگ کر اپنی عملداری کی طرف چلے گئے۔

بابر کو جب خبر پہنچی کہ سیالکوٹ اس کے ہاتھ سے نکل گیا ہے تو وہ بڑا برا... اور بغیر کسی تاخیر کے اس نے اپنے لشکر کے ساتھ کابل سے ہندوستان کی طرف کو... کابل سے نکل سے دریائے پاریک کے کنارے کنارے بڑی برق رفتاری سے آ... بڑھا۔ نیلاب کے گھاٹ سے اس نے دریائے سندھ کو عبور کیا اور دریائے سندھ... چھ منزل دور بال ناتھ جوگی نامی کوہستانی سلسلے کے اندر اس نے ایک ندی کے ک... پڑاؤ کیا۔ وہاں اپنے لشکر کے ساتھ بابر نے ایک روز قیام کیا۔

وہاں سے وہ شمال کی طرف بڑھا اور جہلم شہر کے پاس سے اس نے د... جہلم کو عبور کیا اور پڑاؤ کئے بغیر آگے بڑھتے ہوئے وہ دریائے چناب کے کنارے... پور خالصہ میں آ رکا۔ وہاں سے بابر طوفانی انداز میں پھر آگے بڑھا اور اپنے پہلے... حملے ہی میں اس نے سیالکوٹ شہر کو فتح کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ دولت خاں اور غازی... کے لشکر جو سیالکوٹ کی حفاظت پر مامور تھے وہ اپنی جانیں بچاتے ہوئے قلعہ... طرف بھاگ گئے۔

ایک روز بابر اپنے گھوڑے پر سوار اپنے ایک مختصر سے لشکر کے ساتھ... شمالی اور مغربی حصوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ ہمایوں، جنید، علی قلی اور کچھ دیگر سا... اس کے ساتھ تھے۔

بھٹیاروں کے بازار میں سے گزرتے وقت اچانک ایک بوڑھا نمودار... اور بابر کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے اس نے کہا۔ "اے بادشاہ! ہم تمہارے... تھے۔ پھر غازی خان اور دولت خان نے اس شہر پر قبضہ کر کے لوگوں کے ساتھ... کا سا سلوک کیا۔ اس نے اس شہر کے لیے جو عمال مقرر کئے وہ کمزور تھے جن... نتیجے میں شمالی کوہستانوں کے وحشی جاٹوں اور گوجروں کی بن آئی اور انہوں نے... پر حملے کر کے لوگوں کی عزت و مال اور گائے بھینسیں لوٹنا شروع کر دیں۔ سیالکوٹ کے کمزور حکمران نشاط و رقص اور نگارِ چنگ و رباب...

...وہ شعر و شراب میں مست رہے اور شمال کے یہ کوہستانی وحشی دُکھ کے سیاہ صحرا بن... لوگوں پر بے چیرگی کے وار کرتے رہے۔ وہ رات کے علاوہ دن دہاڑے بھی طوفانی... ہواؤں کی طرح حملہ آور ہوتے اور لوگوں کو مٹی کے زنگار جان کر کاٹ دیتے۔ اے بادشاہ! ان کے حملے اب بھی جاری ہیں۔ کیا آپ ان سے اس شہر کے لوگوں کی حفاظت نہ کریں گے۔ اے بادشاہ! اگر ان وحشیوں کی سرکوبی نہ کی گئی اور شہر پر ...ان نے اپنی ترکتاز اور غارت گری جاری رکھی، تو ایک روز یہ شہر خالی اور ویران ہو کر رہ جائے گا۔"

بابر نے بڑی عاجزی سے کہا۔ "اے میرے بزرگ! میں اپنی رعایا سے خوب انصاف کروں گا۔ اب میرا ارادہ اس سرزمین سے واپس جانے کا نہیں۔ میں یہیں رہوں گا اور ہر اس طاقت کا سر کچلوں گا جو مظالم اور قہرمانیت کو جنم دیتی ہے۔ اے میرے بزرگ! آپ جائیں اور چند ایسے جوانوں کو لے کر آئیں جو شمال کے وحشیوں تک میرے لشکر کی راہنمائی کر سکیں۔"

اس بوڑھے نے بڑی عاجزی اور انکساری میں کہا۔ "اے بادشاہ! میں ابھی ...دیر تک چند ایسے جوانوں کو آپ کے پاس لاتا ہوں۔ جو ان وحشیوں کے ہاتھوں ...ستائے ہیں۔ ان سے سخت نالاں ہیں اور ان کے کوہستانی ٹھکانوں سے بھی واقف ہیں۔" وہ بوڑھا مڑا اور چلا گیا۔

بابر نے بائیں طرف مڑ کر اپنے گھوڑے پر سوار جنید کی طرف دیکھا اور کہا۔ "عزیز کے بیٹے! تم نے سنا جو کچھ اس بوڑھے نے کہا۔"

جنید نے کہا۔ "میرے آقا! جو کچھ اس بوڑھے نے کہا۔ اُسے میں غور سے سن چکا ہوں۔"

بابر نے کہا۔ "تم پھر وہ بوڑھا جن جوانوں کو لانے گیا ہے ان کی راہنمائی میں ...ہزار لشکر کے ساتھ شمال کے ان وحشیوں کی سرکوبی میں نکل جاؤ۔ ان کے مسلح جوانوں کو قتل کر دو اور ان کے سرداروں اور سرکردہ لوگوں کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ تاکہ

میں انہیں ایسی سزا دوں جو اوروں کے لیے بھی عبرت ہو اور آئندہ کوئی مظالم
مار کی طرف توجہ نہ کرے"۔

جنید نے اپنے سر کو خم کرتے ہوئے کہا۔ "اے میرے آقا! میں ان غا
غارت گروں سے خوب نمٹوں گا اور آئندہ کسی کو ان کی طرف سے لوٹ مار اور
سامنا نہ کرنا پڑے گا۔

اتنی دیر تک وہ بوڑھا بھی اپنے ساتھ دو جوانوں کو لے کر آگیا اور بابر
آپ کی اس مہم میں یہ دونوں جوان ان وحشیوں تک آپ کی راہنمائی کریں"۔

بابر نے ان دونوں جوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم شمال
وحشیوں کے ٹھکانوں سے واقف ہو جو اس شہر کو اپنے مظالم اور قہرمانیت کا
ہیں"۔ ان دونوں میں سے ایک نے کہا۔ "ہم کوہستانوں کے اندر ان بستیوں
کی راہنمائی کریں گے جن کے اندر وہ خونخوار بھیڑیے رہتے ہیں"۔

بابر وہاں سے اپنی لشکرگاہ میں آیا اور جنید کو ہراول کے ساتھ ان دونو
کی راہنمائی میں اس مہم پر روانہ کر دیا۔

○

جنید نے ایسی رفتار سے سفر کیا کہ وہ رات کے پچھلے حصّے میں ان کوہستا
اندر داخل ہوا۔ جن کے اندر سیالکوٹ شہر کی لوٹ کھسوٹ کرنے والے وحشی رہتے تھ
لشکر کے ساتھ جنید نے رات کی گہری تاریکی میں ایک کھلی وادی کے اندر قیام کیا۔
جوانوں کو طلب کیا جو اس مہم کی راہنمائی کر رہے تھے۔

جب وہ دونوں جوان جنید کے سامنے آئے تو جنید نے پوچھا۔ "ان غا
کی بستیاں کس طرف ہیں"۔

ان میں سے ایک نے کہا۔ جہاں اس وقت ہم نے پڑاؤ کیا ہوا ہے ا
طرف کوہستانوں سے گھری ہوئی ایک کھلی وادی کے اندر ان کی ان گنت بستیاں ہ
کے چاروں طرف بلند پہاڑ ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ حملہ آوروں سے اپنا دفاع آ

ذ کر لیتے تھے۔

جنید نے سر جھکاتے ہوئے کچھ سوچا پھر اس نے پوچھا۔ "کیا کوہستانوں سے گھری
ی وادی میں داخل ہونے کے لیے مخصوص راستے ہیں"۔

اس جوان نے کہا۔ "ان کوہستانوں کے اندر ان کی بستیوں تک جانے کے لیے
درے ہیں۔ ان دروں کے راستے وہ باہر نکل کر غارت گری کرتے ہیں اور لوٹ
وٹ کر کے ان ہی دروں سے اپنی وادی میں داخل ہو کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیتے
۔ ان دروں پر دن رات محافظ رہتے ہیں۔ جوان دروں کی حفاظت کرتے ہیں تاکہ
ان کی وادی میں داخل نہ ہونے پائے"۔

جنید نے پوچھا۔ "یہ درے ان کے کس کس سمت ہیں؟"

اس جوان نے کہا۔ "یہ درے شمال جنوب اور مغرب میں ہیں۔ ان کے مشرق
بلند کوہستانی سلسلہ ہے جو اس طرف سے انہیں محفوظ رکھتا ہے"۔

رات کی تاریکی میں جنید حرکت میں آیا اور سارے دروں کے محافظوں کو تہ تیغ
کے اس نے ان تینوں دروں پر قبضہ کر لیا اور ہر درے پر اس نے اپنے تیر انداز
ر کر دیئے تھے۔ پھر وہ مغربی درے سے باہر اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر کے انتظار
نے لگا تھا۔

رات کے آخری حصّے میں مشرق سے چاند طلوع ہوا اور اپنی روشنیوں کے حسین
بر زمین میں پیوست کر دیئے۔ فضا کے در و بام پر محیط رات میں روشنی کی اڑانیں زمین
خاکدان کو نور ساماں کرنے لگی تھیں۔ شب کے صحرا میں اجالوں کے ثمر بکھرنے لگے تھے۔
حجاب خیالوں کے خوش نما رنگ کی طرح ہر شے یوں نمایاں ہونے لگی تھی۔ جیسے جنگل
سفر میں روشنی کے ستارے۔

جنید انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ نیل گگن کے مشرقی حاشیوں پر سنہرے عکس بکھرنے
لگے اور شفق ابلنے لگی۔ پرندے جاگ اٹھے اور فضاؤں کے اندر اپنے گیتوں کا رس بکھیرنے
لگے۔ اس موقع پر جب کہ ان بستیوں کے غارت گر نیند سے بیدار ہو کر اپنے روزمرّہ

کے کاموں میں مصروف ہونے کی تیاری کر رہے تھے۔ جنید اپنے لشکر کے ساتھ درّے سے اس وادی میں داخل ہوا اور بستیوں پر حملہ کر دیا۔

جنید کا یہ حملہ ایسا اچانک اور زوردار تھا کہ وہ غارت گر اس وقت پر جنید ان کی ساری بستیوں پر چھا گیا اور ہر سمت بجتے رباب اور بہتے دریا کی طرح الل آوازوں کے پرچم بلند ہونے لگے تھے۔ رنگ رنگ پرندے اور قوسِ قزح چٹانیں وخز ہو کر رہ گئی تھیں۔ اپنے تیز حملوں سے جنید ان پر نیلگوں آسمان اور ہواؤں کے طرح چھا گیا تھا۔ اس کے حملوں میں راوی کی للکار، جناب کی قہر سامانی، سندھ رست خیزی، جہلم کی چنگھاڑ، ستلج کی گہرائی اور بیاس کی گیرائی تھی۔

اپنے ان جان لیوا حملوں سے اس نے۔ اشک اشک ستارے ڈھلنے اور فتح کی زرخیزی پیدا کرنی شروع کر دی تھی۔ جس وقت مشرق کی نرمی ہلتے لب لالگ سورج اپنی نارنجی چنگاریوں کے ساتھ طلوع ہو رہا تھا۔

جنید مکمل طور پر ان وحشیوں پر چھاتے ہوئے ان کا قتل عام شروع کر چکا موقع پر اچانک جنوبی بستیوں سے ان غارت گروں کا ایک بہت بڑا لشکر نمودار جنید کی پشت کی طرف سے انہوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ جنید کا سامنے والا لشکر جس طرح سے جنید نے قتل عام شروع کر دیا تھا اپنے نئے ساتھیوں کے آنے پر وہ گیا اور بڑھ چڑھ کر جنید کے لشکر پر جارحانہ حملے شروع کر دیئے۔

سامنے اور پشت کے یہ لشکر اب آہستہ آہستہ جنید کے لشکر کو گھیرنے لگے ایسا لگتا تھا جیسے چکی کے پاٹوں کی طرح جنید کو اس کے لشکر سمیت پیس ڈا سامان کر چکے ہوں۔

اچانک جنید نے اپنے حملوں کا رُخ بدلا۔ اپنے لشکر کے ساتھ نا خیال اور مثلِ خورشید ابھرتے ہوئے اس نے اپنی پوری قوت سے دائیں طرف ہوتے ہوئے دشمن کے بنتے اور مضبوط ہوتے حصار کو توڑ ڈالا۔ پھر ایک مختصر ٹتے ہوئے وہ میدانِ جنگ میں نئے داخل ہونے والے لشکر کی پشت پر آیا اور اس

زی حصار

ہانیں حملہ آور ہوا۔ اپنے لشکریوں کے ساتھ وہ دشمن پر اپنی تلواروں سے انوکھی تحریروں ردخوان میں ڈوبے الفاظ کی دستک دے رہا تھا۔ وہ بے حد و بے کنار ہو کر کسی سحر شناس یوں حملہ آور ہو رہا تھا۔ جیسے اندھیروں میں مہتاب کی کرنیں پھیل گئی ہوں، جیسے ناطرح کے سفر میں موت کے ہیولہ نما سینکڑوں جھکڑ اُمڈ کھڑے ہوئے ہوں۔ چند ہی رامرارت ابول میں جنید نے رزم گاہ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

اس نے اپنے حملوں سے ہر اُجالے میں خوشبو اور ہر رنگ میں مہک بھر دی تھی ن نئے لشکر کی حالت ایسی ہونے لگی تھی۔ جیسے ان کی تقدیر جل گئی ہو یا ان کی ساری خواہشیں خاک ہو کر رہ گئی ہوں۔

جنید کے حملوں میں ایسی وارفتگی تھی جو پھول کو شعلہ اور خودغرض ذہن کے خدو خال کو روشن کتاب کی طرح صاف اور عیاں کر کے رکھ دے۔ لاجوردی فضاؤں کے اندر جب ستاروں کا سحر ختم اور مشرق سے سورج طلوع ہو رہا تھا۔ اس وقت جنید نئے لشکر کی آدھی سے زیادہ تعداد کو کاٹ کر باقی ماندہ لشکر کو اپنے آگے آگے یوں بھگا چکا تھا جیسے شام کو گھر لوٹتے وقت کوئی چرواہا اپنی بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کو ہانکتا ہے۔

وہ نیا لشکر بھاگ کر پرانے لشکر کے ساتھ جا ملا لیکن جنید نے اپنا طرزِ عمل ری رکھا۔ اور وہ عکس و آواز کے اڑتے طیور اور آندھیوں کے طوفانی سفر کی طرح ان کو اپنے آگے ہانکتا رہا۔ جب دونوں لشکر آپس میں مل گئے تو جنید نے گہرے سمندر میں بلند ہونے والی پرشور موجوں کے انداز میں اللہ اکبر کی تکبیریں بلند کیں اور دونوں لشکروں کی اس نے پرانے اور خشک پودوں کی طرح کانٹ چھانٹ شروع کر دی تھی۔

تھوڑی دیر تک ایک بار پھر دونوں لشکر جم کر لڑتے رہے اور جنید دشمن پر یوں وارد ہوتا رہا جیسے گلوں پر پڑی اوس پر شعلے گرتے ہیں۔ جیسے اندھیروں کے اندر مہتاب کی کرنیں نازل ہوتی ہیں جیسے نغموں کی گونج کسی شے سے ٹکراتے ہوئے بازگشت میں تبدیل ہو کر فضاؤں میں بکھرتی ہے لیکن جلد ہی جنید کے جان لیوا حملوں کے سامنے ان متحدہ لشکر کی حالت بھی اس دریا جیسی ہو گئی جو صحراؤں میں کھو جاتا ہو۔ ایک یا جنید

نے پھر اس متحدہ لشکر کو اپنے آگے بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔

جنید سے عبرت خیز شکست کا سامنا کرنے کے بعد وہ غارت گر اپنے
کی طرف بھاگے لیکن ان کی بدقسمتی میں اس وقت اور اضافہ ہو گیا جب وہ
قریب گئے اور جنید کے تیر اندازوں نے ان پر اندھا دھند تیر برسانے شروع
تھے۔

اب سامنے کی طرف سے جنید کے تیر انداز اور پشت کی طرف سے خود جنید
دشمن کا صفایا کرنا شروع کر دیا تھا۔ تھوڑی دیر تک جنید نے دشمن کا مکمل طور
صفایا کر دیا اور ان کے کچھ سرکردہ سرداروں کو زندہ گرفتار کر لیا۔ پھر جنید نے ان دشمن
کی بستیوں کو مکمل طور پر لوٹ لیا اور مالِ غنیمت ان ہی کے جانوروں پر لاد کر وہ غا
گروں کی اس وادی سے واپس سیالکوٹ کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

بابر کو جب جنید کی اس فتح کی خبر ہوئی تو اس نے جنید کا زبردست استقبال
اور عبرت کی خاطر سب لوگوں کے سامنے غارت گروں کے سرداروں کے جسموں
کئی کئی حصّوں میں کٹوا کر رکھ دیا تھا۔

○

ہند کا سب سے طاقتور ہندو حاکم راجہ رانا سانگا اپنے مرکزی شہر چتوڑ کے
وسط میں بنے کشتیوں کے میدان سے مختلف علاقوں کے پہلوانوں کی کشتیاں دیکھ
کے بعد جب باہر نکلا تو ایک جوان جو اپنے حلیے اور جسمانی ساخت سے پہلوان لگ
تھا راجہ کے سامنے آیا۔ اس نے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ رکھی تھی اور سر پر اس نے
ان گنت پیچوں کی دستار باندھ رکھی تھی۔

اسے دیکھ کر رانا سانگا اپنے اہل کاروں کے ساتھ رک گیا اور اس پوچھا
"کیا تمہیں مجھ سے کوئی کام ہے"۔

اس جوان نے کہا۔ اے راجہ! میرا نام اللہ بخش ہے اور میں لاہور سے آ
ہوں۔ ایک عرصے سے میں نے سن رکھا تھا کہ آپ اچھے پہلوانوں کی قدر کرتے ہیں۔ یہ

یہاں آپ کے پہلوانوں کا مقابلہ کرنے آیا ہوں"۔

راجہ نے اللہ بخش کو تھوڑی دیر تک بغور دیکھنے کے بعد کہا۔" تمہارا قد تو خوب
ہے لیکن جسم کے کچھ ہلکے لگتے ہو۔ سنو! میرے پاس دو ایسے پہلوان ہیں جنہیں آج تک
کسی نے چت نہیں کیا۔ دونوں ہی رستم ہیں اور رشتے میں ماموں بھانجہ ہیں اور ——

اللہ بخش نے درمیان میں بولتے ہوئے کہا۔" اے راجہ پھر تو میں دونوں پہلوانوں
سے ہی مقابلہ کروں گا۔ ان دو کے علاوہ اور کسی چھوٹے موٹے پہلوان سے میں کشتی نہ
لڑوں گا"۔

رانا سانگا نے کہا۔" سوچ لو۔ وہ دونوں ایسے پہلوان ہیں کہ اگر غصّے میں آئیں
تو اپنے مقابل پہلوانوں کے اعضاء توڑ کر رکھ دیتے ہیں"۔

اللہ بخش نے اپنے گھوڑے کی باگ چھوڑ دی اور اپنی چھاتی تان کر اپنے آپ کو
خوب نمایاں کرتے ہوئے اس نے کہا۔" اے راجہ! اگر انہوں نے دوران کشتی میرا
کوئی اعضاء توڑ دیا تو میرا کسی پر کوئی الزام نہ ہو گا۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے کہ میں ان
دونوں سے ہی کشتی لڑوں گا چاہے اس مقابلے میں مارا ہی کیوں نہ جاؤں"۔

رانا سانگا نے کہا۔" اگر تم ایسا ہی عزم لے کر لاہور سے آئے ہو تو سنو! میں
تمہیں ایک ماہ کی مہلت تیاری کے لیے دیتا ہوں۔ اپنے آپ کو خوب تیار کر لو۔ پھر
پورے ایک ماہ بعد چتوڑ کے اسی میدان میں تمہارا مقابلہ ہو گا۔ اب تم اپنی خوراک لکھو جو تم
روزانہ استعمال کرو گے"۔

ساتھ ہی راجہ نے اپنے ایک اہل کار سے کہا۔" اللہ بخش جو اپنے لیے روزانہ
کی خوراک لکھاتا ہے لکھ لو اور وہی اسے ہر روز ملنی چاہیئے۔

اپنی روزانہ کی خوراک میں اللہ بخش نے اس قدر گوشت، دودھ، بادام اور
دیگر اشیاء لکھا دیں کہ رانا سانگا دنگ رہ گیا۔ ایک بار اس نے اپنے اہل کار سے لے
کر کھانے کی فہرست دیکھی پھر تعجب سے اس نے اللہ بخش کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"کیا تمہارے ساتھ تمہارے اہلِ خانہ بھی ہیں"۔

اللہ بخش نے کہا۔ "نہیں مہاراج! میں اکیلا ہی ہوں"۔

رانا سانگا نے حیرت و پریشانی میں کہا۔ "پھر اس قدر کھانے کی اشیاء تم روزانہ اکیلے کیسے کھا لوگے۔ اتنی خوراک تو میرے دونوں رستم پہلوان بھی مل کر نہیں کھاتے۔ یقیناً یہ دس آدمیوں کی خوراک ہے جو تم نے لکھائی ہے"۔

اللہ بخش نے کہا۔ "مہاراج! میں کام بھی دس آدمیوں سے بڑھ کر دکھاؤں گا۔ اگر آپ کو کوئی شک ہو تو مجھ پر اپنا کوئی نگران مقرر کر دو جس کی موجودگی میں روزانہ میں یہ ساری خوراک کھاتا رہوں"۔

رانا سانگا نے کہا۔ "ذرا رکو!" پھر رانا سانگا اپنے ایک مشیر کے پاس آیا اور اس کے کان میں کہا۔ "یہ شخص مجھے پہلوان نہیں لگتا ہے۔ ایسا لگتا ہے یہ کھانے کا بہت شوقین ہو اور ایک ماہ تک ہمارے ہاں اس قدر خوراک کھانے کے بعد کشتی کے موقع سے پہلے ہی یہاں سے بھاگ جائے گا۔ تم ایسا کرو۔ اس پر کوئی نگران مقرر کر دو۔ جو اس کی دیکھ بھال کے علاوہ اس کی خدمت بھی کرے"۔

پھر اپنے مشیر کی طرف سے کوئی جواب سننے سے قبل ہی رانا سانگا نے پوچھا۔ "پٹیالہ کے اس مسلمان پہلوان کا کیا نام ہے جو آج اس میدان میں کشتی ہار گیا ہے"۔

اس مشیر نے کہا۔ "اس کا نام کریم خان ہے"۔

رانا سانگا نے کہا۔ "تو پھر اسی کریم خان کو اس اللہ بخش کا نگران اور خادم مقرر کر دو اور اسے یقین دلاؤ کہ اس کام کا اسے خوب معاوضہ دیا جائے گا۔ ساتھ ہی کشتی کے اس میدان کے قریب ہی اللہ بخش کی رہائش کا عمدہ انتظام کر دو۔ کریم خان بھی اس کے ساتھ رہے گا"۔

رانا سانگا اپنی رانیوں، بیٹوں اور بیٹیوں کے ساتھ آگے بڑھ گیا جب کہ اس کا وہ مشیر اپنے چند ماتحتوں کے ساتھ کشتی کے میدان سے ملحقہ بنی بلند عمارت کی طرف اللہ بخش کو لے جا رہا تھا۔

○

کشتی کے میدان سے ملحقہ عمارت میں اللہ بخش کو ایک صاف ستھرا مکان مہیا کر دیا گیا تھا۔ راجہ رانا سانگا کا مشیر اپنے اہل کاروں کے ساتھ اللہ بخش کو سارا مکان دکھا کر جب چلا گیا تو تھوڑی دیر بعد اس مکان میں ایک پہلوان نما جوان داخل ہوا۔ اللہ بخش کے قریب آ کر اس نے سلام کہا پھر مصافحہ کے لیے اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

اللہ بخش جان گیا کہ آنے والا مسلمان ہے لہذا اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر بڑے پرجوش انداز میں اس سے مصافحہ کیا۔ آنے والا اللہ بخش کے سامنے بیٹھتا ہوا بولا۔ "میرا نام کریم خان ہے۔ مجھے یہاں آپ کی خدمت پر مامور کیا گیا ہے۔

اللہ بخش نے تیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "خدمت کے لیے یا نگرانی کے لیے کہ میں راجہ کے رستم پہلوانوں سے ڈر کر کہیں راشن پانی کھا کر مقابلہ کے روز سے پہلے ہی نہ بھاگ جاؤں"۔

کریم بخش نے بڑی عاجزی اور سادگی میں کہا۔ "راجہ نے جس کام کے لیے بھی مجھے بھیجا گیا ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ آپ مسلمان ہیں اور میں بھی مسلمان ہوں۔ میری ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں اور میں یہاں تمہارے ایک خدمت گار کی حیثیت سے رہوں گا اور سنو اللہ بخش! اگر تم مقابلے کے روز سے بچنے کی خاطر یہاں سے پہلے ہی بھاگ جانا چاہو تو بھی میں تمہارا ساتھ دوں گا"۔

ذرا رک کر کریم خاں نے پھر کہا۔ "اور سنو اللہ بخش! میں بھی یہاں راجہ کے پہلوانوں کے ساتھ مقابلہ کے لیے آیا تھا لیکن میں اس کے ایک رستم جبر سنگھ سے ہار گیا۔ اس کے دربار میں دو رستم ہیں جن کا آپس میں مقابلہ نہیں ہوتا۔ دونوں ماموں بھانجہ ہیں۔ ماموں کا نام جبر سنگھ اور بھانجے کا نام کپور سنگھ ہے۔ دونوں راجپوت اور اچھے پہلوان ہیں۔ آج تک ان دونوں کو کوئی چت نہیں کر سکا"۔

کریم خان نے کہا۔ "اس سے قبل تم کتنے پہلوانوں سے کشتیاں کر چکے ہو"۔ کریم خان کی طرف دیکھتے ہوئے اللہ بخش نے بڑی نرمی اور شفقت میں کہا۔ "سنو کریم خان! میرا وطن مولود لاہور ہے۔ میرے خاندان کا پیشہ ہی پہلوانی

ہے۔ میں ابھی چھوٹا ہی تھا کہ میرا باپ مر گیا۔ میری بیوہ ماں، میرے چچا اور میرے ماموں نے مجھ پر خوب محنت کی۔ پہلے مجھے مذہبی تعلیم کے لیے ایک عالم کے پاس چھوڑا پھر مجھے اکھاڑے کی طرف لائے۔

کریم خان! میں قرآن و حدیث اور دیگر مذہبی علم سے بھی خوب بہرہ مند ہوں۔ کریم خان! تم دیکھو گے مقابلے کے اندر جبر سنگھ اور کپور سنگھ میرے سامنے مقابلے کے میدان میں چت پڑے ہوں گے۔ مجھے ایک عرصہ ہو گیا ہے کشتیاں کرتے ہوئے، آج تک مجھے بھی کوئی زیر نہ کر سکا۔"

کریم خان جواب میں کچھ کہنے والا تھا لیکن خاموش رہا۔ کیوں کہ اس مکان میں راجہ کے کچھ کارندے داخل ہوئے جو اللہ بخش کی فہرست کے مطابق اس کی خوراک کا سامان اٹھائے ہوئے تھے۔ کریم خان کے کہنے پر وہ سامان ایک طرف رکھ کر چلے گئے۔ کریم خان اٹھا اور اللہ بخش کے لیے کھانے کا انتظام کرنے لگا تھا۔

راجہ رانا سانگا اور اس کے ساتھی یہی سمجھتے رہے کہ اللہ بخش اچھی خوراک کھا پی کر مقابلے کے روز سے پہلے ہی بھاگ جانے کی کوشش کرے گا۔ اور ان کا یہ شک اس وقت اور بھی پختہ ہو گیا۔ جب انہیں یہ اطلاعات ملیں کہ اللہ بخش نے روزانہ کے لیے جو خوراک لکھائی تھی وہ اپنی خوراک تو کھا لیتا ہے لیکن کوئی ورزش، کوئی مشقت اور کوئی ریاضت نہیں کرتا اور سارا دن سویا رہتا ہے۔ رانا سانگا حیران تھا کہ اللہ بخش اتنی خوراک کیسے اور کیوں کر ہضم کر جاتا ہے۔

دوسری طرف اللہ بخش بھی اپنے کام میں پوری طرح مصروف تھا۔ وہ دن بھر کھا پی کر سویا رہتا لیکن ساری رات وہ ورزش کرتا، ڈنڈ پیلتا اور دوڑ لگاتا رہتا تھا چتوڑ شہر سے باہر ایک راستہ بل کھاتا ہوا نواحی بستیوں کی طرف جاتا تھا۔ وہاں راستے کے اندر ایک بڑی چٹان تھی جسے کسی نے اکھاڑنے کی زحمت نہ کی تھی اور راستے کے اندر اس کی وجہ سے ایک بل اور خم آ گیا تھا۔ اللہ بخش شہر سے نکل کر دوڑ لگاتا پھر اس چٹان کے ساتھ جا کر زور آزمائی کرتا حتیٰ کہ ایک روز اس نے وہ چٹان اکھاڑ کر ایک طرف ہٹا دی اور راستے کو سیدھا

کر دیا تھا۔

اللہ بخش کے اس عمل سے علاقے کے لوگوں میں ایک دہشت سی پھیل گئی اور وہ یہ افواہیں پھیلانے لگے کہ یہاں اس علاقے میں رات کے وقت کوئی جن نکلتا ہے جس نے غصے میں آ کر چٹان کو اٹھا کر ایک طرف پھینک دیا لیکن اللہ بخش ان افواہوں سے بے نیاز اپنے کام میں مصروف رہا۔

اس طرح ایک ماہ پورا ہو گیا۔ راجہ رانا سانگا کی طرف سے اللہ بخش کو جو خوراک ملتی تھی وہ دن بھر کھا پی کر اللہ بخش سوتا رہتا اور رات کو اپنے ریاض میں لگ جاتا۔

○

مقابلے کے روز چتوڑ شہر میں کشتی کا وہ میدان کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ایسا لگتا تھا پورے شہر کے لوگ میدان میں آ جمع ہوئے ہوں۔ راجہ رانا سانگا، اس کی رانیاں، اس کے بیٹے بیٹیاں، اس کے وزیر اور صلاح کار سب اپنے اپنے مراتب کے مطابق شہ نشین پر بیٹھ چکے تھے اور میدان کے وسط میں جہاں مقابلے کے لیے زمین کھود کر خوب بھربھری کر دی گئی تھی۔ وہاں راجہ رانا سانگا کے دونوں رستم پہلوان جبر سنگھ اور کپور سنگھ اپنے کندھوں پر اپنے بھاری گرز رکھے کھڑے ہوئے اس اکھاڑے کے ارد گرد چکر لگا رہے تھے۔

اتنے میں اللہ بخش بھی میدان میں اترا، وہ موٹے اور کھلے کپڑے پہنے ہوئے تھا اس کے ہاتھ میں اپنا گرز تھا اور کریم خان اس کے ساتھ تھا۔ جس وقت اللہ بخش میدان میں اترا تھا جبر سنگھ نے اپنے بھانجے کپور سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس سے میں کشتی لڑوں گا۔"

کپور سنگھ نے ضد کرتے ہوئے کہا۔ "نہیں ماموں! میرا اور اس کا مقابلہ ہو گا۔"

جبر سنگھ نے کہا۔ "نہیں، یہ میرا شکار ہے۔ میں اسے لمحوں کے اندر رگید کر رکھ دوں گا۔"

کپور سنگھ نے کہا۔ "نہیں ماموں! اس سے میں نمٹوں گا اور پلک جھپکتے میں چت کر کے رکھ دوں گا۔"

جبر سنگھ نے بڑی شفقت کے ساتھ کپور سنگھ کو سمجھاتے ہوئے کہا "ہم کو یوں آپس میں تکرار نہ کرنی چاہیے۔ آؤ راجہ کے پاس چلتے ہیں۔ جسے وہ کہے وہی اجنبی پہلوان سے مقابلہ کرے۔"

کپور سنگھ نے کہا "ہاں یہ ٹھیک ہے۔" پھر وہ دونوں اس شہ نشین کی طرف چل دیئے جس پر رانا سانگا بیٹھا ہوا تھا۔

جبر سنگھ اور کپور سنگھ دونوں رانا سانگا کے سامنے آکھڑے ہوئے اور جبر سنگھ نے رانا سانگا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "مہاراج! ہم دونوں میں ایک تکرار ہے۔ میرا بھانجہ کپور سنگھ کہتا ہے کہ اس اجنبی پہلوان سے میں کشتی لڑوں گا جبکہ میں کہتا ہوں کہ اس سے یہ میدان میں جیتوں گا۔ ہماری اس باہمی تکرار کو ختم کرنے کے لیے آپ فیصلہ کریں کہ کون اس اجنبی پہلوان سے مقابلہ کرے گا۔"

رانا سانگا کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے اپنا فیصلہ دیتے ہوئے کہا "تم دونوں ہی اس سے مقابلہ کرو۔ پہلے جبر سنگھ تم میدان میں اترو پھر کپور سنگھ کی باری ہوگی۔ اور اس کے سامنے احتیاط سے میدان میں اترنا۔ اسے جو دس آدمیوں کی خوراک ملتی رہی وہ پوری کھاتا رہا ہے اور ایک چیز بھی اس نے نہیں پھینکی۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ دن بھر سوتا رہا اور رات رات بھر اپنی ریاضت میں لگا رہا ہے۔"

جبر سنگھ نے بڑے تکبر و تفاخر میں کہا "مہاراج! فکر مند نہ ہوں، میں اس کو لمبا نہ ہونے دوں گا۔ صرف چند ہی لمحوں کے اندر اندر اسے میدان میں چت کر کے اس کی چھاتی پر اپنا پاؤں رکھ دوں گا۔"

رانا سانگا نے کہا "اب تم دونوں جاؤ تاکہ کشتی شروع ہو۔"

جبر سنگھ اور کپور سنگھ پھر اکھاڑے کے پاس آکھڑے ہوئے۔ ان کے سامنے اللہ بخش نے اپنے کپڑے اتار کر کریم خان کو دیئے۔ اب وہ اپنے پہلوانی کے چرمی لنگوٹ میں تھا۔ کریم خان اس کے کپڑے لے کر میدان سے باہر نکل گیا۔

اللہ بخش نے زمین پر لیٹ کر چند ڈنڈ پیلے۔ پھر وہ اٹھا اور قریب پڑے ہوئے گرز کو اپنے کندھے پر رکھتے ہوئے وہ اللہ اکبر کا پرزور نعرہ بلند کرتا ہوا اکھاڑے کے ارد گرد چکر لگانے لگا تھا۔

کپڑوں کے اندر اللہ بخش کا جسم تو کچھ خاص نہ لگتا تھا اور وہ ایک عام سا پہلوان دکھائی دیتا تھا لیکن کپڑے اتارنے کے بعد جب اس نے ڈنڈ پیلے اور اپنی اٹھک بیٹھک کی تو اس کا جسم خوب ابھر کر نمایاں ہو گیا تھا۔ اکھاڑے کے ارد گرد چکر لگاتے ہوئے وہ کبھی کبھی موج میں آکر بڑی زندہ دلی سے اپنے گرز کو اپنی ران پر مارتا تھا۔ اور ایسا لگتا تھا جیسے لوہے کی اہرن پر وزنی ہتھوڑے برسنے لگے ہوں۔

جبر سنگھ اور کپور سنگھ دونوں ماموں بھانجا اللہ بخش کو اب ایسے انداز میں دیکھ رہے تھے جیسے ان کا سامنا کسی عفریت سے ہو گیا ہو۔

اللہ بخش کے انداز و اطوار سے ایسا لگتا تھا۔ جیسے وہ اپنے عہد کا صحرا ہو اور ہر غم کو اپنے اندر سمو لینے کی گنجائش رکھتا ہو۔ ان دونوں کو اللہ بخش کی صورت میں آہنی قوتوں کا جنون دکھائی دے رہا تھا۔ ان کے سارے اجالوں کے رنگ شکستہ خواہشوں میں اور ان کے وجود کی پہچان غم کی دھوپ سے بدل گئی تھی۔ وہ اداس منڈیروں کی طرح افسردہ اور اس پتھر جیسے ملول ہو گئے تھے جو رو بھی نہ سکتا ہو۔

پھر جبر سنگھ یوں مخاطب ہوا جیسے اس کی آواز تنہائی کے غاروں سے نکلی ہو اس نے اپنے بھانجے کپور سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم ابھی نوجوان ہو۔ تمہارا خون مجھ سے زیادہ گرم ہے۔ تم ہی اس کے مقابلہ کرو۔ اس بلا پر تم ہی قابو پا سکتے ہو۔"

کپور سنگھ نے پھٹی پھٹی اور ادھڑی ادھڑی آواز میں کہا "ماموں! تم اس دنیا کا بہت کچھ دیکھ چکے ہو۔ میرے سامنے دیکھنے کے لیے ابھی دنیا کے وسیع تر تجربات بکھرے ہوئے ہیں۔ مجھے ابھی زندہ رہنا ہے۔ یوں لگتا ہے یہ اجنبی پہلوان ہماری ہڈیوں کو ریزہ ریزہ کر دے گا۔ اس سانڈ سے مقابلہ کرنے کو تم ہی میدان میں اترو ماموں!"

جبر سنگھ نے پست اور بے ہمت سی آواز میں کہا "کپور سنگھ! اس سے مقابلہ تم ہی کرو۔ قسم بھگوان کی اس کے سامنے میں اب اپنے آپ کو یوں ہلکا اور بے حیثیت محسوس

کو رہا ہوں جیسے دریا کے سامنے قطرہ، لبتی کے سامنے ایک گھر، قوس قزح
ایک رنگ اور کوہستانوں کے سامنے صرف ایک چٹان۔ کپور سنگھ! قبل اس کے
رانا سانگا تک ہماری اس بے ہمتی کی خبر جا پہنچے میدان میں اُتر کر مقابلہ کرو۔"

کپور سنگھ عجیب سی حیرانگی اور مایوسی میں جبر سنگھ کی طرف دیکھ رہا
اللہ بخش میدان میں اُترا۔ اپنا گرز اس نے اکھاڑے سے باہر رکھ دیا تھا۔ اکھاڑے
داخل ہو کر اس نے اپنی دائیں ران پر ہاتھ مار کر جبر سنگھ اور کپور سنگھ کی طرف
ہوئے مقابلے کے لیے للکارا۔ اتنی دیر تک راجہ کے منصف بھی وہاں آ گئے
پھر دل پر جبر رکھتے ہوئے کپور سنگھ میدان میں اترا۔ ہاتھ ملاتے ہوئے
اللہ بخش نے کپور سنگھ کا ہاتھ اس زور سے دبایا کہ کپور سنگھ کو یوں محسوس ہوا
اس انگلیوں کی پوریں پھٹ جائیں گی اور خون وہاں سے تیز دھار کی صورت
بہہ نکلے گا۔

ایک بار کپور سنگھ کا ہاتھ چھوڑ کر اللہ بخش نے اسے جُل دے کر پھر
کا ہاتھ پکڑ لیا اور دوسرا ہاتھ اس کی بغل میں دے کر ایسی قوت سے اسے اچھالا کہ کپور
خوب ہوا کے اندر بلند ہو کر انتہائی بے بسی کے عالم میں اکھاڑے کی نرم زمین پر گرا
کپور سنگھ اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ اللہ بخش نے کسی خونخوار چیتے کی طرح اس پر چھلانگ
لگا دی اور زور لگا کر کپور سنگھ کی پیٹھ اس نے زمین سے لگا دی تھی۔

راجہ کے منصفوں نے اللہ بخش کو فاتح قرار دے دیا اور پھر ایک منصف
جبر سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم اللہ بخش سے کشتی نہ لڑو گے"۔

جبر سنگھ نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ "میں اس سے مقابلہ کیے بغیر اپنی شکست تسلیم
کرتا ہوں۔"

وہ دونوں منصف اللہ بخش کو اپنے ساتھ لے کر رانا سانگا کی طرف چلے گئے
کپور سنگھ اکھاڑے سے باہر نکلا اور اپنے ماموں جبر سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے
انتہائی قہر آلود انداز میں کہا۔ "میں اس اللہ بخش کو زندہ نہ چھوڑوں گا۔ اس میدان

یہاں اس نے مجھے ذلیل و رسوا کر کے رکھ دیا ہے اور میری پہلوانی کا سارا بھرم کھول دیا
ہے۔ کسی بھی طریقے سے جب بھی مجھ سے بن پڑا میں اللہ بخش کو جان سے مار دوں گا
اس نے چند ثانیوں میں مجھے ہرا کر اس قابل نہیں چھوڑا کہ میں چتوڑ شہر میں رہ سکوں۔
مار دوں گا۔ خود نہ مار سکا تو کسی اور سے اسے قتل کرا دوں گا۔"

جبر سنگھ نے کہا۔ "کپور! کپور! تم احمق ہو۔ آہستہ بولو اور جذبات میں نہ
اللہ بخش ایک اچھا اور اپنے فن کا ماہر پہلوان ہے۔ اس نے بغیر کسی دھوکہ کے
داؤ اور طاقت سے تمہیں زیر کیا ہے۔ اگر رانا سانگا کو خبر ہو گئی کہ ہار جانے کے
تمہارے خیالات کیا ہیں تو وہ تم کھڑے کھڑے کی کھال اتروا کر رکھ دے گا۔ اگر تم
اللہ بخش سے انتقام لینا ہی ہے تو چپکے اور رازداری سے اپنا کام کرو۔" کپور سنگھ
کچھ سنبھل چکا تھا لہٰذا وہ خاموش رہا۔

اللہ بخش میدان جیتنے کے بعد منصفوں کے ساتھ جب رانا سانگا کے سامنے
لایا ہوا تو رانا سانگا انتہائی خوشی اور اطمینان کا مظاہرہ کرتا ہوا اپنی جگہ سے اُٹھا اور
اللہ بخش کو اس نے گلے لگاتے ہوئے کہا۔ "میں نے چتوڑ شہر میں آج تک تم جیسا کوئی
پہلوان نہیں دیکھا۔ کپور سنگھ ناقابلِ تسخیر تھا۔ تم نے لمحوں کے اندر اسے چت کر کے
رکھ دیا۔ میں تمہیں اس قدر انعام سے نوازوں گا کہ تم ساری زندگی بے فکری سے بسر
کرتے رہو۔ اس کے علاوہ تمہیں میرا ایک کام بھی کرنا ہو گا۔ جس وقت کپور سنگھ سے
تم نے کشتی جیتی اسی وقت ہی میرے ذہن میں خیال آیا کہ یہ کام تم ہی کر سکتے ہو۔"

اللہ بخش نے بھولے پن سے پوچھا۔ "کام کی نوعیت کیا ہو گی؟"

رانا سانگا نے کہا۔ "تم میرے ساتھ محل میں چلو، وہاں میں تمہارے ساتھ ساری
تفصیل طے کروں گا۔"

اللہ بخش نے اشارے سے کریم خان کو اپنے پاس بلایا اور اس سے اپنے کپڑے
لے کر اس نے پہن لیے۔ پھر اللہ بخش نے کریم خان کو اپنے ساتھ لیا اور راجہ کے ساتھ
ہو لیے تھے۔

رانا سانگا نے اللہ بخش اور کریم خان کو اپنے محل کی انتظار گاہ میں بٹھو
پھر اس نے اپنے مشیروں کا اجلاس طلب کیا۔ جب سارے مشیر جمع ہو گئے تو
نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تم جانتے ہو کابل کا بادشاہ ظہیر الدین بابر
کی طرح ہندوستان کے اندر بڑھتا آ رہا ہے۔ پہلے کی طرح اس بار اس کا ارادہ واپ
کا نہیں ہے۔ اب اس نے لاہور اور سیالکوٹ پر اپنا تسلط قائم کر کے مفتوحہ
کے اندر اپنی حالت مضبوط اور مستحکم کرنی شروع کر دی ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ
دہلی کے سلطان ابراہیم لودھی کے ساتھ اتحاد کر کے ہمارے خلاف نہ اٹھ کھڑا
ایسا ہوا تو ہند کے اندر ہمیں کہیں بھی سر چھپانے کو جگہ نہ ملے گی۔ میں چاہتا ہوں
وفد بابر کی طرف روانہ کروں اور اسے یقین دلاؤں کہ اگر وہ سلطان ابراہیم
دہلی کا تخت حاصل کرنا چاہے تو ہم اس کے حلیف بن کر اس کے لشکر میں
ہوں گے اور اس کی خاطر ابراہیم لودھی سے جنگ کریں گے"۔

ایک مشیر نے احتجاجی انداز میں کہا۔ "کیا آپ واقعی اپنا لشکر لے کر
صفوں میں جا شامل ہوں گے"۔

رانا سانگا نے کہا۔ "تم احمق ہو۔ پہلے میری پوری بات تو سنو۔ ہم
کا صرف یقین دلائیں گے۔ عملی طور پر ہم کچھ نہ کریں گے۔ ہماری طرف سے
دہانی پر بابر ہماری طرف سے اپنے آپ کو محفوظ خیال کرنے لگے گا اور اپنی پوری
ہمہ تن وہ ابراہیم کے ساتھ جنگ کرنے میں صرف کر دے گا اور تم جانو جب
ابراہیم دونوں آپس میں ٹکرائیں گے تو دونوں ہی ختم ہو کر رہ جائیں گے۔ جیت
ہو گی وہ تو خود بخود ہی ختم ہو جائے گا اور جو ان دونوں کی جنگ میں کامیاب ہو
بھی عسکری قوت اس قدر ٹوٹ پھوٹ جائے گی کہ ہم اس کے خلاف صف
جائیں گے اور اس پر حملہ کر کے لمحوں کے اندر اسے کچل کر رکھ دیں گے۔ اس
ہم ہند کے بغیر شرکت غیر حکمران بننے میں کامیاب ہو جائیں گے"۔

رانا سانگا کے سارے مشیروں نے اس کی اس تجویز کو سراہتے ہوئے ا

ہنا کی۔ جب وہ خاموش ہوئے تو رانا سانگا نے پھر بولتے ہوئے کہا۔ "جو وفد
ہماری طرف حمایت کا یقین دلانے جائے گا اس کے ساتھ اللہ بخش نام کا
بھی جائے گا جس نے آج کپور سنگھ سے کشتی جیتی ہے۔ بابر فنِ پہلوانی کا
دان پہلوانوں کی قدر کرنے والا ہے۔ اس کے ہاں کئی ایرانی پہلوان ہیں۔
اللہ بخش وہاں رہ کر اپنے لیے ایک اچھا مقام پیدا کر لے گا اور وہاں وہ بابر کی نقل
پر کڑی نگاہ رکھے گا اور سارے حالات کی خبر ہمیں کریم خان کے ذریعے
ہے گا"۔

ایک مشیر نے پھر پوچھا۔ "کیا اللہ بخش اور کریم خان اس امر پر آمادہ ہو جائیں
گے"؟

رانا سانگا نے طنزاً کہا۔ "مسلمان کو اگر دولت کی جھلک، عہدے کا لالچ یا کسی
جاگیر کا وعدہ دیا جائے تو وہ اپنے ہی بھائی کی جان لینے کے بھی درپے ہو جائے گا۔
ہے اگر کسی کو میرے اس منصوبہ سے اختلاف ہو تو وہ کھل کر کہے۔ اس میں اگر
خامی ہوئی تو میں فراخدلی سے اس کا اعتراف کروں گا"۔

رانا سانگا کے سب مشیر خاموش رہے اور کسی نے کچھ بھی نہ کہا۔ رانا سانگا نے
ان اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "اگر تم سب میرے اس منصوبے سے اتفاق
ہو تو پھر جاؤ تا کہ میں اللہ بخش اور کریم خان کو یہاں بلواؤں اور ان دونوں کو
لالو بھ دے کر اپنے اس کام کے لیے رضامند کرنے کی کوشش کروں"۔ رانا
کے سارے مشیر اٹھ کر باہر نکل گئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد اللہ بخش اور کریم خان کو رانا سانگا کے سامنے لایا گیا۔ رانا
گا نے ان دونوں کو بڑی عزت اور احترام کے ساتھ ان نشستوں پر بٹھایا جن
پر تھوڑی دیر قبل اس کے مشیر و وزیر بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر رانا سانگا نے ایک
دار کو آواز دے کر بلایا۔

جب وہ پہرے دار اندر آیا تو رانا سانگا نے اسے کہا۔ "میرے محافظ دستے

کے ونیش سنگھ اور ہری سنگھ کو بلا کر لاؤ"۔

وہ پہریدار سر جھکاتا ہوا باہر نکل گیا۔ پھر رانا سانگا نے سنہری سکوں
بھری ہوئی ایک بڑی تھیلی اٹھائی اور اللہ بخش کی گود میں رکھتے ہوئے کہا
تمہارا آج کا مقابلہ جیتنے کا انعام ہے"۔ اللہ بخش نے چپ چاپ تھیلی سنبھال لی۔ رانا
نے نقدی کی ایک چھوٹی تھیلی کریم خان کو تھماتے ہوئے کہا۔" یہ تمہارے لیے ہے
نے بہتر طور پر ایک ماہ تک اللہ بخش کی خدمت اور دیکھ بھال کی ہے"۔ کریم
نے بھی تھیلی کچھ کہے بغیر رکھ لی۔

رانا سانگا چند ثانیوں تک خاموش رہا۔ پھر اس نے اللہ بخش اور کریم خان
طرف دیکھتے ہوئے کہا۔" اگر تم دونوں مل کر میرا ایک کام کرنے کا عہد کرو تو
دونوں کو زندگی بھر کے لیے مالا مال کر دوں گا"۔

اللہ بخش نے بڑی عاجزی سے کہا۔" آپ کام بتائیں ہم اسے ہر حال پر
کی کوشش کریں گے"۔

رانا سانگا نے کہا۔" اگر ایسی بات ہے تو سنو! کابل کا بادشاہ بابر ہند پر
ہو چکا ہے۔ اس نے لاہور اور سیالکوٹ تک وسیع علاقہ اپنے زیرِ تسلط کر لیا ہے
کے دربار میں اچھے اچھے ایرانی پہلوان بھی ہیں۔ تم وہاں ان سے مقابلہ کر کے بابر
اپنے لیے ایک اچھا مقام پیدا کر سکتے ہو۔

اللہ بخش وہاں رہتے ہوئے تم بابر اور اس کے لشکر پر کڑی نظر رکھو
کے ہر نئے فیصلے اور حرکت کی مجھے اطلاع کرتے رہو۔ تمہارے پیغامات کریم
پاس لے کر آیا کرے گا اور پھر واپس تمہارے پاس چلا جایا کرے گا۔ تم وہاں
لشکر میں ہی رہنا۔ کیا تم دونوں میرے لیے یہ کام کرنے کا عہد کرتے ہو"۔

کریم خاں حیرت و استعجاب سے اللہ بخش کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ جب
اللہ بخش نے کسی توقف کے بغیر کہا۔" اے راجہ! ہم تمہارا یہ کام اپنی پوری دیانت
ادا کریں گے۔ آپ محسوس کریں گے کہ ہم آپ کی توقعات اور بھروسہ پر پورے اترے

رانا سانگا کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دو جوان اندر داخل ہوئے۔ رانا سانگا نے انہیں
سے آگے آنے کو کہا۔ جب وہ نزدیک آئے تو رانا سانگا نے اللہ بخش اور کریم خان
ان دیکھتے ہوئے کہا۔" یہ ونیش سنگھ اور ہری سنگھ ہیں۔ دونوں بھائی ہیں اور میرے محافظ
کے سب سے زیادہ شجاع اور سرگرم سپاہی ہیں۔ یہ دونوں بھی تمہارے ساتھ میرے
بن کر جائیں گے اور بابر کو میری طرف سے یقین دہانی کرائیں گے کہ ہم ہند کے اندر
جنگ میں بابر کے حلیف کی حیثیت سے اس کی صفوں میں شامل ہونے کے لیے فخر سمجھیں
"۔ پھر رانا سانگا اٹھ کر کھڑا ہوا اور کہا۔" تم چاروں میرے ساتھ آؤ۔ میں تم چاروں
کام تمہیں تفصیل سے سمجھاتا ہوں اور تمہاری روانگی کا انتظام بھی کراتا ہوں"۔

اللہ بخش اور کریم خان اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ رانا سانگا چاروں کو
کر باہر نکل گیا۔

اسی روز سہ پہر کے بعد اللہ بخش، کریم خان، ونیس سنگھ اور ہری سنگھ نے چتوڑ
سیالکوٹ کی طرف کوچ کیا جہاں پر بابر اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ اللہ بخش اور
کریم خان اپنے عام سے سادہ کپڑوں میں تھے جب کہ ونیش سنگھ اور ہری سنگھ اپنا بہترین
لباس پہنے ہوئے تھے۔

دن کا وہ حصہ اور اگلی پوری رات وہ سفر کرتے رہے۔ دوسرے روز جس وقت
طلوع ہونے کے آثار دکھائی دے رہے تھے وہ دریائے ستلج کے کنارے کوہستانی سلسلے کے
سفر کر رہے تھے۔ اپنے گھوڑے کو روکتے ہوئے اللہ بخش نے ونیش سنگھ کی طرف
دیکھتے ہوئے کہا۔" ونیس سنگھ یہاں تھوڑی دیر رک نہ جائیں۔ ہم دونوں نماز ادا کر لیں گے
گھوڑے بھی تھوڑی دیر چر کر ستا لیں گے"۔

ونیس سنگھ نے اپنے گھوڑے کو روکتے ہوئے کہا۔" تم ٹھیک کہتے ہو اللہ بخش
تم دونوں دریا پر وضو کر کے یہاں آ کر نماز ادا کر لو۔ پھر میں اور ہری اشنان کرنے جائیں
گے"۔ انہوں نے اپنے گھوڑوں سے زینیں اور ان سے بندھا ہوا سامان اتار دیا۔ اور
گھوڑوں کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ پھر اللہ بخش اور کریم خان دریا پر جا کر وضو کر آئے

اور کنارے سے ہٹ کر جہاں ان کا سامان پڑا تھا وہاں چٹانوں کے اندر نماز ادا کرنے لگے۔ ونیش اور ہری وہیں بیٹھ کر نماز سے ان کی فراغت کا انتظار کرنے لگے تھے۔

اللہ بخش اور کریم خاں جب نماز ادا کر چکے تو ونیش اور ہری اٹھ کھڑے ہوئے۔ ونیش نے کہا۔ "تم دونوں اب یہیں سامان کے پاس بیٹھو۔ میں اور ہری اشنان کر کے کھانا کھاتے ہیں۔"

ونیش اور ہری سنگھ دریا کی طرف چلے گئے۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد کریم خاں نے اللہ بخش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اللہ بخش مجھے تمہارے کچھ اعمال اور افعال پر اعتراض ہے۔ میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ تم میرے اعتراضات کا برا نہ مانو گے۔"

اللہ بخش نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں تم سے ایسے اعتراضات کی بہت پہلے سے توقع رکھتا تھا۔ پہلے اٹھ کر دیکھو وہ دریا کی طرف چلے گئے ہیں یا نہیں پھر مجھ سے بات کرو۔"

کریم خان اٹھا اور ایک چٹان پر کھڑے ہو کر اس نے دریا کی طرف دیکھا۔ ونیش ہی دریا کے کنارے اسے نظر آیا۔ اس نے اللہ بخش سے کہا۔ "دریا کے کنارے ونیش ہی ہے۔ ہری نہ جانے کدھر ہے۔"

اللہ بخش نے لاپروائی سے کہا۔ "دفع کرو اسے اِدھر اُدھر ہو گیا ہو گا رفع حاجت کے لیے۔ تم آؤ میرے پاس بیٹھو اور کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔" اللہ بخش کے سامنے بیٹھ کر کریم خاں نے کہا۔

"اللہ بخش میں سمجھتا ہوں بابر کے لشکر میں رہ کر رانا سانگا کے لیے کام کرنے کی حامی بھر کے تم نے انتہائی پُرذلّت اور احمقانہ فیصلہ کیا ہے۔ سنو اللہ بخش! ہم پہلے مسلمان ہیں بعد کو عربی، ترکی، افغانی اور ہندی ہیں۔ سب مسلمان ایک مضبوط و استوار عمارت کی مانند ہیں اور جو مسلمان اس عمارت میں نقب زنی کا کام کرتا ہے۔ وہ مسلمان نہیں منافق اور بے ایمان ہے۔ ونیش اور ہری کی موجودگی میں مجھے تم سے کھل کر بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ لیکن اب میں اس تنہائی سے فائدہ اٹھا کر تم سے کہہ رہا ہوں کہ میں اس رذیل کام میں تمہارا ساتھ نہ دوں گا۔ مسلمان خواہ دہلی کا یا لاہور کا۔ جتہ کا ہو یا گوالیار کا، پٹیالہ کا، ٹھٹھہ کا ہو یا ملتان کا سب ایک مذہبی رسّی میں جکڑے ہوئے ہیں اور بھائی بھائی ہیں اور جو اس بھائی چارے پر ضرب لگانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ ہم مسلمانوں میں سے نہیں۔ اللہ بخش میں بابر کے لشکر میں جا کر تم سے علیحدہ ہو جاؤں گا۔"

اللہ بخش نے تشکر آمیز انداز میں کریم خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کریم خان! تمہارے خیالات میرے خیالات سے ہم آہنگ ہیں۔ میں ان کی قدر کرتا ہوں۔ سن میرے بھائی! میں بابر کے لشکر میں رانا سانگا کے لیے کوئی خدمت انجام نہ دوں گا۔ میں نے رانا سانگا کے سامنے اس لیے حامی بھر لی تھی کہ اگر میں ایسا نہ کرتا تو ہم دونوں کو چتوڑ سے نکلنے کا موقع نہ ملتا اور رانا سانگا ہمیں ہلاک کرا دیتا کیوں کہ اس نے ہمارے سامنے بابر کے متعلق اپنے گھناؤنے خیالات کا اظہار کر دیا تھا اور وہ کبھی پسند نہ کرتا کہ یہ راز بابر تک پہنچے۔ لہٰذا وہ ہم دونوں کو قتل کرا دیتا۔ میں نے چتوڑ سے بخیریت نکلنے کے لیے یہ حامی بھرلی ہے۔"

کریم خان نے خوشی میں اللہ بخش سے لپٹتے ہوئے کہا۔ "مجھے تم جیسے مسلمان بھائی پر فخر ہے۔"

اللہ بخش نے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا۔ "میں یہ سارے واقعات بابر سے جا کر کہہ دوں گا تاکہ وہ رانا سانگا کی دھوکہ دہی اور عیاری سے محتاط رہے اور ——"

اللہ بخش کہتے کہتے رُک گیا کیوں کہ ایک قریبی چٹان کی اوٹ سے ہری چند نمودار ہوا اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی جو اس نے اللہ بخش اور کریم خان کی طرف لہراتے ہوئے کہا۔ "تم دونوں بابر کے پاس پہنچ سکے تو پھر یہ واقعات کہو گے نا۔ میں تم دونوں کو ابھی اور یہیں قتل کر دوں گا۔"

ہری خونخوار حالت میں تلوار لہراتا ہوا ان دونوں کی طرف بڑھا۔ اللہ بخش اور کریم خان ہونقوں کی طرح بڑی پریشانی اور حسرت سے ایک دوسرے کی جانب دیکھے جا رہے تھے۔

o

ہری سنگھ نے اپنی تلوار لہرا کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "مجھے اور ونیش کو پہلے

ہی تم دونوں پر شک تھا اور رانا سانگا نے بھی ہمیں تم پر کڑی نگاہ رکھنے کی تنبیہ کر رکھی تھی۔ میں اور ونیش جانتے تھے کہ تم دونوں علیحدگی میں ضرور کوئی اہم مشورہ کرنے کی غرض سے اکٹھے ہو گے۔ لہٰذا ونیش دریا کی طرف چلا گیا اور میں تم دونوں پر نظر رکھنے کی خاطر یہاں قریب ہی چٹانوں کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ رہا۔ میں نے تم دونوں کی پوری گفتگو سن لی ہے۔ اب کوئی تمہیں میرے ہاتھوں سے بچا نہ سکے گا۔ ونیش کے آنے تک تم دونوں کو میں خون میں نہلا چکا ہوں گا۔ تم نے ہم دونوں بھائیوں کے ساتھ بغاوت اور سرکشی کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ سنو! پتھر چلوا کرنا آسان ہے لیکن تلوار کا کھیل مشکل ہے جس سے شاید تم دونوں ہی ناآشنا ہو۔"

ہری سنگھ تلوار لہراتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ ماحول پر عجیب سی کشاکش نظر اور سکوت طاری تھی۔ اللہ بخش اور کریم خان کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے شکستہ چہرہ دل کا عکس وہ اس برگد کی طرح پریشان حال تھے جس کی چھاؤں اس سے کھو گئی ہو۔ وہ دونوں اس سطر کی طرح ماند تھے جس کے اندر لکھے پیار کے حروف مٹ گئے ہوں۔ ان دونوں کی بے کسی و بے بسی آوارہ تھلن اور زخمی لہروں جیسی بے سمت و بے آرام ہو گئی تھی۔

ہری سنگھ اب اور زیادہ قریب آ گیا تھا۔ اچانک تمناؤں کی طرح بکھرا ہوا اللہ بخش سنبھل سا گیا۔ یوں لگا جیسے اس کے باطن میں آہٹوں کے رنگ لوٹ آئے ہوں یا اس نے تکلم کی نرم چھاؤں اور اپنی اڑان کو درست کرنے کا راز پا لیا ہو۔ یا وہ اچانک تاریک زندان میں آنکھوں کو مانوس کرنے اور آگ کو گلنار کر دینے کا فن جان گیا ہو۔ اچانک اللہ بخش زمین کی طرف جھکا ایک پتھر اٹھایا اور ہری سنگھ کو دے مارا۔ پتھر ہری سنگھ کے سر پر لگا اور وہ چکرا کر زمین پر گر گیا۔ اس کے ہاتھ سے اس کی تلوار چھوٹ گئی۔ اللہ بخش نے بھاگ کر اس کی تلوار پر قبضہ کر لیا تھا۔

ہری سنگھ پتھریلی زمین پر بے سدھ سا پڑا تھا کہ کریم خان آگے بڑھا اور اس کی نبض کا جائزہ لیتے ہوئے اس نے کہا۔ "اللہ بخش! اللہ بخش! یہ تو مر چکا ہے۔"

اللہ بخش نے لاپروائی سے کہا۔ "اس جیسے فتنہ گر کو مرنا ہی چاہیئے تھا۔ اسے مارنے کے لیے ہی تو پتھر میں نے اس کے سر پر دے مارا تھا۔ ورنہ یہ ہم دونوں کا خاتمہ کر چکا ہوتا باتیں بہت کرتا تھا۔ بار بار تلوار لہرا کر ہمیں دھمکاتا تھا۔ پر ایک ہی پتھر کی ضرب برداشت نہیں کر سکا۔"

کریم خان نے کسی قدر مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم جیسے کڑوے اور خونخوار پہلوان کی ضرب کون برداشت کر سکتا ہے۔ تم یہیں رکو اللہ بخش! میں اس چٹان پر چڑھ کر ونیش سنگھ کو دیکھتا ہوں کہ وہ کیا کر رہا ہے۔"

اللہ بخش نے لاپرواہی سے کہا۔ "اب ونیش سنگھ کی ہمیں اتنی پرواہ نہیں۔ اس لیے کہ اب ہمارے پاس بھی تلوار ہے۔"

کریم خان نے کہا۔ "میں تو تلوار چلانا نہیں جانتا کیا تم اسے چلا سکتے ہو۔"

اللہ بخش نے کہا۔ "میں کسی جنگجو سپاہی کی طرح اس کا ماہر تو نہیں ہوں۔ تاہم میں اس کے ساتھ تھوڑے بہت اِدھر اُدھر ہاتھ چلا ہی لیتا ہوں۔ پر تم فکر نہ کرو کریم خان! ونیش سنگھ کو اب ہم اپنے لیے خطرہ نہ بننے دیں گے۔ اس سے نمٹ کر ہم فوراً یہاں سے بابر کے لشکر کی طرف کوچ کر جائیں گے اور اسے رانا سانگا کے اصل مقاصد سے آگاہ کریں گے۔"

کریم خان بھاگ کر ایک قریبی چٹان پر چڑھ گیا اور وہیں کھڑے کھڑے اس نے کہا۔ "اللہ بخش! میرے بھائی! ونیش سنگھ آ رہا ہے، تیار ہو جاؤ۔"

اللہ بخش بھی چٹان پر چڑھ گیا اس نے دیکھا ونیش سنگھ دریا میں اشنان کرنے کے بعد اب ان کی طرف آ رہا تھا۔ اللہ بخش نے کہا۔ "کریم خان! میرے بھائی! تم ہری کی لاش گھسیٹ کر ایک طرف کر دو اور اپنے سامان کے پاس جا کر بیٹھ جاؤ۔ ونیش سے میں اکیلا ہی نمٹ لوں گا۔"

کریم خان نے کہا۔ "لیکن تم اکیلے اس سے کیسے نمٹو گے۔ اس کے سامنے تلوار سونت کر نہ آنا۔ ورنہ وہ تم پر حاوی ہو جائے گا۔ پر میں سامان کی طرف نہیں جاتا۔ وہاں

بیٹھا بیٹھا میں فکر مند ہوتا رہوں گا۔ میں تمہارے ساتھ ہی رہتا ہوں۔ دونوں بھائی مل کر ونیش سے نمٹ لیتے ہیں۔"

اللہ بخش نے کہا۔ "تم فکر مند نہ ہو کریم خان! تم ہری کی لاش گھسیٹ کر ایک طرف کر دو اور مطمئن ہو کر اپنے سامان کے پاس بیٹھ جاؤ پھر دیکھو میں کیسے ونیش کی قلابازی لگاتا ہوں"۔

اللہ بخش کا کہنا مانتے ہوئے کریم خان چٹان سے اُترا۔ پہلے ہری کی لاش گھسیٹ کر اس نے ایک طرف کر دی پھر وہ اپنے سامان کے پاس بیٹھ گیا اور فکر مندی سے اللہ بخش کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ اللہ بخش بھی چٹان سے اترا اور جس راستے سے ونیش نے آنا تھا۔ اس راستے کے کنارے وہ ایک چٹان کی اوٹ میں چھُپ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد کریم خان نے دیکھا ونیش اس راستے پہ نمودار ہُوا تھا۔

کریم خان کچھ فکر مند سا لگ رہا تھا۔ تاہم احتیاط کے طور پر اس نے ہنگامی صورت حال سے نمٹنے کی خاطر تین چار خوب نوکیلے پتھر اپنے پاس جمع کر لیے تھے پر ان پتھروں سے کام لینے کی نوبت نہ آئی کیوں کہ کریم خان نے دیکھا جب ونیش سنگھ چٹان کے پیچھے چھُپے اللہ بخش کے پاس سے گزر کر اس کی طرف بڑھا تو ناگاہ اللہ بخش اپنی گھات سے نمودار ہُوا اور دبے پاؤں ونیش کے قریب آ کر اس نے اپنی تلوار کی اس پر ایسی ضرب لگائی کہ ونیش سنگھ دو حصّوں میں کٹ کر ختم ہو گیا۔ اللہ بخش نے ونیش سنگھ کے لباس سے اپنی تلوار پونچھ لی اور پھر کریم خان کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"کریم خان! میرے بھائی! کیسا معاملہ کیا میں نے ونیش سنگھ کے ساتھ"۔

کریم خان اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہُوا اور مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم نے اس کے ساتھ خوب داؤ کھیلا اللہ بخش ورنہ میں تو فکر مند ہو رہا تھا اور احتیاط کے طور پر ونیش کو مارنے کے لیے میں نے اپنے پاس پتھر بھی جمع کر لیے تھے پر ان سے کام لینے کی نوبت نہیں آئی۔ اللہ بخش! آؤ اب اپنی تیاری کریں اور یہاں سے کوچ کر جائیں۔"

دونوں نے مل کر پہلے کھانا کھایا پھر گھوڑوں پر زینیں ڈال کر وہ سوار ہوئے اور وہاں سے کوچ کر گئے۔ ونیش اور ہری سنگھ کے گھوڑے، ان کا سامان اور ...داریں بھی انہوں نے اپنے ساتھ لے لی تھیں۔

ایک روز اللہ بخش اور کریم خان سیالکوٹ شہر سے باہر بابر کے لشکر میں داخل ہوئے۔ یہ چاروں طرف دُور دُور تک پھیلے خیموں کا ایک شہر تھا۔ لشکر میں داخل ہوتے ہی اللہ بخش نے ایک سپاہی سے بابر سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ سپاہی ان دونوں کی راہنمائی کرتا ہُوا بابر کے خیمے کے پاس لے آیا۔

اللہ بخش نے بابر کے اس خیمے کے باہر کھڑے پہریداروں سے ایک انتہائی اہم کام کے سلسلے میں بابر سے ملنے کی استدعا کی۔ اس پہریدار نے کہا۔ "اس وقت آقا اپنے جرنیلوں کے ساتھ کسی نئے حملے متعلق صلاح مشورہ کر رہے ہیں۔ تم بیٹھ جاؤ جب وہ فارغ ہوں گے تو میں اندر جا کر تمہارے لیے اجازت حاصل کروں گا۔"

اللہ بخش نے کہا۔ "جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ ایک اہم اور جنگی نوعیت کا پیغام ہے۔ تم اندر جا کر میری خواہش کا ذکر تو کرو۔"

اس پہریدار نے ایک بار غور سے اللہ بخش اور کریم خان کی طرف دیکھا پھر وہ بابر کے اس محل نما خیمے میں داخل ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پہریدار باہر آیا اور اللہ بخش سے کہا۔ "تم دونوں اندر جاؤ آقا نے تمہیں بُلایا ہے"۔

اللہ بخش اور کریم خان نے اپنے گھوڑوں کی باگیں چھوڑ دیں اور آگے بڑھ کر وہ بابر کے خیمے داخل ہوئے خیمے کے اندر بابر کے ساتھ ہمایوں، جنید، علی قلی خان اور دیگر جرنیل بیٹھے ہوئے تھے۔ بابر نے اللہ بخش اور کریم خان سے مصافحہ کر کے ایک خالی نشست پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جب وہ دونوں بیٹھ گئے تو بابر نے پوچھا۔ "تم دونوں کہاں سے آئے ہو اور میرے لیے کس نوعیت کا پیغام لائے ہو۔"

جواب میں اللہ بخش نے لاہور سے چیتوڑ گشتی کرنے کے لیے روانگی۔ کریم خان سے

ملاقات، کشتی کے سارے واقعات، رانا سانگا کی پُرفریب باتیں اور راستے میں ونش
کے قتل کے سارے واقعات خوب تفصیل سے کہہ دیئے تھے۔

بابر نے کہا۔ "مَیں تمہارا ممنون ہوں۔ تم نے میرے ہاں رانا سانگا کے لیے کام کرنے
کے بجائے میری خاطر اس کے دونوں آدمیوں کو مار ڈالا اور مجھے اصل حالات سے آگاہ کر دیا۔"

اللہ بخش نے کہا۔ "رانا سانگا چاہتا ہے کہ ہند کی سرزمین میں مسلمان کمزور ہو جائیں
اور وہ سارے ہند کا واحد حکمران بن جائے۔"

بابر نے کہا۔ "ایسا نہیں ہوگا۔ میں اپنی قوت مجتمع کر رہا ہوں۔ رانا سانگا کو ایک روز
میرے سامنے جھکنا ہوگا۔ اب تم دونوں آرام کرو۔ دو دن بعد مَیں تم دونوں کی کشتیاں دیکھوں
گا۔ تم اب مستقلاً میرے لشکر میں رہو گے۔ میرے پاس بڑے بڑے سورما قسم کے ایرانی
پہلوان ہیں مجھے اُمید ہے ان کے ساتھ تمہارے مقابلے دلچسپ رہیں گے۔"

بابر کے کہنے پر علی قلی خاں ان دونوں کو باہر لے گیا۔ چند ہی یوم میں اللہ بخش نے
بابر کے سارے ایرانی پہلوانوں کو پچھاڑ کر رکھ دیا اور بابر کا منظورِ نظر پہلوان ہو گیا تھا۔

❀

سہ پہر ڈھل رہی تھی۔ گوالیار کا راجہ بکرماجیت اپنے محل سے ملحقہ تربیت کے کھلے
میدان میں اپنے اصطبل کے گھوڑوں کے کرتب دیکھ رہا تھا۔ اس کے دائیں طرف اس کی
بیوی شنکل، بڑا بیٹا کیدار اور اس کی بیوی کا بھائی سیو داس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے بائیں
طرف اس کی حسین بیٹی کنپل، اس کا بیٹا مالدیو اور اس کی منگیتر کرن بیٹھے تھے۔

وہ سب گھوڑوں کے کرتب سے محظوظ ہو رہے تھے کہ بکرماجیت کا ایک محافظ
ایک گھوڑ سوار کو اپنے ساتھ لایا اور اس کے سامنے کسی قدر جھکتے ہوئے اس نے کہا۔ "مہاراج!
یہ سوار سلطان ابراہیم لودھی کی طرف سے آپ کے لیے کوئی اہم پیغام لایا ہے۔"

بکرماجیت اُٹھ کھڑا ہوا اور آنے والے اس اجنبی سے جس نے اپنے گھوڑے کی
باگ پکڑ رکھی تھی براہِ راست مخاطب ہوتے پوچھا۔ "سلطان ابراہیم کی طرف سے تم ہمارے
لیے کیا پیغام لائے ہو؟"

ابراہیم لودھی کے اس ایلچی نے کہا۔ "میرے پاس زبانی کہنے کو کچھ نہیں۔ میرے
ہاں آپ کے نام دو خط ہیں ایک سلطان ابراہیم لودھی کا اور دوسرا ان کی ماں سلطانی
بیگم کا ہے۔" اس ایلچی نے دونوں خط نکال کر راجہ بکرماجیت کو تھما دیئے۔

بکرماجیت نے دونوں خط لے لیے اور ایلچی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نے اپنے محافظ سے کہا۔ ”اسے مہمان خانے میں لے جاؤ۔“

وہ محافظ ابراہیم لودھی کے ایلچی کو لے کر چلا گیا۔ بکرماجیت دونوں خط کو پڑھنے لگا۔

راجہ بکرماجیت نے دونوں خط پڑھنے کے بعد اپنے بڑے بیٹے کیدار کو تھ اور وہ بھی انہیں پڑھنے لگا۔ خود بکرماجیت گہری سوچوں میں کھو گیا تھا۔ اس کی بیوی نے فکرمندی میں پوچھا۔ ”خیریت تو ہے“۔

بکرماجیت نے کہا۔ ”سلطان ابراہیم نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ عنقریب بابر ان کے خلاف صف آرا ہو گا۔ لہٰذا انہوں نے مجھے لکھا ہے کہ میں اپنے لشکر ساتھ ان سے آ ملوں تاکہ متحد ہو کر بابر کے خطرے کو ہند سے رفع کیا جا سکے۔

دوسرا خط سلطان ابراہیم کی ماں سلطانی بیگم کا ہے۔ وہ ان دنوں آگرہ کے محل میں مقیم ہے اور تم سب لوگوں کو اس نے وہاں بلایا ہے اور خواہش کی ہے کہ جب تک بابر کے ساتھ جنگ کا خاتمہ نہیں ہو جاتا تم لوگ اس کے پاس آگرہ میں رہو“۔

شنکل نے کسی قدر ملول ہوتے ہوئے کہا۔ ”سلطانی بیگم کے پاس جا کر رہنا کوئی نئی بات نہیں۔ ہم پہلے بھی ماں بیٹی کئی بار اس کے پاس رہی ہیں۔ وہ بڑی اور مہمان نواز خاتون ہیں لیکن آپ کو جو لشکر سمیت سلطان ابراہیم نے دہلی بلایا میں اس سے متعلق فکرمند ہوں۔ اس کا مطلب ہے بابر کی وجہ سے ہند کے حالات ہونا شروع ہو گئے ہیں“۔

راجہ بکرماجیت نے کہا۔ ”ہمیں اپنے لشکر کے ساتھ سلطان ابراہیم کی صفوں میں شامل ہونا پڑے گا ورنہ ہماری اپنی سلامتی خطرے میں پڑ جائے گی۔ تم جا ہو رانا سانگا ہمارا ازلی دشمن ہے۔ وہ ہماری طرف صرف اس لیے نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتا کہ ہمیں سلطان ابراہیم کی حمایت اور طرف داری حاصل ہے۔ ورنہ وہ کبھی کی

ریاست پر حملہ کر کے گوالیار کو اپنی عملداری میں شامل کر چکا ہوتا۔ وہ صرف سلطان ابراہیم کی وجہ سے ہم پر ہاتھ نہیں ڈالتا۔ ہمیں ہر حال میں سلطان ابراہیم کے لشکر میں ل ہونا ہو گا۔

ہم صرف دو دن اس تیاری پر صرف کریں گے۔ میں لشکر کو لے کر دہلی روانہ ہو جاؤں ریاست کے امور کی دیکھ بھال کے لیے کیدار یہیں رہے گا۔ اس کی مدد کے لیے سیدہ داس گوالیار ہی میں رہے گا۔ تم، کنپل، کرن، سلطانی بیگم کے پاس آگرہ چلی جاؤ۔ مالدیو تم ان کے ساتھ ہو گا۔ ایک محافظ دستہ بھی تم لوگوں کے ساتھ ہو گا۔

بکرماجیت ذرا رکا پھر وہ دوبارہ کہہ رہا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہماری غیر موجودگی رانا سانگا گوالیار پر چڑھائی کرنے کی کوشش کرے۔ اس لیے تم کنپل اور کرن اپنے تمام قیمتی اثاثے اپنے ساتھ آگرہ لے جانا۔ مجھے امید تو ہے کہ سلطان ابراہیم کے خوف سے رانا سانگا گوالیار کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے گا پھر بھی احتیاط ضروری ہے۔ ویسے میں گوالیار کی حفاظت کے لیے اپنے لشکر کا ایک حصہ کیدار کے پاس بھی چھوڑ جاؤں گا۔ جب تک میری طرف سے تم لوگوں کو کوئی پیغام نہ ملے تم چاروں آگرہ میں سلطانی بیگم کے پاس ہی رہنا۔ بابر کی وجہ سے حالات ابتر ہیں تبھی سلطان ابراہیم نے ہمیں بلایا ہے۔ ورنہ وہ مجھے لشکر کے ساتھ نہ بلاتے۔ اگر ایسا ہے تو رانا سانگا بھی مصروف ہو گا۔ وہ بھی بابر کے خلاف جنگی تیاریوں میں لگ گیا ہو گا ایسی صورت میں گوالیار کی طرف وہ کم ہی توجہ دے گا“۔

شنکل نے پوچھا۔ ”ہمیں کب تک یہاں سے آگرہ کی طرف روانہ ہونا ہو گا“۔

راجہ بکرماجیت نے کہا۔ ”دو ایک روز تک ہم یہاں سے کوچ کریں گے۔ آگرہ تک اکٹھے جائیں گے۔ وہاں سے میں اپنا لشکر لے کر دہلی کی طرف روانہ ہو جاؤں گا سنو! شنکل، خبر نہیں جنگوں کا یہ سلسلہ کب تک جاری رہے۔ کون کس پر غالب رہے اور آئندہ کے لیے حالات کیا رخ اختیار کریں۔ احتیاط کو مدنظر رکھتے ہوئے تم اپنے محل کا سارا قیمتی اثاثہ اپنے ساتھ لے جاؤ۔ وہاں سلطانی بیگم کے پاس تمہاری ہر شے محفوظ

ہو گی۔ اگر سلطان ابراہیم لودھی غالب رہا تو بابر کے لشکر سے فراغت پانے
وہ رانا سانگا کا رُخ بھی کرے گا۔ کیوں کہ وہ ایک عرصہ سے رانا سانگا پر نگاہ
ہے اور ہند میں رانا سانگا کو وہ اپنے لیے سب سے بڑا خطرہ گردانتا ہے۔
بابر کے بعد ابراہیم کا دوسرا حدف رانا سانگا ہو گا۔ ایسی صورت میں گوالیار ہی
ہماری پوری ریاست جنگ کا ایک اکھاڑہ بن جائے گی۔

اور اگر سلطان ابراہیم لودھی پہ بابر غالب رہا تو بھی رانا سانگا حالات
فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا اور فوراً ہماری ریاست پر حملہ آور ہو کر اس پر
کے بابر کے مقابلے میں اپنی عملداری کو وسیع اور قوت کو مضبوط کرنے کی کوشش
غرضیکہ دونوں صورتوں میں ہمارے لیے خطرات ہی خطرات ہیں۔ لہٰذا تم اپنے محل
ضروری اثاثہ اور قیمتی اشیاء اپنے ساتھ آگرہ لے جاؤ۔ میں اب لشکر گاہ میں
تاکہ یہاں سے کوچ کے انتظامات مکمل کر سکوں"۔ سب اُٹھ کر تربیت کے ا
سے نکلتے ہوئے اپنے محل کی طرف جا رہے تھے۔

تیسرے روز راجہ بکرما جیت نے اپنے لشکر کے ساتھ گوالیار سے کوچ کیا۔
مالدیو، ان کی ماں شنکل اور کرن بھی ان کے ساتھ تھے اور اپنے اپنے گھوڑوں پر
آگرہ تک سب اکٹھے گئے۔ یہاں سے بکرما جیت اپنے لشکر کے ساتھ دریائے جمنا کے
کنارے دہلی کی طرف روانہ ہو گیا۔

کنپل، کرن، شنکل اور مالدیو کی حفاظت کے لیے وہ ایک دستہ ان کے
کر گیا تھا۔ اس کے علاوہ ان کے ہمراہ کئی خچریں بھی تھیں جن پہ ان کی ضرورت کا
اور قیمتی مال و متاع لدا ہوا تھا۔

دریائے جمنا کے کنارے کھڑے مالدیو، کنپل، کرن اور شنکل ابھی تک
بکرما جیت کو اپنے لشکر کے ساتھ دہلی کی طرف جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے کہ آگرہ
کی طرف سے کچھ سوار آئے اور ان کے پاس آ کر رکے۔ پھر ان سواروں کے اندر
سلطان ابراہیم لودھی کی ماں سلطانی بیگم نمودار ہوئی۔ وہ عمر کی ڈھلی ہوئی مگر جہ

...ریب خاتون تھی اور ایک عمدہ نسل کے گھوڑے پر سوار تھی۔ قریب آ کر وہ اپنے
...سے اُتری۔ شنکل، کنپل اور کرن کو گلے لگاتے ہوئے اس نے انتہائی پرجوش
...ین ان کا استقبال کیا۔ پھر اپنی شفقت کا اظہار کرتے ہوئے اس نے مالدیو کے سر پہ
...پھیرا۔

پھر سلطانی بیگم نے ان چاروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے آگرہ کے
...ل کا ایک حصہ تم لوگوں کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔ یہ محل کا وہی حصہ ہے جہاں تم
...پہلے بھی کئی بار رہ کر گئے ہو۔ تمہارے آنے سے اب اس قلعہ نما اور وسیع محل میں رونق
...ے گی۔ پھر اس نے پیار سے کنپل اور کرن کے ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ "مجھے تم
...بہنوں کا انتہائی بے چینی سے انتظار تھا۔ تم دونوں کی معیت میں وقت گزارنا
...لیے بہت سہل اور آسان ہو جائے گا"۔ پھر سب اپنے اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے
...سلطانی بیگم انہیں آگرہ شہر میں اپنے محل کی طرف لے جا رہی تھی۔

○

جنید کے ذریعے شمال کے وحشی کوہستانی لٹیروں کا صفایا کرنے اور سیالکوٹ شہر
...ظ کرنے کے بعد بابر نے لاہور کے سابق حاکم دولت خان اور قلعہ کنکوٹہ، کوتلہ قلعہ
...اور اس سے وابستہ دیگر علاقوں کے حاکم غازی خان کی طرف توجہ کی۔ ان دونوں نے
...ے فیصلہ کن جنگ کرنے کے لیے ایک جرار لشکر جمع کر لیا تھا۔

دہلی کا سلطان ابراہیم لودھی ابھی تک اس لیے خاموش تھا کہ وہ چاہتا تھا کہ اگر دولت
...اور غازی خان دونوں مل کر بابر کو ہند کی سرزمین سے بھگا دیں تو بعد میں اس کے لیے
...نہایت آسان ہو گا کہ وہ غازی خان اور دولت خان پر حملہ کر کے ان کی ساری کجی اور سر
...درست کر دے۔ اسی اُمید پر وہ ابھی تک خاموش تھا اور عملی طور پہ وہ بابر کے
...نہ حرکت میں نہ آیا تھا۔

دوسری طرف بابر کو بھی اس کے جاسوس خبر کر چکے تھے کہ غازی خان اور دولت
...نا ایک جرار لشکر کے ساتھ کلانور شہر کی سیدھ میں دریائے راوی کے اس پار اپنے لشکر کے

ساتھ خیمہ زن ہیں اور انہوں نے یہ طے کر لیا ہے کہ جونہی بابر دریائے راوی کو عبور کر
بعد کنارے پر اُترے اس پر ایسا زور دار اور پُر ہول حملہ کیا جائے کہ اسے عبرت آموز
دے کر اس کے لشکر کو راوی میں ڈبو کر رکھ دیا جائے ۔

بابر کو جب خبر ہوئی کہ دولت خاں اور غازی خاں اس کے ساتھ فیصلہ کن جنگ
کے لیے دریائے راوی کے اس پار کلانور شہر کی سیدھ میں خیمہ زن ہیں تو وہ سیالکوٹ
نکلا اور برق رفتاری سے اس نے مشرق کی طرف کوچ کیا ۔

بارشوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جانے کے باعث کوچ
موسم سازگار نہ تھا ۔ اس کے باوجود بابر بڑی تیزی سے دشمن کی طرف بڑھا ۔ اسے خدشہ
اس نے دولت خان اور غازی خان سے نمٹنے میں تاخیر کی تو ہو سکتا ہے ابراہیم لو
سانگا ان کے ساتھ اتحاد کر کے میرے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں اور دشواریوں کا
سلسلہ شروع ہو جائے لہٰذا بابر نے کوچ کرنے میں تاخیر نہ کی تھی ۔

دریائے راوی کے غربی کنارے بابر اس جگہ آ کر اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن
جہاں اس کے سامنے دریا کے کنارے دولت خان اور غازی خان کا متحدہ لشکر پڑاؤ
ہوئے تھا ۔

دن کی روشنی میں بابر نے دو ایک بار دریا پار کرنے کی کوشش کی لیکن دشمن
اندازوں نے اندھا دھند اور تیز تیر اندازی کر کے بابر کی دریا پار کرنے کی کوشش کو ناکام
تھا ۔ بابر کو اس کا سخت قلق ہوا ۔ تاہم جب رات ہو گئی اور اندھیرا پھیلنے لگا تو اس
اہمیت کے زبردست فیصلے کیے ۔

اس نے ہمایوں اور جنید کو مقدمۃ الجیش دے کر شمال کی طرف روانہ کر دیا اور
تنبیہہ کی کہ شمال میں اُوپر جا کر مناسب جگہ سے دریا پار کر کے دشمن کے قریب کہیں
میں بیٹھ جائیں اور جب صبح ہو تو اس پر حملہ کر دیں ۔ خود بابر نے جنگل سے لکڑی
کو دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ پُل بنانا شروع کر دیا تھا ۔ رات کے پچھلے حصے
نے پُل مکمل کر لیا اور اسے رسّوں سے باندھ دیا تاکہ مناسب وقت پر اسے کھول

جائے ۔

ہمایوں اور جنید نے دس میل تک دریا کے کنارے کنارے اُوپر جا کر دریائے راوی کو
پار کیا اور پھر دوسرے کنارے کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف بڑھتے ہوئے وہ دشمن کے
قریب ہی گھات لگا کر بیٹھ گئے تھے ۔

فسوں طراز اور زلفوں جیسی تاریک رات اک نغمۂ ربانی گاتی سحر کی طرف بھاگتی رہی
ن کہ مہتاب اپنے حیا آمیز رنگوں میں دوریوں اور بُعد کی طرف رواں رہا ۔ رات کی
ں چاند تاروں کی کرنیں مدھم ہوتی گئیں ۔ تاریکی کا غبار کم ہونے لگا پھر کائنات میں
یاں اُبھرنے لگیں ۔ ہر شے ستاروں کی طرح روشن ہونے لگی ۔ رات کے اندر پوشیدہ چاندنی
ت و تفکرات کے جزیرے اور وصل کی ادھوری خواہشوں کا انجام ہو گیا ۔ کیوں کہ
نے سورج طلوع ہوا تھا اور گلِ تو بہار و شجر سایہ دار گہرے سمندر میں رواں موج
ح گنگنا اُٹھے تھے ۔

سورج کے طلوع ہوتے ہی ہمایوں نے اپنے مقدمۃ الجیش کو جنید سے صلاح
ہ کے بعد دو حصوں میں تقسیم کر دیا ۔ ایک حصّہ ہمایوں کے پاس اور دوسرا جنید کی
ادی میں کر دیا گیا تھا ۔ ان دونوں نے فیصلہ کیا تھا کہ دشمن کے شمال کی طرف سے
بائیں دونوں سمتوں سے دشمن پر حملہ کر کے اس کو دریا کی طرف سے غافل کر دیں ۔
بابر کو دریا پار کرنے کا موقع مل جائے ۔

پہلے ہمایوں اپنے لشکر کے ساتھ گھات سے نکلا اور شمالی حصے میں دشمن کے لشکر
اس جگہ حملہ آور ہوا جو دریا کے کنارے سے ہٹ کر تھا ۔ اس حملے سے دولت خاں
غازی خاں کے لشکر میں ایک افراتفری اور کھلبلی سی مچ گئی تھی ۔

دریا کے اس پار بابر بھی چوکنا ہو گیا تھا اور اس کے کنارے کے ساتھ بندھے
ئے رسّے کھول دینے کا حکم دے دیا تھا ۔ رسّے کھلتے ہی لکڑی کے بھاری بھرکم پُل کا
پُل بہا اور دریا کے دوسری سمت جا لگا تھا اور بابر کے لشکری اس پر اپنے گھوڑے دوڑاتے
ئے دریائے راوی کو عبور کرنے لگے تھے ۔

دولت خان اور غازی نے بھی فوراً پیش بندی کرتے ہوئے اپنے لشکر دو لا کر
میں تقسیم کر دیا۔ غازی خان نے ہمایوں کو روکا۔ جب کہ دولت خان اس لشکر میں جا
گیا تھا جو بابر کی سرکردگی میں لکڑی کے اس پل کو عبور کر کے دریائے راوی کے اس پار آ
ہو گیا تھا۔ دولت خان اور غازی خاں اپنی اپنی جگہ پر مطمئن تھے کہ انہوں نے بابر اور
دونوں باپ بیٹے کے سامنے مزاحمت کھڑی کر دی ہے لیکن اس وقت ان دونوں
اوسان خطا ہو گئے جب جنید نے اپنے لشکر کے ساتھ گھات سے نکل کر دشمن کے ا
پر حملہ کر دیا جو دریا کے کنارے کنارے بابر کی پیش قدمی روکنے لکڑی کے پل
بڑھ رہے تھے۔

جنید ایک طرفہ چہرہ شناسی، ہیجان انگیزی اور تادیب و تعزیر کے ساتھ
ہوا تھا۔ اس کے حملے سے دریا کے کنارے کنارے بابر کی طرف پیش قدمی کرتے دشمن
رک گئے تھے۔ جنید کے طوفانی حملے سے انہیں یوں محسوس ہوا تھا گویا کسی کے انتظا
چپ ساعتیں بے حرف صداؤں کے ساتھ اپنی بے بسی پر چیخ چلا اٹھی ہوں۔

O

جنید ایسے انداز میں دریا کے کنارے دشمن کے اندر تک گھستا چلا
جیسے اس نے اپنی راہ میں حائل ہونے والے بڑے بڑے فرعونوں کو زیر کرنے اور دشمن کے
کو شکستہ سیاروں میں بدل دینے کا عزم کر لیا ہو۔ اس نے دشمن کے لشکریوں پر
کی چنگاریاں پھیلا کر انہیں زخموں کی قبا پہنانا شروع کر دی تھی۔ وہ پل پار کر
لشکریوں کی حفاظت پر اس لفظ نگار کی طرح تل گیا تھا جو فطرت کو ماں جان کر
کے سنہری لفظوں سے ہر سمت، ہر پہلو سے اس کا دفاع کرے۔
لمحوں کے اندر جنید نے دریا کے ساتھ ساتھ حرکت کرتے دشمن کو کاٹ
دیا۔ ان میں سے اکثر جنید کے لشکر کی تلواروں کا شکار ہو گئے۔ کچھ دریا میں ڈوب
اور جو بچے وہ پسپا ہوتے ہوئے دریا سے دور بھاگنے لگے تھے۔ جنید نے اب
بڑھتے ہوئے دولت خان کے ذاتی لشکر پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا تھا۔

دریا کے کنارے کنارے جنگ کرنے والے دولت خان کے لشکری جب پسپا
ہو کر پیچھے ہٹے تو دریا کا کنارہ خالی ہو جانے کی وجہ سے پل پر دباؤ کم ہو گیا اور بابر اپنے
لشکر کے ساتھ دریا عبور کر کے بھوکے شاہین کی طرح دولت خاں اور غازی خان
کے لشکر پر ٹوٹ پڑا تھا۔
اب شمال مشرق سے ہمایوں، شمال مغرب سے جنید اور جنوب مغرب سے خود
بابر سمندروں کی گہرائی اور سچائی کے عکس کی طرح حملہ آور ہوتے ہوئے دشمن کی
فتنہ انگیزی، ریاکاری اور درشت گوئی پراگندہ اور متزلزل کرنے لگے تھے۔ ان
انہوں نے مل کر اپنے تیز طوفانی حملوں سے دولت خاں اور غازی خاں کے لشکر کی حالت
ایسی کر دی تھی جیسے کسی سیاہ دل بخیل اور موذی کمینہ فطرت انسان کی ساری حجتیں، سارے
فتنے اور کردار کی ساری کمزوری بڑے حزم و احتیاط کے ساتھ کسی نے دھو کھنگال
کر رکھ دی ہو۔ وہ تینوں دشمن کے لشکر کے اندر پستی میں بلندی اور بلندی کے اندر موج
کی طرح ابھرنے لگے تھے۔
غازی خان نے جب دیکھا کہ تھوڑی دیر بعد اس کے لشکر میں پسپائی اور ہزیمت
کے آثار نمودار ہونے والے ہیں تو اپنے چند محافظوں کے ساتھ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ
گیا۔ غازی خان کے فرار سے لشکر پر بڑا برا اثر پڑا۔ لہٰذا دولت خان نے لشکر کے ہر
پست ہوتے حوصلوں کو دیکھتے ہوئے میدان جنگ سے پسپائی اختیار کی اور میدان
جنگ سے بھاگ کر وہ قلعہ بلوت میں جا کر محصور ہو گیا تھا۔
بابر نے دم لیے بغیر اپنے سارے لشکر کے ساتھ پنجاب کے اس سابق حکمران
دولت خان کا تعاقب کیا۔ گو دولت خان بلوت کے قلعہ میں محصور ہو کر وقتی طور پر اپنے
آپ کو محفوظ خیال کرنے لگا تھا لیکن بابر نے چاروں طرف سے اس قلعہ پر ہلہ بول دیا
اور قلعہ کی فصیل ایک طرف سے توڑ کر اندر داخل ہو گیا۔ قلعہ کے لوگوں نے بابر کی
اطاعت قبول کر لی۔ دولت خاں کو زندہ گرفتار کر لیا گیا۔
پہلے بابر نے فیصلہ کیا کہ دولت خاں کو بھیرہ کے قلعہ میں قید کر دیا جائے لیکن

بعد میں جنید، علی قلی خاں اور ہمایوں کے کہنے پر بابر نے دولت خاں کو آزاد کردیا
اسے رعایت دے دی کہ وہ جہاں چاہے سکونت اختیار کر سکتا ہے لیکن دولت
کی اجل شاید جنگ کے بجائے حالتِ امن میں اس کی منتظر تھی۔ بابر سے رہائی حاصل
کرنے کے بعد جب وہ شہر سلطان آباد میں داخل ہوا تو موت نے اسے آدبوچا اور
اسی شہر میں وہ انتقال کر گیا۔

قلعہ بلوت پر قبضہ کرنے کے بعد بابر نے طوفانی انداز میں ترکتازی کی۔
غازی خان کے دیگر شہر نندور، کملوز اور روپڑ پر بھی اس نے قبضہ کر کے اپنے
میں لے لیا تھا۔ ان سارے مفتوحہ علاقوں کا نظم و نسق درست کرنے کے
نے سرہند شہر سے باہر ایک تالاب کے قریب اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا۔

○

ایک روز گوالیار کے راج مندر سے راجہ بکرما جیت کا بڑا بیٹا کیدار جب
پاٹ کے بعد مندر کی سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا تو پیچھے سے کسی نے اسے آواز دیتے ہوئے
پکارا۔ "کیدار! کیدار! ٹھہرو! رکو میری بات سنو!"

کیدار نے جب مڑ کر دیکھا تو راج مندر کا بڑا پروہت گووند اسے آواز دے
کر رکنے کو کہہ رہا تھا۔ کیدار رک کر انتظار کرنے لگا۔

پنڈت گووند نے مندر کی سیڑھیاں اتر کر کیدار کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے
بڑی محبت اور شفقت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "کیدار! کیدار! میں کئی روز سے ایک
موضوع پر تم سے گفتگو کرنا چاہ رہا تھا لیکن تم سے کہیں مل بیٹھنے کا اتفاق ہی نہیں ہو
رہا تھا۔"

کیدار نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تو پھر اب کہہ لیجیے۔"

پنڈت گووند نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ "تو پھر میرے ساتھ آؤ۔"

کیدار خاموشی سے پنڈت گووند کے ساتھ ہو لیا۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے مندر کے
احاطے کے اندر اسے اس کمرے میں لے آیا جو اس کی رہائش کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

دونوں آمنے سامنے گدی دار نشستوں پر بیٹھ گئے پھر پنڈت گووند نے بولتے ہوئے کہا
کیدار! جو کچھ میں تم سے پوچھنے اور کہنے والا ہوں اس میں جو بھی سچائی ہو اس سے
ریز اور انحراف نہ کرنا۔"

کیدار نے کہا۔ "آپ پوچھیں، جو سچ ہو گا اسے میں سچ ہی کہوں گا۔"

پنڈت گووند نے کہا۔ "تم جنید کو جانتے ہو؟"

کیدار نے جلدی میں کہا۔ "کون جنید؟"

پنڈت گووند نے غور سے کیدار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بھئی! وہی جنید
ام کا مسلمان جوان جس نے گوالیار شہر میں داخل ہو کر سیخ پا ہاتھیوں سے تمہاری بہن کنپل
ور تمہارے چھوٹے بھائی مالدیو کی منگیتر کرن کو بچایا تھا۔"

کیدار نے چونکنے والے انداز میں کہا۔ "ہاں، اس جنید کو تو میں خوب جانتا ہوں۔
وہ بڑا شجاع اور اچھا جوان ہے اور کچھ روز ہمارے محل میں رہا بھی ہے۔"

پنڈت گووند نے کہا۔ "کیدار! میں نے اسی جنید سے متعلق ایک ایسی بات سنی
ہے جو ایک پنڈت کی حیثیت سے میرے لیے سخت ناگوار اور باعثِ اشتعال ہونے کے
علاوہ ہماری دھرم ریت کے بھی سراسر خلاف اور منافی ہے۔ میں نے سنا ہے راجہ
بکرما جیت نے تمہاری بہن اور اس ریاست کی راجکماری کنپل کو جنید سے بیاہ دینے کا
فیصلہ کر لیا ہے۔"

کیدار کا رنگ غصے سے سرخ ہو گیا اور اس نے کہا۔ "مجھے اس فیصلے کا علم نہیں
ہے اور نہ میرے پتا نے اس سے متعلق کوئی صلاح مشورہ ہی لیا ہے۔"

پنڈت گووند نے غصیلی آواز میں کہا۔ "تم سے صلاح مشورہ کیا ہو یا نہ کیا ہو
نہیں اس رشتے کا علم ہو یا نہ ہو پر کنپل کو جنید سے بیاہ دینے کا فیصلہ ہو چکا ہے اور
اس فیصلے کے لیے بہانہ یہ بنایا جا رہا ہے کہ جنید نے چونکہ کنپل کو ہاتھی سے اتارتے وقت
اس کے سر کو چھوا تھا لہٰذا یہ کنپل کا فیصلہ ہے کہ جس جوان نے اس کے جسم کو ہاتھ لگایا
ہے اب وہی اس کا پتی اور بر بنے گا۔ اگر یہ بات ہے تو اس جنید نے مالدیو کی منگیتر کرن

کو بھی تو پکڑ کر ہاتھی سے اتارا تھا۔ اس نے اس کے سر پر کو بھی چھوا تھا۔ لہٰذا اس کا بیاہ
جنید ہی سے کر دیا جائے۔"

کیدار نے برہم ہوتے ہوئے کہا۔ "اگر میرے پتا یہ فیصلہ کر بھی چکے ہیں تو بھی میں کسی
صورت یہ شادی نہ ہونے دوں گا۔"

پنڈت گووند نے دھمکی آمیز انداز میں کہا۔ "تم یہ شادی ہونے دو یا نہ ہونے
لیکن کنپل کی شادی ایک مسلمان سے ہونا دھرم کا اپمان ہے اور میں یہ دھرم اپمان نہ ہونے
دوں گا۔ اگر ایسا ہوا تو میں پرجا کو راجہ بکرما جیت کے خلاف کر دوں گا اور پھر پرجا
کی بات راجہ کو ماننا ہو گی۔

سنو کیدار! کنپل کوئی عام لڑکی نہیں ہے۔ وہ اس راج کی راجکماری ہے اور
اس کی شادی اپنے دھرم کی رسومات کے مطابق ویسے ہی ہو گی جیسے راجکماریوں کی شادی
ہوتی ہے۔ اس کی شادی کے لیے باقاعدہ سوئمبر رچایا جائے گا اور جو جوان بھی یہ
سوئمبر جیتے گا کنپل کا ہاتھ اس جوان کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا اور یہ بھی یاد رہے
کہ اس سوئمبر میں کوئی مسلمان حصّہ نہیں لے سکتا۔ کنپل اس پورے راج کی لاج ہے
شرم و لاج ہی دھرم ہے اور ہم ہندو ہو کر اپنے دھرم کی خوب حفاظت کریں گے۔"

کیدار نے اپنا فیصلہ دیتے ہوئے کہا۔ "پنڈت گووند! اس معاملے میں پوری
طرح میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کنپل کی شادی جنید کے ساتھ کسی صورت بھی نہ ہو پائے
گی۔ یہ میرا عزم ہے جو آخر تک رہے گا۔"

پنڈت گووند نے اس بار انتہائی رازداری سے کہا۔ "کیدار! اگر تم میری بات سے
مجھ سے اتفاق کرو تو اس الجھن کو سلجھانے کا میرے پاس ایک اور حل بھی ہے۔"

کیدار نے کہا۔ "کیسا اور کون سا حل؟"

پنڈت گووند نے کہا۔ "وہ یہ کہ اس بار جب جنید کنپل سے ملنے گوالیار آئے
تو اس کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اسے خبر نہ ہو گی کہ کنپل ان دنوں آگرہ میں ہے۔ ظاہر ہے
وہ اگر آیا تو یہیں گوالیار میں ہی آئے گا۔ لہٰذا بہتر ہے کہ ہم اسے قتل کرا دیں۔ اس

طرح سارا بکھیڑا، ساری الجھن ہی دور ہو جائے گی۔"

کیدار نے خوفزدہ سی کیفیت میں کہا۔ "لیکن ایسا کرتے ہوئے خیال رکھنا کہ اگر کنپل اور
میرے پتا کو پتہ چل گیا کہ جنید کے قتل میں میرا بھی ہاتھ ہے تو میرے پتا مجھے بھی قتل کرا دیں
گے اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو کم از کم مجھے راج کے معاملات سے قطعاً ہی بے دخل کر کے
رکھ دیں گے۔"

پنڈت گووند نے کہا۔ "تم فکرمند کیوں ہوتے ہو۔ جب بھی کنپل سے ملنے جنید
گوالیار آئے تم اپنے بھروسے کا کوئی آدمی بھیج کر مجھے اطلاع کر دینا پھر دیکھنا میں کیسے
حرکت میں آتا ہوں۔ میں جنید کے پیچھے ایسے آدمی لگا دوں گا جو اسے دور ویرانوں کے
اندر اس طرح قتل کر دیں گے کہ کسی کو خبر ہی نہ ہو گی کہ کس نے کب اور کہاں جنید کو قتل کر
دیا ہے۔ بولو کیسا رہے گا یہ؟"

کیدار نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "یہ ہے تو ٹھیک لیکن اس ساری کارروائی میں
کہیں میرا نام نہ آئے۔ اگر میرے ماتا پتا اور میری بہن کو خبر ہو گئی کہ جنید کا نقصان میری وجہ
سے ہوا ہے تو سنو پنڈت گووند میں اپنوں کی ہی نظروں میں ایسا گر جاؤں گا کہ پھر کبھی سنبھل
نہ پاؤں گا۔"

پنڈت گووند نے کہا۔ "تم فکر اور چنتا نہ کرو کیدار! میں کسی کو کانوں کان خبر نہ
ہونے دوں گا کہ جنید کے قتل میں مجھے تمہاری مدد و حمایت بھی حاصل ہے۔"

کیدار اٹھ کھڑا ہوا اور کہا۔ "میں اب چلتا ہوں۔ اس سلسلے میں ہر قسم کی معاونت
مہیا کرنے کے لیے تیار ہوں کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ میری بہن کی شادی کسی کھشتری جوان
کے ساتھ ہو اور وہ بھی باقاعدہ سوئمبر رچانے کے بعد۔ یہی طریقہ کار راجکماریوں کے
شایانِ شان ہے۔"

کیدار مندر کے احاطے سے باہر نکل گیا جب کہ پنڈت گووند اپنے اس سکونتی کمرے
سے نکل کر مندر کے اندرونی حصّے کی طرف جا رہا تھا۔

○

جاڑا اپنے جنون پہ آرہا تھا۔ بہاروں کا فسوں خزاں کے پُرفریب جادو میں کھو گیا تھا۔ ہر شے گویا نازونے حبیب چھن جانے پہ خاموش و افسردہ تھی۔

ایک روز جب کہ سورج ابھی طلوع ہی ہوا تھا۔ جنید گوالیار میں راجہ بکرماجیت کے محل میں داخل ہوا۔ صدر دروازے کے قریب ابھی وہ اپنے گھوڑے سے اتر رہا تھا کہ ایک طرف سے محل کے اصطبل کا داروغہ احمد یوسف بھاگتا ہوا آیا اور جنید سے مصافحہ کرنے کے بعد اس نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔ "کاش! آپ کچھ یوم پہلے آئے ہوتے۔ اس محل کے ہر فرد کو بڑی بے چینی سے آپ کا انتظار تھا۔"

جنید نے فکرمندی سے پوچھا۔ "اور اب یہ سارے افراد کہاں چلے گئے ہیں؟"

احمد یوسف کہہ رہا تھا۔ "دہلی سے سلطان ابراہیم لودھی اور آگرہ سے ان کی ماں سلطانی بیگم کے خطوط لے کر ایک قاصد آیا تھا۔ سلطان ابراہیم نے راجہ بکرماجیت کو لکھا تھا کہ اپنا لشکر لے کر دہلی میں ان سے آملے جب کہ سلطانی بیگم نے اس محل کے دیگر افراد کو بلایا کہ وہ بکرماجیت کی واپسی تک آگرہ میں آکر رہیں۔ کنپیل، اس کی ماں کرن اور مالدیو آگرہ جا چکے ہیں جب کہ راجہ بکرماجیت اپنے لشکر کے ساتھ دہلی جا چکے ہیں۔ شاید دہلی کے سلطان ابراہیم لودھی کو خطرہ ہے کہ مستقبل قریب میں اسے بابر سے جنگ کرنا پڑے گی اس لیے اس نے اپنے سارے حریفوں کو ان کے لشکروں کے ساتھ دہلی طلب کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہاں اس محل میں اب صرف کیدار اور اس کا ماموں سیوداس ہی رہتے ہیں۔ بلکہ ان دنوں محل میں کیدار اکیلا ہی ہے کیونکہ سیوداس کچھ دنوں کے لیے شکار پر گیا ہوا ہے۔"

اچانک جنید کی نگاہ سامنے کی طرف اٹھی اور اس نے دیکھا محل کے ایک ستون کے پاس کیدار کھڑا تھا۔ احمد یوسف نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔ جب جنید کی نگاہیں کیدار سے چار ہوئیں تو آگے بڑھ کر جنید سے ملنے کے بجائے کیدار بیزاری کے عالم میں محل کے اندر چلا گیا تھا۔ احمد یوسف نے جنید کی طرف دیکھتے ہوئے انتہائی ہمدردی اور شفقت میں کہا۔

"جنید! میرے عزیز! تم اس کیدار کے رویے کو دل میں جگہ نہ دینا۔ یہ بدانتہائی

بد اور جہنم کا ذلیل ہے۔ اس کا سلوک عموماً مسلمانوں کے ساتھ اچھا نہیں ہوتا۔ میرے ساتھ بھی یہ اکثر اوقات بیزاری اور نفرت کا اظہار ہی کرتا ہے۔ پر میں نے کبھی اس کی کسی بات کو دل پہ نہیں بٹھایا۔ اس لیے کہ میں جانتا ہوں اس کی رگ رگ میں فساد اور روم روم میں فتنہ انگیزی بھری ہوئی ہے۔"

جنید نے احمد یوسف سے اپنے گھوڑے کی باگ لیتے ہوئے کہا۔ "یوسف! یوسف! میرے بزرگ! میں جن سے ملنے آیا تھا وہ یہاں ہیں ہی نہیں لہٰذا میں یہاں سے کوچ کرتا ہوں۔"

احمد یوسف نے کہا۔ "نہیں ہیں تو نہ سہی، میں خود آپ کی خدمت کروں گا۔"

جنید نے کہا۔ "سنو میرے بزرگ! تم نے دیکھا نہیں کیدار مجھ سے بیزاری کا اظہار کر کے واپس محل کے اندر چلا گیا ہے۔ اگر تم نے مجھے اپنے ہاں ٹھہرایا تو وہ تم پہ عتاب بن کر برسے گا اور میں نہیں چاہتا میری وجہ سے میرے بعد تم پہ کوئی مصیبت آئے۔ یاد رکھو تم میرے بزرگ ہو۔ میری نگاہوں میں تمہاری عزت اور وقار ہے لہٰذا میں تمہیں مصیبت اور اذیت میں نہ دیکھ سکوں گا۔"

جنید کی بات شاید احمد یوسف کے دل کو بھا گئی تھی۔ لہٰذا وہ خاموش رہا۔ جنید اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور محل سے نکل کر اس نے مہمیز لگاتے ہوئے اپنے گھوڑے کو دوڑا دیا تھا۔

گوالیار سے نکل کر آگرہ کی طرف جانے والی شاہراہ پر جنید اپنے گھوڑے کو درمیانی روی سے بھگا رہا تھا۔ ابھی اس نے پانچ میل ہی کی مسافت طے کی ہوگی کہ وہ ٹھٹھکا اور اپنے گھوڑے کو فوراً روکتے ہوئے اس نے جب مڑ کر دیکھا تو چار سوار اپنے گھوڑوں کو ایڑ پر ایڑ لگاتے، مارتے، بھگاتے اور سرپٹ دوڑاتے ہوئے آرہے تھے۔ جنید کا ماتھا ٹھنکا اس نے اپنے گھوڑے کو شاہراہ کے کنارے کھڑا کر لیا۔ اس کا دایاں ہاتھ تلوار کے دستے پہ اور بایاں ہاتھ ڈھال پر جا کر جم گیا تھا۔

جنید کے قریب آکر ان چاروں سواروں نے اپنے گھوڑوں کو روک لیا اور وہ گھور گھور کر جنید کو دیکھنے لگے تھے۔ جنید نے تنبیہہ کرنے والے انداز میں پوچھا۔ "تم چاروں کون ہو اور

مجھ سے کیا چاہتے ہو"۔

ان میں سے ایک نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم نے ایک راجکماری کو اغوا کر کے ہمارے دھرم کا اپمان کیا ہے۔ سو اس جرم میں ہم چاروں تم سے انتقام لیں گے"۔

جنید نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ "جدھر سے آئے ہو اُدھر ہی لوٹ جاؤ ورنہ یہاں تمہیں کسی اور ہی رنگ کی فضاؤں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لوٹ جاؤ اسی میں تمہاری بہتری اور فلاح ہے۔

ان میں سے ایک اور نے کہا۔ "تم اکیلے ہو کر ہم چاروں کو لوٹ جانے کی دھمکی دیتے ہو۔ سنو! تم اپنی پستی میں بلندی کا دھوکہ کھا رہے ہو۔ تم جانو ایک قطرے سے دریا، ایک گھر سے بستی اور ایک رنگ سے قوس قزح تو نہیں بن سکتی"۔

جنید نے کہا۔ "میں ایک قطرے کو دریا، ایک گھر کو بستی اور ایک رنگ کو قوس قزح میں تو نہیں بدل سکتا لیکن تم چاروں اگر پتھر اور لوہے کے انسان نہیں ہو تو میں اپنی تلوار سے تمہارے جسموں کو نہ مندمل ہونے والے زخموں سے ضرور داغ دوں گا۔ سنو! میں تمہارے لیے انسانی عظمت کا طلب گار ہوں۔ قبل اس کے کہ میں تمہیں غم کے حصار اور موت کے صحرا میں جکڑ دوں واپس لوٹ جاؤ کہ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ قسم ہے مجھے اپنے رب کی جو صرف کُن کہہ کر فرش کو عرش کا جامہ پہنا سکتا ہے۔ تم چاروں میری صورت میں اپنے لیے ان جان موسموں کی سختی اور غم و دکھ کی ہولناک کہر دیکھو گے۔

ان میں سے ایک نے اپنی تلوار بے نیام کرتے ہوئے کہا۔ "تو پھر سنبھلو اور دیکھو ہم کیسے تمہاری من کے پاگل پنچھی کے پر کاٹ کر اپنے سامنے مجبور و بے بس کرتے ہیں"۔ اس کے ساتھی ابھی اپنی تلواریں بے نیام ہی کر رہے تھے کہ اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر جنید پر حملہ کر دیا۔

جنید برق رفتاری سے حرکت میں آیا۔ اس نے فوراً اپنی تلوار ڈھال سنبھال لی۔ اس حملہ آور کا وار اس نے اپنی ڈھال پر روکا اور برق کے کوندے کی طرح جوابی حملہ کیا جسے اس کا مدِمقابل روک نہ سکا اور جنید کی تلوار اس کو دو حصوں میں کاٹتی ہوئی نکل گئی تھی۔ فضا میں

ایک کربناک چیخ بلند ہوئی اور پھر اس حملہ کرنے والے کے جسم کے دونوں ٹکڑے گھوڑے سے زمین پر گر گئے تھے۔ جنید نے اپنی خون ٹپکاتی تلوار ان کی طرف لہراتے ہوئے غراتی آواز میں کہا۔ "تم تینوں کا انجام بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہ ہوگا"۔

اچانک ان میں سے ایک نے اپنا خنجر نکال کر جنید کو دے مارا۔ جنید نے خنجر کے سامنے اپنی ڈھال کر کے روک لیا لیکن جس وقت پہلا اپنا خنجر پھینک رہا تھا اس کے ساتھ ہی دوسرے نے بھی اپنا خنجر جنید کو دے مارا۔ جنید نے اپنا آپ سمیٹ کر بچنا چاہا پر تیز دھار کا خنجر اسی کشمکش میں جنید کے بجائے اس کے گھوڑے کی گردن میں آ پیوست ہوا تھا۔ جنید گھوڑے کو خنجر لگنے پر کچھ پریشان ہوگیا لیکن اس کی ساری فکرمندی اس وقت رفع ہوگئی جب اس نے خنجر کھینچا اور دیکھا کہ خنجر گھوڑے کی گردن میں پیوست نہ ہوا تھا بلکہ گردن کے اوپری حصے میں گھوڑے کے گھنے بالوں کے اندر پھنس گیا تھا۔

جنید نے وہی خنجر پھل سے پکڑ کر لہرایا اور ان میں سے ایک کو جس کا وہ خنجر تھا اسے ہدف بناتے ہوئے اس نے خنجر دے مارا۔ خنجر اس زور اور قوت سے لگا تھا کہ وہ اس کی زرہ کو چیرتا ہوا اس کے دل میں جا پیوست ہوا تھا۔ اور وہ چکراتا، بل کھاتا اور اپنے پھٹے پھٹے حلقوم سے ایک بھیانک اور کربناک چیخ بلند کرتا ہوا اپنے گھوڑے سے گر گیا تھا۔

جنید نے پھر غراتی ہوئی آواز میں کہا۔ "اب تم دونوں کی باری ہے اور دیکھو میں کیسے تمہارے حریم انتظار میں تمہاری موت کی شمع کو روشن کرتا ہوں۔" پھر جنید بھرے آبشاروں اور طغیانی پر آتے ہوئے دریاؤں کی طرح آگے بڑھتے ہوئے ان دونوں پر حملہ آور ہوگیا تھا۔ اس نے اپنے تیز طوفانی حملوں سے اُن کے سارے حوصلوں کی اڑان کو شکنی کرتے ہوئے ان کے دل میں اندیشوں کی آگ اور پریشانی کے شرارے بھر دیئے تھے اور ان دونوں کو اپنے سامنے تھال کی طرح بجانے لگا تھا۔

ان دونوں نے ان لمحات کو اپنے لیے آخری موقع جانتے ہوئے دائیں بائیں بھرپور حملے کرتے ہوئے جنید پر قابو پانے کی انتہائی کوشش کی لیکن انہیں ناکامی ہوئی تھی۔ جنید

ان کے حملوں سے اپنا دفاع کرنے کے علاوہ ان پر تیز طوفانی حملے بھی کر رہا تھا۔ اچانک
ایک جھٹکے کے ساتھ اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچتے ہوئے اور ان سے لڑتے لڑتے جنید اپنا
گھوڑے کو ان دونوں کے بائیں پہلو میں لایا۔ پھر ایک کا وار اپنی ڈھال پر روک کر
دوسرے پر اس نے برق کے کوندے کی سی تیزی سے اس طرح تلوار گرائی کہ وہ اپنا بچاؤ
نہ کر سکا۔ اور جنید کی تلوار اسے خون میں نہلاتی ہوئی نکل گئی تھی۔

اپنے ساتھی کے اس طرح کٹ جانے پر دوسرا ملول اور پریشان ہو گیا تھا اور
اس نے اپنے آپ کو سمیٹ کر جنید کے سامنے صرف اپنا دفاع کرنے تک اپنے آپ
کو محدود کر لیا تھا لیکن اب اس اکیلے پر جنید کے حملے یوں تابڑ توڑ اور آندھی جھکڑ کی
طرح برسنے لگے تھے کہ اسے اپنا دفاع تک مشکوک نظر آنے لگا تھا۔ پھر اسی خوف
وحشت کی کیفیت میں وہ جنید کا ایک وار صحیح طرح سے روک نہ سکا اور جنید کی تلوار
نے اسے کاٹ کر رکھ دیا۔ جنید نے اپنی تلوار صاف کر کے نیام میں کر لی۔ ان چاروں کے
گھوڑوں کو اس نے ہانکا اور وہاں سے وہ کوچ کر گیا تھا۔

○

ان چاروں کے گھوڑوں کو راستے میں فروخت کرنے کے بعد جنید ایک روز
دریائے جمنا کے کنارے اس چوراہے پر آ رکا جہاں سے ایک شاہراہ سیدھی آگے دہلی
اور پانی پت کی طرف چلی گئی تھی۔ دوسری سڑک کنواہا کی طرف، تیسری رنتھمبور اور چندیری
اور چوتھی بنارس کی طرف جا رہی تھی۔ اپنے گھوڑے کو اس چوراہے پر روک کر جنید کچھ
سوچتا رہا۔ شاید وہ اپنی منزل کا یقین کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس چوراہے پر اپنے گھوڑے کو روک کر جنید گہری سوچوں میں کھویا رہا۔ پھر
شاید وہ کوئی فیصلہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ کیوں کہ اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا
آگرہ شہر کی طرف دوڑا دیا تھا۔

آگرہ شہر میں داخل ہونے کے بعد جنید اس محل کے پاس آیا جس کے اندر سلطان
ابراہیم لودھی کی ماں سلطانی بیگم اپنے ان گنت رشتہ داروں کے ساتھ قیام کرتی تھی۔ پہریداروں

پوچھتے ہوئے جنید محل کے اس حصے کی طرف آیا جس میں کنپل، اس کی ماں شنکل، بھائی
ابیراداس اس کی منگیتر کرن کو ٹھہرایا گیا تھا۔ اس حصے کے باہر کھڑے ایک پہریدار سے جنید
کچھ پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ ایک طرف سے مالدیو، کنپل اور کرن گھوڑے دوڑاتے ہوئے
آئے۔ انہیں دیکھتے ہی جنید گھوڑے سے اُتر گیا۔

جنید کو دیکھتے ہی حسین کنپل کی حالت خوشی میں ایسی ہو گئی تھی جیسے نیلم کے
آبگینے میں ارس چھلک گئی ہو۔ وہ جھلملاتی جھیلوں کے پانی، خم بہ خم زلفوں کے
ایوانوں اور لاجوردی فضاؤں کی ستارہ گری کی طرح پرکشش اور خوشنما ہو گئی تھی۔ وہ
اپنے گھوڑے سے فوراً اُتر گئی تھی اور یوں جنید کو دیکھے جا رہی تھی گویا ابھی تک اسے
جنید کی آمد کا اعتبار نہ ہوا ہو۔ پھر جنید کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے گھنٹیوں کی نغمہ
سرائی، جھیل کی طرح فسوں ساز اپنی آواز میں پوچھا۔ "آپ کب آئے آپ کے گھر
والے کیسے ہیں؟"

کنپل کے سوالوں کا جواب دینے کے لیے جنید کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ مالدیو
اپنے گھوڑے سے کودا اور بھاگ کر جنید سے بغل گیر ہو گیا تھا۔ جنید اور مالدیو کو
گلے ملتے دیکھ کر کنپل بدھ مت کے اشلوک اور عیسیٰ علیہ السلام کے سرمن کی طرح
خوشنما، شگفتگی کے حسین رشتوں کی طرح پرفشاں، پریم کتھا کی طرح پرکشش اور ہونٹوں
پر کھلتے تبسم کے کنول جیسی سکون ریز ہو گئی تھی۔

اتنی دیر تک کرن نے بھی آگے بڑھ کر جنید کو پرنام کیا۔ جنید اور مالدیو جب
علیحدہ ہوئے تو کنپل نے اک ادائے مہتابی کے ساتھ اپنی پوری شگفتگی سے پوچھا۔ "آپ
ادھر میں کب داخل ہوئے، آپ کے گھر والے کیسے ہیں اور ابھی آپ کہاں سے آ رہے ہیں۔"

جنید نے کہا۔ "ان سوالوں کا جواب تو میں کہیں آرام سے بیٹھ کر دوں گا پہلے
مجھے یہ بتاؤ تم تینوں اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے کدھر سے آ گئے ہو۔"

مالدیو نے کہا۔ "ہم ہر روز گھڑ سواری کرنے نکلتے ہیں اور ابھی وہیں سے لوٹ
رہے ہیں۔ آپ ہمارے ساتھ آئیں، ماتا جی آپ کو دیکھ کر بے حد خوش ہوں گی۔ وہ

ہر روز کسی نہ کسی بہانے آپ کو یاد کرتی رہتی ہیں اور بات بات پر کنپل کے
متعلق پوچھ لیتی ہیں ۔"

کنپل آگے بڑھی ایک ہاتھ میں اس نے پہلے ہی اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ رکھی
تھی اور دوسرے سے اس نے جنید کے گھوڑے کی باگ لیتے ہوئے کہا ۔" آئیے
چلیں ۔" جنید چپ چاپ ان تینوں کے ساتھ ہو لیا ۔ وہ ابھی چند قدم ہی محل کے
دروازے کی طرف بڑھے تھے کہ کچھ پہریدار بھاگتے ہوئے آئے اور سارے گھوڑوں
کو لے کر وہ محل کے اصطبل کی طرف لے گئے تھے ۔

مالدیوا اور کرن جنید کو دیوان خانے کی طرف لے گئے جب کہ کنپل بھاگتی ہوئی
محل کے اندرونی حصّے کی طرف گئی اور بلند آواز میں چلّانے لگی ۔" ماتا جی ! ماتا جی !
دیکھو کون آیا ہے ۔"

محل کے ایک کمرے سے شنکل نکلی اور اس نے بڑے پیار سے کنپل کی طرف
دیکھتے ہوئے پوچھا ۔" کون آیا ہے بیٹی !"

کنپل نے شرماتے لجاتے کہا ۔" وہ آگئے ہیں ماتا جی ! وہ آگئے ہیں ۔"

شنکل نے ہنستے مسکراتے اور زور دیتے ہوئے پوچھا ۔" وہ کون آگئے ہیں ؟"

کنپل نے اپنی گردن جھکاتے ہوئے کہا ۔" جنید آگئے ہیں ماتا جی !"

شنکل نے خوشی اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا ۔" وہ کب اور کس کے ساتھ
آیا ہے اور تو اسے کہاں بٹھا آئی ہے بیٹی !"

کنپل نے کہا ۔" ماتا جی ! میں، مالدیوا اور کرن گھڑ سواری سے لوٹ رہے تھے
تو وہ محل کے دروازے پر کھڑے تھے ۔ شاید یہ پہریداروں سے کچھ پوچھنا چاہتے
تھے کہ اوپر سے ہم تینوں آگئے ۔ مالدیوا اور کرن انہیں دیوان خانے میں لے گئے
اور میں آپ کو بلانے چلی آئی ہوں ۔"

شنکل نے دیوان خانے کی طرف جاتے ہوئے کہا ۔" میرے ساتھ آؤ بیٹی"
کنپل اور شنکل دونوں ماں بیٹی دیوان خانے میں داخل ہوئیں شنکل کو

جنید اٹھ کھڑا ہوا ۔ شنکل نے آگے بڑھ کر ایک ماں کی طرح جنید کی پیشانی چومی پھر
اس کے پاس ہی بیٹھ گئی ۔ مالدیوا اور کرن نے اِتنی دیر تک آتش دان میں آگ روشن کرا
دی تھی ۔ کنپل اپنے حریری لباس اور مرمری بدن کو سمیٹتی ہوئی جنید کے سامنے بیٹھ گئی ۔
جنید کے آنے پر وہ ایسی ہو رہی تھی جیسے نیل گگن پر اَن گنت چمکنے والے ستاروں کی نمو
اس کا حسین چہرہ اس ہیرے کی طرح ہو رہا تھا جس کے اندر سورج کی روشنی بھر دی گئی
ہو ۔ اتنے میں کرن اٹھی اور شنکل کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا ۔" میں کھانے کا انتظام
کراتی ہوں ۔"

پھر اس نے کنپل کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا ۔" تم بھی چلو گی کنپل !"
کنپل نے منہ سے کچھ نہ کہا ۔ بس خاموشی کے ساتھ اس نے نفی میں اپنا سر ہلا دیا
تھا ۔ کرن سمجھ گئی تھی کہ وہ جنید کے پاس سے نہیں ہٹنا چاہتی لہٰذا وہ ہلکے ہلکے مسکراتی
ہوئی باہر نکل گئی تھی ۔ اس کی اس معنی خیز مسکراہٹ پر کنپل بیچاری نے اپنی گردن جھکا
لی تھی اور اس کی حالت ایسی ہو گئی تھی گویا شبستان شام و سحر پہ اچانک جمود و حبس طاری
ہو گیا ہو یا سنہری مٹی میں چھما چھم بوندوں کی طرح اپنے وجود کا اظہار کرنے والا کوئی ضمیر
نسوانیت اپنے سرو کو سرنگوں کرتے قد کے ساتھ وجودِ جمالِ حبیب کے پیچھے چھپ کر
رہ گیا ہو ۔

پھر شنکل نے پیار سے جنید کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا ۔" تم ہند میں کب
داخل ہوئے بیٹا ! تمہاری ماں، بہن، نانا اور گھر کے دیگر افراد کیسے ہیں ۔"
جنید نے ہند میں داخل ہونے کے سوال کو ٹالتے ہوئے کہا ۔" میری ماں، بہن،
نانا اور گھر کے دیگر افراد سب ٹھیک ہیں ۔ میں نے ان سے آپ لوگوں کے ساتھ ملاقات کا
ذکر کیا تھا وہ بڑے خوش ہوئے تھے ۔"
شنکل نے ذرا رک کر اور کچھ سوچتے ہوئے پوچھا ۔" اے بیٹے ! کیا تم نے ان سے
ہمارا ذکر کیا تھا ۔"

جنید نے منہ سے کچھ نہ کہا ۔ اس نے صرف اثبات میں اپنی گردن ہلا دی تھی کنپل

ہمہ تن گوش ہو کر ان کی گفتگو سن رہی تھی۔

شنکل نے پھر پوچھا۔ "کنپل سے شادی کے متعلق ان کے کیا خیالات ہیں؟"

جنید نے اپنی گردن کو خم کرتے ہوئے کہا۔ "وہ مجھے کنپل سے شادی کرنے کی اجازت دے چکے ہیں۔"

شنکل کے چہرے پر خوشی سے گہری مسکراہٹ بکھر گئی تھی اور کنپل ؟ آہ اس کی خوشی، شرم اور سکون ملے جلے جذبات میں ایسی ہو گئی تھی گویا اس کی زندگی کی بساط پر دنوں اور چاند کی راتوں کی رت کا نزول شروع ہو گیا ہو۔

وہ اس فرد کی طرح خوش تھی جسے تاجِ دوامیت مل گیا ہو۔ وہ ایسی پرسکون تھی جیسے روشنی کی اڑانیں، شبنموں کے رنگ لیے اس کی آشاؤں کے آنگن میں رقص کناں ہوں۔ وہ اس طرح مطمئن اور شاداں تھی جیسے کائنات کے صحراؤں میں بہار آگئی ہو۔ بے چاری بار بار اپنا چہرہ چھپا لیتی تھی اور دزدیدہ نگاہوں سے کبھی کبھی جنید کو بھی دیکھ لیتی تھی۔

آگرہ کے اس محل میں تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر شنکل نے اسی گفتگو کو نئے مرحلے میں لے جاتے ہوئے پوچھا۔ "جنید! میرے بیٹے! کنپل کے پتا اپنے لشکر کے ساتھ دہلی جا چکے ہیں وہ بابر کے خلاف سلطان ابراہیم لودھی کی مدد کریں گے۔ ہمارے سلطان ابراہیم لودھی اور ان کی ماں سلطانی بیگم کے ساتھ دیرینہ مراسم چلے آ رہے ہیں اور ان مراسم کا ہی نتیجہ ہے کہ چتوڑ کے سنگرام (رانا سانگا) کو آج تک ہماری ریاست پر آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی کبھی جرأت نہیں ہو۔ ورنہ ابھی تک وہ ہماری ریاست کو اپنی عملداری میں مدغم کر چکا ہوتا۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ جب کنپل کے پتا اس مہم سے لوٹیں گے تو مالدیو، کرن، کنپل اور تمہاری شادی کر دی جائے گی۔ اس طرح میرے بوجھ سے کافی حد تک ہلکی ہو جاؤں گی۔ صرف کیدار باقی رہ جائے گا۔ اس کی کئی جگہ کی لیکن کہیں بھی وہ شادی کے لیے ہاں نہیں کرتا۔ نہ جانے وہ کیسی لڑکی سے شادی کرنے پر آمادہ ہو گا۔"

اپنی شادی کا سن کر کنپل نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا تھا اور شرم و لاج کے سنہرے عکس آگ بن کر اس کے چہرے پر جھلملانے لگے تھے۔ وہ رات کے اندر پوشیدہ چاندنی اور ڈوبی خواہش کی طرح پرفشاں ہو گئی تھی۔ جنید کے مل جانے کی خوشی میں بظاہر تو اس نے چہرہ ڈھانپ کر اپنے آپ کو چھپا رکھا تھا لیکن اندر ہی اندر وہ حروف گفتگو کی رم جھم بادو باراں، گیت بھرے نغمے، رس رچے موسم اور چھم چھم ہوا کے جھونکوں کی طرح مہکدار اور صندلی ہو گئی تھی۔

شنکل نے پھر بولتے ہوئے کہا۔ "جنید! جنید! تم اپنی ماں اور نانا کو ہی اپنے ساتھ لے آئے ہوتے تو ان کی موجودگی میں ہی تم دونوں کی میں شادی کرتی۔"

جنید نے کہا۔ "میرے نانا بوڑھے ہو چکے ہیں۔ اب وہ اس قدر طویل سفر نہیں کر سکتے۔ ہمارا پیشہ زراعت، کھیتی باڑی ہے۔ ہمارے اپنے باغات ہیں اور ان کی دیکھ بھال کے باعث میری ماں بھی گھر میں مصروف رہتی ہے۔ شاید ان میں سے کوئی بھی نہ آسکے۔ میرے نانا اور ماں اس شادی پر رضامند اور خوش ہیں۔"

شنکل نے ڈوبی سوچوں سے نکلتے ہوئے کہا۔ "شاید میرا بڑا بیٹا کیدار تمہاری اور کنپل کی شادی پر کبھی رضامند نہ ہو۔ کیوں کہ وہ مذہب میں کٹر اور پنڈتوں کی گرفت میں ہے لیکن تمہاری شادی کا فیصلہ چونکہ اس کے باپ کا ہے لہٰذا وہ اپنے باپ کے سامنے کبھی نہ بولے گا۔ وہ کبھی کبھی میری بات بھی ٹال جاتا ہے۔ یہ ایک مالدیو ہے جو میری ہر بات کا خیال رکھتا ہے۔ کبھی کبھی میں یوں محسوس کرتی ہوں جیسے میرا صرف ایک بیٹا مالدیو ہی ہو اور کیدار سوتیلا ہو۔

جنید! یوں تو یہاں کی روایات کے مطابق راجکماریوں کے سوئمبر رچائے جاتے ہیں لیکن مالدیو کے پتا کے لوٹتے ہی میں چپکے سے تمہاری اور کنپل کی شادی کرا دوں گی اور تم اسے لے کر سمرقند روانہ ہو جانا۔

سنو بیٹے! تمہاری خاطر کنپل مسلمان ہو چکی ہے لیکن اس کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔ یہ راز میرے، مالدیو، کرن اور میرے بھائی سیوداس کے علاوہ ہمارے داروغہ احمد یوسف تک محدود ہے۔ احمد یوسف ہی اسے اسلام کے متعلق درس دیتا رہا ہے۔ جنید! میرے

بیٹے! کنول مجھے بے حد عزیز ہے۔ اس کی خاطر میں ہر دکھ ہر تکلیف سہہ جانے کو تیار ہوں۔ جنید نے پرشوق اور پیار بھری نظروں سے کنول کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ میری خاطر مسلمان ہو چکی ہے تو پھر آج سے اس کا نام کلثوم ہے۔"

اس موقع پر مالدیو نے بولتے ہوئے کہا۔ "جنید بھائی! کنول کا یہ نیا نام ہمیں بہ… پسند ہے لیکن جب تک آپ دونوں کی شادی نہیں ہو جاتی اس وقت تک یہ نیا نام … میں رہے گا۔ اگر ہماری ریاستوں کے پنڈتوں کو خبر ہو گئی کہ گوالیار کی راجکماری کنول مس… چکی ہے اور اب اس کا نام کنول کے بجائے کلثوم ہے تو وہ ایک طوفان کھڑا کر دیں گے … کسی صورت بھی تم دونوں کی شادی نہ ہونے دیں گے۔ ایک بار تم دونوں کی شادی ہو گ… آپ کنول کو لے کر سمرقند چلے گئے تو پھر نہ ہی کیدار بھائی اور نہ ہی پنڈت کچھ کر سکیں گے … معاملہ خود بخود ہی وقت کے ساتھ ساتھ دفن ہو کر رہ جائے گا۔

جنید نے کہا۔ "آپ لوگ فکر نہ کریں۔ ہماری شادی تک کنول کا یہ اس… راز ہی میں رہے گا۔ ویسے بھی مجھے اس شادی سے قبل ہی اس کی ممکنہ عداوت کا اندا… سنو! میں تم لوگوں سے ملنے پہلے گوالیار گیا تھا۔ وہاں محل کے اندر سا… احمد یو… برا استقبال کیا تھا۔ محل کے ستونوں کے پاس کیدار کھڑا تھا اس نے مجھے دیکھا بھی … نے مجھے بٹھانا تو بعید مجھ سے گفتگو تک نہ کی۔ بلکہ میں نے اندازہ لگایا تھا کہ مجھ کو د… اس کی پیشانی پر نفرت اور بیزاری کی لکیریں گہری ہو گئی تھیں اور سنو پھر کیا ہوا جب … احمد یوسف سے خبر ہو گئی کہ آپ لوگ آگرہ جا چکے ہیں تو میں وہاں بیٹھنے اور سستانے … اسی وقت آگرہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

گوالیار سے ابھی میں نے چند میل کی مسافت ہی طے کی ہو گی کہ چار سوار میرے … میں لگ گئے۔ جب وہ میرے نزدیک آئے تو میں نے دیکھا کہ وہ کوئی پیشہ ور جنگجو تھے … بہترین جنگی لباس پہنے ہوئے تھے۔ انہوں نے آتے ہی مجھ سے تکرار شروع کر دی ان… تم نے گوالیار کی راجکماری سے شادی کا فیصلہ کر کے ہمارے دھرم کا اپمان کیا ہے اس… تمہیں سزا ملے گی۔ ان چاروں نے مجھ پر حملہ کر دیا لیکن میں نے ان چاروں کو قتل کر…

…ان کے گھوڑے بیچ کر ادھر چلا آیا۔ مجھے یوں لگتا ہے۔ اس میں بھی کسی کا ہاتھ ہو۔ کنول نے پہلی بار زبان کھولی اور انتہائی دکھ میں روتی ہوئی آواز میں اس نے … آہ! میں مر گئی، یہ کام میرے بھائی کیدار کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔ وہ صرف …ی کا نہیں میری جان کے بھی درپے ہے۔ کیوں کہ آپ پر حملہ میری ذات پر حملہ ہے۔ …شر پسندوں سے ہم دونوں کی حفاظت کرے گا اور ان کے منفی ارادے اور بری منشا …بھی پوری نہ ہوں گی۔"

جنید جواب میں کنول سے کچھ کہنا چاہتا تھا کہ کرن نے آ کر کھانا تیار ہونے کی اطلاع … وہ کھانے کے لیے اٹھ کر اس کے ساتھ ہو لیے تھے۔

جنید نے دو روز تک آگرہ کے اس محل میں کنول، مالدیو، تنکل اور کرن کے ساتھ …یا۔ تیسرے روز صبح سویرے اندھیرے منہ وہ وہاں سے کوچ کرنے کے لیے اصطبل میں … گھوڑے پر زین ڈال رہا تھا۔ اتنے میں محل کے سکونتی حصے کی طرف سے کنول آئی۔ وہ …امان اٹھائے ہوئے تھی۔ وہ قدموں کی اندھا دھند اور لگاتار یلغار کی طرح تھکی تھکی اور ملول تھی۔ شاید جنید کے جانے کے غم میں وہ ایسی ہو رہی تھی۔ وہ اصطبل میں داخل … اور چپ چاپ جنید کے گھوڑے کی خرجینوں میں وہ سامان ڈالنے لگی تھی جو وہ اٹھا کے …تھی۔ شاید وہ کھانے پینے کی اشیاء تھیں۔ جنید گھوڑے پر زین ڈالنے کے بعد اس …کسنے لگا تھا۔

فضاؤں میں ابھی اندھیرا تھا۔ چاند کی چاندنی ہر سو ہمہ جہت بکھری کائنات کی ہر …کو اپنے نور سے نہلا رہی تھی۔ ہر طرف ایک سکوت تھا جیسے چپ ہی طریقِ جہاں رہ …لوگ سو رہے تھے۔ تاہم مشرق سے سحر کے آثار واضح ہونے لگے تھے۔

خرجینوں میں سامان بھرنے کے بعد کنول سیدھی کھڑی ہو گئی اور ٹکٹکی باندھے وہ جنید …دیکھنے لگی جو کام میں مصروف تھا۔ گھوڑے کا تنگ کسنے کے بعد جنید سیدھا کھڑا ہوا …دیر وہ خاموشی سے اپنے سامنے اور اپنے قریب کھڑی کنول کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے …پکارا۔ "کنول! کنول! تم خاموش کیوں ہو؟"

کنپل نے روتی ہوئی آواز میں کہا۔" معاف کیجیے میں آپ کے اس طرح پکار
خلاف بھرپور احتجاج کرتی ہوں۔ میں اب ہندو نہیں مسلمان ہوں اور میرا نام کنپل
کلثوم ہے اور یہ نام آپ نے مجھے خود ہی دیا ہے۔"

جنید نے کہا۔" پر میں تو تمہیں اس وقت تک کنپل ہی پکاروں گا جب تک
کی شادی نہیں ہو جاتی اور دو روز قبل تمہاری ماتا، بھائی مالدیو اور خود تمہاری موجودگی
یہی فیصلہ تو ہوا تھا۔"

کنپل نے اپنائیت کے انداز میں کہا۔" یہ فیصلہ ضرور ہوا تھا لیکن اس
اصطبل میں ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں لہٰذا آپ مجھے کلثوم کہہ کر پکار سکتے
اب آپ کے اس دیئے ہوئے نام میں ہی میرا سکون اور میری تازگی پنہاں ہے۔"

جنید نے کہا۔" ٹھیک ہے میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں۔ آئندہ تنہائی میں
کلثوم ہی پکارا کروں گا۔"

کنپل ایک بار پھر جنم جنم کی تپسیا میں ڈوبی ہزاروں راگوں کی ودیا کی طرح
ہو گئی۔ لگتا تھا جنید کی جدائی کے خیالات نے اس سے اس کی گویائی اور نطق خیالات
چھین لیے ہوں۔ اصطبل میں جنید کے سامنے وہ چپ کھڑی تھی اور اس کی سانس
آواز تک سنی جا سکتی تھی۔

جنید نے پھر اسے پکارتے ہوئے کہا۔" کلثوم! کلثوم! اب جب کہ میں
سے کوچ کر رہا ہوں تم یوں چپ، ملول اور خاموش کیوں ہو۔ کیا تم چاہتی ہو یہاں
کے بعد میں بھی تمہاری وجہ سے اداس اور غمگین رہوں۔"

جنید کے کہنے پر کنپل نے فوراً اپنے آپ کو سنبھال لیا اور اپنے حسین اور پرکشش
پر اس نے زاہد شکن مسکراہٹ بکھیر لی تھی۔ خواہ وہ زبردستی کی مسکراہٹ تھی، پھر بھی تو
کنپل نے جنید کی خوشی کا خیال رکھتے ہوئے کوثر خلد خیال لہجے، تسنیم فکر اور غنچوں
جلوہ ریز ہواؤں میں مشک بار ہو جانے والے انداز میں کہا۔
" میں آگرہ کے اس محل میں انتہائی بے چینی اور فکرمندی سے آپ کا انتظار

آپ جانتے ہیں کئی لوگ اس امر کے خلاف ہیں کہ ہم دونوں کی شادی ہو۔ لہٰذا آپ سے
...نا ہے کہ آپ اپنا خیال رکھا کریں۔ اگر اپنے لیے نہیں تو میری خاطر ہی سہی۔ اگر آپ کو
...یا تو میں بکھر جاؤں گی۔ میں اب مسلمان ہو چکی ہوں۔ میں ایسی صورت میں نہ گوالیار
...سکوں گی اور نہ میں اپنے آپ کو آپ کی امانت ثابت کر کے آپ کے شہر انحسی میں
...کوئی پناہ حاصل کر سکوں گی۔ اب آپ ہی میرے امرلوک اور میری تقدیر کے
...رث ہیں۔ آپ کے بغیر میں ادھوری اور ناتمام ہوں۔"

جنید نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔" کلثوم! کلثوم! تم فکرمند نہ ہو۔ میں تمہیں
...نہ کروں گا۔ عنقریب میں پھر تمہاری طرف آؤں گا اور تمہیں ہمیشہ کے لیے اپنے ساتھ
...لے جاؤں گا۔ میری ماں، بہن، میرے نانا، ماموں اور پھوپھی بھی تمہیں دیکھ کر بیحد
...ہوں گے۔"

کنپل نے اس بار خوش کن لہجے میں کہا۔" ہمارے پاس ہمارا ایک خاندانی ہیرا ہے
...ے پتا نے میری ماں کو ان کی شادی پر دیا تھا۔ اب وہی ہیرا میری ماں نے آپ کے
...رنے کے لیے مجھے دے دیا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو ابھی اسے اپنے ساتھ لے جائیں وہ
...ے پاس ہے۔"

جنید نے کہا۔" نہیں، تم اپنے پاس ہی رکھو۔ تم اس کی بہتر حفاظت کر سکو گی میرے
...ا جنگ میں کہیں کھو جائے گا۔"

کنپل نے کہا۔" میں یہ رکھ تو لیتی ہوں لیکن یہ میرے پاس آپ کی امانت ہو گا۔ اب
...ے باہر چلیں۔ ماتا جی، کرن اور مالدیو بھائی ہم دونوں کا صدر دروازے پر انتظار کر
...ے ہیں۔ ان تینوں نے مجھے علیحدگی میں آپ سے بات کرنے کا موقع فراہم کیا تھا۔ میں
...آپ کے گھوڑے کی خرجین میں کھانے کی اشیاء اور پھل ڈال دیتے ہیں جو کسی روز
...آپ کے کام آ سکتے ہیں۔"

دونوں اصطبل سے نکل کر محل کے صدر دروازے کے پاس آئے وہاں شنکل،
کرن اور مالدیو پہلے سے کھڑے ان دونوں کے منتظر تھے۔ جنید نے اپنے گھوڑے کی

باگ پکڑ رکھی تھی۔ تشنکل اس کے قریب آئی اور اس کی پیشانی کو اس نے شفقت سے بوسہ دیتے ہوئے کہا۔" جلدی لوٹ کر آنا بیٹے! ہم بڑی بے چینی سے تمہارا انتظار کریں

سورج اب طلوع ہونے والا تھا۔ فضاؤں میں روشنی پھیلنے لگی تھی۔ جنید الوداعی نگاہ کنپل پر ڈالی۔ مالدیو سے مصافحہ کیا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ پھر نے ایڑ لگا کر اپنے گھوڑے کو ہانک دیا تھا۔ کنپل کی خمار آلود گہری پلکوں میں سنگین اداس گئی تھی۔ ان ہونٹوں کی طرح جن سے ہمیشہ کے لیے نطق و گویائی چھین لی گئی ہو۔

○

کنپل کا بڑا بھائی کیدار اپنے گوالیار کے محل سے راج مندر جانے کے لیے نکلا تھا کہ دروازے کے قریب ہی اسے پنڈت گووند دکھائی دیا۔ کیدار کو دیکھتے ہی پنڈت نے پوچھا۔" کدھر جا رہے ہو۔"

کیدار نے کہا۔" میں تو آپ کی طرف مندر ہی کو نکلا تھا۔ پنڈت گووند نے کہا آیا تو تمہاری طرف ہی تھا۔ پر آؤ اب دونوں مندر ہی کی طرف چلتے ہیں"۔

کیدار نے کہا۔" آپ خیریت سے تو آئے تھے"۔

پنڈت گووند نے کہا۔" خیریت کہاں ہے۔ میں تمہارے لیے ایک انتہائی خبر لایا ہوں"۔

کیدار نے فکر مند لہجے میں پوچھا۔" کیسی بری خبر۔ کیا اس کا تعلق میرے ماتا بہن بھائی سے تو نہیں"۔

پنڈت گووند نے کہا۔" نہیں اس کا تعلق جنید کی ذات سے ہے"۔

کیدار نے چونک جانے والے انداز میں پوچھا۔" کیا وہ ابھی تک زندہ ہے میں تو سمجھ رہا تھا کہ وہ ٹھکانے لگ چکا ہوگا اور جب میرے پتا جی ابراہیم لودھی اور بابر کی جنگ سے واپس لوٹیں گے تو میں انہیں کنپل کے لیے سوئمبر رچانے کو کہہ سکوں گا میں یہ برداشت نہ کر سکوں گا کہ میری بہن کی شادی ایک مسلمان سے ہو جائے"۔

پنڈت گووند نے کسی قدر پریشانی اور حیرت ملے جلے جذبات میں کہا۔" میں نے

بارشمہ نیم کے تلوار چلانے والے اس کے پیچھے لگائے تھے۔ مجھے تعجب ہے کہ وہ اکیلا ان سے بچ کر کیسے نکل گیا۔ مجھے تو انتظار تھا کہ وہ چاروں بہت جلد مجھے اس کے مارے جانے کی اطلاع کریں گے لیکن وہ جب نہ لوٹے تو مجھے فکر دامن گیر ہوئی۔ میں نے اپنے دو اور آدمی ان کے پیچھے روانہ کیے اور انہوں نے دیکھا کہ گوالیار شہر سے باہر چند میل کے فاصلے پر ان چاروں جوانوں کی لاشیں پڑی تھیں جنہیں میں نے جنید کے پیچھے لگایا تھا۔ وہ ان چاروں کو قتل کر کے خود جا چکا تھا۔ میں حیران ہوں کہ وہ اکیلا ان چاروں پر کیسے غالب آگیا جب کہ میرے چاروں آدمی میدان کے دھنی اور تلوار کے کام میں جواب نہ رکھتے تھے"۔

کیدار نے خشک لہجے اور مایوسی میں کہا۔" آپ کا مطلب ہے اب ہم جنید کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور وہ ہمارے سینے پر چکی کے پاٹ چلانے میں کامیاب ہو جائیگا"۔

پنڈت گووند نے دانت پیستے ہوئے کہا۔" ہرگز نہیں۔ اب میرا اس کے خلاف انتقامی جذبہ اور زیادہ خونخوار اور جلادار ہو گیا ہے۔ میں نے اپنے ایک ساتھی پنڈت سے مشورہ کیا تھا۔ اس نے مجھے دو ایسے جوان مہیا کرنے کا وعدہ کیا ہے جو ہر صورت میں جنید کو ٹھکانے لگا دیں گے۔

وہ دونوں بھائی جنگل سے درندوں کا شکار کرنے کا پیشہ کرتے ہیں۔ ان دونوں کو ہم بھاری رقم دے کر جنید کے پیچھے لگا دیں گے۔ میں نے یہ بھی معلوم کر لیا ہے۔ کہ جنید بابر کے لشکر کا ایک جرنیل ہے۔ میں ان دونوں جوانوں کو ادھر ہی روانہ کر دونگا"۔ مندر آگیا تھا لہذا پنڈت گووند خاموش ہو گیا پھر وہ دونوں مندر میں داخل ہو گئے تھے۔

❀

دولت خان اور غازی خان کی ساری عملداری پر قبضہ کرنے کے بعد بابر اپنے لشکر کے ساتھ سرہند شہر سے باہر ایک تالاب کے قریب پڑاؤ کیے ہوئے تھا اور اپنے جاسوس اس نے ابراہیم لودھی کی خبریں لانے کے لیے دہلی تک پھیلا دیے تھے۔ کچھ جاسوس اس نے چتوڑ کی طرف روانہ کر رکھے تھے تاکہ رانا سانگا کی حرکات و سکنات پر بھی نگاہ رکھے۔ یہاں سرہند شہر سے باہر ایک روز ابراہیم لودھی کا ایک سفیر آیا۔ جب اسے بابر کے سامنے اس کے خیمے میں پیش کیا گیا تو بابر نے پوچھا۔ "تمہیں کس غرض سے ابراہیم نے ہماری طرف روانہ کیا ہے"۔

سفیر نے کہا "میں آپ کے لیے یہ پیغام لے کر آیا ہوں کہ آپ فی الفور ہند کی سرزمین سے نکل جائیں۔ ورنہ سلطان ابراہیم لودھی آپ کے خلاف لشکر کشی کرنے پر مجبور ہوں گے۔ آپ اس سرزمین میں اجنبی ہیں۔ یہاں کی قدروں، یہاں کی رسومات، یہاں کے راستوں اور ضروریات سے ناواقف ہیں۔ لہٰذا جنگ کی صورت میں نقصان آپ ہی کا ہو گا۔ پھر کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ آپ ہند کی سرزمین میں جہاں تک آگے بڑھ چکے ہیں، اسی کو غنیمت جان کر یہیں سے کابل کو لوٹ جائیں"۔

بابر چند ثانیوں تک بڑے غور سے ابراہیم لودھی کے اس سفیر کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے
"کیا تمہارے پاس ابراہیم کی طرف سے کوئی تحریری پیغام بھی ہے"

سفیر نے کہا۔ "نہیں، میرے پاس یہی پیغام تھا جو میں آپ سے کہہ چکا ہوں"۔

بابر نے کہا۔ "اگر ایسا ہے تو سنو! اب ہند کی سرزمین سے ہمارا لوٹ جانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ سنو! ابراہیم لودھی کو آزادی کی قدر نہیں ہے۔ تبھی وہ اس سرزمین کے اندر مسلمانوں کے حقوق کے سامنے آنکھیں بند کر کے لاتعلق بنا ہے۔ اس کے سامنے میواڑ کے راجہ رانا سانگا نے گجرات کے حاکم مظفر شاہ پر لشکر کشی کی، اسے شکست دی اور اس کے کئی علاقے ہتھیا لیے، ابراہیم آنکھیں بند کیے پڑا رہا۔ اس کے سامنے مالوہ کی ریاست کے سلطان حاکم حسن محمود پر رانا سانگا نے اپنا ایک آدمی مدنی راؤ چندیڑی وزیر بنا کر ٹھونس رکھا ہے جو زبردستی مسلمانوں کی جاگیریں چھین کر ہندوؤں میں تقسیم کرتا ہے، پر ابراہیم نے رانا سانگا یا مدنی راؤ چندیڑی سے باز پرس تک نہیں کی۔

بابر نے ذرا رک کر کہا "مالوہ اور دیگر مسلمان ریاستوں میں مسلمانوں کا خون ہو رہا ہے لیکن ابراہیم لودھی نے ان کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ ہندو بدمعاش درندوں کے ہجوم کی طرح دندناتے پھرتے ہیں اور ابراہیم خاموش ہے۔ اس سرزمین میں کہیں ناکردہ کش مسلمانوں کی قبریں ہیں۔ کہیں احتجاج کرنے والے مسلمانوں کی چتائیں ہیں پر ابراہیم بے حس ہے۔ یہاں اس سرزمین میں قریہ قریہ، بستی بستی، شہر شہر مسلمان بچوں کی چیخیں، عورتوں کی آہیں، بیواؤں کے آنسو اور لڑکیوں کی لٹی ہوئی عصمتوں کے نشانات ہیں پر ان سب کے سامنے ابراہیم لودھی نے اندھے پن کا مظاہرہ کر رکھا ہے۔ لہٰذا اگر حالات ایسے نہ ہوتے تو ہم اپنی کابل کی سلطنت پر ہی اکتفا کرتے اور ادھر کا رخ نہ کرتے۔ سنو! ہمارا اب یہاں سے لوٹنا ناممکن ہے اس لیے کہ

ابراہیم لودھی ایک تنہائی زدہ صحرا ہے جس کے پاٹنے کا وقت آ گیا ہے۔ اگر اس نے ہمارے خلاف لشکر کشی کرنے کی کوشش کی تو اسے بتا دینا کہ ہم اس کی راہ میں غم کی دہری زنجیریں اور مجبوری کی بلند چٹانیں کھڑی کر دیں گے۔ اس فضائے لاثبات میں اسے رقیبوں

کی رقابت اور حریفوں کی شکایت کا سامنا ہوگا۔ اس نے اگر ہماری طرف پیش قدمی کی
کی تو وہ دیکھے گا میرے لشکری قوس قوس چٹانیں، قدم قدم زنجیریں اور وادی وادی شور
کر اس کی راہ روکیں گے

ابراہیم لودھی کو اب دہلی کا تاج و تخت ہمارے حوالے کرنا ہوگا تاکہ ہمارے لشکر
اس سرزمین میں پیار کے حروف، ستارہ و گلاب بن کر پھیلیں اور چراغ بن کر ہواؤں میں
جلتے ہوئے اپنے جذبوں کے مس سے اس سرزمین کو سنہری مٹی کی دھرتی بنا دیں۔ اب تم
جاؤ، لوٹ جاؤ اور ابراہیم لودھی کو میرا یہی پیغام دو۔

ابراہیم لودھی کے سفیر نے کہا۔ "مجھے میرے آقا نے یہ پیغام بھی دیا تھا کہ آپ ان
کے پاس کسی کو اپنا سفیر بنا کر بھیجیں تاکہ بات کچھ آگے بڑھے۔"

بابر نے کہا۔ "تم جاؤ، میں عنقریب ابراہیم لودھی کے پاس اپنا ایک سفیر روانہ
کروں گا۔" وہ سفیر اپنی نشست سے اٹھا۔ تعظیم کے لیے جھکا اور بابر کے خیمے سے
باہر نکل گیا تھا۔ بابر کے چہرے پر سکون تھا جیسے اس نے ایک معرکہ سر کر لیا ہو۔

چند ہی دن بعد بابر نے اپنے ایک سواتی لشکری کو سفیر بنا کر ابراہیم لودھی کی
طرف روانہ کیا۔ ابراہیم لودھی نے یہ غلطی کی کہ اس سفیر سے امن و صلح کی کوئی بات کیے بغیر
اس نے بابر کے اس سفیر کو قید میں ڈال دیا اور پھر ابراہیم لودھی نے اس پر ہی اکتفا نہ
کیا۔ سفیر کو قید و بند میں ڈالنے کے بعد اس نے اپنے نائب حمید خان کو جو فیروزہ حصار
کا حاکم تھا ایک جرار لشکر دے کر ہراول کے طور پر بابر کی سرکوبی کو روانہ کر دیا اور اس کے
پیچھے پیچھے خود بھی ایک عظیم لشکر کے ساتھ دہلی سے کوچ کر گیا۔

ان حالات کی اطلاع جب بابر کو ہوئی تو اس نے سرہند سے کوچ کیا اور گگر ندی
کے قریب دھو روستور کے مقام پر اس نے منزل کی۔ یہاں سے کوچ کرنے کے بعد بابر
نے اپنے لشکر کے ساتھ انبالہ سے کسی قدر آگے ایک تالاب کے کنارے پڑاؤ کیا۔ یہاں
اس نے حالات کا جائزہ لیا۔ ہمایوں کو اس نے اپنے پاس ہی رکھا اور جنید کو ہراول لشکر
کے ساتھ اس نے ابراہیم لودھی کے نائب حمید خان کی راہ روکنے کو روانہ کر دیا۔ یہاں

نے انتہائی دانش مندی سے کام لیا۔ جنید کی روانگی کے بعد اس نے ایک لشکر ہمایوں کو
پر بھی روانہ کر دیا تاکہ جب حمید خان جنید کے ساتھ جنگ میں مصروف ہو اس کے
ہر فیروزہ حصار پر قبضہ کر لیا جائے۔

حمید خان اور جنید کے لشکروں کا جب آمنا سامنا ہوا تو حمید خان نے جنید کو کوئی
ت نہ دی۔ اس لیے کہ اس کے زیرِ کمان جو لشکر تھا وہ اس کے لشکر سے کئی گنا بڑا
جو جنید کے پاس تھا۔ لہٰذا حمید خان نے کسی سوچ بچار اور توقف کے بغیر جنید پر حملہ
دیا۔ لیکن حمید خان کو اس وقت سخت مایوسی اور الجھن ہوئی جب جنگ اس کی امیدوں
اندازوں سے کہیں زیادہ طول پکڑنے لگی اور جنید اپنے خاص دستوں کے ساتھ ایک طرفہ
ن اور سحر دانش کی طرح چھلنے لگا تھا۔ اس کے حملوں میں ایسی تیزی اور زور داری
جیسے روشنی کی تیز لکیریں افسونِ حکمت کی طرح خزاں پوش اندھیروں میں داخل ہو کر
ے کو اپنی روشنی سے نہلا گئی ہوں۔ جنید کے وفا لباس لشکری اپنے قدموں کی طوفانی یلغار
ذہن کی بے حیات آرزوؤں کو دفن کرتے جا رہے تھے۔

لیکن اس وقت جب کہ حمید خان کے لشکری جنگ سے جی چراتے ہوئے پچھلی صفوں
ان کھسکنا شروع ہو گئے تھے اور اپنے لشکر کے پچھلے حصے میں کھڑے حمید خان کو اپنی
ت کے آثار صاف دکھائی دینے لگے تھے۔ فیروزہ حصار شہر پر قبضہ کرنے کے بعد ہمایوں
پنے لشکر کے ساتھ اس میدانِ جنگ میں پہنچ گیا۔

حمید خان کے لشکری تو پہلے ہی شکست خوردہ ہو رہے تھے اب جو ہمایوں بھی
لشکر کے ساتھ ان پر آ ٹوٹا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ میدانِ جنگ سے اس فرار
مید خان سب سے آگے آگے تھا۔ ہمایوں اور جنید نے کچھ دور تک اس شکست خوردہ
اقب کیا پھر وہ ڈھیروں مال غنیمت اور قیدی لے کر بابر کی طرف لوٹ گئے تھے۔

○

حمید خان کی شکست اور فیروزہ حصار کے سقوط کے بعد دہلی کا سلطان ابراہیم
لاکھ کے جرار لشکر کے ساتھ بابر کی سرکوبی کے لیے دہلی سے نکلا۔ اس کے

اس لشکر میں ایک ہزار جنگی ہاتھی بھی تھے ۔

بابر کو بھی ابراہیم لودھی کے کوچ کی اطلاعات مل گئی تھیں اس لیے کہ اس کے ہرکارے برابر دشمن کے اردگرد پرندوں کی طرح منڈلا رہے تھے ۔ بابر نے انبالہ سے کوچ کیا اور شاہ آباد سے آگے سرسادہ کے عین سامنے دریائے جمنا کے کنارے اس نے پڑاؤ کیا۔ یہاں بابر نے امیر توپ خانہ استاد علی قلی خان کو سات سو چھکڑے تعمیر کرنے کا حکم دیا ۔ جب یہ چھکڑے بن گئے تو بابر نے ایک بار پھر اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کیا اور پانی پت کے برابر میں آکر خیمہ زن ہوا ۔

ابراہیم لودھی کی آمد سے پہلے پہلے بابر نے اپنے سات سو چھکڑوں کو باہم باندھ اور چھکڑوں کے درمیانی فاصلہ میں اس قسم کے جال بن دیئے کہ ان کے اندر بڑے بڑے رکھے گئے جن میں سے اس کے سپاہی دشمن پر بآسانی گولہ باری اور تیر اندازی کر سکتے تھے اب بابر کے ایک طرف پانی پت کے مکانات اور اس کے سات سو چھکڑے اور دوسری طرف اس نے خندقیں کھدوا دی تھیں ان خندقوں کے درمیان مناسب فاصلے پر کئی سے جگہ چھوڑ دی گئی تا کہ سوار اس راستے سے جنگ کے حصار سے اندر باہر جا سکیں ادھر بابر اپنے جنگی انتظامات میں بُری طرح مصروف تھا ادھر ابراہیم لودھی اپنے ایک لاکھ کے جرار لشکر اور ایک ہزار جنگی ہاتھیوں کے ساتھ پانی پت کے میدان میں داخل ہو کر خیمہ زن ہوا ۔

یہاں ابراہیم لودھی نے انتہائی بزدلی، ناتجربہ کاری اور حماقت کا ثبوت دیا۔ اگر وہ آتے ہی بابر پر حملہ آور ہونے کے بجائے پانی پت کے میدان میں داخل ہو کر اس نے حالات کا جائزہ لینا اور ستانا شروع کر دیا تھا ۔

ابراہیم لودھی کی اس حماقت کا بابر نے پورا پورا فائدہ اُٹھایا ۔ اپنے جنگی انتظامات مکمل کرنے کے بعد دشمن سے چھیڑ چھاڑ اور اس کی جنگی قوت کا جائزہ لینے کی خاطر اس نے جنید کو حکم دیا کہ دشمن پر شب خون مارا جائے ۔ ابراہیم لودھی اپنے آباؤ اجداد کا خزانہ اپنے ساتھ لے کر آیا تھا اور شب خون مار کر اس سے بہت کچھ حاصل کیا جا

رات کے پچھلے حصے میں اور صبح ہونے سے تھوڑی دیر قبل جنید نے ابراہیم لودھی کے لشکر پر اس طرف شب خون مارا جس طرف لشکر کا سامان رکھا ہوا تھا ۔ یہ ایک ایسا زور دار شب خون تھا کہ ابراہیم لودھی کے لشکر میں بھگدڑ سی مچ گئی اور جنید دشمن کے ان گنت لشکریوں کو قتل کرنے کے بعد ڈھیروں سامان بھی چھین کر لے گیا ۔

دوسرے روز دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کے سامنے صف بندی کی ۔ ابراہیم لودھی کا لشکر بڑے تہور، اعتماد اور ترتیب کے ساتھ سامنے آیا ۔ اس موقع پر بابر نے ایک زور دار تقریر کرتے ہوئے اپنے لشکریوں کا حوصلہ بڑھایا اور جنگ کی ابتدا کر دی ۔ ابراہیم لودھی نے پورے لشکر کے ساتھ بابر پر حملہ کر دیا ۔ اس میں اس کے ایک ہزار تربیت یافتہ جنگی ہاتھی بھی شامل تھے ۔

سب سے پہلے استاد علی قلی خاں نے دشمن پر آگ برسائی پھر بابر کے میمنہ، میسرہ، ہراول اور قلب ابراہیم لودھی کے لشکر پر ٹوٹ پڑے ۔ صبح سے لے کر سورج ایک نیزہ بلند ہونے تک گھمسان کی جنگ ہوتی رہی ۔ اس دوران ابراہیم لودھی کے ہاتھی ترکوں کی گولہ باری اور تیر اندازی کو برداشت نہ کرتے ہوئے اپنے ہی لشکر کے ایک حصے کو روندتے ہوئے بھاگ گئے ۔ گو ہاتھیوں کے بھاگنے سے وقتی طور پر ابراہیم کے لشکر میں ایک بھگدڑ اور افراتفری ضرور برپا ہو گئی تھی لیکن جلد ہی ابراہیم لودھی نے اس کیفیت پر قابو پا لیا اور دوبارہ جنگ اپنے پورے عروج پر آ گئی تھی ۔

دوپہر تک یہ کیفیت رہی کہ بابر کا لشکر ابراہیم کے لشکریوں کو مارتا کاٹتا کافی دور تک پیچھے دھکیل کر لے جاتا لیکن وہ پھر آگے بڑھ آتے اور رزم گاہ پہلے کی طرح خون آلود ہونے لگتی لیکن دوپہر کے وقت چھکڑوں کے درمیانی حصے میں بنے ہوئے جالوں کے اندر سے بابر کے محفوظ دستوں نے دشمن پر ایسی گولہ باری اور تیر اندازی کی کہ ابراہیم کا لشکر جب ایک بار پیچھے ہٹا تو پھر دوبارہ آگے نہ بڑھ سکا اور پیچھے ہی ہٹتا چلا گیا ۔

اس روز خدا بابر پر مہربان تھا ۔ ابراہیم کا لشکر جب پسپا ہوا تو بابر کے لشکریوں کے حوصلے اور بڑھ گئے ۔ انہوں نے اپنے حملوں میں اور زیادہ تیزی اور خوفناکی پیدا کر

لی - اب حالت یہ ہوگئی تھی کہ ابراہیم لودھی کے لشکریوں پر بابر کے ترکوں کا ایسا رع
اور خوف طاری ہُوا کہ وہ ابراہیم لودھی کے لشکر کو کچی رس دار سبزی کی طرح کاٹنے لگے
پھر ابراہیم لودھی کے لشکر میں ایک عام بھگدڑ مچ گئی اور شکست کے آثار واضح ہو
اس ہولناک جنگ میں ابراہیم لودھی کے ہزاروں لشکری مارے گئے۔ خود ابرا
لودھی بھی ایک گمنام تُرک کے ہاتھوں مارا گیا اور اس کی لاش میدانِ جنگ کے اند
لاشوں کے ڈھیر میں سے نکال کر پہچان لی گئی۔ صرف ابراہیم لودھی ہی نہیں گوا
کا راجہ بکرماجیت بھی اس جنگ میں مارا گیا۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے بڑے بڑ
سورما اور بہادر جرنیل بھی اس جنگ کی نذر ہو گئے۔

ابراہیم لودھی کے لشکر میں سے ساٹھ ہزار پہلے ہی جنگ میں کام آ چکے تھے
باقی کا بابر نے دُور تک تعاقب کیا۔ ان میں سے اکثر کو جنگی اسیر بنا لیا گیا اور بہت کم لشکر
ایسے تھے جو اپنی جان بچا کر دہلی یا محفوظ جنگلوں کی طرف بھاگ جانے میں کامیاب ہوسکے
تھے۔ اس موقع پر بابر نے ہمایوں اور جنید کو آگرہ پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ کیا اور خو
وہ اپنے آدھے لشکر کے ساتھ دہلی کی طرف بڑھا۔

دریائے جمنا کے کنارے کو بابر نے اپنے لشکر کا مستقر بنایا اور دہلی شہر میں داخل
ہُوا۔ سب سے پہلے اس نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مزار پر حاضری دی اور فاتحہ
پڑھی۔ یہ بدھ کا دن تھا پھر بابر دہلی کے قلعہ میں داخل ہوا اور رات وہیں گزاری۔

دوسرے روز اس نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر فاتحہ پڑھی۔
اس کے علاوہ سلطان خلجی، غیاث الدین بلبن اور دیگر بادشاہوں کے مقبرے دیکھے
یہاں قیام کے دوران بابر نے خزانوں کو مہر بند کر دیا۔ اپنے ایک جرنیل ولی بیگ قرلی
کو دہلی کا حاکم مقرر کیا اور دوست محمد کو دیوان کے منصب پر مقرر کرنے کے بعد
بابر دہلی سے آگرہ کی طرف کُوچ کر گیا تھا۔

O

دہلی سے نکل کر بابر نے اپنے لشکر کے ساتھ تغلق آباد میں پڑاؤ کیا۔ جب لشکر

ے نصب ہو گئے اور بابر اپنے لشکر میں ایک چکر لگانے اور لشکریوں کے احوال پوچھنے
کے بعد اپنے خیمے میں آیا تو اس کے پیچھے پیچھے امیر علی قلی خان نے بھی خیمے میں داخل ہوتے
ہوئے پوچھا۔ "آقا! دہلی میں ابراہیم کے محل سے جو لوگ گرفتار ہوئے ہیں ان میں وہ باورچی
بھی ہیں جو شاہی مطبخ میں کام کرتے رہے ہیں، وہ اس وقت ہماری اسیری میں ہیں ان
کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے۔"

بابر نے کچھ سوچا پھر اس نے کہا۔ "انہیں اپنے ہاں ملازم رکھ لو۔ انہیں کہو جس
محنت اور لگن سے وہ ابراہیم لودھی کی خدمت کرتے رہے ہیں ویسے ہی میری
کریں۔ میں انہیں پہلے سے دُوگنا زیادہ مشاہرہ ادا کروں گا۔ مطبخ میں اُن کی تقرریاں
ویسے ہی ہوں گی جو ابراہیم لودھی کے وقت میں تھے۔"

امیر علی قلی بابر کے خیمے سے باہر نکلنے ہی والا تھا کہ اپنی جگہ پر وہ رُک گیا کیوں کہ
بابر کا ایک محافظ داخل ہُوا اور تعظیم دینے کے بعد اس نے کہا۔ "آقا! ایک
شخص گوالیار سے آیا ہے۔ اپنے آپ کو وہ گوالیار کا سفیر کہتا ہے اور کسی اہم کام کے
سلسلہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہے۔"

بابر نے کہا۔ "اسے فوراً اندر بھیجو۔"

بابر کا وہ محافظ جب باہر نکل گیا تو خیمے میں ادھیڑ عمر کا ایک شخص داخل ہُوا
اور بابر کو تعظیم دینے کے بعد اس نے کہا۔ "میں آپ کو دہلی کی فتح پر مبارک باد دیتا
ہوں۔ میں گوالیار سے آیا ہوں۔ مجھے وہاں کے حاکم تاتار خان سارنگ خانی نے آپ کی
طرف بھیجا ہے۔"

بابر نے فوراً اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "یہ تاتار خان سارنگ خانی کون ہے
اور کہاں سے آیا اور گوالیار کا حکمران کیسے بن گیا۔ گوالیار کا اصل مالک تو راجہ بکرماجیت
تھا جو ابراہیم لودھی کی طرف سے ہمارے ساتھ جنگ کرتا ہُوا مارا گیا۔ اب اس کے بعد
تو اس کا بیٹا وہاں کا حکمران ہونا چاہیے۔"

اس پر قاصد نے کہا۔ "اے آقا! تاتار خان رانا سانگا کا آدمی ہے۔ وہ رانا

سانگا کے لشکر میں ایک اچھے عہدے پر تھا۔ جب آپ اور ابراہیم لودھی کی جنگ چھڑی
سانگا نے تاتار خان کو ایک لشکر دے کر گوالیار پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ تاتار خان
پر حملہ آور ہوا۔ اس نے گوالیار کو فتح کر لیا اور وہاں کے حکمران اور راجہ بکرماجیت کے
کیدار کو بندی خانے میں ڈال دیا۔ رانا سانگا کا ارادہ تھا کہ وہ تاتار خان سے گوالیار فتح
کے بعد اسے ایک طرف کر دے گا اور گوالیار کا حاکم اپنے کسی ہندو جرنیل کو بنا دے
جب آپ نے ابراہیم لودھی پر فتح پائی تو رانا سانگا کو اور زیادہ فکر لاحق ہوئی اور وہ
جلد گوالیار پر کسی ہندو کو حاکم مقرر کر کے وہاں کے حالات اپنے حق میں مستحکم کرنا چاہتا
اس مقصد کے تحت رانا سانگا نے اپنے ایک ہندو جرنیل کو گوالیار کا حاکم مقرر کر کے
رکیا اور تاتار خان کو اس نے اپنے پاس طلب کر لیا۔

لیکن تاتار خان بھی بڑا ہوشیار آدمی ہے۔ اس نے رانا سانگا کے اس ہندو
کو قتل کر دیا اور رانا سانگا کے مقابلے کے لیے گوالیار میں حالات درست کرنے لگا۔ گوالیار
کے اندر شیخ محمد غوث نام کے ایک مسلمان صوفی اور درویش ہیں۔ ان سے استدعا کر کے
نے لوگوں کو اپنے حق میں کر لیا کیوں کہ شہر کے لوگ اس درویش کو قدر اور احترام کی نگاہ
دیکھتے ہیں۔

اپنے جرنیل کے قتل کے بعد رانا سانگا آگ بگولہ ہو گیا اور اس نے اپنے دو
جرنیل درمنگت اور خان جہاں کو تاتار خان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا ہے۔ ان میں
ہندو اور خان جہاں مسلمان ہے۔ رانا سانگا کے یہ دونوں جرنیل گو ابھی گوالیار سے کا
ہیں پھر بھی وہ گوالیار کی حدود میں داخل ہو کر تباہی مچا چکے ہیں اور انہوں نے ریاست
کے دوسرے بڑے شہر کندار پر قبضہ کر لیا ہے۔

بابر نے اس درپیش مسئلہ پر سوچتے ہوئے گوالیار کے اس سفیر سے پوچھا
موقع پر تاتار خان مجھ سے کیا چاہتا ہے؟"

اس سفیر نے اپنے سر کو جھکاتے ہوئے کہا۔" تاتار خان نے رانا سانگا کے
آپ سے مدد کی درخواست کی ہے۔ ساتھ ہی اس نے عمر بھر آپ کا مطیع و فرمانبردار

پاہے۔ اس طرح آپ کو گوالیار کے لیے کوئی جدوجہد نہ کرنی پڑے گی اور وہ خود آپ
اری میں شامل ہو جائے گا۔

یاد رکھیے اگر اس موقع پر آپ نے تاتار خان کی کوئی مدد نہ کی تو رانا سانگا بے دھڑک
بات گوالیار پر قابض ہو جائے گا۔ مالوہ کا مسلمان حکمران پہلے ہی اس کی مٹھی میں ہے
ان دونوں ریاستوں کو ضم کرنے میں کامیاب ہو گیا تو نہ صرف اس کی قوت میں اضافہ
ے گا بلکہ اس کے لشکریوں کے حوصلے بھی بلند ہو جائیں گے۔ اس طرح ہندوستان کے
آپ کی پیش قدمی کو روک دے گا اور مسلمانوں کے اتحاد و یگانگت کا جو پودا آپ
رزمین میں لگانا چاہتے ہیں رانا سانگا اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکے گا۔"

بابر نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔" جس طرح تم سوچ رہے ہو ایسا ہرگز نہیں ہو گا
تاتار خان کو رانا سانگا کے سامنے تنہا نہ چھوڑیں گے۔ رانا سانگا نے اگر تاتار خان کو ایک
بار گوالیار پر قبضہ کرنے کی کوشش کی ہے تو اس کی اس کوشش کو ہم کامیاب نہ ہونے
دیں گے۔ میرا بیٹا ہمایوں اور میرا ایک عمدہ ترین جرنیل اس وقت آگرہ کی طرف گئے ہوئے ہیں
آج ہی یہاں سے آگرہ کی طرف کوچ کر رہا ہوں۔ تاتار خان کو جا کر تسلی دو کہ ہم اس
دو لشکر روانہ کر رہے ہیں۔ ایک لشکر گوالیار کی حفاظت کرے گا اور دوسرا لشکر
سانگا کے دونوں نامور جرنیل درمنگت اور خان جہاں کی پیش قدمی کو روک کر ریاست
کا شہر کندار ان سے واپس لے گا۔"

گوالیار کے اس سفیر نے فکرمند لہجے میں کہا۔" کیا ایسا ممکن نہیں کہ درمنگت اور
جہاں کی پیش قدمی کو روکنے آپ خود اپنے پورے لشکر کے ساتھ روانہ ہوں۔
گت اور خان جہاں دو انتہائی زہریلے اور خوفناک جرنیل ہیں۔ ان کے پاس جو لشکر
تعداد میں آپ کے کل لشکر سے بھی زیادہ ہو گا پھر کیوں کہ آپ کا کوئی اکیلا جرنیل ان
بھیڑیوں کی اس ترکتاز کو روکنے میں کامیاب ہو گا۔"

بابر نے کسی قدر خفگی میں کہا۔" درمنگت اور خان جہاں کی پیش قدمی روکنے کے لیے
جرنیل کو روانہ کروں گا وہ میرے ترکش کا سب سے کڑا، مضبوط اور زہریلا تیر

ہے ۔ میں نے جب بھی کبھی اسے کہیں پر چلایا ۔ اس نے ہمیشہ کامیاب اور ...
دیئے ۔ درمنگت اور خان جہاں تو کیا رانا سانگا اگر ایسے کئی اور جرنیل بھی گوالیار
پر لگا دے تو بخدا میرا وہ جرنیل اتنی ہمت رکھتا ہے کہ ان سب کو بساط کی طرح
دے اور اپنی تلوار کی ضربوں سے انہیں میرے سامنے جھکنے پر مجبور کر دے ۔

سنو میرا وہ جرنیل جب درمنگت اور خان جہاں پر نزول کرے گا
زندگی بھر کی جنگی ممارست کو بھول کر اس شیر فرزند کے آگے آگے یوں بھاگیں گے
بے حوصلہ لومڑیاں بھوکے بھیڑیے کے آگے بھاگتی ہیں ۔ اب تم جا سکتے ہو ۔

گوالیار کے تاتار خان کا وہ سفیر جب بابر کے خیمے سے باہر نکل گیا
ثانیوں تک اپنے سامنے کھڑے امیر علی قلی خان کی طرف غور سے دیکھتا رہا ۔ پھر
بھاری تحکم آمیز آواز میں کہا ۔ "علی قلی ! حالات بڑی تیزی کے ساتھ ہمارے خلاف
کھلنے کی کوشش کر رہے ہیں ۔ لشکر کو ابھی اور اسی وقت یہاں سے آگرہ کی طرف
کوچ کرنے کا حکم دو ۔ کوچ سے پہلے اپنے میمنہ کے تیسرے دس ہزاری جرنیل
کو وہ فوج دے کر گوالیار کی طرف روانہ کر دو جو ہم نے لاہور اور بھیرہ سے بھرتی کی تھی ۔
سے کہو کہ وہ گوالیار شہر سے باہر رک کر شہر کی حفاظت اور انتظار کرے ۔ آگرہ جا کر
جنید کو درمنگت اور خان جہاں کی سرکوبی کے لیے روانہ کریں گے اور ان دونوں
نمٹنے کے بعد جنید گوالیار کا رخ کرے گا اور گوالیار پر قبضہ کر کے وہاں اپنی کچھ افواج
کرے گا اور تاتار خان کو ہماری طرف باقاعدہ گوالیار کا حاکم مقرر کر کے واپس لوٹے
گا ۔ سنو ! علی قلی خان ! اگر اس مہم میں ہم کامیاب رہے تو گوالیار خود بخود ہماری عملداری
میں شامل ہو جائے گا اور ہماری قوت میں اضافہ ہو گا ۔ دوسری طرف جب جنید درمنگت
اور خان جہاں کو شکست دے گا تو رانا سانگا پر ہماری ہیبت طاری ہو جائے گی اور
ہم پر حملہ آور ہونے میں جلد بازی سے کام نہ لے گا ۔ اس طرح ہمیں اس کے خلاف جنگ
میں آنے کے لیے اپنی قوت کو خوب مجتمع کرنے کا موقع مل جائیگا ۔"

امیر علی قلی خان کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل گئی تھی ۔ اس نے اپنے سر کو ...

... ہوئے کہا ۔ "آقا ! میں آپ سے مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں ۔" پھر علی قلی
خیمے سے باہر نکل گیا ۔ تھوڑی دیر بعد بابر وہاں سے اپنے لشکر کے ساتھ آگرہ
کی طرف کوچ کر رہا تھا ۔

O

ہمایوں اور جنید نے طوفانی انداز میں آگرہ شہر پر حملہ کر دیا تھا ۔ صرف ایک روز
کی جدوجہد کے بعد وہ آگرہ شہر کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے لیکن آگرہ شہر
میں ابراہیم لودھی کا جو لشکر تھا وہ شہر کے قلعہ میں محصور ہو کر مدافعت کرنے لگا تھا ۔
ہمایوں اور جنید کے پاس قلعہ شکن ہتھیار نہ تھے لہٰذا انہوں نے قلعے کا سختی سے محاصرہ
کر کے اور کھانے پینے کی اشیاء کو قلعے کے اندر لے جانے سے مکمل طور پر روک دیا ۔
ہمایوں اور جنید نے لشکر آپس میں آدھا آدھا تقسیم کر لیا تھا ۔
ہمایوں نے قلعے کے جنوبی اور مغربی حصّے کو محصور کر لیا تھا ۔ جب جنید نے
شمالی اور مشرقی سمتوں سے قلعے پر طوفانی حملوں سے دباؤ ڈالنا شروع کر دیا تھا ۔
ایک روز جب سورج مشرقی افق کو شفق آلود کرتا ہوا طلوع ہو رہا تھا ۔ اندھیرا
کسی بد نصیب کے بھاگتے نصیب کی طرح روپوش ہو گیا تھا اور روشنی نے ہر شے کو یوں تابناک
بنا دیا تھا جس طرح کسی دوشیزہ کے رخسار اپنے حبیب کے قریب آنے سے تمتما اٹھتے ہیں ۔
آفتاب ذرا بلند ہو کر اپنی تجلیاں اس طرح زمین پر نچھاور کرنے لگا تھا جیسے نور سے
لب جبرائیل سے اقراء کی صدائیں غارِ حرا کے اندر گونجنے بکھرنے لگی ہوں ۔
جنید اپنا جنگی لباس پہن کر اپنے خیمے سے نکلنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اس کے خیمے
پر محافظ اندر آیا اور کہا ۔ "اے امیر ! ہم نے دو نوجوان لڑکیوں کو گرفتار کیا ہے ۔
... قلعے کا چھوٹا دروازہ پیٹ کر اسے کھلوانے کی کوشش کر رہی تھیں قبل اس
کے کہ ان کے لیے دروازہ کھلتا ہم نے ان دونوں کو گرفتار کر لیا ۔ وہ دونوں اپنے
... سے شاہی کنیزیں لگتی ہیں ۔ ان دونوں کا کہنا ہے کہ ہمیں اپنے امیر کے پاس

جنید نے کہا۔ "انہیں اندر لاؤ۔"

وہ پہریدار باہر نکل گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد جب وہ لوٹا تو اس کے ساتھ دو جمیل اور نوجوان کنیزیں تھیں۔ جنید نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کسی قدر بھاری آواز میں پوچھا۔ "تم دونوں کون ہو اور اندھیرے منہ تم دونوں کیوں قلعے کا دروازہ پیٹ پیٹ کر اسے کھلوانے کی کوشش کر رہی تھیں۔"

ان میں سے ایک نے لب کشائی کرتے ہوئے کہا۔ "اے امیر! میرا نام طرہ ہے اور اس ساتھی کا نام زہرہ ہے۔ ہم دونوں مرحوم بادشاہ ابراہیم لودھی کی ماں سلطانی بیگم کی کنیزیں ہیں۔ جب آپ نے شہر پر حملہ کیا تو اہل شہر میں بھگدڑ مچ گئی۔ اسی افراتفری میں ہماری مالکہ سلطانی بیگم اپنے محافظوں کے ساتھ قلعے میں داخل ہو گئیں۔ پر بدقسمتی سے ہم دونوں باہر رہ گئیں۔ آج صبح ہم دونوں اس لیے دروازہ پیٹ رہی تھیں کہ شاید کوئی ہمیں پہچان کر قلعے کا چھوٹا دروازہ کھولے اور ہم دونوں قلعے کے اندر سلطانی بیگم کے پاس چلی جائیں۔ پر ہم دونوں کامیاب نہ ہوئیں اور آپ کے سپاہیوں نے ہمیں پکڑ لیا۔"

جنید کچھ کہنے والا تھا کہ خیمے میں ایک اور محافظ داخل ہوا اور اس نے جنید سے کہا۔ "اے امیر! آپ کو آقا ہمایوں نے بلایا ہے کوئی انتہائی اہم کام ہے۔"

جنید نے کہا۔ "تم میرا گھوڑا تیار کرو میں ابھی آ رہا ہوں۔"

وہ دوسرا محافظ جب باہر نکل گیا تو جنید نے اپنا اور اپنی ساتھی کا تعارف کرانے والی کنیز سے پوچھا۔ "کیا شہر کے اندر تمہارے رہنے کی کوئی جگہ ہے۔"

کنیز نے کہا۔ "اے امیر! جگہ تو ہے لیکن ہمیں وہاں اپنی جان اور آبرو کا خطرہ ہے۔ ہم ابھی تک شہر کے اندر سلطانی بیگم کے محل کے ایک خفیہ تہ خانے میں چھپی ہوئی تھیں۔"

جنید کے اپنے محافظ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "سلطانی بیگم کے محل میں ہی ان دونوں کے رہنے کا بندوبست کرو۔ ان کی حفاظت پر تین پہریدار لگا دو اور ان کے لباس و خوراک کا معقول بندوبست کرو۔ اور سنو! اگر کسی نے ان سے بدتمیزی کی تو اس کی گردن کاٹ دی جائے گی۔"

اس کنیز نے کہا۔ "اے امیر! ہم نے اپنے ذہن میں جو ایک مسلم امیر کا تصور قائم کر رکھا تھا۔ آپ اس پر پورے اترے ہیں۔ آپ نے ہم دونوں کی حفاظت اور ان کا جو انتظام کیا ہے ہم دونوں اس کے لیے آپ کی ممنون ہیں۔"

جنید نے کہا۔ "میں نے تم دونوں کا کام کر دیا ہے۔ اب تم دونوں میرا ایک کام کرو۔"

کنیز نے بڑی فراخدلی سے کہا۔ "کہیئے بسر و چشم۔"

"شاید تم دونوں کو خبر ہو سلطانی بیگم کے محل کے ایک حصے میں گوالیار کے راجہ بکرماجیت کی بیوی، بیٹی، بیٹا اور اس کی منگیتر ٹھہرے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں بہت تلاش کیا لیکن وہ نہیں ملے۔ کیا تم بتا سکتی ہو وہ کہاں ہیں؟"

اس بار دوسری کنیز نے پوچھا۔ "آپ انہیں کیسے جانتے ہیں؟"

جنید نے کہا۔ "وہ میرے پرانے جاننے والے ہیں۔ تم اگر ان سے متعلق کچھ جانتی ہو تو کہو۔"

کنیز نے کہا۔ "میں ان سب کو خوب اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ سلطانی بیگم کے محل میں رہ رہے تھے لیکن یہاں ان پر قیامت گذر گئی۔ راجہ بکرماجیت پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی کی حمایت میں آپ کے لشکر کے خلاف لڑتا ہوا مارا گیا۔ یہ خبر جب یہاں آگرہ میں پہنچی تو راجہ بکرماجیت کی بیوی شنکل یہ خبر سن کر گر پڑی اور دم توڑ گئی۔ شاید وہ اپنے شوہر کی موت کا غم برداشت نہ کر سکی تھی۔

اس کی موت پر اس کی بیٹی کنیل اور بھانجی کرن ہر وقت روتی رہتی تھیں۔ پھر یہ خبریں آنے لگیں کہ بابر کا لشکر اب آگرہ کا رخ کرنے والا ہے۔ لہٰذا مالدیو، کنیل اور کرن یہاں سے اپنا سب کچھ لے کر گوالیار چلے گئے لیکن وہاں سے جو خبریں آئی ہیں ان کے مطابق انہیں وہاں بھی سکون نہیں ملا اور اپنے شہر گوالیار میں بھی اب وہ ایک قیدی کی طرح ہیں۔"

جنید نے حیرت اور پریشانی میں پوچھا۔ ”یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ گوالیار میں کیوں کیسے اور کس کے قیدی ہیں“۔

کنیز نے کہا۔ ”گوالیار پر رانا سانگا کے ایک جرنیل تاتار خان سارنگ خانی نے قبضہ کر لیا ہے۔ اس نے راجہ بکرما جیت کے بیٹے کیدار اور مالدیو کو ان کے محل میں نظر بند کر دیا ہے۔ کنپل اور کرن کنے کو آزاد ہیں لیکن وہ بھی ایک طرح سے قید ہیں کیوں کہ وہ بھی اپنے محل میں نظر بند ہیں اور باہر نہیں جا سکتیں نہ ہی کوئی ان سے مل سکتا ہے“۔

کنپل کے حالات سن کر وقتی طور پر جنید کی حالت بگڑ گئی تھی لیکن جلد اس نے اپنے آپ پر قابو پا لیا اور محافظ سے کہا۔ ”تم ان دونوں کو سلطانی کے محل میں لے جاؤ اور ان کی حفاظت اور کفالت کا بندوبست کر دیں ہمایوں کی طرف جاتا ہوں“۔

جنید اپنے خیمے سے نکلا۔ باہر ایک محافظ اس کا گھوڑا پکڑے کھڑا تھا۔ جنید تیزی میں ایک زقند کے ساتھ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگا کر جنوب کی طرف دوڑا دیا تھا۔

O

جنید جونہی ہمایوں کے خیمے کے قریب آیا۔ وہاں کھڑے محافظوں میں سے ایک نے بھاگ کر جنید کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ جنید اپنے گھوڑے سے اُترا۔ جب ہمایوں کے خیمے میں داخل ہوا تو ہمایوں جو اپنی گدے دار نشست پر بیٹھا تھا اُٹھا اور جنید سے اس نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ”جنید! جنید! میں بڑی بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔

جنید نے ہمایوں کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”کیا آگرہ کے اس قلعے کے محاصرہ میں کوئی غیر معمولی تبدیلی ہوتی ہے“۔

ہمایوں نے کہا۔ ”ہاں تم اسے غیر معمولی تبدیلی ہی کہہ سکتے ہو۔ اس لیے

کہ قلعہ دار نے قلعہ ہمارے حوالے کرنے کے لیے اپنی کچھ شرائط پیش کی ہیں۔ آج صبح صبح اس کا ایک قاصد یہ شرائط لے کر آیا ہے اور کہا ہے کہ اگر ہم یہ شرائط مان لیں قلعے کے دروازے ہم پر کھول دیئے جائیں گے اور شہر کے ساتھ قلعہ بھی ہمارے حوالے کر دیا جائے گا“۔

جنید نے پوچھا۔ ”قلعہ دار نے جو شرائط پیش کی ہیں وہ کیا ہیں“؟

ہمایوں نے کہا۔ ”قلعہ دار نے سب سے پہلے ابراہیم لودھی کی ماں سلطانی بیگم کے لیے سات لاکھ روپے نقد کی مانگ کی ہے۔ اس کے علاوہ اس نے سلطانی بیگم کی رہائش کے لیے وہ قلعہ مانگا ہے جو شہر کے جنوب میں ایک کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کے دیگر مطالبات یہ ہیں کہ ان کے امراء کے پاس جو جاگیریں ہیں۔ ان پر ان کا تسلّط بحال رہنے دیا جائے۔ اس کے علاوہ اس نے کچھ اور امراء کے لیے بھی جاگیریں طلب کی ہیں“۔

جنید نے کہا۔ ”آگرہ کا قلعہ ہمارے حوالے کرنے کے لیے اگر اس کی یہی شرائط ہیں تو یہ بہت کم ہیں، ہمارے لیے آسان اور باعزت ہیں۔ قلعہ کے عوض انہیں مان لینے سے نہ ہماری سبکی نہ بے عزتی ہوتی ہے“۔

ہمایوں نے کہا۔ ”میں تم سے مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں۔ اس قلعہ کے لیے یہ شرائط بہت کم ہیں“۔

جنید نے کہا۔ ”تو پھر دیر کیسی، کسی قاصد کے ہاتھ ان شرائط کے سلسلے میں قلعہ دار کو اپنی رضامندی بھجوائیں تاکہ ہم قلعہ پر قبضہ کرنے کے انتظامات مکمل کرنا شروع کر دیں۔

ہمایوں جواب میں کچھ کہنے والا تھا کہ خیمے سے باہر ہمایوں کا ایک پہریدار بابر کے آنے کی نوید پکارنے لگا تھا۔ جنید اور ہمایوں نے ایک دوسرے کی طرف یوں دیکھا جیسے بابر ان کے اندازوں سے کہیں پہلے آگرہ پہنچ گیا ہو۔ پھر دونوں جلدی جلدی اُٹھ کر باہر آئے۔ انہوں نے دیکھا بابر خیمے کے سامنے گھوڑے سے اُتر رہا تھا۔ اور پہریدار

اس کے گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے تھے۔ جب کہ بابر کے ساتھ آنے والا لشکر ان سے پر
لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہو رہا تھا۔

جنید اور ہمایوں نے آگے بڑھ کر بابر سے مصافحہ کیا۔ پھر ہمایوں نے کہا "حضور آپ کی تغلق آباد سے آگرہ کو روانگی کی اطلاع مل گئی تھی لیکن مجھے اُمید نہ تھی آپ اتنی جلدی اور عجلت میں آگرہ پہنچ جائیں گے"۔

بابر نے کہا "حالات ہی کچھ اچانک ایسے ہو گئے ہیں کہ مجھے ہنگامی حالت میں آگرہ کی طرف آنا پڑا"۔

پھر بابر نے ہمایوں کے خیمے کی طرف جاتے ہوئے کہا "تم دونوں میرے ساتھ آؤ"۔ جنید اور ہمایوں چپ چاپ بابر کے ساتھ ہو لیے تھے۔

ہمایوں کے خیمے میں نشست پر بیٹھنے کے بعد بابر نے جنید اور ہمایوں کو اپنے سامنے بیٹھنے کو کہا۔ جب وہ دونوں اس کے سامنے بیٹھ گئے تو بابر نے کہا "پہلے مجھے یہ بتاؤ آگرہ کے اس قلعے کے فتح ہونے میں کیا رکاوٹ ہے"۔

ہمایوں نے کہا "قلعہ دار نے آج ہی چند شرائط کے عوض قلعہ ہمارے حوالے کر دینے کی پیش کش کی ہے"۔

بابر نے پوچھا "وہ شرائط کیا ہیں"۔

ہمایوں نے کہا "ان کا مطالبہ ہے کہ ابراہیم کی ماں سلطانی بیگم کو جو اس وقت قلعے میں محصور ہے۔ سات لاکھ کی نقد رقم ادا کی جائے اور اسے رہنے کو وہ قلعہ دیا جائے جو آگرہ سے ایک کوس جنوب میں ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے امراء کی جاگیریں بحال رکھنے اور کچھ نئے امراء کے لیے جاگیریں طلب کی ہیں"۔

بابر نے کہا "ان شرائط کو مان لو۔ ابراہیم لودھی کی ماں کو سات لاکھ کی رقم ادا کر کے اسے عزت و احترام کے ساتھ اس قلعے میں منتقل کر دیا جائے جس میں رہنے کی اس نے خواہش ظاہر کی ہے۔ امراء کی جاگیریں بحال رکھی جائیں اور نئے امراء کو جہاں وہ چاہیں جاگیریں دے دی جائیں۔ ان شرائط کے عوض فوراً آگرہ کے قلعہ پر

کر لیا جائے۔ اب وہ سنو کہ جو میں کہنا چاہتا ہوں"۔

"جس وقت ہم ابراہیم لودھی کے ساتھ جنگ مصروف تھے۔ رانا سانگا نے اپنے ایک جرنیل تاتار خان سارنگ خانی کو ایک جرار لشکر کے ساتھ گوالیار کی طرف بھیج دیا۔ تاتار خان نے گوالیار پر قبضہ کر لیا اور وہاں کے حاکم راجہ بکرماجیت کے ... کو اس نے قید کر دیا۔ رانا سانگا کی نیت خراب تھی وہ صرف تاتار خان سے گوالیار ہی فتح کرانا چاہتا تھا اور اس فتح پر تاتار خان کو کوئی اہمیت نہ دینا چاہتا تھا۔ وہ گوالیار کو مستقل اپنی عملداری میں شامل کر کے وہاں اپنے ایک ہندو جرنیل کو حاکم مقرر کرنا چاہتا تھا لیکن تاتار خان نے عقلمندی سے کام لیا۔ جب وہ ہندو جرنیل گوالیار پہنچا تو تاتار خان نے اسے قتل کر دیا۔ اس پر رانا سانگا سیخ پا ہو گیا اور اس نے اپنے بہترین جرنیل درمنگت اور خان جہاں کو ایک جرار لشکر کے ساتھ تاتار خان کی سرکوبی کے لیے روانہ کر دیئے۔

درمنگت اور خان جہاں نے ریاست کے دوسرے بڑے شہر کندار پر قبضہ کر لیا۔ انھوں نے ریاست کے علاقے میں تباہی مچا رکھی ہے اور آہستہ آہستہ دہشت پھیلاتے ہوئے وہ گوالیار کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اگر اس موقع پر درمنگت اور خان جہاں کی یلغار اور پیش قدمی کو ہم نے نہ روکا تو وہ دونوں بآسانی گوالیار پر قبضہ کر کے تاتار خان کو قتل کر دیں گے۔

تاتار خان کو اس خطرے کا احساس ہے لہٰذا اس نے اپنا ایک ایلچی مدد کی درخواست دے کر میرے پاس تغلق آباد روانہ کیا تھا۔ تاتار خان نے درخواست کی ہے کہ ہم درمنگت اور خان جہاں سے گوالیار کو بچائیں۔ اس نے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ وہ گوالیار کو ہمارے حوالے کر دے گا اور ہمیشہ مطیع و فرماں بردار بن کر رہے گا۔ میں نے ابتدائی قدم کے طور پر اپنے میمنہ کے تیسرے دس ہزاری جرنیل رحیم داد کو اس لشکر کے ساتھ گوالیار روانہ کر دیا ہے جو ہم نے لاہور اور بھیرہ سے بھرتی کیا تھا۔

رحیم داد کو میں نے سمجھا دیا ہے کہ وہ گوالیار سے باہر رک کر شہر کی حفاظت

کرے۔ اب درمنگت اور خان جہاں کو روکنے کا کام باقی ہے اور جنید اس کے لیے
میں نے تمہارا انتخاب کیا ہے۔ بجملا میرے پورے لشکر میں تم وہ واحد جرنیل ہو
درمنگت اور خان جہاں جیسے خونخوار جرنیلوں سے نمٹنے کی مکمل صلاحیت رکھتا
اور جس پر میں بدترین حالات میں بھی مکمل طور پر بھروسہ کر سکتا ہوں۔"

جنید نے کہا۔ "میرے آقا! آپ اعتماد رکھیں۔ میں درمنگت اور خان جہاں
کے خلاف آپ کی اُمیدوں پر پورا اتروں گا۔"

بابر نے کہا۔ "تو پھر سنو جنید! تم خان جہاں اور درمنگت کی سرکوبی کے لیے
گوالیار کا رُخ کرو۔ رحیم داد کو میں نے سمجھا دیا ہے۔ وہ گوالیار سے باہر تمہارا انتظار
کرے گا۔ تم گوالیار پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں میری طرف سے تاتار خان کو حاکم مقرر
کرنا اور واپس میرے پاس چلے آنا لیکن تمہاری یہ روانگی آج شام کو ہوگی اس لیے
کہ آج علی قلی خان اپنی بیٹی سیرک کی شادی تمہارے بھائی تیمور سے کرنا چاہتا ہے
شاید اس سلسلے میں وہ تم سے گفتگو بھی کرے۔ ویسے تم خود بھی ان سے مل لو۔

جس لشکر کے ساتھ تم اور ہمایوں نے اس قلعے کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ اس پورے
لشکر کو لے کر آج شام تم درمنگت اور خان جہاں کی طرف کوچ کر جانا ہے۔ ان دونوں
نے اِن دِنوں کندار کے قرب وجوار میں غارت گری کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ اب تم
دونوں اُٹھ کر میرے ساتھ آؤ اور اس لشکر کی تیاری کا انتظام کریں جو آج شام کو
کوچ کرے گا اور جو لشکر میرے ساتھ آیا ہے اس کے پڑاؤ کا بندوبست کر کے آگرہ
کے قلعے دار سے شرائط طے کر لیں۔

تینوں اُٹھ کر باہر آئے۔ انہوں نے دیکھا ذرا فاصلے پر علی قلی خان اور تیمور
آ رہے تھے۔ بابر نے جنید سے کہا۔ "جنید! جنید! علی قلی اور تیمور شاید تم سے ہی
ملنے آ رہے ہیں۔ تم ان دونوں سے شادی سے متعلق بات کر لو۔ اس کے بعد لشکر کی
تیاری کے باعث شاید تمہیں وقت نہ ملے۔"

جنید بابر کے پاس سے ہٹ کر اس طرف بڑھا جدھر سے امیر علی قلی خان

اور تیمور آ رہے تھے۔ ان کے پاس جا کر جنید نے باری باری دونوں سے مصافحہ کیا۔ ابھی وہ کچھ
کہنے ہی والا تھا کہ امیر علی قلی نے کہا۔ "ہم دونوں ایک اہم فیصلہ کے لیے تمہاری طرف
آ رہے تھے۔"

جنید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ اہم فیصلہ تیمور اور سیرک کی شادی ہے
تو بابر مجھے اس سے متعلق تفصیل سے بتا چکے ہیں۔ اگر یہ شادی ابھی ہو جائے تو
اچھا ہے کیوں کہ شام تک میں رانا سانگا کے دو جرنیل درمنگت اور خان جہاں کی
سرکوبی کے لیے یہاں سے کوچ کر رہا ہوں۔"

علی قلی خان نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔ "آج نہیں بلکہ ابھی تھوڑی دیر
بعد تیمور اور سیرک کا نکاح ہوگا۔"

جنید نے اس بار تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تیمور! میرے بھائی!
شادی کے بعد سیرک کو ساتھ لے کر چند ماہ کے لیے گھر چلے جانا۔ نانا، ماموں،
خالہ اور پھوپھیاں ہم دونوں سے متعلق فکر مند ہوں گی۔ میرے پاس کچھ نقدی ہے
وہ لیتے جانا۔ اگر یہ درمنگت اور خان جہاں کی مہم درپیش نہ ہوتی تو شاید میں بھی
کچھ یوم کے لیے تمہارے اور سیرک کے ساتھ گھر جاتا۔ گھر والوں کو میری خیریت سے
اطمینان دلانا۔

تم دونوں اکیلے سفر نہ کرنا۔ میں یہاں پریشان رہوں گا۔ کسی تجارتی کاروان
یا قافلے کے ساتھ سفر کرنا۔ نانا اب بوڑھے ہو چکے ہیں۔ ان سے کام نہ ہوتا ہوگا۔
ماموں اور منصور بھائی باغات اور کھیتوں کی دیکھ بھال کرتے ہوں گے لیکن یہ کام
بہت زیادہ ہے۔ اگر نانا یا ماموں تمہیں وہاں روکنا چاہیں تو تم رُک جانا۔ ایک
تو انہوں نے باغات اور کھیتوں کا کام بڑھا لیا ہے۔ دوسرے جب ان میں ہمت تھی
تو وہ چار آدمیوں کا کام اکیلے کر جاتے تھے۔ اب ان میں ہمت نہیں اگر وہ وہاں
تمہاری ضرورت محسوس کریں تو رُک جانا۔ سیرک بھی خیموں کی اس زندگی کی نسبت
ان کے اپنے شہر کے باغات اور کھیتوں میں خوش رہے گی۔"

جنید جب خاموش ہوا تو علی قلی نے تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: تیمور! جنید کی باتوں پر عمل کرنا ۔ خدا کی قسم! ایسی باتیں مخلص بھائی اور سعادت فرزند ہی کرتے ہیں ۔ سیرک وہیں رہنا پسند کرے گی جہاں تم چاہو گے ۔ جب تم سے جاؤ تو سیرک کی ماں اور میری بیوی کو بھی ساتھ لیتے جانا وہ بھی اپنے زخم دل کی خاطر اداس اور پریشان ہے ۔ اگر تم دونوں واپس آنا چاہو تو اسے بھی ساتھ آنا ورنہ وہ بھی وہیں اپنے گھر میں رہے گی تاکہ وہ وہاں رہ کر اپنی بیٹی سیرک سے ملتی رہے ۔ اب تم دونوں میرے ساتھ آؤ تاکہ بابر سے بات کر کے اس شادی کا انتظام کریں ۔ جنید اور تیمور دونوں امیر علی قلی کے ساتھ اس طرف ہو لیے جہاں چند قدم کے فاصلے پر بابر اور ہمایوں دونوں باپ بیٹا کھڑے شاید ان ہی کے منتظر تھے ۔

بابر اور ہمایوں سے مشورہ کرنے کے بعد اسی روز تیمور اور سیرک کی شادی کر دی گئی ۔ آگرہ کے قلعہ دار کی شرائط مان کر اسی روز قلعہ پر قبضہ کر لیا گیا ۔ ابراہیم لودھی کی ماں کو سات لاکھ روپے نقد ادا کر کے اس قلعے میں منتقل کر دیا گیا جس میں رہنے کی اس نے خواہش کی تھی ۔

زہرہ اور طروبہ دونوں کنیزیں جنہوں نے جنید کے پاس آ کر پناہ لی تھی وہ بھی سلطانی بیگم کے ساتھ چلی گئیں ۔ شام تک جنید بھی وہاں سے کوچ کر گیا اور دو روز بعد تیمور اور سیرک دونوں میاں بیوی سیرک کی ماں کے ساتھ سمرقند کی طرف روانہ ہو گئے تھے ۔

سرما کی برسات کے دن شروع ہو گئے تھے ۔ درد کی لکیروں کی طرح گہرے بادلوں نے ہر شے کو ایک طرح سے دھند میں اسیر کر لیا تھا ۔ سردی خوب تیز ہو گئی تھی اور تیز سرد ہوائیں نطق و گویائی کا شعور تک چھیننے لگی تھی ۔

جنید اپنے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی سے رانا سانگا کے جرنیل درمنگت اور خان جہاں کی طرف بڑھ رہا تھا ۔ ان دونوں سے متعلق تفصیل جاننے کے لیے اس نے اپنے جاسوس آگرہ سے کوچ کرنے سے پہلے ہی روانہ کر دیئے تھے تاکہ

درمنگت اور خاں جہاں سے متعلق اطلاعات فراہم کر سکیں ۔ جنید ابھی ...درمنگت اور خاں جہاں سے کافی دور ہی تھا کہ اس کے جاسوس خبر لائے کہ جاڑے کی ...ات کے دن آرام اور سکون سے گزارنے کے لیے رانا سانگا کے یہ دونوں جرنیل کندار ...جنوب مغرب میں ایک محفوظ کوہستانی وادی کے اندر خیمہ زن ہیں ۔

جنید کے جاسوس یہ خبر بھی لائے کہ درمنگت اور خاں جہاں کے لشکروں کی تعداد ...کے لشکر سے دس گنا سے بھی کہیں زیادہ تھی ۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنے لشکر کا ...حصہ جو کندار شہر کی حفاظت پر تعین کر رکھا تھا وہ اس کے علاوہ تھا ۔

اپنے جاسوسوں سے درمنگت اور خاں جہاں سے متعلق اطلاعات ملنے کے بعد ...نے اپنی عمدہ ترین صلاحیتوں اور بہترین حربی مہارت کا مظاہرہ کیا ۔ سردی اور ...تے کالے سیاہ بادلوں کی پرواہ کیے بغیر وہ کندار شہر کی طرف بڑھا ۔

ایک روز جب کہ شام ابھی ابھی ہوئی تھی کہ جنید کندار شہر سے ذرا فاصلے پر رک ...یہ جگہ دھرم دھت، کشتا اور لیراج کی دریا کنارے کی بستی دیرجانی کے بالکل قریب ...یہاں جنید نے اپنا لشکر روک دیا اور خیمے نصب کر کے پڑاؤ کرنے کا حکم دیا ۔ ایک ...ان پہنچنے پر موسلا دھار بارش شروع ہو گئی تھی دوسرے جنید اپنے لشکر کو آرام کا موقع ...کر اگلے روز اس وقت کندار شہر پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا جب صبح سویرے شہر کے ...دروازے کھلتے ہوں اور لوگ مال کے لین دین کے سلسلے میں آمد و رفت شروع کر چکے ہوں ۔ ...جنید نے لشکر کو خیمے نصب کرنے اور وہاں پڑاؤ کرنے کا حکم دے دیا تھا تاہم اس ...بار دگرد کے علاقے پر نگاہ رکھنے کے لیے اپنے کچھ دستے ضرور متعین کر دیئے تھے ۔ ...چمڑے کی چادروں کے چھپر تان کر آگ روشن کی گئی اور لشکر کے لیے کھانے کا انتظام ...نے لگا تھا ۔

ایک محافظ جنید کے خیمے میں آگ روشن کرنے کے بعد جب باہر نکلا تو جنید نے اپنا ...لباس تبدیل کیا اور گیلا لباس نے خشک ہونے کو آگ کے پاس پھیلا دیا تھا ۔ پھر وہ کمبل ...اوڑھ کر اس چٹائی پر بیٹھ گیا جو محافظ آگ کے پاس بچھا گیا تھا ۔

ابھی اسے وہاں بیٹھے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اس کے خیمے کا ایک محافظ آیا اور کہا۔ "اے امیر! ایک لڑکی اور ایک اس کا بھائی آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

جنید نے تعجب سے پوچھا۔ "کوئی لڑکی اور اس کا بھائی رات کے اس وقت طوفانی بارش میں مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ تم نے ان کے نام تو پوچھے ہوتے۔"

محافظ نے کہا۔ "امیر! میں نے ان دونوں کے نام پوچھے ہیں۔ لڑکی کا نام کرشتا اور اس کے ساتھی جوان کا نام بیراج ہے۔ دونوں بہن بھائی ہیں۔"

جنید فوراً اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور اس محافظ سے کہا۔ "ان دونوں بھائی بہن کو فوراً اندر بھیجو۔ وہ بے چارے بارش میں بری طرح بھیگ چکے ہوں گے۔ وہ میرے جاننے والے اور عزیز ہیں۔ ان کی بستی یہاں سے قریب ہی مشرق کی طرف دریا کے کنارے زیادہ سے زیادہ ایک میل کے فاصلے پر ہوگی۔"

وہ محافظ باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد بیراج اور کرشتا دونوں بہن بھائی جنید کے خیمے میں داخل ہوئے۔ وہ کچھ سامان اٹھائے ہوئے تھے۔ وہ سامان ان دونوں بہن بھائیوں نے خیمے کے دروازے کے پاس ہی رکھنے کے بعد پہلے اپنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے جنید کو پرنام کیا۔

خیمے کے اندر جلتی مشعل اور آگ کی روشنی میں جنید نے دیکھا ان دونوں بہن بھائی کے لباس بھیگ کر نچڑ رہے تھے۔ کرشتا ہاتھ باندھے کھڑی انتہائی پرکشش اور خوبصورت لگ رہی تھی۔ جنید نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے حسن، خوب صورتی، روپ جوبن، نوخیز نمائی اور سندرتا میں کسی طور بھی پیکرِ حسن و جمال میں کنپل سے کم نہ تھی۔ قد میں بھی کنپل سے کچھ لمبی تھی۔

جنید نے دیکھا اس کا چہرہ مہتابی اور بدن شعلہ بے باک ہو رہا تھا۔ وہی دبلی بھالی جسم کی زیبائی، وہی لمبے گیسو، وہی صندلی دھوپ کے ست رنگے موسم جیسے رخسار وہی ہونٹوں کے تازہ گلاب۔

وہ خوشبو کی بارش، جلتے چراغ اور رقص کرتی خوشبوؤں کی لہر کی طرح خیمے کے

پر اپنے دونوں ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔ وہ باہوں کے جوان لمس کی طرح پُر از اور بازوؤں کی تھکن میں شکستہ انگڑائی جیسی حسنِ جہانگیر ہو رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں کے لب ادھ کھلی پنکھڑیوں کی طرح نیم وا ہو رہے تھے۔ وہ اپنے حسن اپنے شباب میں رنگ، مہک، قوس و قزح، خوشبو، تتلی اور عید کا انگڑائی لیتا چاند ہو رہی تھی۔

جونکا اور بڑے خلوص و اپنائیت میں اس نے کہا۔ "تم دونوں بہن بھائی اجنبیوں اور بیگانوں کی طرح وہاں کیوں کھڑے ہو گئے ہو۔ سردی بہت ہے تم دونوں بہن کے لباس بھی بھیگے ہوئے ہیں۔ آؤ آگ کے پاس آ کر بیٹھو۔"

بیراج اور کرشتا نے سامان اٹھایا اور دونوں بہن بھائی آگے بڑھے، سامان آگ ہی رکھنے کے بعد وہ جنید کے قریب چٹائی پر بیٹھ گئے۔ جنید نے اپنا کمبل اتارا اسے اور پھر اسے کرشتا کے اوپر ڈال دیا کیوں کہ اس کا لباس بھیگ کر اس کے جسم سے رہا تھا۔ سردی میں وہ کانپ رہی تھی اور اس کے دانت بج رہے تھے۔

جب جنید نے کرشتا پر اپنا کمبل ڈالا تو اس نے اپنی گردن گھما کر جنید کو ایسی نگاہوں جن میں خلوص نیتی، محبت کے رنگ، موانست کی روشنی، تپاک و انس کی اڑان، راہ کی گرد اور مہر و لگن کی خوشبو تھی۔

جنید نے بیراج کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تمہیں کیسے خبر ہوئی کہ میں اپنے لشکر کے یہاں ہوں۔"

بیراج نے کہا۔ "جس وقت آپ نے اپنے لشکر کو یہاں روکا تھا۔ اس وقت یہاں بستی کے کچھ لوگ گزر رہے تھے۔ ان کے ساتھ کچھ عورتیں بھی تھیں۔ ان نے کرشتا کو جا کر بتا دیا کہ تمہارا وہ اجنبی جس نے تمہاری خاطر بستی کے بدمعاش اور اس کے بھائیوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا وہ اپنے لشکر کے ساتھ اس جگہ ٹھہر رہا ہے۔

یہ سن کر یہ کرشتا نادان تو اندھیرے کی پرواہ کیے بغیر اکیلی ہی بھاگی بھاگی ادھر آنا چاہتی تھی پر باپو نے اسے روکا۔ پھر مجھے اس کے ساتھ کر دیا۔ کہ

دونوں بہن بھائی جنید کو اپنے گھر لاؤ۔ آپ ہمارے ساتھ چلیں گے۔ باپو بڑی بے تابی سے آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے۔

جنید نے بات کو ٹالنے کی خاطر پوچھا "تمہارے باپو دھرم دت کیسے ہیں"

لیراج نے کہا "ٹھیک ہیں۔ آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ جب سے آپ نے راند اور اس کے بھائیوں کو قتل کیا ہے تب سے بستی میں ہماری عزت بڑھ گئی ہے بستی کا مکھیا بھی ہمارا دھیان رکھتا ہے۔ اسی پہ موقوف نہیں بلکہ کشتا کی سکھیاں بھی آپ کی وجہ سے کشتا کو خوش نصیب جانتی ہیں۔ آپ کی وجہ سے اس پر رشک کرتی ہیں۔" لیراج جب خاموش ہوا تو کشتا نے جنید کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آپ نے اس سوال کا تو جواب ہی نہیں کہ آپ ابھی ہمارے ساتھ چلیں گے نا۔ باپو آپ کو بہت یاد کر رہے تھے۔ انہوں نے زور دے کر کہا تھا کہ جنید کو اپنے ساتھ گھر لے کر آنا۔"

جنید نے کشتا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں اس لشکر کا سالار ہوں۔ پھر میں کیوں کر لشکر کو چھوڑ کر تم دونوں بہن بھائی کے ساتھ جا سکوں گا۔ جب کہ مجھے ایک انتہائی اہم مہم کے سلسلے میں کل صبح اندھیرے ہی اندھیرے یہاں سے کوچ کرنا ہے اگر میرے پاس وقت ہوتا تو میں ضرور تم دونوں بہن بھائی کے ساتھ ہو لیتا۔ کیا اب ممکن نہیں کہ تم دونوں بہن بھائی رات یہیں رہو۔ باہر تیز بارش اور سردی ہے۔ کہاں بھیگتے اور ٹھٹھرتے جاؤ گے۔ صبح اندھیرے منہ میں یہاں سے کندار کی طرف کوچ کروں گا۔ تم دونوں بہن بھائی اپنی بستی کی طرف روانہ ہو جانا۔"

کشتا اور لیراج دونوں خاموش تھے۔ جنید نے پوچھا "تم نے کوئی جواب نہیں دیا کشتا! کیا تم یہاں میرے خیمے میں رہنا پسند نہ کرو گی۔"

کشتا نے لجاتے، جھینپتے، جھجکتے، شرماتے اور اپنی گردن کو کسی حد تک خم کرتے ہوئے کہا "مجھے یہاں رہنے پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ لیراج بھائی جس طرح مناسب سمجھیں ویسے ہی ہوگا۔"

لیراج نے بشاشت، فرح اور انبساط کا اظہار کرتے ہوئے کہا "جنید بھائی ساتھ ہمارے گھر تو جا نہیں سکتے کیوں کہ انہوں نے صبح سویرے یہاں سے جانا ہے لہٰذا میں رات یہیں بسر کرنے کا فیصلہ کرتا ہوں۔"

جنید کے پاس رہنے کا فیصلہ سن کر کشتا کی حالت اس پیاسے پھول جیسی ہو گئی ہے شبنم میں ڈبو دیا گیا ہو۔ جنید کا خیمہ کافی بڑا تھا جس کے درمیان سرخ چمڑے کی ڈال کر اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ اس طرح وہ خیمہ ایک طرح سے دو حصوں پر مشتمل ہو گیا تھا۔ جنید اٹھ کر اپنے خیمے کے دوسرے حصے میں گیا پھر وہ لوٹا اور اس نے کہا "کشتا! تم اٹھو اور خیمے کے اس دوسرے حصے میں جاؤ وہاں دو چادریں رکھ آیا ہوں۔ وہ لپیٹ لو اور اپنا بھیگا لباس اتار دو اسے آگ کے پاس پھیلا دینا۔ جب خشک ہو گیا تو دوبارہ پہن لینا۔"

کشتا خاموشی سے اٹھی اور خیمے کے دوسرے حصے کی طرف چلی گئی تھی۔ پھر جنید نے اپنے کندھے پر رکھی ایک سفید اور اپنے ہاتھ میں پکڑا اپنا ایک فالتو لباس لیراج کے آگے ڈالتے ہوئے کہا "لیراج! تم یہ چادر لپیٹ کر یہیں اپنا لباس اتار کر یہ کپڑے پہن لو۔" لیراج فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور چادر لپیٹ کر اس نے کپڑے بدل کر اپنا بھیگا لباس اس نے آگ کے پاس پھیلا دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کشتا بھی خیمے کے دوسرے حصے سے نکلی۔ اس نے اپنے جسم پر دو چادریں باندھ کر اور ان کے اوپر اس نے جنید کا کمبل اوڑھ رکھا تھا۔ وہ مجسم تبسم اور جمیل و شکیل دکھائی دے رہی تھی۔ وہ لجاتی، بل کھاتی سی آئی۔ ہاتھ میں اپنے گیلے کپڑے اس نے آگ کے پاس پھیلا دیئے اور دوبارہ وہ جنید کے پاس چٹائی پر بیٹھ گئی۔

جنید نے کہا "تم دونوں بہن بھائی بیٹھو، میں کھانا منگواتا ہوں۔"

کشتا نے خوش الحان پرندے کی طرح خوشی اور بےخودی میں چہکتے ہوئے کہا۔ "آپ ہمارے پاس ہی بیٹھے رہیں۔ کھانے کو کوئی چیز لانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

آپ کے لیے ہم کھانے کو اس قدر لائے ہیں کہ آپ ختم ہی نہ کر سکیں گے۔"

پھر کشتا اور لیراج اپنے ساتھ جو برتن لائے تھے ان میں سے کشتا نے کو(ز)ہ دہی، دودھ، مھوہ، کھیر اور ہلکی پھلکی تپلی تپلی چپاتیاں نکال کر جنید کے آگے (ر)کھنے کے بعد کہا۔ "آپ کھانا کھائیں۔ اپنے لشکر سے آپ کو کھانا منگوانے کی ضرورت نہیں۔"

جنید نے کہا۔ "یہ چیزیں دیکھ کر تو میری بھوک واقعی اور زیادہ تیز ہو گئی ہے۔" کشتا نے پیار اور گہرے خلوص میں کہا۔ "تو آپ شروع کریں تا کسی نے آپ (کو) روک رکھا ہے۔"

جنید نے کہا۔ "تم دونوں بہن بھائی بھی تو آؤ۔"

کشتا نے کہا۔ "آپ شروع کریں، ہم دونوں کھا کر آئے ہیں۔"

جنید کھانا کھانے لگا اور کشتا اس کے پاس بیٹھی ایک لگن اور محویت میں (اسے) دیکھتی رہی۔ جب وہ کھانا کھا چکا تو کشتا نے برتن سمیٹ لیے۔ تھوڑی دیر تک وہ (اس کے) پاس بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔

جب کشتا اور لیراج کے گیلے کپڑے خشک ہو گئے تو وہ باری باری خیمے کے (دوسرے) حصے میں جا کر اپنے کپڑے بدل آئے پھر وہ تینوں وہیں آگ کے پاس چٹائی پر لیٹ (گئے) تھے۔ آگ نے خیمہ خوب گرم کر دیا تھا پھر بھی انھوں نے اپنے اوپر کمبل ڈال لیے تھے۔

○

رات کے پچھلے حصے میں اچانک کشتا کی نیند اچاٹ ہو گئی اور اس کی آنکھ کھل گئی۔ بارش رک چکی تھی۔ اس نے آنکھ کھول کر دیکھا۔ خیمے کے اندر آگ اسی طرح روشن تھی۔ آگ کے دائیں طرف دوسری چٹائی پر لیراج اکیلا سویا ہوا تھا جب کہ شام کے وقت جنید بھی وہیں لیٹا تھا۔

کشتا کچھ پریشان ہو گئی اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے خیمے کے اندر اِدھر اُدھر دیکھا لیکن جنید نہ تھا۔ وہ اٹھ کر خیمے کے دوسرے حصے کی طرف گئی لیکن جنید (وہاں) بھی نہ تھا۔ وہ بھاگ کر خیمے کے دروازے پر آئی اور دروازے پر لٹکتے دبیز پردے (کو)

(ہٹ)ا ہٹا کر اس نے دیکھا۔ باہر محافظ اسی طرح اپنے سالار کے خیمے سے باہر پہرہ دے (رہے) تھے۔ ان کے پاس اسی طرح آگ روشن تھی۔ تاہم ان کے پاس جلتی آگ کے الاؤ کے (اوپر) شام کے وقت بارش کی وجہ سے ایک چھولداری تنی تھی۔ اب وہ چھولداری ہٹ چکی (تھی)، شاید بارش رک جانے کی وجہ سے۔ بہر حال وہ دونوں سپاہی جو جنید کے خیمے کے (باہر) پہرہ دے رہے تھے۔ آگ کے پاس مستعد بیٹھے تھے۔ وہ اپنے جنگی لباس میں تھے اور (ان کی) تلواریں، ڈھالیں، کمان اور تیروں بھرے ترکش ان کے پاس تھے۔

کشتا پریشان اور افسردہ سی دوبارہ آ کر چٹائی پر بیٹھ گئی اور خیمے کے اندر کھڑے (ہو کر) الاؤ کو غور اور تجسس سے دیکھنے لگی جس کے اندر آگ جل رہی تھی اور قریب ہی (کچھ) لکڑیاں پڑی تھیں۔ وہ چند لکڑیاں اٹھا کر آگ میں ڈالنا ہی چاہتی تھی کہ جنید (کی) آواز اس کے کانوں میں رس گھول گئی۔ "کشتا! کشتا! اب آگ کے اس الاؤ میں (لکڑ)یاں ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

حسین کشتا نے چونک کر خیمے کے دروازے کی طرف دیکھا۔ جنید مسکراتا ہوا (اندر) داخل ہو رہا تھا۔ کشتا نے ہاتھ میں پکڑی لکڑیاں واپس رکھ دیں۔ جنید کو دیکھ (کر) اس کی ٹھہری ہوئی پلکوں کی گھنی چھاؤں میں چاہت آمیز جذبوں کی شباہت بکھر (گئی) تھی۔ وہ اس شہزادی خیالات کی طرح مسرور و شاداں ہو گئی تھی۔ جو اپنے فکرِ جمیل میں (جھر)نوں کی آبشاروں، رخساروں کے خوش رنگ کنول اور خوشبو و رنگوں کے ملبے (کے) انبار پر تتلیوں کی طرح لہراتی ہو۔

جنید نے خیمے کا پردہ کھول کر ایک طرف ہٹا دیا تھا۔ باہر ابھی تک خاموشی اور (ہیب)ت آمیز سکوت تھا۔ گویا ہر شے مہیب رات سے خوفزدہ ہو کر حریر و پرنیاں کے (انب)ار کی طرح قبائے یزدانیت میں سما گئی ہو۔ جنید جب اس کے سامنے دوسری چٹائی (پر آ)کر بیٹھ گیا تو کشتا نے پوچھا۔ "آپ یہاں سے اٹھ کر کہاں چلے گئے تھے۔ میری (آن)کھ کھلی تو آپ غائب تھے۔ میں بہت پریشان ہوئی۔ آپ کو خیمے کے اس (حصے میں) بھی دیکھا آپ وہاں بھی نہ تھے۔ کہاں گئے تھے آپ؟"

جنید نے ہنستے ہوئے کہا۔ "شاید تم ڈر گئی تھیں۔ یہ رات اب اپنے آخری دور میں ہے۔ میرا لشکر یہاں سے کوچ کی تیاریاں مکمل کر چکا ہے۔ صرف میرا خیمہ اُکھاڑنا رہ ہے۔ آج فجر کی نماز بھی ہم نے قبل از وقت پڑھ لی۔ میں اندھیرے اُجالے کی اسی کشمکش میں ہی کندار شہر پر حملہ آور ہو جانا چاہتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے میں تمہارے ... سے نہ مل سکا۔"

جنید کے کوچ کا سن کر کشتا بے چاری آرزوئے بے حیات اور ظلمت بکا تیرہ فضاؤں کی طرح مغموم و ملول ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھیں تنہائی کے آنگن جیسی اور چہرہ اعجاز سے بھاگتے نصیبوں جیسا افسردہ ہو گیا تھا۔ ایک بار اس نے انتہائی نگاہ جنید پر ڈالی پھر اس نے دُور ——— بہت دُور صحراؤں ویرانوں کے اندر کسی بین کرتی صداؤں جیسی آواز میں پوچھا۔

"آپ پھر کب ہمارے گھر آئیں گے۔ ہم سب بے چینی سے آپ کا انتظار کریں گے۔ کیا آپ ہمیں اجنبی جان کر بھول تو نہ جائیں گے۔"

جنید چند ثانیوں تک کشتا کی حالت کا جائزہ لیتا رہا اور وہ بے چاری آگ سرد ہوتے شعلوں کی طرح گردن جھکائے اس کے سامنے بیٹھی رہی۔ پھر جنید نے چرمی پیٹی سے بندھی نقدی کی ایک تھیلی کھولی اور اسے کشتا کی گود میں رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ رکھ لو اور اپنے کام میں لانا۔"

کشتا نے بدک جانے کے انداز میں کہا۔ "نہیں! نہیں! یہ آپ اپنے رکھیں۔ میری نسبت آپ کو اس کی زیادہ ضرورت ہے اور باپو بھی خفا ہوں گے۔"

جنید نے فیصلہ کن سی آواز میں کہا۔ "اس کا مطلب ہے تم مجھے اجنبی اور پردیسی جانتی ہو جو مجھ سے یہ نہیں لے رہی ہو۔"

کشتا نے فوراً اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ "میری توبہ جو میں آپ کو اجنبی اور بیگانہ۔ ہم تو آپ کو اپنے گھر کا ایک فرد جانتے ہیں۔"

جنید نے کہا۔ "گھر کا فرد جانتی ہو تو پھر رکھ لو۔ تمہارے باپو ناراض نہ ہوں گے۔"

کشتا بے چاری نے گہری خجالت میں کہا۔ "باپو کیوں ناراض ہوں گے میں نے تو ویسے ہی کہہ دیا تھا۔ وہ تو آپ کو دیوتا جانتے ہیں اور ہمہ وقت آپ کی تعریف کے بھجن گاتے رہتے ہیں۔ وہ آپ کی انتہائی عزت و احترام کرتے ہیں اس لیے کہ آپ نے ان کی بیٹی کی عزت اور ان کے بیٹے کی جان بچا چکے ہیں اور یہ دو ایسے احسان ہیں جن کے کارن ان کی خاطر ہم اپنا آپ بھی بیچ سکتے ہیں۔"

پھر کشتا نے جنید کی دی ہوئی تھیلی اُٹھا لی اور گہری دلفریب مسکراہٹ میں اس نے کہا۔ "لیجیے آپ کی طرف سے میں نے نقدی کی یہ تھیلی رکھ لی۔"

قبل اس کے کشتا بے چاری جنید سے کچھ اور کہتی، جنید نے اس کے بھائی لیراج کی ٹانگ ہلاتے ہوئے کہا۔ "لیراج! لیراج! اٹھو! اٹھو!"

لیراج فوراً اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے غور سے جنید کی طرف دیکھتے ہوئے انتہائی قدر تعجب اور حیرانی سے پوچھا۔ "رات کے اس وقت آپ اپنے جنگی لباس میں؟"

جنید نے کہا۔ "رات اب گزرنے والی ہے۔ تھوڑی دیر بعد میں یہاں سے کندار شہر کی طرف کوچ کرنے والا ہوں۔ کندار شہر پر قبضہ کرنے کے بعد میں اپنے لشکر کو کھانے کا موقع دوں گا۔ چلو اٹھو، تم دونوں بہن بھائی بھی گھر جانے کی تیاری کرو۔"

لیراج اور کشتا دونوں بہن بھائی نے مل کر اپنے برتن اُٹھا لیے۔ پھر وہ جنید کے ساتھ خیمے سے باہر نکل آئے۔ وہاں کھڑے کچھ سپاہی جنید کا اشارہ پاتے ہی خیمے پر گویا ٹوٹ پڑے اور اسے اکھاڑ کر رکھ دیا۔ آگ انہوں نے بجھا دی، لکڑیاں اٹھا لیں اور خیمہ تہ کر کے انہوں نے خچروں پر لاد دیا۔ پھر ایک سپاہی جنید کا گھوڑا لے آیا۔ اس پر زین کسی ہوئی تھی اور وہ کوچ کے لیے تیار تھا۔

جنید نے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔ "لیراج! لیراج! اب تم دونوں بہن بھائی جاؤ۔ باپو سے میرا سلام کہنا۔" قبل اس کے لیراج کچھ کہتا کشتا نے انتہائی مغموم، دل شکستہ اور بے آس و نراس آواز میں پوچھا۔ "آپ پھر کب ہمارے

گھر آئیں گے۔"

جنید نے کہا۔ "میں اپنے کام سے فارغ ہو کر بہت جلد تم لوگوں سے ملنے آؤں گا۔" پھر جنید نے لیراج سے مصافحہ کیا۔ ایک الوداعی نگاہ اس نے کشتا پر ڈالی اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ خیمے کی حفاظت کرنے محافظ بھی اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر لشکر میں شامل ہو گئے اور جنید لشکر کو لے کر وہاں سے کوچ کر گیا تھا۔

کشتا اور لیراج وہاں کھڑے ہو کر اسے دور ہوتے دیکھتے رہے۔ جلد ہی اندھیروں میں وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ کشتا بے چاری بار بار ان اندھیروں کے اندر جن میں جنید کھو گیا تھا ایسے انداز میں دیکھتی تھی جیسے کسی کا ضمیر بیدار کرانے کی خاطر آدمیت پلٹ پلٹ کر تکتی ہو۔ ذہنی تکلیف، روحانی کرب، قلق و رنج اور اندوہ و حزن میں کشتا کی گردن جھک سی گئی تھی۔

آسمان پر کہکشاں کے اندر جھلمل جھلمل ستارے سحر کی آمد آمد پر آزردگی والم اور دکھ درد کے گیت گا رہے تھے۔ دور مشرق میں اب نرم نرم اجالوں کے اندر شفق اپنے رنگ گھولنے لگی تھی۔ لیراج نے نراس اور ناامید سی آواز میں کہا۔ "کشتا! کشتا! میری بہن! آؤ چلیں۔" کشتا سنبھل گئی۔ پھر وہ دونوں بہن بھائی اپنی بستی کی طرف جا رہے تھے۔

○

کندار شہر کے دروازے کھل گئے تھے اور لوگوں کا آنا جانا شروع ہو گیا تھا جس وقت شہر کی حفاظت پر مامور رانا سانگا کا لشکر صبح کا کھانا کھانے میں مصروف تھا۔ جنید اپنے لشکر کے ساتھ آندھی اور طوفان بن کر کندار شہر پر حملہ آور ہو گیا تھا۔ محافظوں کو اس نے اتنی مہلت ہی نہ دی کہ وہ شہر کے دروازے بند کر کے اس کے خلاف کوئی مزاحمت کرتے۔ شہر کے شمالی دروازے کے محافظوں کو تہ تیغ کرنے کے بعد کندار شہر میں داخل ہوا اور رانا سانگا کے لشکریوں کا قتل عام شروع کر دیا۔

شہر کے کچھ حصوں میں رانا سانگا کے لشکروں نے مسلح ہو کر مدافعت کی کوشش کی لیکن جنید نے سب کو موت کے گھاٹ اتار کر مکمل طور پر شہر پر قبضہ کرنے کے بعد شہر کا نظم و نسق درست کرنے میں لگ گیا۔ شہر کے حالات درست کرنے میں اس نے صرف دو دن صرف کیے۔ پھر شہر کے دو مقامی ہندوؤں کو اس نے درمنگت اور خان جہاں کی طرف روانہ کیا تاکہ انہیں اطلاع کریں کہ بابر کے ایک جرنیل جنید نے کندار میں ان کے محافظ لشکر کو تہ تیغ کر کے شہر پر قبضہ کر لیا ہے۔

شہر سے ان دونوں ہندوؤں کی روانگی سے تھوڑی دیر بعد جنید نے اپنے جاسوس بھی درمنگت اور خان جہان کی طرف روانہ کر دیے اور اس سے تھوڑی ہی دیر بعد وہ خود بھی اپنے لشکر کے ساتھ درمنگت اور خان جہاں کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

جنید زبردست جنگی ممارست سے کام لے رہا تھا اور وہ درمنگت اور خان جہان کو ان کے لشکر کی دس بارہ گنا زیادتی کے باوجود کھلے میدان میں اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر دینا چاہتا تھا۔

جس راستے پر اس نے دونوں ہندوؤں کو روانہ کیا تھا۔ اس راستے سے دور ہٹ کر وہ زہریلے سانپ اور بچھو کے تیندوے کی طرح ان دونوں کی طرف بڑھ رہا تھا شہر کی حفاظت پر اس نے صرف چند دستے چھوڑے تھے اور راستے میں جگہ جگہ وہ اپنے جاسوس پھیلاتا جا رہا تھا۔ تاکہ وہ گرد و پیش پر کڑی نگاہ رکھیں

○

سورج غروب ہونے کو جھک گیا تھا اور افق پر اس نے شفق کے رنگ پھیلاتے ہوئے اس رنگین کر دیا تھا۔ بادلوں کے بڑے بڑے ٹکڑے مغرب سے مشرق کی طرف بھاگ رہے تھے۔ لیراج جنگل سے ابھی ابھی لوٹا تھا۔ اپنی گاڑی اس نے گلی میں کھڑی کر کے بیلوں کو اس نے اندر باندھ کر چارہ ڈال دیا تھا۔

دھرم دھت اپنی گائے کا دودھ نکالنے کے بعد دودھ کو مکھن نکالنے والی بڑی چوٹی میں انڈیل رہا تھا اور حسین و خوب صورت کشتا گھر کے صحن میں لگی تنوری سے گرم گرم روٹیاں رومال سے جھاڑ جھاڑ کر نکال رہی تھی کہ بستی کا ایک آدمی گھر میں داخل ہوا اور دھرم دھت کے پاس آ کر اس نے کہا۔ "دھرم دھت! تمہیں اور تمہارے بیٹے لیراج

کو مکھیا نے بلایا ہے۔ کوئی بہت ضروری کام ہے۔ دیر نہ کرنا۔ اس نے جلدی بلایا ہے۔"

دھرم دھت اور لیراج دونوں باپ بیٹا اس شخص کے ساتھ ہولیے جو مکھیا کی طرف سے انہیں بلانے آیا تھا۔

جب وہ دونوں باپ بیٹا کشتا کی وجہ سے جنید کے ہاتھوں مرنے والے راند اور اس کے بھائیوں کے گھر کے پاس سے گزرنے لگے تو راند کے مکان کے اندر سے چار مسلح جوان نکلے اور انہوں نے دھرم دھت اور لیراج کی راہ روک لی۔ بستی کا جو شخص ان دونوں کو بلانے گیا تھا وہ آگے نکل گیا۔ راستہ روکنے والے چاروں جوان دھرم دھت اور لیراج کو پکڑ کر راند کے مکان کے اندر لے گئے۔ وہاں مکان کے لکڑی کے تخت پوش پر ایک خوب توانا جوان اور اس کے دائیں بائیں اس کے چار ساتھی بیٹھے ہوئے تھے۔ دھرم دھت اور لیراج دونوں اسے پہچان گئے۔ وہ راند کا چچا زاد بھائی اگرسین تھا اور اس کے ارد گرد بیٹھے چار جوان اس کے سگے بھائی تھے جو دھرم دھت کی بستی سے چار کوس نیچے دریا کنارے کی ایک بستی میں رہتے تھے۔

جب وہ دونوں باپ بیٹا ان کے سامنے لائے گئے تو اگرسین نے پوچھا۔ "کیا تم تم دونوں باپ بیٹا نے ہمیں پہچانا ہے۔"

دھرم دھت نے کہا۔ "ہاں میں پہچان چکا، تم راند کے چچا زاد اگرسین ہو اور یہ چاروں تمہارے بھائی ہیں۔"

اگرسین نے اس بار کڑوے، ناگوار، تلخ اور تند لہجے میں پوچھا۔ "کیا اس مکان میں تمہاری بیٹی کشتا کی وجہ سے ایک اجنبی نے راند اور ہمارے دیگر چچا زاد بھائیوں کو قتل نہ کر دیا تھا۔ وہ اجنبی جس کا نام جنید ہے وہ چونکہ ہمارے راجہ بکرماجیت کا چہیتا تھا لہٰذا راجہ کے انتقامی خوف سے ہم اپنے بھائیوں کا وٹا اور بدلہ تم سے نہ لے سکے۔ اب راجہ بکرماجیت بابر اور ابراہیم لودھی کی جنگ میں مارا جا چکا ہے۔ اب ہمیں اپنے انتقام سے کوئی روک نہیں سکتا اور سنو! تمہاری بیٹی کشتا اگر راند کی بیوی نہیں بن سکی تو اب ہم اسے اپنے ساتھ لے کر جائیں گے اور وہ ہم میں سے کسی کی بیوی بن کر رہے گی۔ جہ

ام راند نہ کرسکا اسے ہم کامل اور تمام کریں گے۔"

اگرسین جب خاموش ہوا تو لیراج نے کہا۔ "جس طرح راند اور اس کے بھائیوں کا خاتمہ ہوا اس طرح کوئی تم سب کو بھی ٹھکانے لگا دے گا۔"

اگرسین نے اپنی پوری کراہت اور رودھ میں کہا۔ "جنید نام کے جس جوان کو تم نے اپنی بہن کا بر اور پتی قرار دیا تھا اب ذرا پھر اسے پکارو کہ شاید تمہاری مدد کو آجائے۔"

اس بار دھرم دھت نے کہا۔ "اے کم ظرف و اوچھے انسان! جنید اگر یہاں ہوتا تو وہ تم جیسے سارے غنڈے، بدمعاش اور لچوں کو نچلے لوک میں دفن کر دیتا۔ وہ اگر یہاں ہوتا تو تم یوں ہم دونوں کو اپنے روبرو کھڑا کر کے ذلیل وخواروں کی طرح ہم سے گفتگو نہ کرتے پر دیکھ اگر تو نے ہم پر کوئی ظلم کیا تو اسے خبر ہو جائے گی۔ پھر چاہے تو زمین کے ساتویں طبق میں ہی کیوں نہ اُترے اس کے خونی انتقام سے تو بچ نہ سکے گا۔"

اگرسین نے ڈھٹائی سے کہا۔ "تمہارے بعد میں اس کا بھی انتظار کروں گا کہ وہ کیسے اب کشتا کو ہم سے حاصل کرتا ہے۔" پھر اگرسین نے قریب بیٹھے اپنے بھائیوں کو آنکھ کا اشارہ کیا۔ انہوں نے اپنی تلواریں بے نیام کیں اور دھرم دھت اور لیراج کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

کشتا کا ہمسایہ برہما داس بھاگتا ہوا کشتا کے مکان میں داخل ہوا اور شور کرنے لگا "کشتا! کشتا! میری بہن! بھاگ جا یہاں سے۔ تیرے باپ اور بھائی کو مکھیا نے نہ بلایا تھا بلکہ راند کے چچا زاد بھائی ہماری بستی میں آئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مکھیا کے نام لے کر دھوکے سے تیرے باپ اور بھائی کو بلایا تھا اور ان دونوں کو قتل کرنے کے بعد اب وہ تمہاری طرف آرہے ہیں۔ یہاں سے بھاگ جاؤ کشتا! ورنہ وہ لچے تمہیں پکڑ کر اپنے گھر لے جائیں گے اور وہاں وہ سب بھائی تمہیں اپنی داشتہ بنا کر رکھیں گے۔ بھاگ جاؤ کشتا! یہاں سے بھاگ جاؤ۔ وہ اِدھر ہی آرہے ہیں۔ اگر تم اُن کے ہتھے چڑھ گئی تو وہ تمہارا انجام برا کریں گے۔"

برہما داس مڑا اور بھاگتا ہوا باہر نکل گیا۔ کشتا کی سمجھ میں کچھ نہ آرہا تھا کہ وہ کدھر

جائے اور کیا کرے۔ سب سے پہلے جو کام کشتا نے کیا وہ یہ کہ بھاگ کر اس نے گھر کا بیرونی دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ پھر وہ توشک خانے میں آئی اور ضروری اشیاء ایک جگہ جمع کرنے لگی۔ اتنے میں گھر کے صدر دروازے پر زور دار دستک ہوئی۔ کشتا بے چاری کی ٹانگیں کپکپانے لگیں سانس پھول گئی اور وہ اوٹ میں کھڑی ہو کر بیرونی دروازے کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

وہ بے چاری ہر کام بھول گئی تھی اور خوف و دہشت سے اس کی حالت بُری ہو رہی تھی۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے دروازے پر دو ایک بار پھر دستک ہوئی پھر کسی نے زور دار دھکا دے کر دروازے کو توڑ دیا۔

کشتا نے دیکھا اگر سین اور اس کے بھائی اپنے ہاتھوں میں خون آلود تلواریں لیے گھر میں داخل ہوئے تھے۔ کشتا بے چاری اوٹ میں کھڑی کپکپا رہی تھی۔ اس کا حسین چہرہ سردی کے باوجود عرق عرق ہو گیا تھا۔ وہ ہراس اور اندیشوں میں لرزاں کانپ رہی تھی۔ جب کہ اگر سین اور اس کے بھائی اپنی تلواریں سونتے اسی کمرے کی طرف بڑھ رہے تھے جس کے اندر کشتا بے چاری اوٹ میں کھڑی تھی۔

اگر سین اور اس کے چاروں بھائی تلواریں سونتے اس کمرے کی طرف بڑھ رہے تھے جس کے اندر حسین کشتا چھپ کر کھڑی ہوئی تھی۔

ان پانچوں بھیڑیوں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر کشتا بے چاری کی حالت شبنم کے اس چنچل قطرے جیسی ہو گئی تھی جو کسی بھی وقت پھول کی پتی سے گرنے کے بعد زمین میں جذب ہو کر فنا ہو سکتا ہے۔ اس کا خوشبو سے بوجھل جوان جسم اس ناؤ جیسا لرزاں ہو رہا تھا جو بھنور میں پھنس کر رہ گئی ہو۔ وہ بے چاری گوہر تاب دار لڑکی خوف و دہشت میں اپنی ذات کا شعور اور اپنی اجل کے تعین تک کو فراموش کر بیٹھی تھی۔ خوف، وحشت اور بے چین کر دینے والے اندیشوں کی تھکن کے باعث وہ بے چاری اس مسافر جیسی ہو رہی تھی۔ جو دھوپ کے صحرا میں اٹھتے سرابوں کے اندر اپنی پیاس ہی نہیں اپنی ہستی تک کھو بیٹھی ہو۔

اچانک کشتا چونک پڑی کیوں کہ اگر سین اور اس کے بھائی اب قریب آ گئے تھے۔ موت کو اپنے اس قدر قریب دیکھ کر کشتا سنبھلی۔ اس کا منجمد ذہن اب پہلے کی طرح کام کرنے لگا تھا۔ دفعتاً اس نے کوئی فیصلہ کیا۔ اپنے قریب ہی گھڑونچی

پر رکھا پانی کا مٹکا اس نے اُٹھایا پھر وہ اس گڑھے کی طرف بڑھی جو اناج وغیرہ رکھنے کے لیے زمین کے اندر بنایا گیا تھا۔

کشتا جلدی جلدی اس گڑھے میں اُتر گئی اور پانی کا مٹکا اس نے گڑھے کے منہ پر رکھ کر اسے اُوپر سے بند کر دیا تھا۔ جب قدموں کی چاپ سے اس نے اندازہ کیا کہ اگرسین اور اس کے بھائی اس کمرے میں داخل ہو گئے ہیں تو اس بے چاری انتہائی بے بس لڑکی نے اپنی سانس تک روک لی تھی۔

اگرسین اور اس کے بھائیوں نے سارے گھر کی تلاشی لے لی مگر کشتا انہیں کہیں نہ ملی۔ مایوس ہو کر اگرسین نے اپنے بھائیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "کشتا کہاں چلی گئی۔ اس کے بھائی اور باپ کو تو ہم نے بُلا لیا تھا۔ وہ اکیلی تھی لہذا اسے گھر ہی پر ہونا چاہیے تھا۔"

اس کے ایک بھائی نے خدشہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ اسے اپنے باپ اور بھائی کے قتل کی خبر ہو گئی ہو اور وہ ہم سے بچنے کی خاطر یہاں سے بھاگ گئی ہو۔"

اگرسین نے کہا۔ "نہیں اتنی جلدی وہ اپنی اس بستی سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتی۔ وہ اس بستی کے کسی گھر میں چھپی ہوئی ہے اور مناسب وقت جان کر یہاں سے بھاگنے کی کوشش کرے گی اور ہمارا کام اس کی اس کوشش کو ناکام بنانا ہے۔ ہم نے ہر حالت میں کشتا کو اپنے ساتھ لے کر جانا ہے۔ سنا ہے وہ غضب کی سُندر اور انتہائی خوب صورت ہے۔ آؤ ہم اس بستی کی ناکہ بندی کر دیں تاکہ کشتا یہاں سے بھاگنے نہ پائے۔" کشتا ان کی ساری گفتگو سن رہی تھی پر وہ دم سادھے اناج رکھنے والے اس گڑھے کے اندر مردہ سی ہو کر پڑی تھی۔

اگرسین اور اس کے بھائی کشتا کے مکان سے باہر آئے۔ انہوں نے دیکھا گلی کے اندر کشتا کا ہمسایہ برہما داس اپنے دو بیلوں کو بیل گاڑی کے اندر جوت رہا تھا اور قریب ہی ایک گھوڑا کھڑا تھا جس پر زین کسی ہوئی تھی۔

اگرسین اور اس کے بھائی برہما داس کے پاس آئے پھر اگرسین اسے مخاطب

کرتے ہوئے پوچھا۔ "اے جوان تیرا نام کیا ہے؟"

اس نے بڑے تحمل اور خوش طبعی سے کہا۔ "میرا نام برہما داس ہے۔"

اگرسین نے پوچھا۔ "کیا تم نے اپنے ہمسایوں کی لڑکی کشتا کو کہیں دیکھا ہے؟"

برہما داس نے ان پانچوں کو وہاں سے چلتا کرنے کی خاطر کہا۔ "تھوڑی دیر ہوئی کشتا کا باپ اور بھائی کو مکھیا نے بلایا تھا۔ جب وہ دونوں مکھیا کی طرف گئے تو ان دونوں کے جانے کے چند ہی ثانیوں بعد بلکہ ان کے پیچھے پیچھے کشتا بھی گھر سے چلی گئی۔ شاید وہ بھی اپنے باپ اور بھائی کے ساتھ مکھیا کی طرف ہی گئی ہو گی یا ہو سکتا ہے کہیں اور کام سے گئی ہو۔"

اگرسین نے کہا۔ "برہما داس سنو! ہم راناند کے چچا زاد بھائی ہیں۔ کشتا کے بھائی لیراج نے ایک مسلمان جنید کے ہاتھوں ہمارے بھائیوں کو مروا دیا تھا۔ ہم نے اس انتقام میں دھرم دھت اور لیراج کو قتل کر دیا ہے۔ اب ہمیں کشتا کی تلاش ہے اسے ہم اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔ اس پر تم نظر رکھنا اور اگر وہ تمہیں کہیں نظر آئے تو ہمیں فوراً اس کی اطلاع کر دینا۔"

اس کے ساتھ ہی اگرسین نے نقدی کی چھوٹی سی ایک خریطی برہما داس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ رکھ لو تمہارے کام آئے گی۔"

برہما داس نے نقدی کی وہ تھیلی لے کر رکھ لی۔ اس بار اگرسین کے ایک بھائی نے برہما داس سے پوچھا۔ "برہما داس اس وقت تو بیل گاڑی جوت کر کہاں جا رہے ہو اور ایک گھوڑے پر تم نے زین بھی ڈال رکھی ہے کیا تمہارے ہاں مہمان آئے ہوئے ہیں جو اس وقت یہاں سے رخصت ہونے والے ہیں۔"

اگرسین کا وہ بھائی ذرا رکا پھر مشکوک انداز میں اس نے برہما داس سے کہا۔ "کہیں ایسا تو نہیں تم خود کشتا کی خوب صورتی سے متاثر ہو اور اسے کہیں لے کر جا رہے ہو؟"

برہما داس ایک بار تو لرز کانپ گیا پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور

نقدی کی تھیلی اس نے اگرسین کو لوٹاتے ہوئے کہا۔ "یہ رکھ لو۔ اب میں اس کا حقدار نہیں سمجھتا۔ پہلے میں نے ارادہ کیا تھا کہ جب کشتا لوٹے گی تو اسے لے کر میں تم لوگوں کے پاس پہنچا دوں گا لیکن اب میں یہ تھیلی لوٹاتا ہوں اس لیے کہ مجھ پر شک کیا گیا ہے۔"

اگرسین نے پہلے اپنے بھائی کی طرف گھور کر دیکھا پھر اس نے معذرت طلب انداز میں برہماداس سے کہا۔ "یہ میرا چھوٹا بھائی ہے۔ بس کبھی کبھی ایسے بکواس کر جاتا ہے تم اس کی باتوں پر نہ جانا۔ تم یہ تھیلی رکھو اور جب بھی کشتا تمہیں ملے تم اسے پکڑ کر ہمارے پاس لے آنا۔"

اگرسین کے بھائی نے بھی کہا۔ میں نے تو ازراہ تمسخر ایسا کہہ دیا ہے۔ بھگوان کی میرا مطلب تمہاری دل شکنی نہ تھی۔ پھر بھی اپنی اس گفتگو پر میں تم سے معذرت خواہ ہوں۔"

برہماداس نے نقدی کی تھیلی پھر سنبھال لی اور ذرا وضاحت کرنے کے انداز میں اس نے کہا۔

"دراصل میری چھوٹی بہن بیمار ہے۔ یہاں سے جنوب میں تین بستیاں چھوڑ کر چوتھی میں ایک وید رہتے ہیں۔ میں انہیں لینے جا رہا ہوں۔ وہ وید چونکہ بیل گاڑی پر سفر کرنے کے بجائے گھوڑے پر بیٹھنا زیادہ پسند کرتے ہیں اس لیے ان کے لیے اپنا گھوڑا بھی ساتھ لے جا رہا ہوں۔"

اگرسین نے کہا۔ "تمہارے لوٹنے تک میرا ایک بھائی یہیں رہے گا اور کشتا پر نگاہ رکھے گا۔ ہو سکتا ہے وہ کہیں باہر سے آئے یا اپنے مکان کے اندر ہی چھپی ہوئی ہو اور جب باہر نکلے تو میرا بھائی اسے پکڑ لے گا۔ جب تم لوٹ آؤ گے تو پھر اس کی ضرورت نہ رہے گی۔ میرا بھائی یہاں سے ہٹ جائے گا۔ پھر اس کی جگہ تم کشتا پر نگاہ رکھنا۔"

اگرسین اپنے بھائیوں کے ساتھ وہاں سے ہٹ گیا۔ پھر وہ پانچوں اپنے

[…]کو لیراج کے دروازے سے قریب گلی میں کھڑا کر گئے اور باقی وہاں سے چلے […]جس بھائی کو وہ وہاں چھوڑ گئے تھے وہ پہرہ دینے کے انداز میں کشتا کے گھر […]سے بنی نشین پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ پوری طرح مسلح تھا جیسے کسی معرکہ۔ بس […]کو تیار ہوا ہو۔

[…]برہماداس تیزی کے ساتھ اندر گیا اور ایک ملمی سی ۔۔۔ اٹھا کر اس نے سے اپنی […]کے نیچے رسیوں سے خوب مضبوطی کے ساتھ کس کر باندھ دیا۔ پھر ایک بھر پور […]گلی میں بیٹھے اس نے اگرسین کے بھائی کا جائزہ لیا۔ دوبارہ وہ تیری کی سی تیزی […]در آیا۔ اپنے اور کشتا کے گھر کی درمیانی دیوار کو اس نے پھاندا اور کشتا کے گھر […]گیا۔ وہ کشتا کے کمرے میں آیا۔ احتیاط کی خاطر اس نے پہلے ادھر ادھر دیکھا۔ […]نے دبی اور مدھم آواز میں پکارا۔

"کشتا! کشتا! تم کہاں ہو۔ میری بہن! تم باہر آؤ۔ میں نے تمہیں یہاں سے […]کا سامان کر لیا ہے۔ جلدی کرو میری بہن! میں برہماداس ہوں۔ دیر ہو گئی، تو […]بنایا سارا کھیل بگڑ جائے گا۔"

کشتا نے فوراً گڑھے کے اوپر سے مٹکا ہٹا دیا اور باہر آتے ہوئے اس نے […]داس سے پوچھا۔ "کیا وہ بدمعاش یہاں سے چلے گئے ہیں۔"

برہماداس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ "آہستہ بولو میری بہن! ان کا ایک […]باہر گلی میں بیٹھا ہوا ہے اگر وہ ہماری گفتگو سن کر اندر آ گیا تو نہ تم بچ سکو گی اور […]میری خیریت ہو گی۔ تم اب کوئی مزید گفتگو نہ کرنا اور کھٹکا کیے بغیر دبے پاؤں تم میرے پیچھے آؤ۔ مجھے امید ہے میں تمہیں ان بدمعاشوں سے بچا کر لے جانے میں کامیاب […]ہو جاؤں گا۔"

برہماداس اور کشتا دونوں دبے پاؤں چلتے ہوئے درمیانی دیوار کے پاس […]پہلے سہارا دے کر برہماداس نے کشتا کو اپنے گھر میں اتارا پھر وہ خود بھی دیوار […]کر اپنے گھر میں کود گیا تھا۔ پھر برہماداس نے بڑی نرمی اور شفقت میں کہا۔

"کشتنا! میری بہن! یہاں یہ بدمعاش تمہارا رہنا دوبھر کر دیں گے اور اگر
ہتھے چڑھ گئیں تو وہ بھیڑیے تمہیں بے آبرو کر دیں گے۔ کیا تمہارے ذہن میں
ایسا ٹھکانہ، ایسی جگہ ہے جہاں تم ان بھیڑیوں سے دُور رہ کر پُر سکون زندگی گزار
کشتا بے چاری شاید اپنے باپ اور بھائی کی موت پر اس گھر کے اندر
ہی اندر روتی رہی تھی۔ اس کی آنکھیں نمناک اور رُخ بھور ہی تھیں۔ پہلے اس
اپنی آنکھیں خشک کیں پھر روتی آواز میں اس نے کہا۔ یہاں سے چالیس میل
کے کنارے کیرتن نام کی ایک بستی ہے۔ اس میں میرا ایک دُور کا ماموں رہتا ہے
کا نام لیشیہ پال ہے۔ میں نے اسے دیکھا نہیں ہوا نہ ہی وہ کبھی ہمارے ہاں آ
بس باپو سے کبھی کبھی ان سے متعلق سنتی رہی ہوں۔ ہو سکتا مصیبت کی اس گھڑی
رحم کھا کر وہ مجھے اپنے ہاں رکھ لیں"۔

برہما داس نے پوچھا۔" اگر اس دُور کے ماموں نے تمہیں اپنے ہاں نہ
کشتا نے کچھ سوچا پھر اس نے کہا۔" اگر انہوں نے مجھے اپنے ہاں نہ رکھا
میں کسی مندر میں داسی بن کر رہ لوں گی اور اپنا سارا جیون مندر اور دھرم کی سیوا
بتا دوں گی"۔

برہما داس نے کہا۔" اگر تم بُرا نہ مانو تو ایک بات کہوں"۔
کشتا نے کہا۔" تم بھائی ہو۔ میرے لیے لیراج کی جگہ ہو۔ تم کہو میں بُرا نہ مانوں
برہما داس نے کہا۔" تم اس مسلمان اجنبی جنید کے پاس کیوں نہیں چلی جاتی
وہ اچھا، نیک اور بہادر انسان ہے۔ وہ ایسے بھیڑیوں سے تمہاری حفاظت
کر سکتا ہے۔ میں نے سنا ہے۔ سنا نہیں بلکہ تمہارے بھائی لیراج ہی نے مجھے بتایا
کہ جنید بابر کے لشکر کا ایک جرنیل ہے اور ان دنوں وہ اپنے ایک لشکر کے ساتھ رانا
کے جرنیل درمنگت اور خان جہان کے خلاف کندار شہر پر حملہ آور بھی ہوا ہے۔
بہتر نہیں کہ تم اس کے پاس چلی جاؤ۔ میرا من کہتا ہے کہ وہ کھلے دل سے تمہارا استقبال
کرے گا۔ اس لیے کہ تمہارے بھائی نے مجھے بتایا تھا کہ راند کے گھر میں وہ اس جنید

دو بار کہہ چکا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ جنید بھی تم سے پریم کرتا ہوگا۔ تم شودر
پیدا ہوئی ہو میری بہن! لیکن تمہارا قد کاٹھ اور تمہاری شکل وصورت راجکماریوں
جیسی ہے پھر وہ اجنبی کیونکر تمہیں اپنے من میں جگہ نہ دے گا۔ اب مجھے یہ خبر نہیں
کہ اس اجنبی مسلمان سے متعلق خیالات کیسے ہیں"۔
کشتا نے غم اور دُکھ میں کہا۔" تمہاری باتیں درست ہیں میرے بھائی! پر کہاں
عام سی شودر لڑکی اور کہاں جنید۔ وہ اونچی ذات کے مسلمان ہیں۔ ان کا نانا سمرقند کے
شہر کا رئیس ہے اور وہ بابر کے ہراول لشکر کے ایک جرنیل ہیں۔ میں ان سے متعلق ابھی
جذبات کا فیصلہ نہیں کر سکی۔ میرا یہ تجربہ بھی نہیں کر سکتی کہ میرے من میں جو کچھ ان
ہے اسے میں احترام کا نام دوں یا پریم کا۔
کبھی کبھی میرا من کھلے عام یہ فیصلہ بھی دیتا ہے کہ میں ان سے پریم کرتی ہوں لیکن
میں ان جذبوں کو دبا دیتی ہوں صرف اس خیال کے تحت کہ وہ کیونکر ایک عام سی شودر لڑکی
کا بھرم رکھیں گے"۔
برہما داس نے کہا۔" بھگوان کی قسم تم عام سی لڑکی نہیں ہو۔ تم بڑی بڑی نازک اور
حسین راجکماریوں سے بھی زیادہ سندر اور من موہنی سندری ہو۔ جنید ضرور تمہیں اپنے
جگہ دے گا۔ اگر کبھی اسے یہ خبر ہوگئی کہ تم اس سے پریم کرتی ہو تو وہ ضرور پریم کی اس
تکمیل کرے گا"۔
برہما داس ذرا رکا پھر اس نے کہا۔" بہر حال میں تمہیں مجبور نہیں کرتا کہ تم ضرور
اس کے پاس جاؤ۔ اگر تم اپنے ماموں کے پاس ہی جانا چاہتی ہو تو یہ بھی ٹھیک ہے۔
جنید اگر ادھر آیا تو میں اسے تمہارے متعلق تفصیل سے بتا دوں گا۔ پھر میرا خیال ہے
وہ تمہیں تمہارے اس رشتے کے ماموں کے ہاں سے لے جائے گا۔ اور سنو! میں نے تمہیں
نکالنے کے سارے انتظامات مکمل کر لیے ہیں۔
میں نے بیل گاڑی میں بیل جوت دیئے ہیں۔ ساتھ ہی اپنے گھوڑے پر زین بھی ڈال
اصطبل اور اس گھوڑے کی خرجین میں میری ماتا نے تمہارے لیے کپڑے، کھانے کی اشیا

اور کچھ دیگر سامان رکھ دیا ہے۔ اگرسین نے مجھ سے پوچھا تھا کہ تم کہاں جا رہے ہو تو میں نے اُ تھا کہ میری بہن بیمار ہے اور میں اس کے لیے وید کو لانے جا رہا ہوں اور اس میں شک ب نہیں۔ میری بہن بیمار ہے اور اس کے لیے وید کی ضرورت ہے۔

اچھا تم ایسا کرو، اندر جا کر میری ماتا اور بہن سے مل لو۔ باہر گلی میں اگرسین کا بیٹھا ہوا ہے۔ میں بیل گاڑی کے پاس جاتا ہوں۔ جب میں تمہیں اشارہ کروں تم باہر

کشتا اندر چلی گئی جب کہ برہماداس مکان سے باہر نکل گیا تھا۔

گلی میں آکر برہماداس نے اپنی بیل گاڑی کو اپنے دروازے کے سامنے ا انداز میں کھڑا کیا کہ اگر گھر سے کوئی نکلے تو گلی میں بیٹھا اگرسین کا بھائی دونوں بیلوں میں رہے اور کچھ نہ دیکھ سکے۔ پھر برہماداس نے کشتا کو ہاتھ سے اشارہ کر کے بلایا۔ کشتا برہماداس کی ماتا اور بہن سے مل کر باہر آئی۔ جب وہ دروازے کے قر پہنچی تو برہماداس نے آگے بڑھ کر سرگوشی میں اسے کہا۔

"کشتا! میری بہن! وہ دیکھو، میں نے اپنی بیل گاڑی کے نیچے ایک لمبی ناند باندھ رکھی ہے۔ اس میں چارہ بھی ہے۔ تم اس میں گھس کر آرام سے لیٹ جاؤ کچھ چارہ اپنے اوپر ڈال لینا تاکہ کسی کی نگاہ اگر ناند پر پڑے تو اسے شک ہی نہ ہو۔ لیے اگرسین اور اس کے بھائیوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بستی کو گھیر لیا ہوگا۔ اس تمہیں یہاں سے نکالنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔ ہماری اپنی بستی کے بہت سے لوگ بھی اور اس کے بھائیوں کا ساتھ دے رہے ہیں۔ ان کو یہ دکھ اور تکلیف ہے کہ ایک کے ہاتھوں راندا اور اس کے بھائی مارے گئے۔ ان کو یہ دکھ نہیں کہ راندا اور اس بھائی ایک لڑکی کو بے آبرو کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

جنید تو میری بہن ایک رشی صفت سورما ہے جس نے راندا اور اس کے بھا کو ٹھکانے لگا کر تمہاری جان اور آبرو کی حفاظت کی۔ اب تم آگے بڑھ کر ناند میں لیٹ کہ یہاں سے کوچ کریں۔"

کشتا فوراً آگے بڑھی۔ وہ ناند میں گھس کر لیٹ گئی اور چارہ اس نے اپنے

برہماداس نے گھوڑے کی لگام بیل گاڑی سے باندھ دی پھر وہ خود بھی بیل گاڑی پر ہوا اور بیلوں کو ہانک دیا۔

گو اگرسین اور اس کے بھائیوں نے اس بستی کے ہی اپنے ساتھیوں کے ساتھ سے نکلنے والے سارے راستوں کی ناکہ بندی کر رکھی تھی لیکن انہوں نے برہماداس سے تعرض نہ کیا اور اسے جانے دیا۔ اس طرح برہماداس کشتا کو اپنی بستی ویدانی سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

کشتا بے چاری پہلے باپ اور بھائی کی مرگ پر دکھی ہو رہی تھی۔ اب جو اس نے باپ کو اپنی بستی سے جدا ہوتے دیکھا تو بے چاری ہول کھا گئی۔ ایک بار اس نے ناند سے سر باہر نکال کر اپنی بستی ویدانی کی طرف دیکھا۔ اس کی حالت غیر ہو گئی۔ ناند میں وہ اوندھی سی لیٹ گئی۔ وہ اپنی ہچکیوں اور سسکیوں کو بڑی مشکل سے روکے ہوئے تھی۔ اس کی آنکھوں سے ساون بھادوں کے مینہ کی طرح آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی تھی۔

برہماداس جب دریا کنارے وید کی بستی کے قریب پہنچا تو سورج غروب ہو گیا اور فضاؤں میں تاریکی چھا گئی تھی۔ دریا کے کنارے ایک ٹیلے کی اوٹ میں برہماداس نے بیل گاڑی کو روک دیا پھر اس نے نیچے اترتے ہوئے کہا۔ "کشتا! کشتا! میری بہن! باہر نکل آؤ۔"

کشتا باہر نکل آئی اور اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے اس نے کہا۔ "برہماداس! میرے بھائی! میں تمہاری شکر گزار ہوں کہ مجھے تم نے اپنی بستی سے نکالا جسے میرے لیے اگرسین نے جہنم بنا کر رکھ دی تھی۔ کیا اب میں اس گھوڑے پر سوار ہو کر یہاں سے کوچ کر جاؤں"۔

برہماداس نے کہا۔ "نہیں میری بہن! میں اس وقت تمہیں یہاں سے کوچ نہ کرنے دوں گا۔ تم اکیلی ہو، ایسا نہ ہو اگرسین اور اس کے بھائیوں سے بچنے کے بعد تم رات کے وقت اکیلی کسی اور ظالم کے ہتھے چڑھ جاؤ۔ ہم دونوں بہن بھائی صبح تک یہیں رکیں گے۔ صبح اندھیرے منہ تم یہاں سے اپنے ماموں کی بستی کیرتن کی طرف کوچ کر جانا اور میں یہاں سے وید کو لے کر گھر لوٹ جاؤں گا۔

کشتا نے اندیشہ ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔ "بر اگر سین اور اس کے بھائیوں نے
باہر گزارنے پر شک کیا تو تم کیسے انہیں مطمئن کرو گے اور جب تم دن کی روشنی میں
بین داخل ہو گے اور تمہارے ساتھ تمہارا گھوڑا نہ ہو گا تو ان کا شک پختہ ہو جائے گا اور
وہ سختی کے ساتھ تم سے باز پرس کریں گے"۔

برہماداس نے تسلی دینے کے انداز میں کہا۔ "تم میری فکر نہ کرو میری بہن! میں
انہیں مطمئن کر لوں گا۔ میں انہیں کہہ دوں گا میری بیل گاڑی کا پہیہ نکل گیا تھا جس کی وجہ
سے مجھے دیر ہو گئی۔ رہا سوال گھوڑے کا۔ تو اول تو میں اندھیرے منہ ہی گھر پہنچنے کی
کوشش کروں گا۔ بالفرض اگر مجھے دیر ہو گئی تو میں ان سے کہہ دوں گا کہ میں گاڑی کا پہیہ
نکل جانے کے باعث دریا کے کنارے رکا ہوا تھا کہ دو نامعلوم چور وہاں آئے اور مجھ
سے گھوڑا چھین کر لے گئے"۔

برہماداس کی باتوں سے کشتا کسی قدر مطمئن ہو گئی پھر برہماداس نے گاڑی کے پچھلے
حصے میں نیچے بندھے ہوئے ایک بستر کو کھول کر باہر نکالتے ہوئے کہا۔ "میری بہن! یہ بستر
بھی میری ماں نے تمہارے لیے بندھوایا تھا۔ جس وقت ہمیں تمہارے بھائی اور باپ کے
مارے جانے کی اطلاع ہوئی تھی۔ میں اور میری ماں نے اسی وقت تمہارے کوچ کی تیاری
شروع کر دی تھی۔ کیوں کہ ہمیں خبر تھی عزت کے ساتھ زندہ رہنے کے لیے تمہیں اس
بستی دیدانی کو چھوڑنا ہو گا"۔

برہماداس نے سردی سے بچنے کے لیے بستر کھولا اس میں پانچ کمبل اور دو چادریں
تھیں۔ برہماداس نے ایک چادر بیل گاڑی میں بچھا کر کشتا کو اس پر بٹھایا اور اسے ایک
کمبل اوڑھا دیا۔ ایک چادر اس نے گاڑی کے اطراف کے بانسوں سے باندھ کر اوپر
چھولداری کی صورت میں باندھ دی تا کہ کشتا سردی، ہوا اور اوس سے بچی رہے۔ پھر
وہ نیچے اترا دونوں بیلوں اور گھوڑے پر اس نے ایک ایک کمبل ڈال دیا۔ آخری کمبل
اس نے خود اوڑھ لیا اور کشتا کے پاس گاڑی میں بیٹھ گیا۔
دونوں نے رات جاگتے ہوئے اور باتیں کرتے ہوئے گزاری۔ پھر جب رات ختم

ہونے کے قریب آئی اور مشرق سے سفیدی تانک جھانک کرنے لگی تو دونوں اٹھ کر گاڑی سے
اترے۔ برہماداس نے بستر پہلے کی طرح لپیٹ کر گھوڑے کی زین سے باندھ دیا۔ پھر اس نے
کہا۔ "کشتا! اب تم گھوڑے پر بیٹھو اور یہاں سے کوچ کر جاؤ۔ میں بھی اب وید کو لے کر
اس طرف جاتا ہوں"۔

کشتا جب گھوڑے پر سوار ہو گئی تو برہماداس نے اگر سین کی دی ہوئی نقدی کی
تھیلی اس کے گھوڑے کی خرجین میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے گھوڑے کی خرجین میں
یہ تھیلی ڈال رہا ہوں۔ تمہارے کام آئے گی"۔

کشتا نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ "اس کی ضرورت نہیں ہے میرے بھائی! چند
دن قبل جلید مجھے ایک بڑی رقم دے کر گئے تھے وہ میرے پاس ہے۔ وہ میرے پاس ہے
یہ نقدی کی تھیلی رکھ لو تمہارے کام آئے گی"۔

برہماداس نے پیار سے کہا۔ "رکھ لو میری بہن! نقدی کی یہ تھیلی مجھے اگر سین نے
یہ کہلاتے ہوئے دی تھی کہ میں تم پر نگاہ رکھوں اور اسے اطلاع کر دوں کہ تم کہاں ہو"۔

کشتا کچھ کہنے والی تھی کہ برہماداس نے کہا۔ "اب تم میرے شکریہ ادا کرنے کو کچھ
نہ کہنا۔ اس لیے کہ تم بہن ہو اور جو کچھ میں نے تمہارے لیے کیا ہے وہ ایک بھائی کا فرض
تھا۔ اب تم مزید وقت ضائع نہ کرو۔ گھوڑے کو ایڑ لگاؤ اور یہاں سے کوچ کر جاؤ۔
تمہارے جانے کے بعد میں بھی یہاں سے کوچ کروں گا اور مجھے اندھیرے ہی اندھیرے
گھر پہنچنا ہے"۔

کشتا نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ اب وہ گھوڑے کو تیزی سے دریا کے کنارے
کنارے دوڑاتی ہوئی کیرتن نام کی اس بستی کی طرف جا رہی تھی جس میں اس کا دودھ کا ماموں
ہال رہتا تھا۔ برہماداس بھی اپنے بیلوں کو ہانک کر دریا کے کنارے وید کی بستی کی
جانب جا رہا تھا۔

○

سہ پہر کے تھوڑی دیر بعد کشتا کیرتن نام کی بستی میں داخل ہوئی۔ لوگوں سے

پوچھتی ہوئی وہ یشیہ پال کے گھر کی طرف آئی اور اس کے دروازے پر آئی دی۔ تھوڑی دیر بعد ایک معمر عورت نے دروازہ کھولا۔ اس نے حیرت سے کشتا کو دیکھا جو وہاں اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے کھڑی تھی۔ پھر اس معمر عورت نے اپنے آپ سنبھالتے ہوئے پوچھا۔ "تم کون ہو اور کس سے ملنا ہے۔"

کشتا نے کہا۔ "میں اُتّر کی ایک بستی دیردانی کی رہنے والی ہوں۔ میرا نام کشتا ہے اور میرے باپ کا نام دھرم دھت ہے۔ کیا یہاں یشیہ پال نہیں رہتے۔ وہ میرے رشتے کے ماموں ہیں۔ میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔"

اس عورت نے تاسف کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "یشیہ پال تو مر چکا، اس کی بیوی پہلے ہی گزر گئی تھی۔ اس کا ایک ہی بیٹا تھا جو یہ مکان بیچ کر کہیں چلا گیا اور یہ مکان اس سے ہم نے خرید لیا۔"

اس انکشاف پر غم اور اندوہ میں بے چاری کشتا کی گردن جھک گئی تھی۔ اس کے چہرے پر آئینہ آئینہ زخموں کی تحریریں، تفکرات کا اتار چڑھاؤ اور غم کا الجھاؤ تھا۔ اس کے چہرے کی غمزدہ کتاب کے اوراق میں پریشانی کی دھوپ کے اندر آنسوؤں کی بارش کے واضح آثار تھے۔ چند ثانیوں تک وہ خواب و خیال میں کھوئی رہی اور اپنے شعور کی آواز سنتی رہی۔ پھر اس عورت کا شکریہ ادا کرنے کے بعد کشتا اپنے گھوڑے کی باگ تھامے وہاں سے ہٹ گئی۔ اس کی گردن ابھی تک جھکی ہوئی تھی اور وہ کچھ سوچتی جا رہی تھی۔

کشتا نے دیکھا شودروں کی اس بستی کیرتن سے باہر شودروں کا ایک مندر تھا۔ تھوڑی دیر تک کشتا دور کھڑی ہو کر اس مندر کے بلند اور پیتل چڑھے کلس کو دیکھتی رہی پھر وہ اپنے گھوڑے کی باگ تھامے آہستہ آہستہ اس مندر کی طرف بڑھنے لگی تھی۔

مندر کے احاطے میں داخل ہونے کے بعد کشتا نے اپنے گھوڑے کو ایک درخت سے باندھ دیا اور مندر کے اندر جانے کو وہ آگے بڑھی۔ مندر کے دروازے پہ جا کر وہ

ٹھٹکی، مندر میں ساز بج رہے تھے اور لوگ برہما، وشنو، شوشنکر، لکشمی، پاروتی ماد تری کے بت کے سامنے کھڑے بھجن گا رہے تھے۔

ہری کا دھیان لگا من میرے
سمرن کرے سانجھ سویرے
مٹ جائیں کے سب دکھ تیرے
جل میں تھل میں نیل گگن میں
کن کن میں ہے پربھو کی مایا!
جس نے من کی آنکھ کھولی!
اس نے اس کا درشن پایا!
جو نہ ہری کی مالا پھیرے!
چھوٹے جنم جنم کے پھیرے
کون ساتھ دھن لے جائیگا رے
کون ساتھ دھن لے کے آیا ہے
جگ میں سب کے رین بسیرے
ساتھ کسی کے کون چلے ہے
ہری کا دھیان لگا من میرے
سمرن کرے سانجھ سویرے
مٹ جائیں گے سب دکھ تیرے
ہری کا دھیان لگا من میرے!
ہری کا دھیان لگا من میرے!

لوگ جب پوجا پاٹ کے بعد مندر سے چلے گئے تو کشتا آہستہ آہستہ چلتی ہوئی مندر کے پروہت کے پاس آئی اور دبی کچلی آواز میں اس نے کہا۔ "میں ایک مظلوم

اور بے سہارا لڑکی ہوں کیا مَیں یہاں مندر کی داسی کی حیثیت سے رہ سکوں گی ؟"

پروہت کوئی نیک دل انسان تھا اس نے انتہائی شفقت اور مہربانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا " مجھے اپنے پورے حالات تفصیل سے کہو بیٹی ! پھر مَیں تمہارے متعلق کوئی فیصلہ کر سکوں گا ۔"

کشتا نے بلا جھجک شروع سے لے کر آخر تک اس پروہت کو اپنے حالات تفصیل سے سنا ڈالے تھے ۔

جب کشتا خاموش ہوئی تو پروہت نے کہا " اس مندر کے دائیں ہاتھ جو عمارت ہے وہ ایک آشرم ہے اور اس میں بیوہ عورتیں، محتاج اور بے سہارا لڑکیاں رہتی ہیں. تم بھی اس آشرم میں امن اور عزت کے ساتھ رہو۔ بے بسی کے اس دَور میں تمہیں اپنی اس جوانی میں ویراگ، سنیاس اور بیراگ کاٹنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم یہاں میری بیٹی بن کر رہو۔ تمہیں کوئی کام، مشقت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں اگر تم اپنی مرضی سے مندر کی سیوا کرو تو یہ اور بات ہے۔ ورنہ مندر کی سیوا کرنے کو یہاں بہت سی دیوداسیاں ہیں۔ اگر تم اپنا گھوڑا بیچنا چاہو تو اسے یہیں رہنے دو۔ مَیں اسے بیچ کر رقم تمہیں پہنچا دوں گا اور اگر تم اسے نہ بیچنا چاہو تو اسے تم اپنے پاس بھی رکھ سکتی ہو کیونکہ اس مندر کے نام زمین کا ایک وسیع رقبہ ہے جس کی کاشت سے مندر اور آشرم کے اخراجات پورے ہوتے ہیں۔ تم مندر کی ان زمینوں سے اپنے گھوڑے کیلئے چارہ حاصل کر سکو گی ۔"

کشتا نے کہا " مَیں یہاں پناہ دینے پر آپ کی ممنون ہوں. گھوڑے کو مَیں اپنے ساتھ رکھوں گی۔ یہ مجھے کسی کی انسانیت سے ہمدردی اور حمایت یاد دلاتا رہے گا اور پھر مَیں اس گھوڑے کی خدمت کروں گی۔ اس طرح میرا وقت یہاں اچھا گزر جائے گا۔"

پروہت نے کہا " ٹھہرو، مَیں تمہارے ساتھ مندر کی ایک دیوداسی بھیجتا ہوں۔ وہ تمہیں تمہاری نئی رہائش گاہ دکھا دے گی۔" پروہت نے اپنے قریب ہی

کھڑی ایک دیوداسی سے کہا۔ " اس لڑکی کو آشرم لے جاؤ اور وہاں اس کی رہائش کا انتظام کرواؤ۔"

وہ دیوداسی کشتا کے ساتھ ہولی۔ کشتا نے صحن میں آکر اپنا گھوڑا کھولا۔ پھر وہ قدرے پُرسکون انداز میں اس دیوداسی کے ساتھ آشرم کی طرف جا رہی تھی۔

O

رانا سنگا کے دونوں جرنیل درمنگت اور خان جہاں اپنے خلاف جنید کی خوفناک کارروائیوں سے بے خبر کندار شہر کے جنوب میں اسی طرح امن اور غفلت کی حالت میں کوہستانی وادیوں کے اندر خیمہ زن تھے۔

ایک روز جب سورج غروب ہو رہا تھا، نرم نرم اجالوں میں شفق کھل کر تاریکی اور اندھیروں کو پکارنے لگی تھی پھر سرسبز پیڑوں کی الجھنوں کی طرح اجالا اور تاریکی ایک دوسرے کے ربط و مقصد میں کھو گئے۔ آخر افق تا افق تاریکی کا پیغام، اس کے باطن کی تشکیل اور تفکرات کی اڑان پھیل گئی۔ بستر کہکشاں پر ستارے بول اٹھے۔ اور اندھیروں نے وہم و گمان کے پردوں کے اندر ہر شے کے چہرے پر کالک سی مل دی تھی۔

درمنگت اور خان جہاں کے خیمے اپنے لشکر کے وسط میں نصب تھے اور اندھیرا پھیلنے پر وہ دونوں آگ کے اس الاؤ کے پاس کھڑے ہو کر آپس میں گفتگو کر رہے تھے جو ان دونوں کے خیموں کے سامنے روشن کیا گیا تھا۔ ان کے لشکر کے اندر بھی جگہ جگہ آگ کے الاؤ روشن تھے۔

خان جہاں نے آگ کے الاؤ پر اپنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے اپنے ساتھی جرنیل درمنگت سے کہا " پچھلے کئی روز سے جو بارشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ وہ اب ختم ہو چکا ہے۔ گو اب سردی اپنے عروج پر ہے پر سرما کا یہ طویل موسم ہم یہاں ان وادیوں کے اندر خیمہ زن رہ کر نہیں گزار سکتے۔ اس طرح سستی اور سہل انگیزی ہماری رُوح کی توانائیوں کو خوف کی دیمک بن کر چاٹ جائے گی اور ہم سستی و ظلمت کے

زنداں کے اسیر ہو کر رہ جائیں گے۔ اگر ایسا ہو گیا تو رانا سانگا ہمیں کبھی معاف نہ کرے گا۔"

درمنگت نے کہا۔ "خان جہاں میرے دوست! میں تمہاری گفتگو کا مطلب سمجھتا ہوں۔ میں خود اب اس حق میں ہوں کہ ہمیں مزید وقت ضائع کیے بغیر اب گوالیار کی طرف پیش قدمی کرنی چاہیئے اور اس پوری ریاست پر قبضہ کرنے کے بعد جلد از جلد یہ خوشخبری رانا سانگا کو روانہ کرنی چاہیئے کہ اب گوالیار کی ریاست ہماری عملداری کا ایک حصہ ہے۔ ہمارے جاسوس یہ خبریں بھی لا چکے ہیں کہ حاکم گوالیار تاتار خان کی مدد کے لیے بابر نے اپنے ایک جرنیل رحیم داد کو ایک لشکر کے ساتھ گوالیار روانہ کیا ہے۔ اور یہ جرنیل اپنے لشکر کے ساتھ گوالیار کی حفاظت کی غرض سے شہر سے باہر خیمہ زن ہے۔ ہمیں فوراً یہاں سے کوچ کر کے پہلے رحیم داد اور اس کے لشکر کا خاتمہ کر دینا چاہیئے پھر گوالیار پر قبضہ کر کے اور تاتار خاں کو پابہ زنجیر حالت میں رانا سانگا کی طرف روانہ کر دینا چاہیئے تاکہ اسے ہم دونوں کی جنگی مہارت اور اہمیت کا اندازہ ہو۔"

خان جہان نے کہا۔ "تو پھر کل صبح ہی صبح یہاں سے کوچ کریں۔ قبل اس کے بابر گوالیار کی حفاظت کے لیے کوئی اور لشکر روانہ کرے ہمیں فوراً گوالیار پر اپنا قبضہ مکمل کر لینا چاہیئے۔ بابر کے لشکریوں کی تعداد اس وقت گوالیار میں کم ہے اور اگر ان کو مزید کمک مل گئی تو حالات ہماری خواہشات کا الٹ بھی ہو سکتے ہیں۔"

درمنگت نے بڑے فخر و استکبار سے کہا۔ "بابر کے لشکری اگر ہم سے بیس گنا زیادہ بھی ہوئے تو بھی ہم انہیں مویشیوں کی طرح ہانک کر رکھ دیں گے۔"

خاں جہاں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "درمنگت! اس معاملے میں میرے خیالات تم سے مختلف ہیں۔ بابر کے لشکری دہلی کے سلطان ابراہیم کو عبرت ناک شکست دے چکے ہیں۔ ان کے حوصلے بلند اور ولولے جوان ہیں۔ لہٰذا گوالیار میں ان کو مزید کمک پہنچنا ہمارے حق میں ناگوار اور نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔"

درمنگت نے کہا۔ "خان جہاں! میں تمہاری دور اندیشی کا قائل ہوں۔

یہ امر طے شدہ ہے کہ ہم کل صبح ہی صبح یہاں سے گوالیار کی طرف کوچ کریں گے۔"

درمنگت کی گفتگو کے جواب میں خاں جہاں کچھ کہنے والا تھا کہ کچھ گھوڑ سوار کے خیموں کے قریب آ کر رکے اور اپنے گھوڑوں سے اترے۔ درمنگت اور خان جہاں کے پہریداروں نے انہیں دور ہی روک دیا۔ لیکن آگ کے الاؤ کے پاس کھڑے خان جہاں نے زور سے پکارتے ہوئے کہا۔ "انہیں آنے دو یہ کون لوگ ہیں؟"

پہریدار دو ہندوؤں کو پکڑ کر خان جہاں اور درمنگت کے سامنے لائے۔ یہ وہی دل ہندو جوان تھے جنہیں جنید نے درمنگت اور خان جہاں کی طرف روانہ کیا تھا تاکہ وہ انہیں اطلاع کر دیں کہ کندار شہر ان کے ہاتھوں سے نکل گیا ہے اور اس پر بابر کے ایک جرنیل جنید نے قبضہ کر لیا ہے۔ وہ دونوں جوان جب قریب آئے تو درمنگت نے پوچھا "تم دونوں کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو اور کس غرض سے ہمارے لشکر میں داخل ہوئے ہو۔"

ان دو جوانوں میں سے ایک نے کہا۔ "ہم کندار شہر سے متعلق ایک بری خبر لے کر آئے ہیں۔"

خان جہاں نے کسی قدر چونکتے ہوئے پوچھا۔ "وقت ضائع نہ کرو، جلدی کہو کیسی بری خبر لائے ہو؟"

اسی جوان نے کہا۔ "جب آپ دونوں کندار شہر کو فتح کرنے کے بعد اور وہاں اپنا لشکر بٹھا کر اس طرف آ گئے تو ایک روز صبح ہی صبح جنید نام کا بابر کا ایک جرنیل شہر کے سامنے نمودار ہوا اور ایسے اندھا دھند انداز میں اور ایسی برق رفتاری کے ساتھ حرکت میں آیا کہ اس نے صبح کے وقت اپنے کام کاج میں مصروف محافظوں کو شہر کے دروازے بند کرنے کا موقع نہ دیا اور کسی بھوکے بھیڑیے کی طرح وہ شہر میں اپنے لشکر کے ساتھ داخل ہو گیا۔ آن کی آن میں آندھی اور بگولوں کی طرح وہ پورے شہر پر چھا گیا وہاں مقیم آپ کے لشکر کو اس نے چند ہی ثانیوں میں تہ تیغ کر کے رکھ دیا۔ اور کندار شہر پر اس نے اپنا قبضہ مکمل کر لیا۔

اس نے ہم دونوں کو خود آپ کی طرف روانہ کیا اور کہا کہ درمنگت اور خان جہاں

سے جا کر کہو کہ بابر کے ایک جرنیل جنید نے کندار شہر پر قبضہ کر لیا ہے اگر ان میں ہمت ہے تو وہاں آ کر اس کا مقابلہ کریں۔"

ورمنگت نے چیختے ہوئے غصیلی آواز میں کہا۔ "ہم اس بدقسمت اور ناہنجار جرنیل کا یہ چیلنج قبول کرتے ہیں۔ ہم اسے بتائیں گے کہ کندار شہر پر قبضہ کرنے کے کیا نتائج رونما ہوتے ہیں۔"

چند ثانیوں تک ورمنگت اور خان جہاں خاموش کھڑے سوچتے رہے۔ پھر خان جہاں نے کہا۔ "ورمنگت! حالات اچانک ایک دوسری طرف پلٹا کھا گئے ہیں ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ بابر کا کوئی جرنیل اس قدر سرعت کے ساتھ حرکت میں آ کر کندار شہر پر قبضہ کر لے گا۔ اب ہمیں گوالیار کی طرف اپنے کوچ کو التوا میں ڈالنا ہوگا اور بابر کے جرنیل جنید سے نمٹنے کی خاطر کندار شہر کا رخ کرنا ہوگا۔

میں نے سن رکھا ہے جنید بابر کے ہراول لشکر کا نائب سالار ہے بلکہ کبھی کبھو یہ ہراول کا سالار بھی ہوتا ہے۔ سنا ہے یہ انتہائی کڑوا، زہریلا، زور آور اور تجربہ کار جرنیل ہے۔"

ورمنگت نے سخت نفرت اور حقارت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "وہ جو کچھ بھی ہے میں پس پشت ڈالتا ہوں۔ فی الوقت تو میں صرف یہی خواہش رکھتا ہوں نہ یہاں کندار کی طرف کوچ کرنا ہے اور تاتار خان سے پہلے بابر کے اس جرنیل جنید کو پابہ زنجیر کر کے رانا سانگا کی طرف روانہ کرنا ہے۔ ہم ابھی اور اسی وقت یہاں سے کوچ کریں گے۔"

پھر ورمنگت اور خان جہاں نے اپنے لشکر کو وہاں سے روانگی کا حکم دے دیا۔ ان کے لشکری وہاں سے کوچ کرنے کے لیے طوفانی انداز میں خیمے اکھاڑنے لگے اور اپنا سامان سمیٹنے لگے تھے۔

o

رات اپنے عروج کی طرف بھاگ رہی تھی۔ دشت و دریا، بوسیدہ اور گھسے پٹے راستوں کی طرح خاموش اور ویران تھے۔ ہر شے تاریکی اور ظلمت کے تالاب میں

برآمد بھی ہو گئی تھی۔

جس وقت کندار کے وہ دونوں ہندو جوان اس وادی میں پہنچ کر جنید کا پیغام
ت اور خان جہاں کو سنا رہے تھے اسی وقت ایک دوسرے راستے سے اور ایک
ا کا فاصلہ کاٹتے ہوئے جنید بھی اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ گیا تھا۔ تاہم وہ ذرا فاصلے
ت میں بیٹھ گیا تھا۔ جس وقت ورمنگت اور خان جہاں کے لشکر میں کوچ کی تیاری
ع ہوئی اور ان کے لشکری اپنے خیمے اکھیڑنے اور سامان سمیٹ کر اونٹوں اور خچروں
نے میں مصروف ہوئے تو جنید اپنی کمین گاہ سے نکلا اور دشمن پر اس نے حملہ کر دیا۔ جنید
ن سے ورمنگت اور خان جہاں پر یہ ایک خونی اور ہولناک شب خون تھا۔

ورمنگت اور خان جہاں کا لشکر اس اچانک اور رستخیز شب خون پر لرز کانپ
ا گیا تھا۔ لشکری خیمے اکھیڑنا اور سامان سمیٹنا بھول گئے تھے اور اپنے آپ کو مسلح کرنے کی
رہ ان بھیڑ بکریوں کی طرح یوں ادھر ادھر بھاگ رہے تھے جن کے اندر ان گنت بھیڑیے
بیے گھس آئے ہوں۔

قبل اس کے ورمنگت اور خان جہاں اپنے لشکر کا نظم و ضبط اور جنگی ترکیب
بت کرنے میں کامیاب ہوتے، جنید تقدیر کی ناقابل تسخیر گردش اور ظلمت کے زندان
طرح ان پر وارد ہو گیا تھا۔ اس نے ورمنگت اور خان جہاں کے سارے منصوبوں پر
ے لطفی، کالک، خرابی اور یاس انگیزی طاری کر دی تھی۔ اس نے گویا غیر آباد جزیروں
طرح ان دونوں کے نروان کو تباہ حال کر دیا تھا۔ اس کے حملوں سے ایسا لگتا تھا جیسے
قدرت نے اسے طلسمات زماں کی گردن توڑنے، آفاق و عوام کی شمعیں روشن کرنے اور
ن کے اعمال و افعال کو زنگ آلود کرنے کے لیے پیدا کیا ہو۔

حملہ آور ہوتے وقت جنید کی آنکھوں میں بے رحم حوادث کے نقوش اور چہرے
گویا صدیوں کی مسافتوں کی خراشیں تھیں وہ طوفان و تلاطم کی طرح ہر شے کو بساط کی طرح
اپنے سامنے لپیٹتا چلا گیا تھا۔

ورمنگت اور خان جہاں نے اپنے لشکر کو سنبھالتے ہوئے اس کے سامنے

جمنے کی انتہائی کوششیں اور جتن کیے لیکن ان کی ہر سعی ناکام ہوئی کہ جنید نے ان کے لشکر کے اندر گھس کر نئے سوز کی ایجاد، آفاق کو تسخیر کرنے کا عمل، درمنگت اور خان جہاں کے چہروں پر کالک ملنے کی کارروائی اور اڑتے لمحوں کو اپنے سامنے جھٹکانے کی ابتدا دی تھی۔

حقائق سے بے بہرہ، صداقت سے عاری، ظن و تخمین کے عادی اور وہم و گمان کے مارے درمنگت اور خان جہاں کی ہر تدبیر اور ان کے ہر جنگی داؤ کو یوں بیکار کر رکھ دیا تھا جس طرح اناج علیحدہ کرنے کے لیے کسان بھس کو ہوا میں اڑا کر رکھ دیتا ہے۔ اپنے تیز حملوں سے جنید نے کرب کے مضمون کی ابتدا اور جراحتوں کے عمل سے دشمن کے جسموں کو سجانا شروع کر دیا تھا۔

اندھیرے کے اندر کافی دیر تک جنید نے درمنگت اور خان جہاں کے لشکر کو تختۂ مشق بنائے رکھا۔ یہاں تک کہ دشمن کی مدافعت آہستہ آہستہ کم اور ڈھیلی ہونا شروع ہو گئی۔ درمنگت اور خان جہاں کے لشکر میں جلتے آگ کے الاؤ بجھنے لگے۔ اب دشمن کے سپاہی اپنی جانیں بچانے کی خاطر ادھر ادھر چھپنے لگے تھے جب کہ جنید کے لشکری انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ٹھکانے لگا رہے تھے۔ اس طرح پوری رات جنید اپنے لشکر کے ساتھ دستِ جلال کی طرح درمنگت اور خان جہاں کے لشکر پر برستا رہا۔

رات لمحہ لمحہ پگھل کر جب ختم ہو گئی اور شہتوتوں کے جھنڈ کے پیچھے سے سورج نے دھرتی کے ننگے اور خون آلود پنڈے کو جھانکا تو درمنگت اور خان جہاں کے لشکر کا مکمل طور پر صفایا کر دیا گیا تھا۔ خود درمنگت اور خان جہاں کو جنید کے لشکریوں نے زندہ پکڑ لیا تھا اور انہیں رسیوں میں جکڑ کر آگ کے ایک الاؤ کے پاس بٹھا دیا تھا۔ دشمن کا وہ پڑاؤ عجیب منظر پیش کر رہا تھا۔ کچھ خیمے ایستادہ اور کچھ اکھڑے پڑے تھے۔ دور دور تک دشمن کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔

جنید کے لشکریوں نے پڑاؤ کے بجھتے الاؤ پھر روشن کر دیے تھے۔ اب جگہ آگ جل رہی تھی اور سردی سے بچنے کی خاطر وہ ان کے گرد جمع ہو گئے تھے۔

جنید کو جب اطلاع ہوئی کہ درمنگت اور خان جہاں کو زندہ گرفتار کر لیا گیا۔ اس وقت وہ اپنے گھوڑے پر سوار دشمن کے پڑاؤ کا جائزہ لے رہا تھا۔ یہ خبر سننے کے بعد اس نے گھوڑے کو اس طرف موڑا جہاں آگ کے ایک روشن الاؤ کے پاس درمنگت اور خان جہاں کو رسیوں میں جکڑ کر آگ کے قریب ڈال دیا گیا تھا تاکہ دونوں سردی سے بچیں۔

جنید جب اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا آگ کے اس الاؤ کے پاس آ کر رکا تو ایک سپاہی نے بھاگ کر اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ ایک دوسرے سپاہی نے درمنگت اور خان جہاں کو باری باری اپنے پاؤں سے ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ "تم دونوں اٹھ کھڑے ہو جاؤ۔ تمہارے سامنے وہ جو گھوڑے سے اتر رہے ہیں وہ ہمارے سالار جنید بن سمر بیگ ہیں"۔

جنید کا نام سنتے ہی درمنگت اور خان جہاں دونوں کے چہروں پر خوف اور جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور وہ دونوں ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔

جنید ان دونوں کے قریب آیا۔ چند ثانیوں تک وہ ان دونوں کو غور اور انہماک سے دیکھتا رہا جب کہ جواب میں درمنگت اور خان جہاں کی گردنیں شرمندگی اور ندامت کے باعث جھکی ہوئی تھیں۔ پھر جنید نے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میں جانتا ہوں تم دونوں نے جو کچھ کیا وہ رانا سانگا کے حکم اور ایما پر کیا۔ تمہارے لیے کیا یہی سزا کافی نہیں ہے کہ تم رانا سانگا کے بہترین جرنیل ہوتے ہوئے ہمارے سامنے رسیوں میں جکڑے انفعال و شرمساری اور ندامت و خفت کی حالت میں کھڑے ہو۔ اگر تم دونوں وعدہ کرو کہ آئندہ تم رانا سانگا کے لشکر میں شامل نہ ہو گے اور نہ ہی کسی ایسی کارروائی میں شرکت کرو گے جو بابر کے خلاف کی جا رہی ہو تو میں تم دونوں کو معاف کر سکتا ہوں۔"

درمنگت اور خان جہاں نے پہلے ایک دوسرے کی طرف غور سے دیکھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی فیصلہ ہوا پھر خان جہاں نے کہا۔ "ہم آپ سے وعدہ

کرتے ہیں کہ ہم رانا سانگا کے لشکر میں شامل نہ ہوں گے اور نہ ہی کسی ایسی کارروائی
میں لگے جو بابر یا اس کے لشکر کے خلاف کی جا رہی ہو۔"

جنید نے قریب کھڑے ایک سپاہی کو مخاطب کر کے کہا "ان دونوں کو
کھول دو۔"

وہ سپاہی لپک کر آگے بڑھا اور ان دونوں کی رسیاں اس نے کاٹ دیں۔

جنید نے کہا "اب تم دونوں آزاد ہو، تم جہاں چاہو جا سکتے ہو تم سے کوئی پُرسش نہیں۔ جواب طلبی اور محاسبہ نہیں ہے۔ تم اپنے ساتھ اپنے گھوڑے اور اپنی ذاتی اور قیمتی اشیاء لے جا سکتے ہو۔"

درمنگت اور خان جہاں کے چہروں پر چھایا باک و بیم اور خوف و ہراس کسی قدر جاتا رہا۔ انہوں نے اپنے خیموں سے اپنا ذاتی سامان لیا اور اپنے گھوڑوں پر سوار ہو وہاں سے کوچ کر گئے۔ خان جہاں گمنام ہو کر کہیں گوشہ نشین ہو گیا لیکن درمنگت خلاف کرتے ہوئے دوبارہ رانا سانگا کے لشکر میں جا شامل ہوا۔

جنید نے بھی کندار اور موجودہ جنگ سے حاصل ہونے والے غنیمت کے سے ایک بڑا حصہ بابر کو روانہ کیا اور باقی اپنے لشکر میں تقسیم کرنے کے بعد شام تک بھی گوالیار کی طرف کوچ کر گیا۔

بابر کا دس ہزاری جرنیل رحیم داد خان گوالیار پہنچ کر شہر سے باہر خیمہ زن ہو گیا حاکم گوالیار تاتار خان سے اس کا رابطہ قائم ہو گیا تھا اور دونوں نے مل کر درمنگت خان جہاں سے گوالیار کا دفاع کرنے کا عہد کر لیا تھا لیکن چند ہی روز بعد تاتار خان جب یہ خبریں ملیں کہ بابر کے جرنیل جنید نے کندار شہر پر قبضہ کرنے کے بعد درمنگت خان جہاں کو ذلت آمیز شکست دی ہے تو اس کے ذہن پر شیطان اور فتنہ سوار گیا۔ اس نے یہ سمجھ لیا کہ درمنگت اور خان جہاں کی شکست کے بعد اس کے سارے خطرات مل گئے ہیں۔ اپنے اس احمقانہ عزم میں اس نے بابر سے کیے سارے عہد تو ڈالے۔ رحیم داد سے سارے رابطے اس نے منقطع کر دیئے اور شہر کے دروازے بند کر

لشکر کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

رحیم داد اپنی جگہ مجبور تھا۔ اس کے پاس جو لشکر تھا اس کے ذریعے وہ تاتار خان نے میں کامیاب نہ ہو سکتا تھا اور پھر شہر سے باہر اس قدر رہنا و جمع ہو رہے ندا اس کے لیے خطرات میں اضافہ ہو رہا تھا۔ تاہم وہ جنید کے انتظار میں گوالیا باہر برابر پڑاؤ کیے رہا۔

○

ایک روز رحیم داد اپنے لشکر کے اندر گھوم پھر کر اپنے لشکریوں کے حالات لے رہا تھا کہ ایک دم وہ چونک کھڑا ہوا۔ چند ہی قدم کے فاصلے پر جنید اپنے کو دوڑاتا ہوا اس کی طرف آ رہا تھا۔ رحیم داد فوراً اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور نوں بڑی گرم جوشی کے ساتھ ایک دوسرے سے مصافحہ کر رہے تھے۔ رحیم داد نے تعجب سے جنید کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اے امیر! آپ یہاں۔ آپ تو آگرہ سے درمنگت اور خان جہاں کی سرکوبی کو ئے تھے۔ آپ یہاں کیسے؟ کیا درمنگت اور خان جہاں نے اپنی تباہی اور ریخت سی اور سمت کر لیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو وہ مستقبل قریب میں ہمارے لیے ایک ن کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔"

جنید نے بڑی نرمی سے کہا۔ "رحیم داد! رحیم داد! تم درمنگت اور خان فکر نہ کرو۔ ان دونوں کو میں نے کھلے میدان کے اندر شکست دے کر کندار پر قبضہ کر لیا ہے۔ درمنگت اور خان جہاں کے سارے لشکر کو تہ تیغ کر دیا گیا درمنگت اور خان جہاں ہی زندہ بچے تھے انہیں میں نے اس شرط پر رہا کر ہ دونوں کبھی ہمارے خلاف جنگ میں حصہ نہ لیں گے۔ رحیم داد! میں نے سنا ہ تاتار خان گوالیار شہر کے اندر محصور ہو گیا ہے اور اب وہ ہمارے ساتھ فیصلہ کن کا ارادہ رکھتا ہے۔"

رحیم داد نے کہا۔ "اے امیر! آپ نے درست سنا۔ تاتار خان گوالیار شہر

کے اندر محصور ہو گیا ہے اور اب وہ ہمارے ساتھ جنگ کرنے کے درپے ہے۔ اس نے وہ سارے عہد جو ہمارے ساتھ کیے تھے توڑ دیئے ہیں اور بغاوت و سرکشی کر چکا ہے۔ تاتار خان کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کے لیے مجھے آپ ہی کا انتظار تھا۔ شہر کے اردگرد اس قدر مسلح ہندو جمع ہو گئے ہیں کہ میرے لیے یہاں پڑاؤ کرنا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ ابھی مزید ہندو یہاں جمع ہو رہے ہیں۔ بہرحال آپ کے آجانے سے ہماری سپاہ اب ہر خطرے سے باہر ہے۔

جنید نے کہا۔ ”گوالیار شہر کے ایک بزرگ عالم اور درویش شیخ محمد غوث نے اپنا ایک آدمی بھیج کر مجھے ان سارے حالات سے پہلے ہی آگاہ کر چکے ہیں۔ دیکھو رحیم داد! آسمان پر آج بادل پھر بادل گھرے ہو رہے ہیں اور امید ہے کسی وقت بھی بارش شروع ہو سکتی۔ سرما میں بارشوں کا یہ سلسلہ چھ چھ سات سات روز تک جاری رہتا ہے۔ ان حالات میں بارشوں اور سردی کے اندر ہم اس طرح باہر پڑاؤ کر کے شہر کا محاصرہ جاری نہ رکھ سکیں گے اور پھر مزید یہ کہ ہم دونوں کے پاس قلعہ شکن سامان بھی نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آج رات ہم گوالیار کو فتح کر کے شہر میں داخل ہو جائیں۔

رحیم داد نے حیرت، تحیر اور استعجاب میں پوچھا۔ ”اے امیر! یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہمارے پاس قلعہ اور فصیل شکن سامان بھی نہ ہو اور ہم گوالیار کو رات ہی رات فتح کر کے شہر میں داخل ہو جائیں۔ ہاں یہ اس وقت ممکن ہے جب گوالیار کی فصیل نہ ہو اور ہمارا مقابلہ دشمن سے کھلے میدان میں ہو۔

اے امیر! شاید یہ انکشاف بھی آپ کے لیے نیا ہو کہ تاتار خاں کے ساتھ جو لشکر ہے اس کی تعداد ہمارے متحدہ لشکر سے بھی زیادہ ہے۔

جنید نے کہا۔ ”رحیم داد! اگر میں اپنی سپاہ کے ساتھ درمنگت اور ماں جہاں کے دس گنا سے بھی زیادہ لشکر کو ٹھکانے لگا سکتا ہوں تو تاتار خاں اور اس کے لشکر کی ان دونوں کے سامنے کوئی حیثیت ہی نہیں۔ سنو رحیم داد! میرا لشکر یہاں سے

دور گھاٹ میں بیٹھا ہوا ہے اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہے کہ میں درمنگت اور ماں جہاں کو شکست دینے کے بعد یہاں گوالیار پہنچ گیا ہوں۔ تم ابھی اور اسی وقت اپنا سفیر تاتار خان کی طرف روانہ کر دو اور لجاجت و منت سماجت کے انداز میں کہلواؤ کہ گوالیار شہر سے باہر ان گنت مسلح ہندو جمع ہو گئے ہیں۔ جن کے سامنے میرے لشکر کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور وہ کسی وقت بھی مجھ پر حملہ آور ہو کر مجھے ختم کر سکتے ہیں۔ لہٰذا صرف آج کی رات مجھے فصیل کے اندر شہر کے دروازے کے پاس اپنے ذاتی محافظوں کے ساتھ رہنے کی اجازت دو اور اگلے روز میں یہاں سے اپنے لشکر کے ساتھ آگرہ کی طرف کوچ کر جاؤں گا اور وہاں جا کر میں بابر کو بھی یقین اور اعتماد دلاؤں گا کہ تاتار خان ہمارا وفادار ہے اور اس کی حیثیت گوالیار میں ایک ماتحت اور مخلص حاکم کی سی ہے۔ سفیر بھیجنے کے بجائے میں تو کہتا ہوں تم خود کسی طرح تاتار خان سے مل کر اپنی یہ عرضداشت پیش کرو۔“

رحیم داد نے بیچ میں بولتے ہوئے کہا۔ ”لیکن وہاں شہر کے دروازے پر رات بسر کر کے میں کیا کروں گا، اگر تاتار خان نے مجھے وہاں رہنے کی اجازت دے دی اور رات کے کسی حصے میں اس کی نیت خراب ہو گئی اور اس نے اپنے لشکریوں سے مجھے اور میرے محافظوں کا صفایا کر دیا تب“۔

جنید نے کہا۔ ”ایسا نہیں ہوگا۔ تم پہلے بول پڑے ہو، ورنہ میری بات ابھی ختم نہ ہوئی تھی۔ میں کہہ رہا تھا جب تاتار خان تمہیں شہر کے اندر رات بسر کرنے کی اجازت دے دے تو تم وہاں جم جانا۔ جب اندھیرا ہو جائے گا تو میں اپنے لشکر اور تمہارے لشکر دونوں کو شہر کے اس دروازے سے قریب لے آؤں گا جس میں تمہارا قیام ہوگا۔ تم فصیل سے باہر کی طرف دھیان رکھنا۔ جب میرے لشکر کے اندر جلتے پروں کے تیر فضا میں بلند ہوں تو تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ دروازے کے محافظوں پر حملہ آور ہو کر انہیں ختم کر کے دروازہ کھول دینا۔ اس وقت تک میں لشکر کے ساتھ بالکل دروازے پر پہنچ چکا ہوں گا۔ دروازہ کھلنے کے بعد میرا کام شروع ہوگا اور میں تاتار خان سے

نمٹ لوں گا۔

رحیم داد نے توصیفی انداز میں جنید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "گوالیار شہر پر قبضہ کرنے کا سب سے عمدہ طریقہ ہے۔"

جنید نے کہا۔ "میں اب اپنے لشکر میں واپس جاتا ہوں۔ سورج غروب ہونے کے بعد پہلے تم تاتار سے مل کر یہ معاملے کرنے کی کوشش کرو۔"

رحیم داد نے بڑی چاہت اور محبت سے کہا۔ "اے امیر! کیا ایسا ممکن کہ آج شام کا کھانا آپ ہمارے ساتھ کھائیں۔"

جنید نے کہا۔ "نہیں، میں زیادہ دیر تک اپنے لشکر سے باہر نہیں رہنا چاہتا۔ میرے لشکری بے چینی سے میرا انتظار کر رہے ہوں گے کیونکہ میں ان کے ساتھ کو کھانا کھانے کا عادی ہوں۔"

جنید نے رحیم داد سے مصافحہ کیا پھر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور وہاں سے وہ کوچ کر گیا تھا۔ رحیم داد بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے خیمے کی طرف جا رہا تھا۔

○

زمین کے بدن سے نور چھن گیا تھا کہ سورج غروب ہونے کے بعد اندھیرا چھانے لگا اور ہر شے موت کے ہیولوں کی شکل اختیار کرنے لگی تھی۔ اجالوں کی مسکراہٹیں اپنی ذات کے شعور میں گم ہو گئی تھیں۔ ہر طرف محاط و محیط تاریکیوں کا رقص شروع ہو گیا تھا۔

گوالیار کا حکمران تاتار خان شہر کی فصیل پر متعین اپنی حفاظتی سپاہ کا جائزہ لے رہا تھا۔ جب وہ ایک برج میں داخل ہوا تو ایک سپاہی بھاگا بھاگا اس کے پاس آیا اور اپنی پھولی سانس میں اس نے تاتار خان سے کہا۔ "آقا! شہر کے مشرقی دروازے پر بابر کا جرنیل رحیم داد اپنے چند محافظوں کے ساتھ کھڑا ہے۔ وہ کسی اہم مسئلہ پر آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہے اور آپ سے ملاقات کا منتظر ہے۔"

صار۔

تاتار خان نے چند ثانیوں تک اس برج میں کھڑے ہو کر کچھ سوچا۔ پھر وہ محافظوں کے ساتھ فصیل کے اوپر ہی اوپر چلتا ہوا شہر کے مشرقی دروازے پر آیا۔ سے وہ نیچے اترا اور دروازے کو محافظوں سے اس نے کہا۔ "رحیم داد کو اندر بلاؤ۔ میں دیکھوں وہ کیا کہتا ہے۔"

مشرقی دروازے کے محافظوں نے بڑے دروازے کے درمیان لگے ایک چھوٹے دروازے کو کھولا اور رحیم داد کو اکیلا اندر آنے کو کہا۔ رحیم داد جب اندر آیا تو تاتار خان نے آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "تم مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

رحیم داد نے کہا۔ "ہماری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ میں کل یہاں سے آگرہ کی طرف کوچ کر رہا ہوں اور وہاں جا کر بابر کو یقین دلاؤں گا کہ تاتار خان ہمارا وفادار ہے اور یہ کہ اسے گوالیار کا حاکم رہنے دیا جائے۔"

تاتار خان نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ "اگر تم ایسا کر سکو تو تمہارا مجھ پر احسان ہو گا۔ بصورتِ دیگر میں گوالیار شہر میں محصور رہوں گا اور کسی کو اس شہر پر قبضہ نہ کرنے دوں گا خواہ وہ بابر اور رانا سانگا ہی کیوں نہ ہو۔ میں نے شہر کی عسکری قوت میں اضافہ کر لیا اور اسے مزید مستحکم کر کے میں پوری ریاست گوالیار کے علاقوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ میرے اس کام میں اگر کسی نے رکاوٹ ڈالی تو اسے ہزیمت اٹھانا پڑے گی۔"

تاتار خان جب خاموش ہوا تو رحیم داد نے کہا۔ "میرا آپ سے ایک ذاتی کام بھی ہے اور مجھے امید ہے کہ تاتار خان جیسا عظیم اور فراخ دل حکمران انکار نہ کرے گا۔"

رحیم داد نے تاتار خان کو اچھے لفظوں سے مخاطب کر کے ایک طرف اس کے جذبۂ خود ستائشی کو ابھارنے کی کوشش کی تھی۔

تاتار خان نے کہا۔ "تم کہو، اگر تمہاری بات خلاف طبع نہ ہوئی تو ضرور مان جاؤں گا۔"

رحیم داد نے کہا۔ "آپ جانتے ہیں شہر سے باہر ان گنت مسلح ہندو جمع ہو رہے ہیں۔ وہ بابر کے سخت دشمن ہیں مجھے خطرہ ہے کہیں وہ رات کے وقت حملہ آور ہو کر میرا خاتمہ نہ کر دیں۔ اس سلسلے میں آپ سے میں پناہ کی گزارش کرتا ہوں۔ میری

درخواست ہے کہ آج کی رات آپ مجھے گوالیار شہر کے اندر اس شرقی دروازے کی عمارت میں گزارنے دیں۔ باہر کھڑے یہ چند محافظ بھی میرے ساتھ رہیں گے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ میری یہ حقیر سی خواہش رَد نہ کریں گے۔"

تاتار خاں نے اپنا فیصلہ دیتے ہوئے کہا۔ "تمہیں اپنے محافظوں کے ساتھ اس شرقی دروازے میں رات بسر کرنے کی اجازت ہے۔ تم اپنے چند محافظوں کے ساتھ ہمارے لیے خطرناک ثابت نہیں ہو سکتے۔"

رحیم داد نے کہا۔" آپ کی اس مہربانی کا مَیں ممنون ہوں۔ کیا مَیں اپنے محافظ کو اندر بلا لوں۔"

تاتار خاں نے کہا۔ "اپنے محافظوں کو تم اندر بلا لو۔"

رحیم داد کے محافظ بھی اندر آ گئے۔ تاتار خان اپنی موجودگی میں شرقی دروازے پر رحیم داد اور اس کے محافظوں کا بندوبست کر کے اپنے محافظوں اور نائبین کے ساتھ پھر شہر کی فصیل پر چڑھ کر وہاں متعین اپنے لشکریوں کا جائزہ لینے لگا۔ ایک بُرج کے قریب رُکتے ہوئے تاتار خان نے اپنے ایک نائب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

" یہ بابر کا دس ہزاری جرنیل رحیم داد بالکل احمق اور گدھا ہے۔ یہ خود ہی شکار بن کر ہمارے جنگل میں آن پھنسا ہے۔ آج آدھی رات کے وقت شہر سے باہر خیمہ زن اس کے لشکر پر شب خون مار کر اور اس کے سارے لشکریوں کو تہ تیغ کر کے ان کا سامان لوٹ لیا جائے گا اور صبح ہوتے ہی رحیم داد اور اس کے ساتھیوں کو پکڑ کر بھی قتل کر دیا جائے گا۔ مَیں اسے اسی وقت بھی قتل کر سکتا ہوں پر مَیں اسے رات یہاں بسر کرنے کی زبان دے چکا ہوں۔ رحیم داد کے لشکر کے ساتھ ساتھ جو مسلح ہندو شہر کے باہر جمع ہو رہے ہیں ان کا بھی مکمل طور پر صفایا کر دیا جائے گا۔ یہ کسی وقت بھی ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں اور مَیں گوالیار کے لیے خطرات میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا۔"

تاتار خان تھوڑی دیر رُکنے کے بعد پھر کہہ رہا تھا۔ بابر کو جب رحیم داد اور اس کے سارے لشکر کی ہمارے ہاتھوں تباہی اور بربادی کی خبر ہو گی تو اس کے پاؤں تلے سے

نکل جائے گی اور وہ مستقبل میں کوئی دوسرا لشکر گوالیار کی طرف بھجوانے کی کوشش نہ کرے گا گیا رانا سانگا تو بابر کا جرنیل جنید رانا سانگا کے دونوں نامور جرنیل درمنگت اور خان کو شکست دے چکا ہے۔ اور ان دونوں کے لشکر کا بھی اس نے مکمل طور پر یا کر دیا ہے۔ اب رانا سانگا بھی جلدی میں ہمارے خلاف کوئی قدم نہ اُٹھائے گا۔ اور سے نمٹنے کے بجائے اپنی جنگی قوت میں اضافہ کر کے بابر کو ہندوستان سے نکالنے کی ش کرے گا۔ اس طرح بابر اور رانا سانگا دونوں ایک دوسرے کے خلاف برسرِپیکار جائیں گے اور ہمیں ان دونوں کے خلاف اپنی عسکری حیثیت مضبوط کرنے کی مہلت جائے گی۔"

تاتار خان پھر رکا اور اپنے نائبین کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے تحسین و توصیف اور شاد و ستائش طلب نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم لوگوں کا میری ان تجاویز کے متعلق کیا خیال ہے؟"

ایک نائب نے کسی قدر جگرداری اور مردانگی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "آقا! جو کچھ آپ نے تجویز کیا درست اور مناسب ہے لیکن سُنا ہے بابر کے ہراول لشکر کا جرنیل جنید بن سمر بیگ اپنی بسالت و بطالت عسکری چالاکی، جنگی ممارست میں بے مثل ہے۔ لوگوں میں مشہور ہے کہ وہ سورماؤں کا سورما، بے باکوں کا بے باک اور دلاوروں کا دلاور ہے۔ درمنگت اور خان جہاں سے فراغت پانے کے بعد اگر اس نے رحیم داد کی مدد کرنے کے لیے اِدھر کا رُخ کیا تو پھر ہماری حالت کیا ہو گی۔ جب کہ گوالیار میں یہ خبریں بھی پہنچ گئی ہیں کہ اس نے درمنگت اور خان جہاں دونوں کو جنگ میں زندہ گرفتار کیا اور دونوں کو رسیوں میں جکڑ کر اس کے سامنے پیش کیا تو اس نے دونوں کو اس وعدہ پر رہا کر دیا کہ وہ دونوں آئندہ رانا سانگا کے لشکر میں شامل نہ ہوں گے اس کی خونخواری کا اندازہ لگاتے ہوئے ذرا یہ سوچیے کہ اگر اس نے ہمارا رُخ کیا تو ہماری کیا حالت ہو گی۔"

تاتار خان نے اپنے اس نائب کو جھڑک دینے کے انداز میں کہا۔ "ہماری حالت

ایسی بُری نہ ہوگی جس قدر تم اندازہ لگا رہے ہو۔ ورمنگت اور خان جہاں کو کھلے میدان میں اس کا سامنا تھا لیکن ہم یہاں گوالیار کے قلعہ میں محصور ہیں۔ اوّل تو وہ ادھر کا رخ ہی نہ کرے گا اور اگر آیا بھی تو شہر میں محصور رہ کر اس کی ہر تدبیر کو ناکام بنا دیں گے۔ تم سب لوگ اپنی تیاریاں مکمل کر لو۔ آج آدھی رات کے وقت رحیم داد کے لشکر پر شب خون مارا جائے گا اور ایسا کرنے میں ہی ہماری بقا اور ہماری بہتری ہے۔" پھر تاتار خان فصیل سے اُتر کر شہر کے قلعے میں اپنی رہائش گاہ کی طرف چلا گیا تھا۔

○

رات فطرت کے رازوں کے صحائف لیے نازل ہو گئی تھی۔ دشت و کہسار کی وسعتیں تاریکیوں میں ڈوب گئیں۔ ہر شے کی آنکھوں میں ویرانی اور روح میں پریشانی گھل گئی تھی۔ گوالیار شہر کے رہنے والے گہری میٹھی نیند سوئے ہوئے تھے۔ فصیل سے باہر رحیم داد کے لشکر پر شب خون مارنے کے لیے تاتار خان کے لشکر میں ابھی حرکت شروع نہ ہوئی تھی۔

دوسری طرف جنید کسی بے آواز ہیولے کی طرح حرکت کر کے اپنے اور رحیم داد کے لشکر کو شہر کے شرقی دروازے کے قریب لے آیا تھا۔

شرقی دروازے میں پناہ لینے والا رحیم داد فکرمندی سے جاگ رہا تھا کہ اس نے اپنا فرض ادا کرنا تھا۔ اس کے ساتھی بھی چوکس اور بیدار رہ کر اپنا فرض ادا کر رہے تھے۔ مشرقی دروازے کے محافظوں نے آگ کا الاؤ روشن کر رکھا تھا اور وہ اس کے گرد بیٹھے باتیں کرنے کے علاوہ دروازے کی حفاظت کا کام بھی سرانجام دے رہے تھے۔

رحیم داد اُٹھ کر باہر آیا اور الاؤ کے قریب آتے ہوئے اس نے محافظوں سے کہا: "نہ جانے کیا بات ہے۔ آج رات مجھے نیند نہیں آ رہی کیا میں تم لوگوں کے ساتھ یہاں آگ کے پاس بیٹھ کر یہ تاریک اور اندھیری رات گزار سکتا ہوں۔"

ایک محافظ نے کمال فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "ضرور! ضرور! آپ یہاں ہمارے پاس آگ کے پاس بیٹھیں بلکہ آپ کا کوئی ساتھی جاگ رہا ہو تو اسے بھی بلا لیں۔ آپس میں باتیں کرنے سے ہمارا وقت بھی اچھا گزر جائے گا۔"

رحیم داد کے ساتھی جو جاگ رہے تھے پہلے ہی باہر آنے کے لیے ایسے کسی بہانے کی تلاش میں تھے۔ رحیم داد نے اس محافظ کے کہنے پر جب ان کو آواز دی تو وہ سارے اُٹھ کر آگ کے پاس آ کر بیٹھ گئے اور ان میں سے ایک داستان گو کے فرائض ادا کرتا ہوا ان سب کو کوئی قدیم اور پرانے وحشی قبائل کی طرح داستان سنانے لگا تھا۔

وقت گزرنے لگا لیکن رحیم داد کی نگاہیں بار بار فضاؤں کا جائزہ لیتی تھیں اور کان باہر کی آوازوں پر لگے ہوئے تھے۔ اسے جنید کی طرف سے انقلاب کا انتظار تھا۔

تھوڑی دیر بعد فصیل سے باہر اچانک فضاؤں کے اندر جلتے پروں کا ایک تیر بلند ہوا۔ اس تیر کو دیکھتے ہی فصیل کے اوپر کسی محافظ نے زور سے چلاتے ہوئے کہا۔ "خبردار! ایسا لگتا ہے دشمن ہم پر حملہ آور ہونے والا ہے۔" آگ کے پاس بیٹھا رحیم داد بھی سنبھل گیا۔ داستان گو نے اپنی داستان کہنا بند کر دی تھی۔ پھر آگ کے پاس بیٹھے ایک محافظ نے حیران و مضطرب انداز میں اپنے سامنے بیٹھے رحیم داد سے پوچھا۔ "شہر پر حملہ آور ہونے کا خدشہ تو ہمیں صرف آپ کی طرف سے تھا۔ آپ یہاں ہیں۔ اب شہر پر حملہ آور ہونے والا اور کون ہے۔"

رحیم داد نے فوراً کہا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ شہر سے باہر جمع ہونے والے مسلح ہندوؤں نے شہر کے اندر رہنے والے ہندوؤں سے ساز باز کر کے شہر پر حملہ کر دیا ہو۔"

اس محافظ نے کہا۔ "ہاں یہ بھی ممکن ہے۔"

اچانک رحیم داد چونکتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا کیوں کہ مشرقی دروازے کے قریب شہر سے باہر اسے گھوڑوں کے ہنہنانے اور نتھنے پھڑپھڑانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ جس کا مطلب تھا جنید اپنے لشکر کے ساتھ شہر کے دروازے پر آ گیا تھا۔

رات بے چاند اور گہری سیاہ تھی۔ کالے سیاہ اندھیروں کے اندر کچھ پتہ نہ چل رہا تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ تاہم فصیل کے اوپر ایک شور اور ہنگامہ ضرور کھڑا ہو چکا تھا۔ آگ کے جلتے الاؤ کی روشنی میں رحیم داد نے اپنے سر کے اشارے سے اپنے ساتھیوں کو حرکت میں آنے کو کہا۔ وہ طوفان کی طرح اُٹھے اور اپنی تلواریں کھینچ

کہ انہوں نے شرقی دروازے کے سارے محافظوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور
کہ انہوں نے شہر پناہ کا وہ دروازہ کھول دیا۔

شہر پناہ کا دروازہ کھلنا تھا کہ گوالیار شہر کے لیے ایک انقلاب برپا ہو گیا۔ اپنے لشکر کے ساتھ یوں شہر میں داخل ہوا جیسے سرکشی اور طغیانی پر آئے ہوئے دریا کے سارے بند ٹوٹ گئے ہوں اور پانی بے انت قوت کی طرح ہر سو پھیل جا شہر میں داخل ہوتے ہی جنید نے ہر اس ہتھیار بند کو کاٹنا شروع کر دیا تھا جس نے کی راہ روکنے کی کوشش کی تھی۔

تاتار خان کو بھی جنید کے شہر میں گھس آنے کی خبر ہو گئی تھی لہٰذا اس نے لشکر کا نظم و نسق درست کر لیا تھا۔ جس کے ساتھ اس نے شہر سے باہر رحیم داد لشکر پر شب خون مارنے کا ارادہ کر رکھا تھا اور اب خود اس پر شب خون مارا جتنی دیر تک تاتار خان اپنے اس لشکر کو درست کر کے جنید کا سامنا وقت تک جنید دھواں دھواں آفاق کے اندر گویا گم روشنی کے نشانات کی تا میں کسی آفتاب جہاں تاب کی طرح چھا گیا تھا۔ وقت کا تیز رو مسافر اور تلخ حقا سمندر بن کر اس نے دشمن کو لمحہ لمحہ پگھلانے کا عمل شروع کر دیا تھا۔ اپنی دہ اور نکو نیتی بطالت میں اس نے نگر نگر کو مہکا کر دشمن کے احساس و حواس پر ذہن ضمیر کو اندھا کر دینے والی کالک مل دی تھی۔

رات کی تاریکی میں اہل گوالیار کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے ذہن کے تا میں کسی نے پتھر پھینک مارا ہو۔ لمحوں کے اندر جنید نے شہر میں پھیلے اور فصیل اوپر متعین سارے لشکروں کو یوں ختم کر کے رکھ دیا تھا۔ جیسے خشک لکڑی جو میں پڑتے ہی اپنے خاتمے کے لیے تیزی کے ساتھ آگ پکڑ لیتی ہے۔

شہر کے اندر اور فصیل سے دشمن کو صاف کرنے کے بعد جنید نے وہا اپنے لشکری مقرر کر دیئے اور رحیم داد کو اس کی نگرانی پر لگا دیا۔ خود وہ ا طرف کھلے اور وسیع میدان کی طرف بڑھا۔ جہاں تاتار خان مقابلے کے لیے آ

نگز متعدد وفتیار کر چکا تھا۔ دہر کے کردار کو بدلتے ہوئے اور طوفانوں کو اپنا پتوار بناتے ہوئے جنید تاتار خان پر بھی حملہ آور ہو گیا۔

شروع شروع میں تاتار خان نے جوش و جذبے کا اظہار کرتے ہوئے جنید کی طوفانی یلغار کو روکنے کی کوشش کی لیکن جب جنید نے اپنے لشکر کے ساتھ اس کے لشکر پر تکلیف دہ جراحتوں کا عمل شروع کیا اور جب اس کے لشکری جنید کے سامنے لرزاں شیش محل کی طرح گرنے اور ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرنے کے عمل کا شکار ہونے لگے تو تاتار خان کے جذبات کے طوفان کی دوپہر ڈھلنے لگی۔ ذہن و حواس پر اوس پڑنے لگی اور اس کی سوچوں' اس کے خیالات کے اندر جنید اسے سنگ بدست دشمنِ جان کے مصداق نظر آنے لگا۔ حالات کی تلخیوں اور مستقبل کے اندیشوں کے باعث تاتار خان کو اپنی ہستی تک خطرے میں نظر آنے لگی۔

تھوڑی دیر تک جنید مکمل طور پر اس کے لشکر پر چھا گیا۔ تاتار خان نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن زندہ گرفتار کر لیا گیا اور اس کے لشکر کا جنید نے مکمل طور پر صفایا کر دیا تھا۔ تاتار خان کو بابر کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ بابر نے رحم دلی سے کام لیا اور اس کے گناہ معاف کر کے اسے ایک عمدہ اور آباد جاگیر عطا کر دی تھی۔

جنید رات بھر شہر کا نظم و نسق درست کرتے' اپنے لشکریوں کے آرام اور مال غنیمت ان کے اندر تقسیم کرنے میں مصروف رہا۔ دوسرے روز وہ راجہ بکرما جیت کے محل سے ملحقہ کھلے تربیت کے میدان میں آیا اور وہاں راجہ کے لیے بنی شہ نشین پر بیٹھ گیا۔ شہر کے معززین کے علاوہ مندروں کے پروہت اور پنڈت وہاں اس کے گرد آ جمع ہوئے اور اپنی اپنی تائید اور وفاداری کا یقین دلانے لگے۔ ان میں بیدار کو جنید کے خلاف بھڑکانے اور اس کا خاتمہ کرنے کے منصوبے بنانے والا پنڈت گووند بھی شامل تھا اور وہ جنید کے بالکل قریب کھڑا اپنی چرب زبانی سے جنید کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لوگوں سے گفتگو کرتے کرتے اچانک جنید نے راجہ بکرما جیت کے اہل خانہ اور رفقاء کو لانے کا حکم دیا۔

تھوڑی دیر بعد جنید کے سامنے کنپل، کرن، کیدار، مالدیو اور سیوداس کو لایا گیا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر جنید نے سیوداس، مالدیو اور کیدار سے مصافحہ کیا پھر اس نے ایک نگاہ کنپل پر ڈالی۔ اس کا حسن اس کی خوب صورتی ویسی ہی تھی جیسے آگ کے پاس کھڑے کسی شعلہ رخ کے دمکتے رخسار، جیسے رنگوں کی بارش، قوس و قزح کا روپ، جیسے جھرنے کی اچھل کود، جوان ندیوں کی شوخی، جنید کے آجانے کی خوشی میں وہ اور زیادہ نکھر گئی تھی۔

جنید کو دیکھ دیکھ کر وہ لیموں کی زرد کاوشوں کی طرح رس دار اور جا ہول کی کاسنی بدلیوں کی طرح بار آور ہو گئی تھی۔ وہ خوابوں کی خوش رنگ پنہائیوں کی طرح تبسم بہ لب تھی۔ اس کے حسن کی سج دھج، اس کے جوان جسم کی تمازت جیسے رنگین قباؤں اور بے آواز و خاموش شہر میں چاہتوں کے کہرام نے گردشِ لیل و نہار جیسا ایک کہرام برپا کر دیا ہو۔ اس کے حسین لبوں پر نغموں کے کئی قافلے تڑپ مچل رہے تھے۔ شاید وہ جنید سے بہت کچھ کہنا چاہتی تھی۔ پر اتنے آدمیوں کی موجودگی میں وہ کہہ نہ پا رہی تھی اور ایسی لگ رہی تھی جیسے شیشے کے نازک جام کے اندر قرمزی رنگ کے پھول سجا کر رکھ دیئے گئے ہوں۔

جنید نے جب مالدیو، سیوداس اور کیدار کو اپنے ساتھ بٹھایا تو کنپل بھی کرن اور اپنے ماموں سیوداس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ چند ثانیوں تک ان پر خاموشی طاری رہی پھر جنید نے دکھ بھری اور مغموم آواز میں کہا۔ "کیدار! مالدیو! کنپل! مجھے تم تینوں کے ماتا پتا کے مرنے کا دکھ ہے۔ کاش میں تم لوگوں کے کسی کام آسکتا۔"

جنید کی طرف سے اس ہمدردی پر کنپل بے چاری سسک سسک کر رونے لگی تھی جب کہ مالدیو اور کیدار اپنے ہونٹ کاٹ رہے تھے۔ سیوداس کنپل کے سر پر ہاتھ سے ہاتھ پھیر کر اسے چپ کرانے لگا تھا جب کہ کرن نے آگے بڑھ کر کنپل کو اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔ اس موقع پر قریب کھڑا پنڈت گووند بھی کچھ اداس ہو گیا تھا۔

جنید پھر کہہ رہا تھا۔ "مجھے افسوس ہے کہ تاتار خان کے گوالیار پر قابض ہو جانے [کے ب]اعث تم لوگوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ تاتار خان کو میں نے گرفتار کر کے بابر [کی جا]نب روانہ کر دیا ہے۔ چند یوم تک میں خود بھی یہاں سے کوچ کر جاؤں گا۔ میرا [ایک ج]رنیل رحیم داد اب گوالیار کا حکمران ہو گا۔ تم سب اپنے محل میں ویسی ہی آسائش [آسو]دگی اور فراغت و سہولت کے ساتھ رہو گے جس طرح تم اپنے ماں باپ کے ساتھ [ر]ہتے تھے۔ یہاں سے کوچ کرتے وقت میں رحیم داد کو تمہارے متعلق بتاتا جاؤں گا۔ وہ تمہارا [خی]ال رکھے گا۔"

چند ثانیوں تک خاموش رہنے کے بعد جنید نے کیدار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیدار! [کید]ار! شاید تمہیں علم ہو تمہارے ماتا اور پتا نے کنپل کو میرے ساتھ منسوب کر دیا تھا۔ میں [ر]انا سانگا کے ساتھ متوقع جنگ سے فارغ ہونے کے بعد کنپل سے شادی کر کے اسے اپنے [سا]تھ آگرہ لے جاؤں گا۔ کیا تمہیں اس بارے میں کوئی اعتراض ہے۔"

کیدار اور قریب کھڑے پنڈت گووند کے چہروں پر کھچاوٹ، کراہ، بیزاری، کراہت، [ن]فرت تنفر و ناگواری کے کئی جذبے آمد و رفت کر گئے۔ پھر کیدار نے اپنی گردن جھکاتے ہوئے [بڑ]ی قدر خاکساری اور نیاز مندی میں کہا۔ "میرا ارادہ میری خواہش تو تھی کہ کنپل میری اکلوتی [ب]ہن راجکماریوں کی طرح گوالیار کے اس ہمارے آبائی محل سے رخصت ہوتی۔ اس کے لیے [سو]ئمبر رچایا جاتا لیکن ایسا لگتا ہے کہ ان نئے اور انقلاب زدہ حالات میں ہماری کوئی [ب]ھی خواہش اور مانگ پوری نہ ہو گی اس لیے کہ ——"

کیدار کی بات ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ کنپل نے فوراً بیچ میں بولتے ہوئے کہا۔ "سوئمبر [ت]و ہندو راجکماریوں کے لیے رچایا جاتا ہے۔ شاید آپ کے لیے یہ خبر اور انکشاف تعجب و [تح]یر کا باعث ہو کہ میں اسلام قبول کر چکی ہوں۔ میں اب ہندو نہیں مسلمان لڑکی ہوں۔ [میر]ا نام اب کنپل نہیں کلثوم ہے اور میری شادی اسی طریقے سے ہو گی جس طریقے سے جنید [چا]ہیں گے۔ میری ماتا کو بھی میرے اس اسلام قبول کرنے کا علم تھا لیکن ان کی موجودگی میں [خامو]ش رہی کہ وہ میری بہتری کے خواہش مند تھے۔ اب ماتا پتا کے بعد مجھے اپنے متعلق

کیا کرنا ہے۔ اس کا فیصلہ میں خود کروں گی۔"

کیدار نے ایک بار پنڈت گووند کی طرف دیکھا۔ نگاہوں ہی نگاہوں میں دونوں نے کوئی فیصلہ کیا۔ پھر کیدار نے جنید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ کنپل کی خوشی ہماری خوشی ہے۔ جس طرح یہ کہے گی ہم اسی پر رضامند ہیں۔" جنید کچھ کہنے والا تھا کہ ایک طرف سے احمد یوسف آتا دکھائی دیا۔

جنید نے آگے بڑھ کر احمد یوسف سے مصافحہ کیا۔ اس دوران پنڈت گووند اور کیدار کو اشاروں سے کوئی معاملہ طے کرنے کا موقع مل گیا۔ پھر پنڈت گووند نے جنید سے کہا۔ "اگر آپ کی اجازت ہو تو میں تھوڑی دیر کے لیے کیدار کو اپنے ساتھ مندر لے جاؤں۔"

جنید نے خوش طبعی سے کہا۔ "ہاں لے جاؤ مجھے کیا اعتراض ہے۔" کیدار اور پنڈت گووند چلے گئے۔ جنید نے احمد یوسف کو اپنے ساتھ شہ نشین پر بٹھا لیا تھا۔

کیدار جب پنڈت گووند کے ساتھ چلا گیا تو کنپل نے پہلی بار جنید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "شاید آپ کو یاد ہو گا۔ آگرہ کے قیام کے دوران ایک روز ماتا جی نے آپ کو شادی پر ایک قیمتی تحفہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ ایک ہیرا ہے جو پوری دنیا میں سب سے بڑا اور قیمتی ہے۔ وہ اب میرے پاس ہے۔ میں اب اس کی حفاظت نہیں کر سکتی۔ مجھے خطرہ ہے وہ مجھ سے چھن جائے گا۔ لہٰذا آپ اسے ابھی سے اپنے پاس رکھ لیں۔ اس میں میری ہی نہیں، بھائی مالدیو، کرن اور ماموں سیوداس کی رضامندی بھی شامل ہے۔"

پھر کنپل نے اپنی کمر سے بندھی تھیلی سے ایک بڑا ہیرا[1] نکالا اور جنید کو تھماتے ہوئے کہا۔ "یہ رکھ لیں۔"

---

[1] گلابی رنگ کا یہ بڑا ہیرا کوہ نور ہیرا تھا جو بعد میں ہمایوں کو تحفہ میں دیا گیا۔ پھر انگریزوں کے اقتدار میں یہ ملکہ وکٹوریہ کے ہاتھ لگا۔ شروع میں اس کا وزن ۳۲۰ رتی (۸۰ مثقال) تھا۔ بہت سے گرم سرد دیکھنے اور تراش خراش کے بعد اب اس کا وزن ۱۸۶ قیراط ہے۔ اب یہ برطانوی تاج کی زینت ہے۔

جنید نے ایک بار اس ہیرے کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ وہ گلابی رنگ کا بہت بڑا ہیرا تھا۔ یہ وہی ہیرا تھا جو بعد میں ملکہ وکٹوریہ کے ہاتھ لگا اور آج کل برطانوی تاج کی زینت ہے۔ جنید ابھی اس ہیرے کو دیکھ رہا تھا کہ کنپل نے اپنی کمر سے تھیلی کھولتے ہوئے کہا۔ "یہ پشت در پشت ہمارے خاندان میں چلتا آرہا ہے۔"

پھر کنپل نے اپنی نازک کمر سے بندھی تھیلی بھی کھول کر جنید کو تھماتے ہوئے کہا۔ "یہ رکھ لیں۔ اس میں وہ ہیرے ہیں جو میری ماں نے مرنے سے قبل مجھے دیئے تھے۔ وہ میری شادی پر یہ سب آپ کو دینا چاہتی تھیں۔ اب حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ میں ان کی حفاظت نہیں کر سکتی اور مجھے یقین ہے کہ یہ مجھ سے چھن جائیں گے۔"

جنید نے تھیلی لے لی اور بڑا ہیرا بھی اس میں ڈالتے ہوئے اس نے کنپل سے کہا۔ "میں ان ہیروں کا کیا کروں گا۔ یہ بک بھی نہیں سکتے۔ اس لیے کہ یہ ایسے قیمتی ہیں کہ کوئی انہیں خرید ہی نہ سکے گا۔"

کنپل نے کہا۔ "میں نے تو آپ کو دینے تھے دے دیئے۔ اب آپ آگے ان میں سے جو جس کو چاہیں تحفہ میں دے دیں۔ یہ بڑا ہیرا تو اس قابل ہے کہ کسی بادشاہ کے تاج کی زینت بنے۔"

جنید نے کہا۔ "تو یہ میں بابر کے بیٹے اور اپنے بہترین دوست ہمایوں کو دے دوں گا۔ وہ اسے پا کر خوش ہو گا۔ کل کو وہی ہندوستان کا بادشاہ بنے گا اور یہ ہیرا اس کے تاج کی زینت بنے گا۔"

کنپل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہاں دے دیں، اب مجھے ان ہیروں کی ضرورت نہیں۔ اب مجھے صرف آپ کی خوشی درکار ہے۔ ان ہیروں کا ذکر کیدار بھائی سے نہ کیجیے۔ ماتا جی کے بعد اب میری حمایت میں بھائی مالدیو، ماموں اور کرن ہی رہ گئے ہیں۔"

اس بار سیوداس نے بولتے ہوئے کہا۔ "جنید! جنید! میرے بیٹے! اب میں مالدیو، کنپل اور کرن کا بڑا ہوں۔ کیدار کا نام میں نے اس لیے نہیں لیا کہ وہ میرے کہنے میں نہیں ہے۔ تم جانتے ہو، حالات اب کیسے دگرگوں ہو گئے ہیں۔ بکرماجیت اور

میری بہن زندہ ہوتے تو مجھے کوئی اندیشہ نہ تھا۔ لیکن اب میں کنپل سے متعلق فکر مند ہوں
جتنی جلد ہو سکے اسے اپنے ساتھ لے جاؤ بیٹے! شاید تمہیں علم نہ ہو کہ آگرہ سے یہاں آ کر
نے مالدیو اور کرن کی شادی کر دی تھی۔ سب کی خواہش تو یہ تھی کہ تم چاروں کی شا
اکٹھی ہو۔ لیکن اچانک بدل جانے والے حالات کو دیکھتے ہوئے مجھے ایسا کرنا پڑا۔ بہر
ہے بیٹے! کہ تم بھی اب کنپل سے شادی کر کے اسے اپنے ساتھ لے جاؤ۔"

جنید نے کہا۔ "آپ فکر مند نہ ہوں۔ میں رانا سانگا سے متوقع جنگ سے فا
ہونے کے بعد آگرہ میں اپنے لیے کسی حویلی کا بندوبست کروں گا۔ پھر کنپل کو آ کر
جاؤں گا۔ اس وقت تک کنپل آپ کی حفاظت میں رہے گی۔ ویسے آپ کوئی اند
کریں۔ گوالیار کا نیا حاکم رحیم داد بھی آپ لوگوں کا خیال رکھے گا۔ میں نے رحیم داد کو
کے ساتھ سمجھا دیا ہے۔ وہ قلعے کے اندر قیام کرے گا۔ جب کہ یہ محل آپ لوگوں کے
میں ہی رہے گا۔"

اس بار کنپل نے جنید سے پوچھا۔ "آپ اب کتنے روز یہاں رہیں گے؟"

جنید نے کہا۔ "میں آج شام یہاں سے کوچ کر جاؤں گا۔"

کنپل کچھ ماند اور اداس پڑ گئی تھی۔ تاہم اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا
وہاں بیٹھے بیٹھے جنید جب سارے انتظامی امور نمٹا چکا تو وہ کنپل، کرن، مالدیو ا
سیوداس کے ساتھ محل میں آیا۔ شام تک وہ ان کے ساتھ رہا۔ کھانا بھی ان کے سا
پھر رحیم داد کو شہر کا حاکم مقرر کرنے کے بعد جنید اپنے لشکر کے ساتھ وہاں سے کوچ کر گیا

O

پنڈت گووند کیدار کو لے کر مندر کے احاطے میں اپنے کمرے میں آیا اور دو
گدی دار نشستوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ پنڈت گووند اس وقت انتہائی غیظ و
اور خفگی و کرودھ میں دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے کیدار کی طرف دیکھتے ہوئے
برافروختگی میں کہا۔

"کیا یہ گوالیار کی ساری ہندو برادری کے لیے ڈوب مرنے کا مقام نہیں

ری راجکماری کنپل مسلمان ہو گئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں اسی دھرم ادھیان کے باعث راجہ
ت جنگ میں مارا گیا اور گوالیار ہمارے ہاتھوں سے نکل کر بابر کے پاس چلا گیا۔
ھتا ہوں یہ سب کچھ جنید کی وجہ سے ہوا۔ نہ وہ یہاں آتا، نہ کنپل کے شریر کو چھو کر اس
بچاتا، نہ کنپل اس سے محبت کرتی اور نہ ہی وہ اپنے دھرم سے باغی ہوتی۔ اس
ر اور کیا اپمان ہو گا کہ اس نے ہم سب کی موجودگی میں انتہائی دلیری اور جرأت
ہر دیا کہ وہ ہندو نہیں مسلمان ہے اور یہ کہ اس کا نام کنپل نہیں کلثوم ہے۔ میں
تا ہوں کہ کنپل کو اسلام کی طرف راغب کرنے میں تمہارے محل کا داروغہ احمد یوسف
شامل ہے۔ میں اس اپرادھی کو قتل کرا دوں گا۔"

کیدار نے کہا۔ "جنید کو تو ابھی تک آپ ٹھکانے نہیں لگا سکے تو احمد یوسف
ہو گا۔ سنیں میری بات غور سے سنیں۔ احمد یوسف کو قتل کرانے کا کوئی فائدہ نہیں۔
شک مسلمان ہے لیکن اس کے باوجود مجھے اس سے ہمدردی ہے۔ وہ شروع سے
ے ساتھ ہے۔ ہم بچپن سے اب تک اس کے ساتھ رہے۔ ہمارے ساتھ وہ
ن اور مہربان رہا ہے۔ اسے نہ چھیڑنا۔ ہاں جنید کا کچھ کر سکتے ہیں تو کریں۔

پنڈت گووند نے کہا۔ "تم فکر نہ کرو کیدار! جنید بھی بہت جلد ٹھکانے لگ
گا۔ جو دو شکاری بھائی جنید کو قتل کرنے کے لیے میں نے جنید کے پیچھے لگائے تھے
ید کی طرف گئے تھے۔ وہ اسے قتل کرنے کے لیے مواقع تلاش کرتے رہے ہیں۔ لیکن
نا مناسب موقع نہ ملنے پر وہ اسے ٹھکانے نہیں لگا سکے۔ اس لیے کہ وہ اسے کہیں
میں قتل کرنا چاہتے ہیں تاکہ کوئی ان پر گرفت نہ کر سکے اور ان کے پکڑے جانے اور
ے کا بھی اندیشہ نہ ہو۔ وہ دونوں بھائی جنید کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں گوالیار تک
ے ہیں۔ اس وقت بھی وہ دونوں مندر میں موجود ہیں۔ ان دونوں نے جنید کو گوالیار
قتل کرنا چاہا لیکن میں نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا۔"

کیدار نے تیز نگاہوں سے پنڈت گووند کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "آپ نے
نھوں کو ایسا کرنے سے کیوں منع کر دیا۔"

پنڈت گووند نے کہا۔ "تم ابھی بالک (بچے) ہو۔ دُور اندیشی نہیں جانتے۔ جنید اگر گوالیار میں قتل ہو جاتا تو اس کے لشکر کو یقین ہو جاتا کہ یہ قتل ہندوؤں نے کیا ہے۔ لہٰذا اس کا لشکر اس کا انتقام لینے کے لیے گوالیار کے ہندوؤں کا قتل عام شروع کر دیتا۔ اس طرح نہ تم بچتے اور نہ میں۔ میں ان دونوں بھائیوں کو پھر جنید کے پیچھے روانہ کر رہا ہوں اور وہ بہت جلد اس کا کام تمام کر دیں گے۔ اس طرح ہم سارے جنجال سے بچ جائیں گے اور کنپل کو ہم دوبارہ اپنا دھرم اختیار کرنے پر مجبور کر دیں گے۔"

کیدار نے کہا۔ "اگر کنپل نے اپنے دھرم میں آنے سے انکار کر دیا تب!"

پنڈت گووند نے کہا۔ "تو پھر اس پر سختی بھی کی جا سکتی ہے۔"

کیدار نے کہا۔ "ایسا کیوں کر ہو سکے گا۔ جنید کا جرنیل رحیم داد یہاں کا حاکم ہو گا اور اس کی موجودگی میں ہم کنپل پر کیسے جبر کر سکیں گے۔ جنید کے بعد وہ کنپل کی حفاظت کا خیال رکھے گا اور اگر ہم نے کنپل پر تبدیلیٔ دھرم کے سلسلے میں سختی کرنے کی کوشش کی تو رحیم داد ہم سب کا خاتمہ کرا دے گا اور پھر گوالیار پر مسلمانوں کے قبضہ کے بعد یہاں کافی مسلمان آ کر آباد ہو گئے ہیں۔ ان کو جب خبر ہو گی کہ گوالیار کی راجکماری مسلمان ہو چکی ہے اور اس پر جبر کر کے دوبارہ اسے اس کے آبائی دھرم پر لایا جا رہا ہے تو یہ مسلمان بھی ہمارے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے۔"

پنڈت گووند نے سوچوں میں ڈوبتے ہوئے کہا۔ "ہاں یہ بات تم نے معقول کہی۔ رحیم داد کی موجودگی میں ہم یہاں کچھ نہ کر سکیں گے۔ میری مانو تو تم کنپل کو یہاں سے نکال لے جاؤ۔ اپنے بھائی مالدیو، کرن اور سیوداس کو یہیں رہنے دو۔"

کیدار نے کہا۔ "میں کنپل کو کہاں لے جاؤں؟"

پنڈت گووند نے کہا۔ "سنو کیدار! چتوڑ شہر سے پانچ میل مشرق میں ایک ایشور مندر ہے۔ وہاں کا بڑا پنڈت میرا خوب جاننے والا ہے۔ اس کا نام آتما رام ہے اور وہ میرے بہترین دوستوں میں سے ہے۔ تم کنپل کو وہاں لے جاؤ۔ میں تمہارے ساتھ یہاں سے اپنے دو ساتھی پنڈت بھی روانہ کر دوں گا۔ وہ وہاں تک نہ صرف تم

بہن بھائی کی رہنمائی کریں گے بلکہ وہاں تم دونوں کا خیال بھی رکھیں گے۔ وہ دونوں وہاں اپنے مذہب کی ترغیب دے کر کنپل کو دوبارہ اپنے دھرم پر لانے کی کوشش کریں گے اور جب کنپل اپنے دھرم میں واپس آ جائے گی تو راجکماریوں کی طرح وہاں ن کا سوئمبر رچائیں گے اور اسے کسی کھشتری سورما سے بیاہ دیں گے۔"

کیدار نے گہرے تفکرات سے نکلتے ہوئے کہا۔ "لیکن کنپل کو یہاں سے نکال لے آسان نہیں۔ ایک تو میرا بھائی مالدیو، ماموں سیوداس اور کرن اس امر کی سخت ت کریں گے۔ دوسرے رحیم داد کو جنید بتا چکا ہے کہ کنپل اس کی منگیتر ہے وہ ہر ن کا خیال رکھے گا اور کنپل کو کیوں کر ہمیں یہاں سے لے جانے دے گا۔"

پنڈت گووند نے کہا۔ "کیدار! یہ بات بھی تم نے خوب کہی۔ پر اس کا بھی حل ہے۔ جس روز کنپل کو یہاں سے لے جانا ہو گا اس روز تم رحیم داد کے پاس جانا ے کہنا کہ میں کچھ عرصہ کے لیے چتوڑ جانا چاہتا ہوں اور جانے سے پہلے میں اپنی بہن ہاتھ پیلے کر دینا چاہتا ہوں۔ لہٰذا چتوڑ جانے سے پہلے میں کنپل کو جنید کے پاس پہنچانا چاہتا ہوں تاکہ وہ شادی کر کے کنپل کو اپنے پاس رکھے اور میرے سر سے فرض بوجھ ہلکا ہو جائے۔"

کیدار نے کہا۔ "ہاں یہ درست ہے۔ ایسا کر کے ہم کنپل کو یہاں سے نکال جانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لیکن مالدیو، کرن اور سیوداس کا بھی تو کچھ کرنا ہو گا۔"

پنڈت گووند نے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔ "ان کا کیا کرنا ہو گا، وہ یہیں اپنے ہاں رہتے رہیں۔"

کیدار نے کہا۔ "یہ بات نہیں، میرے کہنے کا مطلب ہے انہیں بھی اپنے ... کی ترغیب و ترویج کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ میں محسوس کرتا ہوں وہ یوسف، جنید اور کنپل سے متاثر ہو کر اندر ہی اندر یا تو مسلمان ہو چکے ہیں اور اگر نہیں ہوئے تو مستقبل قریب میں وہ ضرور مسلمان ہو جائیں گے۔ میں ان کے ... دیکھ رہا ہوں اور ان کی حرکات نے مجھے ان سے متعلق مشکوک کر دیا ہے۔"

پنڈت گووند نے کہا۔ "تم ان تینوں کا فکر نہ کرو۔ مَیں تمہارے بعد نہیں ان
اصل پر لے آؤں گا۔ ہم رات کے وقت تمہیں اور کنپل کو محل سے نکالیں گے یہ
ان تینوں کو خبر ہی نہ ہو"۔

کیدار نے اعتراض کرتے ہوئے کہا۔ "جب ان کو خبر ہوگی کہ مَیں کنپل کو لے کر
چلا گیا ہوں تو وہ ضرور اس کی اطلاع حاکم گوالیار رحیم داد اور جنید کو کریں گے اور
جنید کو جانتے ہی ہو، وہ اگر میرے پیچھے لگ گیا تو قبر تک میرا پیچھا نہ چھوڑے گا۔
کنپل کو مجھ سے لے جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ میرا خاتمہ کر دے کیونکہ وہ پہلے ہی مجھ
میرے سلوک اور رویے سے نالاں اور بیزار ہے۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ مَیں ان تینوں
اپنے ساتھ لے جاؤں اور انہیں اپنا ہم خیال بنائے رکھنے کی کوشش کروں گا"۔

پنڈت گووند نے کہا۔ "تم ان تینوں کی فکر نہ کرو۔ انہیں مَیں ایسی جگہ کھ
گا جہاں وہ آرام اور سکون سے رہیں گے اور وہاں ان کے اپنے دھرم سے ہٹ
کے مواقع بھی نہ ہوں گے۔ تم صرف یہ بتاؤ کہ تم یہاں سے ایشور مندر کی طرف کب
جانا پسند کرو گے۔ ویسے میرا مشورہ ہے کہ جس قدر ممکن ہو تم کنپل کو لے کر یہاں
نکل جاؤ کیوں کہ کنپل کے باعث گوالیار میں فساد ہو جانے کا خطرہ ہے۔ ہندو برا
کو جب علم ہوگا کہ ان کی راجکماری مسلمان ہو گئی ہے تو وہ سیخ پا ہو کر گڑبڑ کی کو
کریں گے اور اگر کنپل کو زبردستی اپنے دھرم پر لانے کی کوشش کی گئی تو مسلمان
کرنے کو اٹھ کھڑے ہوں گے"۔

کیدار چند ثانیوں تک سوچتا رہا پھر وہ پنڈت گووند سے کہہ رہا۔ "تین ر
کر مَیں رحیم داد سے ملوں گا اور اس سے کنپل کو جنید کے پاس لے جانے کا بہانہ کر
اور اسی رات ہم یہاں سے دونوں بہن بھائی ایشور مندر کی طرف کوچ کر جائیں
کیدار نے ذرا رک کر سہمے سہمے لہجے میں کہا۔ "پر پنڈت جی! کہیں
نہ ہو جنید وہاں پہنچ جائے اور میرا حلقوم کاٹ دے"۔

گووند نے کہا۔ "تمہاری سوچیں پاگل اور احمقانہ ہیں۔ وہ بھلا وہاں کیسے

پہنچ سکے گا۔ اوّل تو اسے خبر ہی نہ ہوگی کہ تم دونوں بہن بھائی کہاں ہو اور پھر
ہوں کہ یشور مندر پہنچنا کوئی آسان نہیں۔ ایشور مندر راجہ رانا سانگا کی سرزمین میں ہے اور
نید کا رانا سانگا کی حدود میں داخل ہونا قطعاً ناممکن ہے اور پھر اسے ایسا کرنا نصیب
ہی نہ ہوگا کیوں کہ مَیں نے جو دو آدمی اس کے پیچھے لگائے ہوئے ہیں وہ اسے وہاں پہنچنے سے
ہلے ہی قتل کر چکے ہوں گے اور تمہارے لیے اس کی طرف سے سارے خطرات آپ ہی آپ ختم
ہو جائیں گے۔

کیدار نے کسی قدر مطمئن ہوتے ہوئے پوچھا۔ "تو پھر یہ بات طے ہوئی کہ اب سے تین
لذ بعد رات کو ہم نے یہاں سے کوچ کر جانا ہے"۔

گووند نے کہا۔ "ہاں، یہ تو طے ہے کہ تین روز بعد تم دونوں بہن بھائی یہاں سے
لچ کر دگے۔ لیکن یہ طے نہیں ہے کہ کوچ کیسے ہوگا"۔

کیدار نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا مطلب؟"

گووند نے کہا۔ "میرا مطلب ہے جس رات کو یہاں سے کوچ کرنا ہوگا تم شام کو
کی یہاں آجانا۔ میرے آدمی رات گہری ہونے پر کنپل کو محل سے نکال اور بگھی میں ڈال کر یہاں
لے آئیں گے اور اسی بگھی میں تم کنپل کو لے کر میرے دو پنڈت ساتھیوں کے ساتھ یہاں
ے ایشور مندر کی طرف کوچ کر جانا"۔

کیدار نے فکرمندی سے پوچھا۔ "رات کے وقت بگھی کو محل کی طرف جاتے دیکھ کر
کسی مسلمان نے پوچھ پڑتال کر لی تو پھر؟"

گووند نے کہا۔ "تم اس کی بھی کوئی چنتا نہ کرو۔ میرے آدمی جو کنپل کو لینے جائیں گے
ٹکے ساتھ ایک وید بھی ہوگا اور اگر کوئی پوچھ پڑا تو میرے آدمی کہہ دیں گے کہ ان کا ایک
ئی بیمار ہے اور وہ وید کو لے کر جا رہے ہیں"۔

اپنی جگہ سے کیدار نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ہاں، آپ کی یہ تجویز درست ہے۔
بہ جب کہ سارے معاملات طے ہو گئے ہیں مَیں چلتا ہوں"۔

کیدار پنڈت گووند کے کمرے سے نکل گیا۔ پنڈت گووند وہاں کچھ دیر بیٹھ کر

سوچتا رہا۔ پھر وہ اپنے کمرے سے باہر آیا اور زور زور سے پکارنے لگا۔ "دانجی! دانجی!"

ایک جوان اس پکار کے جواب میں بھاگتا ہوا آیا اور پنڈت گووند سے مؤدب ہو کر پوچھا۔ "کیا بات ہے پنڈت جی!"

گووند نے کہا۔ "دیالال اور وسرام کو بلاؤ۔"

وہ جوان جسے دانجی کہہ کر پکارا گیا تھا، چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد دو جوان پنڈت تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے گووند کے پاس آئے اور پوچھا۔ "کیا حکم ہے مہاراج!"

پنڈت گووند نے کہا۔ "سنو میرے سنگتیو! میں جو گوالیار کی راجکماری سے متعلق تم سے اپنی چنتا کا اظہار کیا کرتا تھا تو وہ معاملہ اب طے ہو گیا ہے۔ آج کنپل نے کھل کر کہہ دیا تھا کہ وہ مسلمان ہو گئی ہے۔ پہلے تو صرف شک ہی تھا پر اب بات پکی ہو گئی۔"

ان دونوں میں سے جس کا نام وسرام تھا اس نے پوچھا۔ "پھر آپ نے اس کا کیا سوچا ہے مہاراج!"

پنڈت گووند نے کہا۔ "تین روز بعد رات کے وقت تم دونوں اپنے آدمیوں کے ساتھ بگھی لے کر راج محل جانا۔ احمد یوسف، کرن، مالدیو اور سیوداس کو قتل کر دینا۔ کنپل کے ہاتھ پاؤں اور اس کی آنکھیں منہ باندھنے کے بعد بگھی میں ڈال کر یہاں لے آنا۔ اس روز کیدار پہلے سے یہاں موجود ہوگا۔ لیکن کیدار اور کنپل کو کرن، مالدیو، سیوداس اور احمد یوسف کے مرنے کا علم نہ ہو۔ پھر یہاں سے تم دونوں کیدار اور کنپل کو لے کر چتوڑ کے ایشور مندر کی طرف روانہ ہو جانا۔ وہاں کیدار اور کنپل کا خیال رکھنا۔ ان کی ہر خواہش پوری کرنا۔ ان کی ہر مانگ کا خیال کرنا کہ وہ ہمارے آں جہانی راجہ کی اولاد ہیں اور سنو! اس سلسلے میں دیگر تفصیل میں تمہیں آج رات کو سمجھا دوں گا اور ساتھ ہی بگھی کا بندوبست بھی کر لوں گا۔ اب تم جاؤ۔"

دیالال اور وسرام چلے گئے۔ پنڈت گووند نچنت اور آسودہ خاطر سا ہو کر اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔

○

رات ختم ہونے کو تھی۔ تلخ و ویران تاریکیاں ہر سو بکھری پھیلی تھیں۔ سر وفناؤں کا گہرا سکوت اور ہولناک سناٹے میں ڈوب گیا تھا۔ ہر شے سماوی کی چنگاریوں کی طرح اداس اور لب بستہ سی ہو کر رہ گئی تھی۔

دو گھوڑوں کی ایک بگھی گوالیار کے محل میں داخل ہوئی اور پھر صحن میں رک گئی۔ اتنے میں اصطبل کا داروغہ احمد یوسف جاگ اٹھا اور اپنے مکان سے نکلتے ہوئے اس نے پوچھا "تم لوگ کون ہو اور رات کے اس وقت کیوں محل میں داخل ہوئے ہو اور محافظوں نے کیسے تمہارے لیے دروازہ کھول دیا۔"

کچھ آدمی بگھی سے اترے۔ ان میں دیالال اور وسرام بھی تھے۔ دیالال نے کہا۔ "تم فکر مند نہ ہو احمد یوسف! محل کے پہریدار ہمارے اپنے آدمی ہیں اور انہوں نے ایک بھلے اور شبھ کام کے لیے ہی دروازہ کھولا ہے"۔

پھر وسرام نے اپنے ایک ساتھی کے کان میں کچھ کہا۔ وہ دو مسلح جوانوں کے ساتھ آگے بڑھا۔ احمد یوسف کو پکڑ کر وہ اندر لے گئے اور اسے اس کے اہل خانہ سمیت وہاں اس کے مکان کے اندر قتل کر دیا۔

احمد یوسف اور اس کے اہل خانہ سے فارغ ہونے کے بعد وہ لوگ محل کے اندر داخل ہوئے۔ مالدیو، سیوداس اور کرن کے گلے گھونٹ کر تینوں کو انہوں نے موت کی نیند سلا دیا۔ پھر ان میں سے تین کنپل کے کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ بے چاری گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ سب سے پہلے انہوں نے اس کی آنکھیں باندھنی شروع کیں۔ کنپل کو گہری نیند کی حالت میں تھی پر جس وقت وہ اس کی آنکھیں باندھنے لگے۔ وہ جاگ گئی اور اپنے بچاؤ کی جد و جہد اور سعی کرنے لگی۔

وہ بے چاری لاکھ تڑپی، مچلی اور پھڑکی، پر ان تینوں نے مل کر اسے قابو کر لیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں آنکھیں اور منہ باندھ دیا اور اٹھا کر باہر لے گئے۔ جب وہ بگھی کے قریب گئے تو وسرام نے انہیں اشارے سے کنپل کو بگھی میں ڈالنے کے بعد انہیں اپنی طرف بلایا۔ جب وہ تینوں وسرام کے پاس گئے تو اس نے انہیں کہا۔ "سارا کام مہاراج

گووند کی مرضی اور مانگ کے مطابق مکمّل ہو گیا ہے ۔ مَیں اور دیالال کنپل کو بگھی میں لے کر چلتے ہیں ۔ تم سب مرنے والوں کی لاشیں اُٹھا کر محل کے باغ میں دفن کر دو ۔ اگر خون کا کوئی دھبہ ہو تو مٹا دو اور محل کے اندر کوئی ایسا نشان نہ رہنے دینا ۔ جس سے یہ شبہ تک ہو جائے کہ یہاں کسی کو قتل کیا گیا ہے ۔"

وسرام اور دیالال بگھی لے کر چلے گئے ۔ رات کی اب سعی محدود اپنی تمام سنگین اداسیوں کے ساتھ سمٹ رہی تھی ۔ خاموشی اور دل بستگی ٹوٹنے لگی تھی کہ شہر میں اب لوگ اُٹھنا شروع ہو گئے تھے ۔ کھانسنے کی آوازیں آنے لگی تھیں ۔ جن سے محروم بچاری کی طرح اُداس رات میں حرکت اور تڑپ پیدا ہونے لگی تھی ۔

وسرام اور دیالال بگھی لے کر مندر میں داخل ہو گئے ، کافی دیر تک انہوں نے بگھی مندر کے احاطے میں کھڑی رکھی ۔ وہ شاید صبح ہونے کا انتظار کرتے رہے تھے ۔ جب فضاؤں کے اندر کالی سیاہ تاریکیاں چھٹ گئیں اور مشرقی افق لال گوں ہو گئے تو وسرام نے دیالال سے کہا ۔" سورج اب طلوع ہو رہا ہے ۔ شہر کے دروازے کھُل چکے ہوں گے جاؤ مہاراج گووند کو اپنے آنے کی اطلاع کر دو ۔"

وسرام بگھی کے اندر ہی بیٹھا رہا جب کہ دیالال پنڈت گووند کو اطلاع کرنے چلا گیا تھا ۔ تھوڑی ہی دیر بعد پنڈت گووند اور کیدار ، دیالال کے ساتھ بگھی کے پاس آئے ۔ کیدار نے جب اپنی بہن کنپل کو اس حالت میں دیکھا کہ اس کی آنکھوں اور مُنہ پر کپڑے بندھے تھے اور رسیوں سے اس کے نازک ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے تھے ۔ اپنی اکلوتی چھوٹی اور عزیز بہن کو اس حالت میں دیکھ کر کیدار کا دل بھر آیا وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ پنڈت گووند نے اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا ۔

" مَیں جانتا ہوں کنپل کو اس حالت میں دیکھ کر تمہیں دُکھ ہوا ہو گا ۔ پر یہ مجبوری ہے ۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو کنپل مزاحمت و کھنڈت کرتی ، چیخ چلہاڑ کرتی ، غل غپاڑہ مچاتی اور جب یہ بات گوالیار کے حاکم رحیم داد تک پہنچتی تو وہ ہم دونوں کو زندہ چتا میں جلا کر رکھ دیتا ۔"

پنڈت گووند کی گفتگو سے کیدار کے چہرے پر دوبارہ کڑے ، ٹھوس ، سنگین اور کھُردرے جذبات بکھر گئے اور اس نے مدھم مگر درشت و کرخت آواز میں کہا ۔" اس کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے وہ درست اور راست ہی ہو رہا ہے ۔ جو بھی کوئی دھرم کا اپمان کرتا ہے اس کے ساتھ اس سے بھی بدترین سلوک کیا جانا چاہئیے ۔ اس نے جنید سے محبت کر کے ہمارے مُنہ پر سیاہی اور کالک ملی ہے ۔ اس نے اپنا دھرم ترک کر کے اور مُسلمان ہو کر ہمیں رسوا و ذلیل کیا ہے اور جو دوسروں کی فضیحتی اور تضحیک کا باعث بنتا ہے وہ اس سے بھی بدتر اور ننگ سلوک کا روادار ہے ۔ آپ مجھے یہ بتائیے مجھے کب تک یہاں سے چتوڑ کے ایشور مندر کی طرف روانہ ہونا ہے ۔

پنڈت گووند نے کہا ۔" صبر کرو بالک ! میرے آدمی ابھی تم سب کے لیے کھانے پینے کا سامان لاتے ہیں اور پھر تم یہاں سے کُوچ کر جاؤ گے ۔ مَیں رات کے وقت ہی تم دونوں کو روانہ کر دیتا لیکن اس وقت شہر کے دروازے بند تھے اور شہر کے دروازے کھلوا کر نکلنا خطرناک ہوتا ۔ کیوں کہ پہریدار بگھی کو دیکھتے اور کنپل کو اس میں دیکھ کر وہ ہمارے لیے مصیبت کھڑی کر دیتے ۔ دِن کے وقت دروازے کھلے ہوتے ہیں اور کوئی تلاشی نہیں لیتا ۔"

کیدار نے کہا ۔" رات کے وقت میں جو اپنے اور کنپل کے کپڑے لایا تھا ، وہ لے آؤں ۔"

گووند نے کہا ۔" ہاں لے آؤ ۔"

کیدار بھاگا بھاگا گووند کے کمرے میں گیا اور وہاں سے دو گٹھڑیاں اُٹھا لایا ۔ ایک گٹھڑی میں اس کے اپنے اور دوسری میں کنپل کے کپڑے تھے ۔

دونوں گٹھڑیاں سنبھال کر کیدار بگھی میں بیٹھ گیا ۔ اتنی دیر تک پنڈت گووند کے آدمیوں نے کھانے پینے کی اشیاء لا کر بھی بگھی میں رکھ دی تھیں ۔ دیالال اور وسرام بگھی کے اگلے حصّے میں بیٹھ گئے جب کہ کیدار اور کنپل بگھی کے اندر تھے ۔ پھر دیالال نے بگھی کے گھوڑوں کو ہانک کر مندر سے نکالا ۔ شہر کے اندر وہ بگھی کو آہستہ آہستہ چلاتے رہے

لیکن شہر سے نکل کر انھوں نے بگھی کے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا دیا تھا۔ کیدار نے احتیاطاً کنپل کے اُوپر چادر ڈال کر اسے ڈھانپ دیا تھا۔

○

دوپہر تک کیدار گوالیار شہر سے کنپل کو بہت دُور لے جا چکا تھا۔ چٹانوں کے ایک طویل سلسلے کے پاس سے گزرتے ہوئے کیدار نے بگھی کا پردہ ہٹایا اور دیالال کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا۔ "دیالال! بگھی کو روک دو۔"

دیالال کے بجائے وسرام نے پوچھا۔ "کیا کوئی خاص وجہ ہے جو آپ بگھی رکوا رہے ہیں"۔

کیدار نے اس بار قدرے سخت لہجے میں کہا۔ "بگھی کو روکو وسرام! میری بہن نے صبح کا کچھ نہیں کھایا۔ یہاں دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد دوبارہ سفر شروع کیا جائے گا۔"

دیالال نے کہا۔ "ہم کھانا کھانے کو یہاں رک رہے ہیں اور اگر کوئی ہمارے تعاقب میں ہوا تو ہم سب کا انجام انتہائی بُرا ہوگا۔"

کیدار نے کہا۔ "موت کے نام سے تمہاری طرح میں اپنے اُوپر بوکھلاہٹ طاری نہیں کر لیتا۔ تم بگھی کو روک دو۔"

دیالال نے دونوں گھوڑوں کی باگیں کھینچ کر انہیں روک لیا۔ پھر وہ اور وسرام نیچے اُتر گئے۔ پھر وسرام نے کھانے کی کچھ چیزیں نکالنے کے بعد پانی کا ایک مشکیزہ دیتے ہوئے کیدار سے کہا۔ "مہاراج! آپ دونوں بہن بھائی اس بگھی کے اندر ہی کھانا کھا لیں۔ میں اور دیالال وہاں دھوپ میں پتھروں پر بیٹھ کر کھاتے ہیں۔" وسرام اور دیالال قریب ہی پتھروں پر جا بیٹھے تھے۔

کیدار حرکت میں آیا۔ پہلے اس نے کنپل کے ہاتھ پاؤں کھولے۔ پھر اس کے مُنہ اور آنکھوں پر بندھے ہوئے کپڑے بھی اس نے ہٹا دیئے تھے۔

کنپل بے چاری چند لمحوں تک اپنا مُنہ، آنکھیں، بازو اور پاؤں سہلاتی رہی۔

پھر اس نے غور سے کیدار کی طرف دیکھتے ہوئے دُکھ اور اندوہ میں کہا۔ "مجھے یقین نہیں آ رہا کہ میرا سگا بھائی جو مجھے اپنی جان سے بھی عزیز رکھتا ہو، میرے ساتھ اجنبیوں جیسا سلوک کرتے ہوئے اور میرے ہاتھ پاؤں اور مُنہ آنکھیں باندھ کر چوروں کی طرح کہیں لے جانے کی کوشش کرے گا۔ کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ میرے کس دوش کی وجہ سے آپ مجھے ایک نئے روگ اور کشٹ میں ڈالنا چاہتے ہیں۔

کیدار نے اپنی گردن کو جھکاتے ہوئے کہا۔ "یہ ایک مجبوری ہے۔ ورنہ تم جانتی ہو میں تمہارے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر روا رکھ سکتا ہوں"۔

کنپل نے اپنی پوری جرأت اور جسارت میں کہا۔ "اگر مجبوری سے آپ کا مطلب ہے کہ آپ کو میرا مُسلمان ہونا ناگوار گزرا ہے اور آپ مجھے گوالیار سے دور لے جا کر مجھے اپنے پُرانے دھرم پر آنے کی ترغیب دیں گے تو پھر سن رکھیں اس میں آپ کو ناکامی ہوگی۔ میں اپنی جان دے دوں گی پر مسلمان ہونا ہرگز ہرگز ترک نہ کروں گی اور یہ بھی سن رکھیں کہ میرے ماں باپ مجھے جنید کے ساتھ منسوب کر چکے ہیں۔ اس میں بھی اگر آپ نے کوئی تبدیلی کرنے کی کوشش کی تو آپ اپنی بہن کو خوب جانتے ہیں۔ میں بزدل نہیں ہوں۔ ایسی اگر کوئی بھی کوشش یا فیصلہ آپ نے کیا تو اس صورت میں میری موت کے سوا آپ کو کچھ حاصل نہ ہوگا۔"

کیدار نے کنپل کو اس موضوع سے ہٹانے کی خاطر کہا۔ "میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ تم فضول باتوں میں پڑ گئی ہو۔"

پھر اس نے کھانے کی چیزیں اس کے سامنے جماتے ہوئے کہا۔ "لو کھاؤ تمہیں بھوک لگی ہوگی"۔

دونوں بہن بھائی نے مل کر کھانا کھایا۔ پھر کیدار نے وسرام اور دیالال کو آواز دے کر بلایا اور انہیں کُوچ کرنے کو کہا۔

اس دوران کنپل نے کیدار سے کہا۔ "کیا آپ پہلے کی طرح میرے ہاتھ پاؤں، آنکھیں اور مُنہ باندھیں گے"؟

کیدار نے کہا۔ "نہیں، اب ایسا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب ہم خطرے سے باہر ہیں۔"

کنپل نے کہا۔ "خطرات تو اب شروع ہوں گے۔"

کیدار نے کوئی جواب نہ دیا۔ دیالال اور وسرام نے بگھی کے گھوڑوں کو ہانک دیا تھا۔

جنید جب اپنے لشکر کے ساتھ آگرہ شہر سے باہر اپنے پڑاؤ میں داخل ہوا، تو بابر اور ہمایوں نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔ انہیں دیکھ کر جنید اپنے گھوڑے سے اُتر گیا اور آگے بڑھ کر اس نے دونوں سے پُرجوش مصافحہ کیا۔

بابر نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "سمر بیگ کے بیٹے! درمنگت خان جہاں کو شکست دے کر اور گوالیار شہر پر قبضہ کر کے تم نے میرے ارادوں اور امیدوں کی تکمیل کی ہے۔ بخدا تم نے میری ساری توقعات پُوری کر دی ہیں۔"

جنید نے اپنی کمر سے بندھی تھیلی کے اندر سے کوہ نور ہیرا نکالا اور اسے ہمایوں کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ ایک قیمتی ہیرا ہے۔ سنا ہے یہ دُنیا کی آدھی دولت کے برابر ہے۔ مَیں اسے آپ کو تحفتاً پیش کرتا ہوں۔"

ہمایوں نے ہیرا لے کر بابر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اسے آپ رکھ لیں۔"

بابر نے خوش طبعی سے کہا۔ "تم جوان ہو، یہ تمہیں ہی زیب دیتا ہے۔ تم رکھو۔"

ہمایوں نے وہ ہیرا سنبھال لیا۔

بابر اور ہمایوں دونوں نے اس ہیرے کی پیش کش پر پہلے جنید کا شکریہ ادا

رکیا ۔ پھر بابر نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا ۔" تمہارے بعد دو ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں جن میں سے ایک کو میں ہونی اور دوسرے کو انہونی گردانتا ہوں ۔ ہونی واقعات یہ ہیں کہ رانا سانگا عنقریب ہمارے خلاف جنگ کی ابتدا کرنے والا ہے اسے میں ہونی گردانتا ہوں اس لیے کہ اگر رانا سانگا ہمارے خلاف جنگ کی ابتدا نہ کرتا تو ہی یہ ابتداء ہماری طرف سے ہو جاتی ۔

جو بات انہونی ہوئی ہے وہ یہ کہ چند روز ہوئے ہمارے لشکر میں داخل ہونے والے دونوں پہلوان اللہ بخش اور کریم خان کو کسی نے رات سوتے میں قتل کر دیا ۔ اللہ بخش موقع پر ہی مر گیا تھا ۔ کریم خان میں اس وقت ابھی جان تھی جب صبح کے وقت لوگوں نے اسے دیکھا ۔ اس نے بتایا تھا کہ ان دونوں کو قتل کرانے والے رانا سانگا کے پہلوان تھے ۔ جنہیں اللہ بخش نے کشتی میں چت کر دیا تھا ۔ شاید کریم خان نے قاتلوں کو پہچان لیا تھا ۔ وہ ان دونوں پہلوانوں کے آدمی تھے ۔ ان کے نام جبر سنگھ اور کپور سنگھ ہیں اور وہ دونوں ماموں بھانجہ ہیں ۔

جنید چند ثانیوں تک اس المناک حادثہ پر کھڑا سوچتا رہا پھر اس نے جلادی اور غصیلی آواز میں کہا ۔" اللہ بخش اور کریم خان کے قاتل ہمارے انتقام سے بچ نہ سکیں گے ۔"

بابر نے کہا ۔" جنید ! جنید ! تمہارا خیمہ نصب ہو چکا ہو گا تم سہ پہر تک آرام کر لو ۔ پھر رانا سانگا کے خلاف جنگ کی تیاری کے سلسلے میں تمہیں میں بلاؤں گا ۔"

جنید اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے اپنے خیمے کی طرف جا رہا تھا ۔

O

ابراہیم لودھی کی ماں سلطانی بیگم کو اس انقلاب کا سخت افسوس اور صدمہ تھا کہ ان کے ہاتھ سے دہلی کی حکومت جاتی رہی اور یہ کہ اس کا بیٹا شکست کے بعد موت کا شکار ہو گیا اور اب وہ اسی قلعے میں جس کے اندر اس کی اپنی خواہش پر بابر نے اسے رہنے کی اجازت دی تھی ۔ بابر کے خلاف سازشوں کا جال بننے میں مصروف ہو گئی ۔

وہ چاہتی تھی کہ اگر اس کا بیٹا حکمران نہیں رہا تو بابر کو بھی اس سے محروم کر دیا جائے تاکہ بابر کے بعد وہ خود یا کوئی اس کا اور رشتہ دار ہند کا حکمران بن کر ابھرے ۔

ایک روز سلطانی بیگم نے اسی ترنگ میں اپنی دو بہت دلعزیز کنیزوں طروبہ اور زہرہ کو بلایا ۔ یہ دونوں وہی کنیزیں تھیں جنہیں ایک بار جنید پناہ دے چکا تھا ۔

جب وہ دونوں سلطانی بیگم کے پاس آئیں تو سلطانی بیگم نے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا ۔" کیا تم دونوں ایک ایسا کام کرو گی جس سے میری عزت اور میرا وقار بحال ہو ۔"

طروبہ نے کہا ۔" ہماری تو آپ کے لیے جان بھی حاضر ہے جب کہ زہرہ کہنے لگی آپ ہمیں آگ کی تہ میں اتر جانے کو کہیں پھر بھی ہم انکار نہ کریں گی ۔"

سلطانی بیگم نے کہا ۔" تم دونوں جانتی ہو ۔ میرے بیٹے ابراہیم کے مطبخ میں جس قدر لوگ کام کرتے تھے وہ سب بابر نے اپنے ہاں ملازم رکھ لیے ہیں ، وہ سب میری بات ماننے والے اور میری عزت میرا احترام کرنے والے ہیں ۔"

پھر سلطانی بیگم نے اپنے لباس کے اندر سے کاغذ کی ایک پڑیہ نکالی اور زہرہ کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا ۔" زہرہ ! زہرہ ! تم بابر کے مطبخ میں احمد چاشنی گیر کے پاس جاؤ اور اسے یہ دو ۔ سنو ! اس پڑیا میں ایک انتہائی مہلک زہر ہے ۔ تم احمد چاشنی گیر کو میرے سلام کے بعد کہنا کہ وہ باورچی سے بات کرے اور اسے اس بات پر آمادہ کرے کہ اگر وہ یہ زہر بابر کو کھلا دے تو بابر کی موت کے بعد میں تم دونوں کو چار چار پرگنے انعام میں دوں گی اس کام کی تکمیل پر جو کچھ نقد تمہیں ملے گا وہ اس کے علاوہ ہو گا ۔ اب تم جاؤ اور دیکھو بھال کر کرنا اور کوشش کرنا کہ احمد چاشنی گیر باورچی کو اس کام پر آمادہ کر لینے میں کامیاب ہو جائے ۔"

سلطانی بیگم جب خاموش ہوئی تو زہرہ نے سلطانی بیگم کو جھک کر سلام کیا پھر وہ پڑیا لے کر سلطانی بیگم کے کمرے سے باہر نکل گئی تھی ۔ اب سلطانی بیگم نے طروبہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ۔" طروبہ ! طروبہ ! تم چھپ چھپ کر زہرہ کا تعاقب

کردادر دیکھو کیا یہ سارے کام میری خواہش کے مطابق کرتی ہے۔ سلطانی بیگم کا کہ
طردبہ بھی باہر نکل گئی اور زہرہ کے تعاقب میں لگ گئی۔

زہرہ بابر کے مطبخ میں داخل ہوئی اور اشارے سے احمد چاشنی گیر کو علیحدہ
ایک دیوار کی اوٹ میں کھڑی ہو کر طردبہ بھی زہرہ پر نظر رکھے ہوئے تھی۔

احمد چاشنی گیر جب زہرہ کے پاس آیا۔ تو زہرہ نے کہا۔" دیکھو احمد
مالکن اور تمہاری بھی سابقہ مالکن سلطانی بیگم نے بھیجا ہے۔ اس نے کہا۔ اگر تم بابر
بات پر آمادہ کرلو کہ وہ بابر کے کھانے میں زہر ملا دے تو سلطانی بیگم تم دونوں کو
پرگنے انعام میں دینے کا وعدہ کرتی ہے"۔

احمد چاشنی گیر نے پوچھا" پر یہ زہر کون لائے گا اور کہاں سے آئے گا
زہرہ نے احمد کو کاغذ کی پڑیا دکھاتے ہوئے کہا۔" یہ زہر تو میرے پاس
مجھے سلطانی بیگم نے دیا ہے"۔

احمد نے اس سے زہر کی پڑیا لے لی اور کہا۔" تم یہیں کھڑی رہو میں ب
بات کرتا ہوں۔ پھر اصل حالات سے تمہیں آگاہ کروں گا"۔

زہرہ وہیں کھڑی رہی۔ تھوڑی دیر بعد احمد آیا اور زہرہ سے کہا" اب ج
سلطانی بیگم کو جاکر خوشخبری دو کہ جو کام انہوں نے کہا ہے وہ ہو جائے گا۔ باورچی
پر رضامند ہو گیا ہے"۔ ان دونوں کی گفتگو سن کر طردبہ پہلے ہی دیوار کی اوٹ سے ہٹ
گئی۔ زہرہ بھی خوش اور پُرسکون سی مطبخ سے باہر نکل گئی تھی۔

احمد چاشنی گیر کے لیے بابر کا حکم تھا کہ کھانا جیسے ہی پک جائے احمد اسے
سے ہی احتیاط کے طور پر چکھ لیا کرے۔ اب احمد چاشنی گیر نے یہاں پوری ہوشیاری
سے کام لیا اور باورچی کو اس نے اس امر پر آمادہ کر لیا کہ زہر گوشت کی دیگچی میں ڈالنے کے
بجائے سالن کی پلیٹ اور روٹیوں پر چھڑک دے"۔

باورچی نے ایسا ہی کیا۔ اس نے آدھا زہر روٹیوں کی پلیٹ میں چھڑک
دوسرا آدھا زہر اس خیال سے بچاکر اپنے پاس رکھ لیا کہ جب بابر کے لیے

میں زہر چھڑک دے گا لیکن روٹیوں پر زہر چھڑکنے کے بعد باورچی کچھ اس قسم
اضطراب میں مبتلا ہوا کہ اس نے آدھا بچا ہوا زہر چولھے میں ڈال دیا۔

وہ جمعہ کا دن تھا اور عصر کے وقت بابر کو کھانا پیش کیا گیا۔ کھانے میں خرگوش اور
گوشت کے علاوہ انڈوں کا قلیہ بھی تھا۔ بابر نے ہر چیز کھائی مگر سب کچھ اسے بے
اور پھر کھانے کے بعد اس کا جی متلانے لگا اور تھوڑی دیر بعد اسے زبردست قے

بابر کو شک ہوا کہ اسے کھانے میں زہر یا کوئی اور مضر چیز کھلائی گئی ہے۔ لہذا
حکم دیا کہ جو بھی کھانا دسترخوان پر لایا گیا ہے اسے کتے کو کھلایا جائے اور اس کتے
کہ اس کی نگرانی اور حفاظت کی جائے۔

آخر ایک کتے کو کھانا کھلا کر باندھ دیا گیا۔ دوسرے دن تک کتے کا بہت برا
اس کا پیٹ بُری طرح پھول گیا تھا اور وہ بے سدھ پڑا رہا۔ اسے مار مار کر اٹھانے
کی کوشش کی گئی لیکن وہ نہ اٹھا۔ آخر اسے اُلٹا لٹکا کر بچا لیا گیا۔ اس کے بعد وہ کھانا دو
کو کھلایا گیا اور کتے کی طرح ان کی حالت بھی بُری ہو گئی۔

آخر باورچی کو بُلا کر تفتیش کی گئی تو وہ مان گیا اور سب کچھ اُگل دیا۔ آخر بابر نے
لایا۔ باورچی اور دونوں کنیزوں کو بلایا گیا اور سب کے سامنے انہوں کے جرم کا
کیا۔

ابراہیم لودھی کی ماں سلطانی بیگم کا سب کچھ چھین کر اسے قید میں ڈال دیا گیا
کی کھال اُدھڑوا دی گئی۔ ایک کنیز کو ویسے مروا دیا گیا اور دوسری کو ہاتھی کے
کچلوا دیا گیا۔ اس طرح بابر کے خلاف یہ سازش ناکام ہو گئی۔

○

رانا سانگا جنگ کی تیاریاں کرنے کے بعد بابر کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ بابر کے
پندرہ ہزار فوج تھی لیکن رانا سانگا دو لاکھ کا ایک عظیم اور جرار لشکر تیار کر چکا تھا۔
ان کے دوسرے راجے مثلاً اودے سنگھ کیسری، دمیدنی رائے، بارمل یدری،

نرپٹ باڑا ، وتہ لچی ، برد م دیو ، نرسنگ دیو ، کنور کرم سنگھ ڈونگر ، رائے چندر بھان چوہان ، مانک چند چوہان اور دلیپ راؤ ۔ یہ سب راجے اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ بابر کے خلاف جنگ کرنے کے لیے رانا سانگا سے آملے تھے ۔

اپنے اس لشکر کے ساتھ رانا سانگا نے کوچ کیا اور بابر کے سرحدی شہر بیانہ کا رُخ کیا ۔ خود اس نے دُور ہی پڑاؤ کیا اور ایک لشکر بیانہ شہر کی طرف روانہ کر دیا بیانہ شہر سے جو بھی آدمی باہر نکلتا رانا سانگا کے یہ آدمی اسے قتل کر دیتے ۔

جب یہ خبریں بابر کو پہنچیں تو اس نے بڑی تیزی اور سرعت کے ساتھ آگرہ سے رانا سانگا کی طرف کوچ کیا ۔ سیکری سے پانچ میل آگے بابر اپنے لشکر کے ساتھ کنواہہ کے وسیع اور کھلے میدان میں داخل ہوا ، تو اسے خبریں ملیں کہ اس کے کوچ کا سُن کر رانا سانگا نے سرحدی شہر بیانہ کا محاصرہ ترک کر دیا ہے اور وہ بڑی تیزی سے بابر کی طرف بڑھ رہا ہے ۔

بابر کنواہہ کے میدان میں خیمہ زن ہو گیا ۔ شاید اس نے اسی کھلی اور وسیع زمین کو میدانِ جنگ بنانے کا ارادہ کر لیا تھا ۔ بابر نے رانا سانگا کی آمد سے پہلے پہلے جنگ گاہ میں خندقیں کھودلیں اور خندقوں کے پیچھے اس نے اپنے جنگی چھکڑوں کو ایک دوسرے سے باندھ کر مناسب فاصلے پر کھڑا کر دیا ۔ ان ہی چھکڑوں کی اوٹ میں بابر نے اپنے تیر اندازوں کے علاوہ توپ اور منجنیق چلانے والوں کو کھڑا کر دیا بابر کے کہنے کے توپ خانے کے امیر علی قلی خان نے ایک نئی توپ ڈھالی تھی جو سو قدم تک مار کرتی تھی ۔ یہ توپ بھی بابر نے ان چھکڑوں کی اوٹ میں نصب کرا دی تھی ۔

رانا سانگا بھی اپنے لشکر کے ساتھ کنواہہ کے میدان میں داخل ہوا اور بابر سے ذرا فاصلہ رکھ کر وہ اس کے سامنے خیمہ زن ہوا ۔ بابر نے انہیں پڑاؤ کرنے کا پورا پورا موقع فراہم کیا ۔ رانا سانگا کا لشکر رزم گاہ میں خیمہ زن ہو گیا ۔ بابر نے جب دیکھا کہ دشمن تعداد میں اس سے کئی گنا زیادہ ہے تو

[اس نے] عسکری بصیرت اور جنگی ممارست کا ثبوت دیتے ہوئے ہمایوں ، جنید اور جرنیل ملک قاسم کو حکم دیا کہ وہ مقدمۃ الجیش کے ساتھ اچانک دُشمن کی [صفوں] پر حملہ آور ہوں اور جس قدر ہو سکے ہندوؤں کے سر کاٹ کر لائیں ۔

بابر کا حکم ملتے ہی ہمایوں ، جنید اور قاسم اپنے مقدمۃ الجیش کے ساتھ [دشمن] پر جھپٹ پڑے ۔ تینوں رانا سانگا کے لشکر کے ایک حصے پر بسیط صحرا کے [...] خیالوں کے عفریت اور گزری ساعتوں کے فسوں کی طرح حملہ آور ہوئے تھے [...] کے دامن اور ناوک کی طرح دُشمن کے اندر گھس گئے ۔ چند ساعتوں کے [...] اندر وہ وقت کی اُڑتی بکھرتی دھول اور لحظہ لحظہ خنک ہوتی شام کی طرح رانا [سانگا] کے لشکر کے اس حصے پر چھا گئے تھے اور اپنے لشکر کا کوئی نقصان کرائے بغیر وہ [بہت سے] ہندوؤں کے سر کاٹ کر واپس آ گئے تھے ۔

نیک شگون کے طور پر بابر نے ہندوؤں کے ان کٹے ہوئے سروں کو میدان [جنگ] کے وسط میں پھنکوا دیا تھا ۔ تاکہ دشمن پر اس کا بُرا اثر پڑے اور اپنے لشکریوں [کے حو]صلے اور ولولے بلند اور مضبوط ہوں ۔

اپنے اس نقصان پر رانا سانگا سیخ پا ہو گیا اور اس نے جنگ کی ابتدا کرنے کے [لیے] لشکر کی صفیں درست کرنی شروع کر دیں ۔

رانا سانگا نے لشکر کا قلب اپنے پاس رکھا ۔ میمنہ پر رائے چندر بھان کو میسرہ پر [...] راؤ کو سینا پتی مقرر کیا ۔ اپنے ہراول لشکر کا کماندار رانا سانگا نے مارواڑ کے [...] ارجے رام کو مقرر کیا ۔ جب کہ اپنے عقب میں رانا سانگا ایک لشکر محفوظ دستوں [کے طو]ر پر رکھا اور کرم سنگھ ڈونگر کو اس کا جرنیل مقرر کیا ۔

دوسری طرف بابر نے بھی اپنے لشکر کو ترتیب دیا ۔ اس نے قلب اپنے [پاس رکھا] میمنہ پر ہمایوں کو ، میسرہ پر ملک قاسم اور ہراول پر جنید کو سالار مقرر کیا ۔ رانا سانگا نے اپنے لشکر کو پیش قدمی کا حکم دیا ۔ اس کے لشکر میں زور زور سے [...] نرسنگھے بجنے شروع ہو گئے تھے ۔ اس کا قلب اپنے جنگی ہاتھیوں کے پیچھے

پیچھے سے آگے بڑھا۔ جب کہ میمنہ اور میسرہ کے سوار سیخ پا ہو کر بابر کے لشکر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جب وہ مناسب فاصلہ پر آئے تو بابر نے اپنے عمل کی ابتدا کی۔ سب سے پہلے اس نے اپنے توپ خانے، منجنیقوں اور تیر اندازوں کو استعمال کیا۔ رانا سانگا کے ہاتھیوں پر توپوں سے گولے اور منجنیقوں سے ایسا نشانہ باندھ کر پتھر پھینکے گئے کہ ان گنت ہاتھی زخمی ہو کر سیخ پا ہو گئے اور اپنے ہی لشکر کے لیے نقصان کا باعث بننے لگے۔ جب کہ بابر کے تیر اندازوں نے تیروں کی ایسی سخت باڑھیں ماریں کہ رانا کے میمنہ اور میسرہ کے سوار جو تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے ایک جگہ رکنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ رانا سانگا نے جو اپنے لشکر کی یہ حالت دیکھی تو اس نے آگے بڑھتے اپنے لشکر کو دیا۔ وہ جان گیا تھا کہ اس طریقہ جنگ سے بابر اس کے لشکر کو تہس نہس بنا کر رکھ دے گا اس کے علاوہ اس نے جنگی ہاتھیوں کو بھی اپنے لشکر سے نکال دیا تھا۔

اس پہلے حملے کا ہی بابر کے لشکر پر اچھا اثر پڑا تھا لیکن رانا سانگا نے اس کا خاص اثر نہ لیا۔ اس لیے کہ اس کے لشکر کی تعداد ہی ایسی تھی کہ وہ اس تھوڑے نقصان پر پریشان ہونے کی ضرورت محسوس نہ کرتا تھا۔

اپنے لشکر کا نظم درست کرنے کے بعد رانا سانگا نے دوبارہ اپنے لشکر پیش قدمی کا حکم دے دیا تھا۔ بابر نے اپنی صفوں کو ذرا بائیں طرف سمیٹا اور نے بھی پیش قدمی شروع کر دی تا کہ دائیں طرف سے اس کے توپچیوں، تیر اندازوں اور منجنیق چلانے والوں کو اپنا کام کرنے کا موقع ملتا رہے۔

سب سے پہلے دونوں ہراول لشکر آپس میں ٹکرائے پھر قلب نے دوسرے پر حملہ کیا اور اس کے بعد میمنہ اور میسرہ اپنی مخالف سمتوں پر ٹوٹ پڑے تھے مارواڑ کا راجکمار جے رام جو رانا سانگا کے ہراول کا جرنیل تھا اپنے ہراول کو بڑے انداز میں بڑھاتا ہوا آگے لایا تھا۔ وہ اپنے آپ کو مارواڑ کا سورما سمجھتا تھا لیکن جب اس پر خزاں کی پیاس اور کرنوں کی قوت کی طرح اس پر حملہ آور ہوا تو اس کی کی خوش فہمیاں، وہموں اور وسوسوں میں بدل گئی تھیں۔

جنید سلگتے صحرا، کرنوں کے تیر، بیکراں سفر اور دوریوں کے غم کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔ راجکمار جے رام کو جنید کے حملہ آور ہونے سے ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے پر ہیبت دھمک اور بے انت لہروں نے اسے بے وفا لمحوں کے تابوت میں بند کر کے زندگی اور موت کے وقفہ میں لا کھڑا کیا ہو۔ جنید کے حملے سے اس کے لشکر میں زخمیوں کا کہرام اور سسکتے سانسوں کی خلش کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ جنید کی چمکدار نگہداشت آنکھیں۔ پوری طرح اپنا کام کر رہی تھیں اور پینترے بدل بدل کر اس نے دشمن کے ہراول کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔

اچانک مارواڑ کا راجکمار جے رام جنید کی تلوار کا شکار ہو کر مارا گیا اور اس سے رانا سانگا کے ہراول پر ایسا برا اثر پڑا کہ ہراول کے لشکری جم کر لڑنے کے بجائے بھیڑیوں سے ڈری ہوئی بکریوں کی طرح منتشر ہو کر گروہوں اور ٹولیوں کی شکل میں اپنے قلب کی جانب بھاگ گئے تھے۔

رانا سانگا کا خیال تھا کہ وہ بابر کو جو اس سے کئی گنا کم لشکر کے ساتھ اس کے سامنے آیا تھا لمحوں کے اندر پسپا کر کے رکھ دے گا لیکن رانا سانگا کی ساری امیدیں اور ارادے راکھوں اور دھول کی طرح منتشر ہو کر رہ گئے۔

بابر تعداد میں کم لشکر رکھنے کے باوجود سایوں کے قافلوں، بارود کے طوفان، بگولے ہیولوں اور بیکراں وقت کے خونی تسلسل کی طرح حملہ آور ہوا تھا اور رانا سانگا کے تلاطم خیز لشکر کو اس نے اپنے تیز حملوں سے روک کر ایک جگہ جم کر لڑنے کے لیے مجبور کر دیا تھا اور اب جنید بھی دشمن کے ہراول کا صفایا کرنے کے بعد قلب کی طرف بابر سے آ ملا تھا۔ اس طرح بابر کی قوت میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا تھا اور جنید کے ساتھ مل کر اس نے رانا سانگا کے قلب پر آگ کے دو دھاروں کے سنگم اور نگین سیال موت کی طرح نازل ہونا شروع کر دیا تھا۔

ہمایوں اور ملک قاسم بھی اپنے میمنہ اور میسرہ کے ساتھ دشمن کے میسرہ اور میمنہ پر قوی ضربیں لگا رہے تھے۔ ان دونوں کے حملوں میں بھی ایک انوکھی چکا چوند،

غضب کی وحشت اور آگ کے بگولوں جیسی تپش تھی۔ دونوں نے دشمن کے میمنہ اور میسرہ کو اپنے آگے آگے تانڈو ناچ نچانا شروع کر دیا تھا۔ رانا سانگا کی بدقسمتی کہ جس طرح ہراول کا جرنیل اور مارواڑ کا راجکمار جے رام جنید کے ہاتھوں مارا گیا اسی طرح ہمایوں کے ہاتھوں اس کے میسرہ کا دلیپ راؤ اور ملک قاسم کے ہاتھوں اس کے میمنہ کا رائے چندر بھان بھی مارے گئے۔

اب رانا سانگا کے لشکر میں پوری طرح کھلبلی اور افراتفری چھانے لگی تھی۔ اپنے ہراول، میمنہ اور میسرہ کی منتشر حالت دیکھ رانا سانگا کا قلب بھی متاثر ہونے لگا تھا اور اس کے قلب کے لشکری اگلی صفوں میں آکر لڑنے سے گریز کرنے لگے تھے۔

اس صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے رانا سانگا اپنے محفوظ دستوں کو جو عقب میں تیار کھڑے تھے جنگ میں کود جانے کا حکم دے دیا تھا۔

محفوظ دستوں کے جنگ میں کودنے کے باوجود رانا سانگا کے حالات درست نہ ہوئے کیوں کہ اب ایک طرف سے بابر اور ہمایوں نے اور دوسری طرف جنید اور ملک قاسم نے اس کے لشکر کو گھیر کر ان کا قتلِ عام شروع کر دیا تھا۔ کافی دیر تک یہ قتلِ عام جاری رہا۔ یہاں تک کہ رانا سانگا کے لشکر کی تعداد کٹ اور گھٹ کر بابر کے برابر ہو گئی تھی۔

رانا سانگا نے جب دیکھا کہ عنقریب اپنے بقیہ لشکر کے ساتھ وہ بھی مارا جائے گا تو وہ اپنی شکست تسلیم کرتا ہوا اپنے بچے کھچے لشکر کے ساتھ میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ رانا سانگا کے پڑاؤ سے بابر کو بے شمار مال و دولت اور دیگر سامان خوراک کے ذخیرے اور جنگی سامان ملا۔ بابر نے تھوڑی دور تک رانا سانگا کا تعاقب کیا پھر وہ میدانِ جنگ میں لوٹ آیا۔

رانا سانگا کے خلاف اس جنگ میں بابر کے لشکر میں ایک جشن کا سماں تھا۔ میدانِ جنگ میں رانا سانگا کے بڑے بڑے سورماؤں کی لاشیں پڑی تھیں اور وہاں اب آگ کے الاؤ روشن ہو گئے تھے اور بابر کے لشکر کے لیے کھانا تیار ہونا شروع

لشکر کے آرام کے لیے خیمے بھی نصب ہونا شروع ہو گئے تھے۔

ہمایوں، جنید اور ملک قاسم اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے بابر کے پاس آئے اس فتح پر اسے مبارک باد دی۔ بابر نے بھی مسکراتے ہوئے ان تینوں کو مبارک باد دی اس موقع پر ہمایوں نے بابر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "آپ نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ رانا سانگا سے نمٹنے کے بعد آپ مجھے کابل اور بدخشاں جانے کی اجازت دیں گے۔"

بابر نے کہا۔ "ہاں، میں اپنے وعدے پر قائم ہوں۔ ہندوستان میں اب کسی حکمران میں ایسا دم خم نہیں کہ وہ میدانِ جنگ میں اتر کر ہمارا مقابلہ کرے لہٰذا تم جب چاہو بدخشاں روانہ ہو سکتے ہو۔"

ہمایوں بابر کا شکریہ ادا کرنے ہی والا تھا کہ جنید نے بولتے ہوئے کہا۔ "اس طرح میری بھی ایک گزارش ہے۔"

بابر نے گہری مسکراہٹ میں کہا۔ "کہو، میں تمہاری بات کیونکر رد کر سکتا ہوں۔ بخدا تم نے مارواڑ کے راجکمار کو قتل کر کے رانا سانگا کے لشکر میں ایک خونی ہزیمت آمیز انقلاب برپا کر دیا تھا۔"

جنید نے کہا۔ "یہاں سے قریب ہی دیروانی نام کی ایک بستی ہے وہاں میرے جاننے والے ہیں، میں چند یوم کے لیے ان کے ہاں جاؤں گا۔"

بابر نے کہا۔ "تمہیں اس کی اجازت ہے۔ جب چاہو جا سکتے ہو۔"

بابر نے ملک قاسم سے پوچھا۔ "کیا تمہاری بھی کوئی خواہش ہے؟"

ملک قاسم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "نہیں میری ایسی کوئی خواہش نہیں ہے۔"

بابر نے کہا۔ "تو پھر تم تینوں میرے ساتھ آؤ، آج شام کا کھانا تم تینوں میرے ساتھ کھاؤ گے۔" پھر بابر ان تینوں کو لے کر اپنے خیمے کی طرف جا رہا تھا۔

○

چتوڑ شہر سے پانچ میل مشرق میں ایشور مندر کے سامنے کنیل اور کیدار کی بگھی رک گئی اور دونوں پنڈت دیا لال اور وسرام بگھی سے نیچے اتر گئے۔ پھر

وسرام نے زور سے پکارتے ہوئے کہا۔ "مہاراج کیدار! باہر آجایئے، ہماری منز
گئی ہے۔"

کنپل اور کیدار دونوں بہن بھائی بگھی کے پردے ہٹا کر نیچے اتر گئے پھ
دونوں پنڈت ان کی راہنمائی مندر کی طرف کرنے لگے تھے۔

دیالال اور وسرام کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے کنپل نے کیدار سے پوچھا۔
میں جان سکوں گی کہ یہ کس شہر کا کون سا مندر ہے۔"

کیدار نے کہا۔ "ہم اس وقت چتوڑ شہر سے پانچ میل جنوب میں ہیں اور
ایشور مندر ہے۔"

کنپل نے آہ بھرتے ہوئے دکھ سے کہا۔ "اگر میرا بھائی یہ چاہتا ہے کہ
پرائے لوگوں کے اندر سسک سسک کر اور تڑپ تڑپ کر اپنی جان دے دوں تو
یوں ہی سہی۔" کیدار نے کوئی جواب نہ دیا اور گردن جھکائے آگے بڑھتا رہا۔

مندر کے اندر جا کر وسرام نے ایک پجاری سے کہا۔ "ہمیں ایشور مندر
بڑے پروہت آتمارام سے ملنا ہے۔"

اس پجاری نے کہا۔ "تم لوگ میرے ساتھ آؤ۔"

وہ پجاری انہیں مندر سے ملحقہ ایک عمارت کی طرف لے گیا اور ان چارو
کو وہاں کھڑے کر کے وہ عمارت کے اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ لوٹا تو ان
کے ساتھ ایک پنڈت بھی تھا جس نے ان چاروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں
ایشور مندر کا بڑا پروہت آتمارام ہوں۔"

کیدار، دیالال اور وسرام نے ہاتھ جوڑ کر آتمارام کو پرنام کیا لیکن کنپل
اپنی جگہ خاموش اور پرسکون کھڑی رہی۔

آتمارام نے اس کی اس حرکت کو محسوس کیا پر خاموش ہی رہا۔ اس دوران
وسرام نے اپنی جیب کے اندر سے ایک تہ کیا ہوا کاغذ نکال کر آتمارام کی طرف بڑھاتے
ہوئے کہا۔ "ہم لوگ گوالیار سے آئے ہیں اور یہ آپ کے نام وہاں کے مہا پروہت

گووند کا خط ہے۔

آتمارام نے وہ خط پڑھا پھر مسکرا کر اس نے کیدار اور کنپل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں
راجکمار کیدار اور راجکماری کنپل کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ یہاں آپ دونوں کی ہر
اور آرام کا خیال رکھا جائے گا۔"

پھر آتمارام نے دیالال اور وسرام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تم دونوں کنپل کو
کے دوبارہ اپنے دھرم میں لانے کی کوشش کرو۔ اگر میری ضرورت محسوس کرو تو میں بھی
ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہیں راجکماری کے لیے سوئمبر رچایا جائے اور یہیں اس کی شادی کسی
سورما سے ہو۔"

پھر آتمارام نے اپنے قریب کھڑے پجاری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اس عمارت میں
نے کی سب سے اچھی اور صاف ستھری جگہ ہے وہ راجکمار کیدار اور راجکماری کنپل کو دو
یرے ان دو دھرم ساتھیوں کے رہنے کا بھی عمدہ انتظام کرو۔ اور وہاں ان کی ضرورت کی
مہیا کرو۔" پروہت گووند ہمیں بھائیوں جیسا ہے۔ اس کی ہر مانگ پوری کرنا ہم پر لازم
۔ وہ پجاری پنڈت آتمارام کے کہنے پر ان چاروں کو اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔

٥

سورج ہواؤں کو رنگین قبا پہناتا ہوا، صداقت سے مول تول کرنے والے جہل
الت پر سے اندھیروں کو مٹاتا ہوا مشرق سے نمودار ہوا تھا۔ کائنات کی ہر شے تاریکی
ڑی قید سے آزاد ہو گئی تھی۔ زمین کے سینے میں سورج نے اپنی کرنوں کے نیزے
ر دیئے تھے۔ حدتِ مہر سے صحراؤں کے اندر اوس سے بوجھل سرمائی پھول سورج کی
کرنوں سے ہم کنار ہو کر اپنے سر اوپر اٹھانے لگے تھے۔

جنید اپنے گھوڑے پر سوار اپنے لشکر سے نکلا۔ کشتا کی بستی ویردانی چونکہ اس جگہ سے
یک تھی جہاں اس کے لشکر نے پڑاؤ کیا تھا۔ لہٰذا جنید کشتا کے پاس جانے کی غرض سے اپنے
شکر سے نکلا تھا۔

کشتا کی بستی ویردانی کو جانے کے لیے جب جنید نے اپنے لشکر سے ابھی پانچ میل

کی مسافت طے کی ہوگی اور وہ چٹانوں سے گھِرے ہوئے ایک راستہ پر اپنے گھوڑے کو دوڑا جا رہا تھا کہ یکا یک چٹانوں کے اندر سے ایک سوار نمودار ہوا اور جنید کا راستہ روک کھڑا ہوا۔

جنید نے زور سے باگیں کھینچ کر اپنے سرپٹ دوڑتے گھوڑے کو روک لیا تھا۔ اس نے چیختی چلاتی اور گرجتی گونجتی آواز میں پوچھا۔ ”تم کون ہو اور ان چٹانوں کے اندر تم نے کیوں میری راہ روکی ہے۔“

قبل اس کے راہ روکنے والا وہ سوار جنید کو کوئی جواب دے جنید کی پشت پر چٹانوں کے اندر سے ایک اور آدمی نکلا اور چٹانوں کے اندر بازگشت پیدا کرتی ہوئی اپنی خوفناک آواز میں اس نے کہا۔ ”ہم دونوں تمہاری موت ہیں اور آج نہیں ابھی یہ چٹانیں تمہاری آخری آرام گاہ بنیں گی۔“

یہ دونوں بھائی وہی تھے جنہیں پنڈت گووند نے جنید کو قتل کرنے کے لیے مقرر کیا تھا۔

جنید نے دیکھا سامنے اور پیچھے سے گھیرنے والے ان دونوں جوانوں کے ہاتھوں میں مضبوط نیزے تھے۔ جنید نے انہیں تنبیہ کرنے کے انداز میں کہا۔ ”میری راہ چھوڑ دو ورنہ سُن رکھو مُورکھ جوانو! میں تم دونوں کو بھُو کی ننگی تہذیب جان کر صدیوں کے تند آتشی لمحات کی نذر کر دوں گا۔ راستہ چھوڑ دو ورنہ میرے ہاتھوں موت کے صحراؤں میں عہدِ ماضی کے قصے کی طرح ختم ہو جاؤ گے۔“

ان دونوں نے جنید کی باتوں کا کوئی جواب نہ دیا اور ایک دوسرے کو اشارہ کرتے ہوئے ان دونوں نے اپنے نیزے جنید کو دے مارے تھے۔

جنید ان دونوں پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ جونہی ان دونوں نے اس پر اپنے نیزے دے مارے جنید اپنے گھوڑے سے نیچے کود گیا اور دونوں نیزے گھوڑے کے اُوپر سے گزرتے ہوئے نکل گئے۔ جنید نے پہلے ہی اپنی تلوار اور ڈھال سنبھال رکھی تھی۔ اس نے اپنے سر پہ خود اور پیٹھ پر تیروں سے بھرا ترکش درست کیا۔ پھر وہ ان سے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ وہ دونوں اپنے گھوڑوں سے کود گئے اور ان میں سے ایک نے انتہائی کرودھ اور برہمی میں کہا۔

”تم اب بچ کر کہاں جاؤ گے۔ ہم ایک مدت سے اس انتظار میں تھے کہ تم ہمیں اپنے لشکر سے علیٰحدہ کہیں ملو۔ آج یہ خواہش یہ مانگ بھی پوری ہوئی۔ اب چٹانوں سے گھرا ہوا یہ علاقہ تمہاری عبرت ناک موت اور تمہارے حسرت ناک انجام کا منظر دیکھے گا۔ سنو! گوالیار کا پنڈت گووند نے تمہیں قتل کرانے کی قسم کھائی تھی اور یہ قسم ہم پوری کر کے رہیں گے سُن رکھو کہ ہم دونوں بھائی شکاری ہیں۔ پنڈت گووند نے ایک بڑی رقم دے کر ہمیں حاصل کیا ہے۔ لہٰذا اس کی مانگ ہم پوری کریں گے۔ بہتر ہے تم اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو، کہ ہم تمہیں پنڈت گووند کے سامنے لے جا کر قتل کریں۔“

جنید نے اپنی پوری برافروختگی اور عتاب و تاؤ میں کہا۔ ”کتوں کا شکار کرنے والو! ان چٹانوں کے اندر میں تم دونوں کو کتّے جان کر تمہارا شکار کروں گا۔ ذرا تم آگے تو بڑھو پھر دیکھو میں تمہاری بزدلی کی تشہیر صبح کے ستاروں کی طرح کرتا ہوں۔ تم پر شہرِ ستم گراں کا دروازے کھول کر تمہاری زیست کے سارے عنوان پر موت کے بھیانک رنگ پھیرتا ہوں۔

سنو! گو کوئی بھی بعد تک نہ رہے گا پھر بھی مجھے اپنے رب سے اُمید ہے کہ میں تمہاری ہستی کے ظلمت کے تالاب میں موت کا پتھر بن کر گروں گا۔ تمہاری زیست کے ثبات کو مستقبل کے اندیشوں اور تمہارے جسم کو حالات کے شراروں اور تواتر و پریشان کُن جراحتوں سے سجا دوں گا۔ آگے بڑھ کر مجھ پر حملہ آور ہو، کہ میں تمہاری تقدیر کی گردش روک دوں، تمہارے نطق کو بند کر دوں، تمہیں رات بھر جاگنے کی اذیت اور حالات کی تلخی میں مبتلا کر دوں گا۔

میں تمہارے دماغوں کو درست کر دوں گا، تمہارے مکروہ چہروں پر موت کی کالک ملوں گا، تمہیں زندگی کی کڑی قید سے نجات دوں گا۔ سن رکھو کہ یہ دھرتی اب ہماری ہے اور میں حالات کے صید کی طرح اور راستے کا پتھر جان کر تم دونوں کو ہٹا دوں گا۔ آؤ ان چٹانوں کے اندر تینوں آپس میں ٹکرا کر فیصلہ کریں کہ موت ہم تینوں میں

سے کیسے پکارتی ہے۔"

وہ دونوں تو اپنے نیزوں کے وار خطا جانے پر پہلے ہی سیخ پا تھے اب جنید نے اپنی گفتگو سے جو انہیں اور بھڑکایا تو وہ اپنی تلواریں اور ڈھالیں لہراتے ہوئے نپے تلے قدموں سے جنید کی طرف بڑھے۔ جنید بھی ان دونوں پر کڑی نگاہ رکھتا ہوا ان کی طرف بڑھا تھا۔

ان دونوں نے قریب آتے ہی ایک ساتھ جنید پر حملہ کر دیا تھا۔ جنید نے ایک کی تلوار کو اپنی تلوار پر اور دوسرے کی تلوار کو اپنی ڈھال پر روکا۔ ان دونوں نے جب دیکھا کہ جنید کی تلوار اور ڈھال دونوں مصروف ہیں لہٰذا ان دونوں نے ایک دوسرے کو آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے اپنی ڈھالیں بھی ایک ساتھ جنید پر برسا دیں۔ شاید وہ اپنے پہلے ہی وار میں جنید کو اپنے سامنے مقہور و مجبور کر دینا چاہتے تھے۔ پر جنید بھی پوری طرح مستعد تھا۔ وہ فوراً نیچے جھک گیا اور ان دونوں کی ڈھالیں فضا کے اندر ایک دوسرے سے ٹکرا کر چنگاریاں پیدا کر گئی تھیں۔

نیچے جھکتے ہوئے جنید نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ اب ان دونوں کی توجہ اپنی ڈھالوں کی طرف ہے۔ لہٰذا اس نے فوراً اپنی تلوار علیحدہ کر لی پھر اسے لہرا کر ان دو میں سے ایک پر گرایا اور اسے کمر کے پاس سے اس نے کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ پھر اس خیال سے کہ دوسرا اس کی پیٹھ پر کہیں تلوار ہی نہ گرا مارے جنید ایک زقند کے ساتھ پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ جسے جنید نے کاٹا تھا اس نے ایک مہیب اور وحشت ناک چیخ ماری پھر اس کا جسم دو لخت ہو کر اس پتھریلی زمین پر گر گیا تھا۔

جنید نے دوسرے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تم دونوں کا مجھ سے ٹکرانا کیسا رہا۔ میں نے تم دونوں سے کہا نہ تھا۔ تم دونوں کی تقدیر کی گردش روکوں گا اور تمہارے منہ پر کالک مل دوں گا۔ ایک تو اپنی تقدیر اور موت کی کالک کا شکار ہوا۔ اب تمہاری باری ہے۔"

وہ جو تھوڑی دیر قبل تک بڑا بڑھ چڑھ کر جنید سے باتیں کرتا تھا وہ اب خاموش

پ تھا۔ جنید کا اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ شاید بھائی کی موت نے اسے ایسا بدحواس کر
ا تھا۔

جنید نے اپنی تلوار لہراتے ہوئے کہا۔ "دیکھ اور سنبھل! میں تجھ پر حملہ آور ہوتا ہوں۔
م دونوں بھائی حملہ آور ہوئے تھے اور میں نے اپنا دفاع مکمل کیا تھا۔ اب میں حملہ
ر تا ہوں پھر دیکھنا میری تلوار کی تیزی کس طرح دن کے وقت تمہیں موت کے ستارے
ہے۔"

ایک جست کے ساتھ جنید آگے بڑھا اور اس پر حملہ کر دیا۔ جنید نے ایک طوفان
ر دیا تھا۔ اپنی ڈھال اور تلوار دونوں سے اس نے دائیں بائیں اور پھر اوپر نیچے سے حملہ
نا شروع کر دیا تھا۔

جنید کے ان تیز حملوں سے وہ بری طرح بوکھلا گیا اور بدحواسی کا شکار ہو گیا۔ اسی
ایں وہ اپنا دفاع کرتا ہوا چونک گیا اور جنید کی تلوار اس کی گردن کاٹتی ہوئی نکل
ا۔ جنید نے مرنے والوں کے لباس سے اپنی تلوار صاف کی۔ ان دونوں کے
ل کو بھی اس نے اپنے گھوڑے کی زین سے باندھ دیا۔ پھر وہ اپنے گھوڑے پر
اور کشتا کی بستی ویروانی کی طرف کوچ کر رہا تھا۔

O

پنے گھوڑے پر سوار جنید کشتا کی بستی ویروانی میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھوں
لنے والوں کے دونوں گھوڑے بھی اس کے ساتھ تھے۔ دھرم دھت کے
امنے آ کر وہ اپنے گھوڑے سے اترا۔ اس نے دیکھا دروازہ کھلا تھا۔ مکان کے
اندر زرد اور خشک پتے ادھر ادھر اڑتے پھر رہے تھے۔ جنید کو ایسا لگا جیسے
ہ ایک عرصہ سے کوئی رہ ہی نہ رہا ہو۔

نید کے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے
ر پھر تیسری بار زور کی دستک دی اور کوئی جواب نہ پا کر اس نے گھوڑوں
و چھوڑا اور خود مکان کے اندر داخل ہوا اور زور سے پکار کر اس نے پوچھا

”کوئی ہے ؟“

جنید کو اپنی پشت کی طرف سے آواز سنائی دی ۔” جب گھر میں ہوگا کوئی نہیں تو
جواب کون دے گا “۔

جنید کا ہاتھ فوراً تلوار کے دستے پر چلا گیا اور اس نے مڑ کر دیکھا ۔ مکان کے
بیرونی دروازے پر کشتا کا ہمسایہ برہما داس کھڑا تھا ۔ وہی برہما داس جس نے کشتا کی
جان بچا کر اسے بستی سے نکالا تھا ۔

جنید نے اپنا ہاتھ اپنی تلوار کے دستے سے ہٹا لیا اور برہما داس سے اس نے پو
”تم کون ہو اور کیا تم اس گھر کے مکینوں کے بارے میں مجھے کچھ بتا سکو گے “۔

اس نے کہا ” میرا نام برہما داس ہے ۔ میں کشتا کا ہمسایہ ہوں ۔ یہ ساتھ والا گھ
میرا ہے ۔ میں آپ کو بھی جانتا ہوں ، آپ کا نام جنید ہے اور آپ اس سے قبل
ایک بار اس گھر میں آچکے ہیں “۔

جنید نے پوچھا ” کیا تم مجھے بتا سکو گے کہ کشتا ، دھرم دھت اور لیراج
ہیں ؟ “

برہما داس نے کہا ” دھرم دھت اور لیراج بچارے تو مارے گئے اور ک
اپنی عزت اور جان بچانے کی خاطر یہاں سے بھاگ گئی ہے “۔

جنید نے انتہائی دکھ اور افسوس میں پوچھا ۔” دھرم دھت اور لیراج
مارے گئے ؟ “

برہما داس نے کہا ۔” سنیں ! میں بتاتا ہوں ۔ یہاں سے جنوب میں سند
کی ایک بستی ہے ۔ وہاں کا ایک جوان اگرسین نام کا ہے ۔ وہ یہاں آیا اور اس
دھرم دھت اور لیراج کو قتل کر دیا “۔

جنید نے غصے اور غضب کی حالت میں پوچھا ۔” لیکن اس نے ایسا کیوں کیا
برہما داس نے کہا ۔” وہ آپ کے ہاتھوں مارے جانے والے راندا
بھائیوں کا چچا زاد تھا ۔ اور اس کے ساتھ اس کے چار بھائی بھی تھے ۔ انہوں نے

کا انتقام لیتے ہوئے دھرم دھت اور لیراج کو قتل کر دیا ۔ وہ کشتا کو اپنے ساتھ لے جانا
چاہتے تھے لیکن میں نے بڑی مشکل سے اسے بچا کر بستی سے باہر نکالا اور اب وہ یہاں سے
جنوب میں دریا کے کنارے کیرتن نام کی بستی میں اپنے ماموں یشیہ پال کے ہاں چلی گئی
ہے ۔

جنید نے کہا ۔” یہ سارے حالات مجھے تفصیل سے بتاؤ “۔

برہما داس نے دھرم دھت اور لیراج کے قتل ، کشتا کے اپنے گھر کے اندر
چھپ جانے اور روید کو بلانے کے بہانے اسے بستی سے نکال لے جانے کے سارے واقعات
تفصیل سے سنا ڈالے تھے ۔

جنید نے آگے بڑھ کر برہما داس کو گلے لگاتے ہوئے کہا ۔” تمہاری ہمت تمہارا
اس قابل داد ہے جو تم نے اس جرأت سے کام لے کر کشتا کو یہاں سے نکالا ۔ ورنہ وہ
بھیڑیے کشتا بچاری کو برباد کر کے رکھ دیتے ۔ پر سنو برہما داس ! اگرسین اور اس
کے چاروں بھائی میرے انتقام کے عذاب سے نہیں بچ سکیں گے میں ابھی اور اسی وقت
ان کی طرف کوچ کروں گا اور ان سے نمٹ کر کشتا کی طرف جاؤں گا “۔

برہما داس نے بڑی ہمدردی سے کہا ۔” آپ آج کا دن اور آنے والی رات
میرے ہاں آرام کریں ۔ آپ طویل سفر کر کے آئے ہوں گے ، کل تازہ دم ہو کر آپ
ادھر کوچ کریں “۔

جنید نے کہا ۔” برہما داس ! میں تمہارا ممنون ہوں جو مجھے ایسی پیش کش کر رہے
ہو میں تھکا ہوا نہیں ہوں اور نزدیک ہی سے آرہا ہوں ۔ تم مجھے یہ بتاؤ اگرسین کی
بستی سندرا یہاں سے کتنی دور ہے “۔

برہما داس نے کہا ۔” یہی کوئی تین کوس تو ہو گی “۔

جنید نے پوچھا ۔” اور کیرتن نام کی وہ بستی یہاں سے کتنی دور ہو گی ۔ جہاں
کشتا نے اپنے ماموں کے ہاں جا کر پناہ لی ہے “۔

برہما داس نے کہا ۔” کیرتن یہاں سے پندرہ کوس سے کم نہ ہو گی “۔

جنید باہر گلی میں آیا اور اپنے گھوڑے کی زین سے بندھے اس کے ہاتھوں مرنے والے پنڈت گووند کے آدمیوں کے گھوڑے کھولتے ہوئے کہا۔ "برہما داس میرے پاس یہ دو گھوڑے فالتو ہیں۔ انہیں رکھ لو اپنے کام میں لاؤ یا بیچ کر رقم حاصل کر لو۔"

پھر جنید نے اپنے گھوڑے کی خرجین سے نقدی کی ایک تھیلی نکالتے ہوئے کہا۔ "یہ چھوٹی سی رقم بھی رکھ لو۔ تمہارے کام آئے گی۔ دیکھو انکار نہ کرنا۔ میں تمہیں یہ اپنا عزیز جان کر دے رہا ہوں۔"

برہما داس نے بڑی عاجزی سے کہا۔ "میں دونوں گھوڑے رکھ لیتا ہوں۔ یہی کافی ہیں، نقدی کی تھیلی آپ رہنے دیں۔"

جنید نے کہا۔ "نہیں، تم گھوڑے بھی رکھو اور نقدی کی تھیلی بھی لو۔ یہ میری خوشی اور خواہش ہے۔"

برہما داس نے نقدی کی تھیلی لے لی۔ ایک زقند کے ساتھ جنید اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور مہمیز لگا کر اسے ہانک دیا۔ برہما داس اسے وہاں کھڑا ہو کر دیکھتا رہا۔ جب وہ گلی کا موڑ مڑ کر اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو برہما داس دونوں گھوڑوں کی باگیں پکڑے اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا۔

دوپہر کے قریب جنید سندار نام کی بستی میں داخل ہوا اور لوگوں سے پوچھتا ہوا وہ اگرسین کی حویلی کی طرف آیا اور دروازے پہ دستک دی۔ ایک بوڑھے نے دروازہ کھولا اور دروازے سے باہر اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے جنید کو دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔ "تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو۔"

جنید نے کہا۔ "میں اٹہ میں دریا کے کنارے کی بستی دیروانی سے آیا ہوں۔ میں اگرسین سے ملنا چاہتا ہوں۔ میرے پاس اس کے لیے ایک بہت ہی ضروری اور اہم پیغام ہے۔"

اس بوڑھے نے کہا۔ "اگرسین اپنے چاروں بھائیوں کے ساتھ اپنے کھیتوں میں کام کرنے باہر گیا ہوا ہے۔ آپ اندر آکر بیٹھیں میں کسی کو بھیج کر اسے بلوا تا ہوں۔"

جنید نے کہا۔ "نہیں اسے بلوانے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے یہ بتا دیں کہ وہ کس ـن کھیتوں میں کام کر رہے ہیں۔ میں وہیں ان سے مل لوں گا۔"

اگرسین کے باپ نے کہا۔ وہ اپنی بستی کے ایک میل مغرب میں اپنے کھیتوں میں ـام کر رہے ہیں۔

جنید نے اپنے گھوڑے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں جلدی میں ہوں۔ میں وہیں کھیتوں ـاں سے مل کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔" ایڑ لگا کر جنید نے اپنے گھوڑے کو ـ دیا۔ اب وہ مغرب کی طرف جا رہا تھا۔

کھیتوں میں کام کرتے لوگوں سے پوچھتا ہوا جنید اس جگہ آیا جہاں اگرسین اور ـکے چاروں بھائی اپنے کھیت میں کام کر رہے تھے۔ وہ گندم کا کھیت تھا اور وہ چاروں ـی جانوروں کے چارے کے لیے ہری ہری سرسوں کے پودے جڑ سے اکھیڑ کر اور جھاڑ جھاڑ ـیت سے باہر کنارے پر جمع کرتے جا رہے تھے۔

ان کے پاس آکر جنید اپنے گھوڑے سے اترا اور بلند آواز میں انہیں مخاطب کرتے ـے اس نے پوچھا۔ "تم میں اگرسین کون ہے مجھے اس سے ایک ضروری کام ہے۔"

ان میں سے ایک کھیت سے نکل کر باہر آیا اور جنید کے سامنے رکتے ہوئے کہا۔ ـنام اگرسین ہے، کہو تمہیں مجھ سے کیا کام ہے۔"

جنید نے کہا۔ "تمہارے بھائی کہاں ہیں؟"

اگرسین نے کھیت کے اندر سرسوں کے پودے اکھیڑتے والے چار جوانوں کی طرف ـرتے ہوئے کہا۔ "وہ چاروں میرے بھائی ہیں۔"

جنید نے اپنی ڈھال سنبھالی اور پھر اپنی بھاری اور چوڑے پھل کی چمکتی ہوئی تلوار ـبے نیام کرتے ہوئے کھولتے اور ابال کھاتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اگرسین! میری طرف غور سے دیکھو۔ میں جنید ہوں، وہی جنید جس نے تمہارے ـانند اور اس کے بھائیوں کو ہلاک کیا تھا اور اب تمہاری اور تمہارے بھائیوں کی ـاری ہے۔ اس لیے کہ تم نے دیروانی کے دھرم دھت اور لیراج کو قتل کیا اور

دھرم دھت کی بیٹی کشتا کو در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کیا۔
اگر سین اپنی تلوار بے نیام کرنا ہی چاہتا تھا کہ جنید نے اس پر حملہ کر دیا اور اس کے
جسم کو اس نے دو حصّوں میں کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ اتنی دیر تک اگر سین کے چاروں بھائی جو
کھیت کے اندر کام کر رہے تھے اپنی تلواریں سونت کر جنید کی طرف بھاگے لیکن کھیت کے
کنارے کی طرف بھاگتے ہوئے اس وقت ان کی رفتار مدھم پڑ گئی۔ جب اگر سین کو ختم کرنے
کے بعد جنید خود اُن کی طرف آنے کے لیے کھیت کے اندر کی طرف بھاگا۔ اس کے ہاتھ میں
اپنی خون آلود تلوار تھی جس سے اگر سین کا خون ابھی تک ٹپک رہا تھا۔
یہ ایسا دلدوز اور خوفناک منظر تھا کہ ان چاروں میں سے ایک اس منظر کی تاب نہ
لا سکا اور کھیت کے اندر ہی اندر وہ دوسرے کنارے کی طرف بھاگا اور وہاں کھڑے ایک گھوڑے
پر سوار ہو کر وہ وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔
کھیت میں داخل ہو کر جنید نے ان تینوں پر حملہ کر دیا تھا۔ شاید وہ زیادہ دیر وہاں
رُک کر اپنے آپ کو خطرات میں نہ ڈالنا چاہتا تھا۔ لہٰذا وہ انہیں جلد ختم کرنے کے درپے تھا
اپنے پہلے ہی حملے میں اس نے ایک کو کاٹ دیا۔ دوسرے دو نے چند ثانیوں تک اس کے حملے
وار روکنے کی کوشش پر جلد ہی ان دونوں میں سے ایک اور جنید کی تلوار کا شکار ہو کر کھیت میں گر گیا
تیسرے نے بھاگنا چاہا پر جنید نے غراتی آواز میں کہا۔ "رک جاؤ ورنہ بدترین موت مارے
جاؤ گے۔"
وہ رُک گیا جنید نے پوچھا۔ "تمہارا وہ بھائی جو بھاگ گیا ہے اس کا کیا نام ہے۔" اس نے
کہا۔ "اس کا نام نریش ہے۔"
جنید نے اپنے پورے بھیانک پن میں کہا۔ "وہ پاپی بھی مجھ سے بچ نہ سکے گا۔" پھر
جنید نے تلوار بلند کر کے گرائی اور اس کا کام بھی تمام کر دیا۔ اپنی تلوار صاف کر کے جنید کھیت
سے باہر آیا۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر وہ دریا کے کنارے آیا پھر جنوب کی طرف کنارے
کے ساتھ ساتھ وہ اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑا رہا تھا۔

سُورج غروب ہو رہا تھا۔ ماحول دھواں دھواں ہو گیا تھا اور فضاؤں میں لحظہ
بہ خنکی رچنے لگی تھی۔ کوہستانوں کی قرمزی چوٹیاں سرمائی نشہ آور دھوپ سے بچھڑ کر
بروں کو گلے لگا رہی تھیں۔ شفق کی سُرخی آسمان کے حاشیوں پر بکھر کر انہیں ایسا حُسن
گئی تھی جیسے زرناب دھاگوں سے ان کے اندر چکا چوند رنگ بھر دیئے گئے ہیں۔ اندھیرا
ہونے لگا تھا۔
جنید کیرتن نام کی بستی میں داخل ہوا اور ایک مکان کے دروازے پر دستک دی
بچے نے دروازہ کھولا۔ جنید نے پوچھا۔ "کیا یہ رشیہ پال کا گھر ہے۔ ایک آدمی نے مجھے
ہے کہ وہ مر چکا ہے اور اس کا بیٹا یہ مکان بیچ کر کہیں اور جا چکا ہے۔ اس لڑکے
ہا۔ "آپ کو ٹھیک بتایا گیا ہے۔ رشیہ پال نام کا آدمی مر چکا ہے اور اس سے
ان ہم نے خرید لیا ہے۔"
جنید نے اپنے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "کیا کچھ عرصہ قبل
لڑکی بھی یہاں رشیہ پال کا پتہ کرتے آئی تھی۔"
اس لڑکے نے کہا۔ "ہاں آئی تھی اور میری ماں نے اسے سمجھا دیا تھا کہ رشیہ پال مر
اور اس کا لڑکا مکان بیچ کر جا چکا ہے۔"
جنید نے کہا۔ "کیا اس لڑکی نے پھر یہ نہیں بتایا کہ یہاں سے نکل کر وہ کدھر کا رُخ کریگی"
اس لڑکے نے کہا۔ "وہ لڑکی کہیں نہیں گئی یہیں ہے۔"
جنید نے کہا۔ "اگر وہ یہیں تمہارے ہاں ہی رہتی ہے تو اسے میرے آنے کی اطلاع کرو
بنیں ہے۔" لڑکے
لڑکے نے کہا۔ "آپ غلط سمجھے ہیں۔ وہ ہمارے ہاں نہیں رہتی۔ اس بستی کے
میں ایک مندر ہے وہ لڑکی اس مندر میں داسی ہو گئی ہے اور وہیں رہتی ہے۔"
جنید نے پیچھے ہٹتے ہوئے اس لڑکے سے کہا۔ "میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے میری
ائی کی ہے۔" پھر جنید اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور بستی کے مغربی حصے کی طرف
اثنا۔

سردی اب جان لیوا ہوتی جا رہی تھی اور تیز نوکوں کی طرح جسم میں چبھنے لگی تھی۔ بہار کے اجلے موسم کی طرح چاند طلوع ہوا تھا اور ہر شے کو کوب انگیز لذت اور تابندگیوں میں ڈبو کر رکھ گیا تھا۔ اندھیرے کونے کھدروں میں سمٹ گئے تھے۔ دھرتی کہکشاں ا... جھروکے روشن ہو گئے تھے۔

بستی سے نکل کر جنید اس مندر میں داخل ہوا جس کی اس لڑکے نے اسے راہ... کی تھی۔ مندر کے اندر کچھ لوگ آگ کا الاؤ روشن کیے اس کے اِرد گرد بیٹھے تھے۔

جنید جب آگ کے اس الاؤ کی طرف جلنے لگا تو اس نے دیکھا دائیں طرف ا... جوان آ رہا تھا جو کچھ لکڑیاں اُٹھائے آگ کے الاؤ کی طرف جا رہا تھا۔

جنید اپنے گھوڑے سے اُترا اور اس جوان کو روکتے ہوئے اس نے کہا۔ "میں ا... علاقے میں اجنبی ہوں کیا تم میری راہنمائی کر سکو گے؟"

اس جوان نے کہا۔ "ذرا رکو، میں یہ لکڑیاں وہاں آگ کے الاؤ میں ڈال آؤں پھر تمہاری طرف لوٹتا ہوں"۔

وہ جوان چلا گیا اور اس کے انتظار میں جنید وہیں کھڑا رہا۔ حتیٰ کہ وہ جوان... اور جنید سے کہا۔" اب کہو، تم کیا کہنا چاہتے ہو"۔

جنید نے کہا۔" میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں۔" کیا اس مندر میں کوئی ایسی داسی کا کام کرتی ہے جو میری طرح اجنبی ہو اور کچھ عرصہ قبل اس مندر میں آئی ہو، اس کا نام کشتا ہے"۔

اس جوان نے کہا۔" ایک لڑکی اس مندر میں داسی ہے۔ پر یہ تو کہو تم اس... کیوں پوچھتے ہو"۔

جنید نے کہا۔" وہ میری عزیزہ ہے اور میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔" اس... نے مندر سے ملحقہ عمارت کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔" پھر میرے ساتھ آؤ۔" جنید خاموش... سے اس کے ساتھ ہو لیا تھا۔

اس عمارت کے ایک کمرے میں کشتا مندر کی ایک اور دیو داسی راجی کے ساتھ بیٹھی ہوئی اس سے باتیں کر رہی تھی۔ دونوں چونسی کا ایک موٹا کپڑا فرش پر بچھا کر اس پر بیٹھی ہوئی تھیں اور ان کے سامنے آتش دان میں آگ جل رہی تھی۔

راجی آتش دان میں لکڑیاں ڈالتے ہوئے کشتا سے کہہ رہی تھی۔ تم اپنے اس جنید کے پاس کب جاؤ گی جسے راند کے سامنے تمہارے بھائی نے تمہارا پتی اور بر قرار دیا تھا۔

کشتا نے دُکھ سے کہا۔" میں اکیلی کیسے اور کیوں کر ان کی طرف جا سکوں گی۔ وہ ...ر نہیں اب کہاں ہیں۔ آگرہ میں ہیں یا دہلی میں۔ جب وہ آخری بار مجھ سے اور میرے بھائی ...براج سے مل کر علیحدہ ہوئے تھے تو انہوں نے کندار شہر پر حملہ آور ہونا تھا۔ پھر بعد میں خبریں آئیں کہ انہوں نے کھلے میدان میں رانا سانگا کے جرنیل درمنگت اور خان جہاں ...و ذلت آمیز شکست دی اور پھر اس کے بعد انہوں نے گوالیار کو بھی فتح کر لیا تھا۔ اب بھگوان جانے وہ کہاں اور کس شہر میں ہوں گے۔ کہیں ایسا نہ ہو وہ ان جنگوں سے فارغ ہونے کے بعد اپنے گھر والوں سے ملنے سمرقند کی طرف چلے گئے ہوں کیوں کہ وہ سمرقند کے ایک نواحی شہر اخسی کے رہنے والے ہیں"۔

کشتا چند ثانیوں تک خاموش اور تصورات کی دُنیا میں کھوئی رہی۔ پھر وہ دوبارہ ...ہ رہی تھی۔" راجی! راجی! خبر نہیں اب اِن سے ملاقات بھی ہوتی ہے یا نہیں۔ میں نے تمہیں اپنی بہن جان کر اپنے سارے حالات کہہ دیئے ہیں۔ اب تم ان کی تشہیر نہ کرنا۔ ہر ایک کے سامنے میرے ان حالات کا ڈھنڈورا نہ پیٹنا"۔

راجی نے بڑے پیار سے کہا۔" تم کیسی مورکھ ہو۔ تم نے مجھے بہن کہا ہے تو پھر تمہارے راز میرے راز ہیں۔ میں کیوں کر انہیں کھول کر اپنی بہن کو ناراض کروں گی"۔

راجی جب رُکی تو کشتا نے پھر کہا۔" راجی! میری بہن! اب تو ایسا لگتا ہے ...ے جنید سے ملاقات نہ ہو گی اور میرے من کا سندر بن چتاؤں کے شہر کی طرح اُجاڑ اور ...ویران ہی رہے گا۔ آہ! کون جنید کو بتائے گا کہ ہم پر کیا بیتی اور میں کہاں گوشۂ گمنامی ...میں اپنی زندگی کے دِن بِتا رہی ہوں"۔

کشتا رکی پھر وہ نتہائی مایوسی اور شکستگی میں کہہ رہی تھی "اس حیات کی رنگینیاں یوں ہی کھلتی رہیں گی۔ وقت کے موسم بدل بدل کر آتے رہیں گے۔ غموں کے قافلے رات کے پروں پر سوار ہو کر کائنات کے حسن میں اضافہ کرتے رہیں گے صحراؤں کے خواب بکھرتے رہیں گے۔ بہاروں کے طلسم پھیلتے رہیں گے۔ پر میں یہیں اس دور افتادہ بستی میں آتے جاتے روتے بادلوں کی طرح کسی کی آمد کا انتظار کرتے کرتے مرجاؤں گی۔ آہ! میری زندگی کالے مردہ پہاڑوں اور صحرا کے اندر خشک ہو جانے والی ندیوں جیسی ہے"۔

راجی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "کشتا! کشتا! میری بہن! تم اداس اور نراش نہ ہو۔ میرا دل کہتا ہے اگر جنید کے دل میں تمہاری محبت اور چاہت ہے تو وہ ضرور تمہیں ڈھونڈتے ہوئے اس طرف آئیں گے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ تمہاری بستی کی طرف جائیں۔ وہاں ان کی ملاقات برہما داس سے ہو جائے اور وہ ان سے سارے حالات کہہ دے۔ اگر ایسا ہو جائے تو وہ ضرور تم سے ملنے اس بستی کی طرف آئیں گے اور اس بستی کے سب لوگ اب تمہیں جانتے اور پہچانتے ہیں کہ تم مندر کی دیوداسی ہو۔ اگر انہوں نے بستی میں داخل ہو کر تمہارے متعلق پوچھا تو لوگ ضرور انہیں اس مندر کی طرف بھیج دیں گے"۔

کشتا نے کہا۔ "بھگوان کرے ایسا ہی ہو"۔

پھر شاید راجی نے آتش دان کے پاس رکھے پانی سے بھری ایک گاگر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس گاگر کا پانی اب گرم ہو چکا ہوگا۔ آؤ اس گرم پانی سے ہاتھ منہ دھوئیں اور کھانا کھائیں"۔

کشتا اٹھی اور اپنی انگلی گاگر کے پانی میں ڈبونے کے بعد اس نے کہا۔ "ہماری باتوں ہی باتوں میں پانی زیادہ گرم ہو گیا ہے"۔ پھر ایک کپڑے سے گاگر کو پکڑ کر کشتا نے آتش دان سے پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔ "آؤ، اس میں ٹھنڈا پانی ملا کر ہاتھ منہ دھوئیں اور پھر کھانا کھائیں"۔

راجی بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ شتا نے بلند آواز میں پوچھا۔ "کون ہے؟" باہر سے کسی کی آواز سنائی دی۔ "کشتا یدی! ذرا باہر آؤ، آپ کا ایک مہمان ہے"۔

کشتا نے متردد اور مضطر انداز میں راجی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "راجی! راجی! یہ امہمان کون ہو سکتا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں سندرا کا اگرسین اور اس کے بھائی میرا تعاقب رتے ہوئے یہاں پہنچ گئے ہوں"۔

راجی نے بھی پریشانی میں کہا۔ "اگر ایسا ہے تو پھر بہت برا ہوا۔ پر تم یہیں کمرے کے اندر ہی رکو۔ میں خود دیکھتی اور پوچھتی ہوں کہ کون ہے۔ کشتا! کشتا! تم اگرسین ور اس کے بھائیوں سے متعلق سوچتے ہوئے اپنے آپ کو کیوں پریشان حال اور زچ رتی ہو، کیا یہ ممکن نہیں کہ جنید بھائی تمہیں تلاش کرتے ہوئے ادھر آگئے ہوں"۔

کشتا نے کہا۔ "ہو تو سکتا ہے وہی آگئے ہوں، پر ڈرتی ہوں کوئی اور ہی نہ ہو اور مجھ پر قیامت ہی نہ بیت جائے"۔

راجی نے اطمینان اور تشفی دلاتے ہوئے کہا۔ "کشتا! کشتا! تم اپنے آپ کو یشان کیوں کرتی ہو۔ اگر آنے والے اگرسین اور اس کے بھائی ہوئے تو میں مندر کے جاریوں کو جمع کر لوں گی اور وہ ان تمام کو مار مار کر باہر نکال دیں گے۔ اچھا تم یہیں ے میں ہی رہو۔ میں خود دیکھتی ہوں کہ کون ہے"۔

راجی نے دروازہ کھولا۔ اس نے دیکھا باہر مندر کا ایک پجاری کھڑا تھا۔ راجی نے اس سے پوچھا۔ "کون ملنے آیا ہے کشتا سے؟"

اس پجاری نے عمارت سے باہر اپنے گھوڑے کے پاس کھڑے جنید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ایک سوار ہے، وہ دیکھو سامنے کھڑا ہے"۔

راجی نے پوچھا۔ "وہ اکیلا ہے یا اس کے ساتھ اس کے سنگی ساتھی بھی ہیں"۔

پجاری نے کہا۔ "نہیں وہ اکیلا ہی ہے"۔

راجی نے ایک بار غور سے جنید کی طرف دیکھا۔ پھر وہ کمرے کے اندر گئی اور

کشتا سے اس نے کہا۔ "کشتا! میری بہن! وہ تو اکیلا ہی ہے اور عمارت سے باہر اپنے گھوڑے کے پاس کھڑا ہے۔ میں نے اُسے غور سے دیکھا ہے۔ وہ بڑا دراز قد اور خوبصورت ہے۔ تم دروازے کے پاس کھڑی ہو کر دیکھو تو سہی کہیں وہ جنید بھائی ہی نہ ہوں۔"

کشتا بچاری سہمی سہمی سی دروازے پر آئی اور جونہی اس نے عمارت سے باہر جلتی مشعل کی روشنی میں اپنے گھوڑے کے پاس جنید کو کھڑے دیکھا تو اس نے سخت لہجے میں پجاری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "انہیں وہاں کیوں کھڑا کر آئے ہو۔ انہیں یہاں میرے کمرے میں بھیجو۔ ان کے گھوڑے کو مندر کے اصطبل میں لے جاؤ اور اس کے چارے کا انتظام بھی کر دو۔"

وہ پجاری بے چارہ چلا گیا۔ جنید کو دیکھ کر کشتا کی حالت، آہا! جیسے سیم و زر و جواہر کی بارش شروع ہو گئی ہو۔ جیسے گل رنگ شبابوں کے چمن زاروں میں پیار کی قوس و قزح کے رنگ رقص کر گئے ہوں۔

کشتا کی آنکھوں میں مسرتوں کے نقوش اور چہرے پر رنگوں کی پھوار ترتیب پانے لگی تھی۔ اس کی حالت اس پودے جیسی تھی جو اپنی شاخوں کے ساتھ جڑوں پر نہال کھڑا ہو اس کے سبز پتے ہوا کے دوش پہ خوشیوں کے گیت اور چاہتوں کے نغمے الاپتے ہوں۔

پجاری جب چلا گیا تو کشتا نے پوچھا۔ "تمہارے انداز اور تمہارے چہرے کی شگفتگی سے ایسا لگتا ہے جیسے وہ جنید بھائی ہوں۔"

کشتا نے اپنی جان لیوا خوشی کو دباتے ہوئے کہا۔ "تمہارے اندازے درست تھے راجی! وہ جنید ہی ہیں۔"

راجی نے کہا۔ "اب پتہ نہیں وہ رات یہاں رُکتے ہیں یا نہیں۔"

کشتا نے کہا۔ "نہ بھی رُکنا چاہیں گے تو میں اُنہیں روکوں گی۔ میں انہیں یہاں سے اجنبیوں کی طرح کیوں کر جانے دوں گی۔"

راجی نے کہا۔ "اگر وہ رُک گئے تو تم فکر نہ کرنا۔ میں خود ان کے لیے مسہری کا انتظام کروں گی۔ تم انہیں اپنے کمرے میں سُلا لینا۔ میں عمارت کے نگران پجاری سے

۔۔۔دوں گی۔ ان کے یہاں رہنے پر کوئی اعتراض نہ کرے گا اور سنو کشتا!

راجی کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔ کیوں کہ جنید قریب آگیا تھا۔ جب وہ ان کے پاس ۔۔۔ تو دونوں نے انتہائی سہانے انداز میں ہاتھ جوڑ کر اسے پرنام کیا۔ پھر کشتا نے دروازے ۔۔۔ ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا۔ "آپ اندر آجائیں۔"

جنید نے ایک گہری نگاہ کشتا پہ ڈالی۔ پھر غور سے اس نے راجی کی طرف دیکھا اور ۔۔۔ ے میں داخل ہوا۔ کشتا نے راجی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جنید سے کہا۔ "اس کا نام راجی ہے۔ یہ میری بہن بنی ہوئی ہے۔ بہت اچھی لڑکی ہے۔ میرا بہت خیال رکھتی ہے۔ جنید راجی سے کچھ کہنے والا تھا کہ راجی نے باہر بھاگتے ہوئے کہا۔ "تم انہیں بٹھاؤ، میں کھانے کا بندوبست کرتی ہوں۔"

جنید کو اپنے کمرے میں دیکھ کر کشتا کی آنکھوں میں خوشی سے رت جگوں کا سا خمار اور سبز پتوں کا سا رس آگیا تھا۔ وہ تصورات کے جزیروں اور سورج ڈوبنے کے منظر جیسی پُرکشش و پُرفشاں ہو گئی تھی۔ جنید کے آجانے سے اس کے تن کے گوشۂ احساس میں ساری خوشیاں، ساری رعنائیاں جو بھر گئی تھیں۔ پھر اس نے مسہری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شیشے کے جام ٹکرانے جیسی اپنی خوش کن آواز میں کہا۔ "آپ بیٹھیں نا۔"

جنید مسہری پر بیٹھ گیا اور اپنی گردن جھکاتے ہوئے اس نے دُکھ سے کہا۔ "میں تمہاری بستی میں گیا تھا۔ وہاں تمہارے ہمسائے برہما داس سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ اسی نے مجھے تمہارے سارے حالات بتائے اور اس طرف میری راہنمائی کی۔ کشتا! کشتا! مجھے تمہارے بابا اور بھائی کے مرنے کا دکھ اور ملال ہے۔ کاش میں ان دونوں کو بچا سکتا۔ کاش اذیت ۔۔۔ بازار کے اس موقع پر میں ان کی کوئی مدد ہی کر سکتا۔" جنید خاموش ہو گیا۔ کشتا بے چاری اس کے سامنے کھڑی سسک سسک کر رونے لگی تھی۔

جنید نے کہا۔ "کشتا! کشتا! خدا کو ایسا ہی منظور تھا۔ صبر کرو اور سنو! میں تمہیں ایک اچھی خبر دیتا ہوں۔ پر پہلے تم بیٹھ جاؤ۔ کھڑی کیوں ہو۔"

جنید کے کہنے پر کشتا نے اپنے آنسو پونچھ کر اپنے آپ کو سنبھالا۔ پھر وہ آتش دان

کے پاس بچھی چونسی کی چادر پر بیٹھ گئی۔ جنید نے اپنے کندھے پر لٹکتی چمڑے کی بڑی خرجین اُتار کر پلنگ پر رکھ دی اور پھر اس نے کشتا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے باپ اور بھائی کا انتقام لینے کے لیے اگر سین کی بستی سندرا بھی گیا تھا۔"

کشتا نے چونک کر پوچھا۔ "پھر؟"

جنید کہہ رہا تھا۔ "میں نے اس کے گھر پر جب دستک دی تو اس کے باپ نے مجھے بتایا کہ وہ پانچوں بھائی کھیتوں میں کام کرنے باہر گئے ہوئے ہیں۔ ان کے بارے معلوم کر کے میں بھی ان کے پیچھے گیا۔ وہ چاروں بھائی چارے کے لیے گندم کے کھیت سے سرسوں نکال رہے تھے۔ میں نے ان پر حملہ کر دیا۔ اگر سین پہلے ہی حملے میں مارا گیا۔ اس کے تین بھائیوں نے اپنی تلواریں سونت کر کچھ مزاحمت کی لیکن میں نے ان کو بھی کاٹ دیا۔ ہاں جس وقت میں ان تینوں کے ساتھ مصروف تھا تو اگر سین کا چوتھا بھائی جس کا نام نرلش ہے اپنی جان بچا کر بھاگ گیا۔"

کشتا نے کہا۔ "میں آپ کی ممنون ہوں آپ نے اُن سے ہمارا انتقام لیا۔"

جنید نے کہا۔ "اب جب کہ اگر سین اور اس کے بھائی مارے گئے ہیں کیا تم واپس جا کر اپنی بستی میں نہ رہو گی؟"

کشتا نے کپکپاتی بے بس سی آواز میں کہا۔ "وہاں جا کر میں کس کے پاس رہوں گی کیا کروں گی، کس طرح گزارہ کروں گی؟"

جنید نے کہا۔ "تم فکر مند کیوں ہوتی ہو۔ تمہارے سارے اخراجات میں پورے کروں گا۔"

کشتا نے کہا۔ "پر آپ تو اپنے لشکر میں ہوں گے میں بستی میں اکیلی کیسے رہ سکوں گی اور پھر اگر سین کا ایک بھائی ابھی زندہ ہے وہ وقتی طور پر آپ سے ڈر کر بھاگ گیا تھا لیکن کسی بھی وقت مجھ سے انتقام بھی لے سکتا ہے۔"

جنید نے کہا۔ "میں یہاں سے واپسی پر اگر سین کے آخری بھائی نرلش کا بھی پتہ کرتا جاؤں گا۔ اگر وہ گھر آ گیا تو میں اسے بھی ٹھکانے لگاتا جاؤں گا۔ میں تو سمجھتا ہوں

کے بعد تمہاری بستی تمہارے لیے محفوظ ہو گی۔"

کشتا نے کہا۔ "نہیں میں اب وہاں نہ جاؤں گی، وہاں میرا اب کون ہے۔ ماں باپ مارے گئے۔ وہاں مجھے تنہا دیکھ کر ہر کوئی میری عصمت اور آبرو کا دشمن ہو جائے گا۔ میں یہیں اس مندر میں رہوں گی۔ یہاں میں محفوظ ہوں اور مندر میں کام کرنے والے پجاری اور دیوداسیاں بھی مجھ سے مانوس ہو گئی ہیں اور سب میری عزت کرتے ہیں۔"

جنید نے کہا۔ "میں تو اسی نیت سے آیا تھا کہ تمہیں واپس تمہاری بستی میں لے جاؤں گا لیکن تم اگر اپنے آپ کو یہاں خوش اور محفوظ خیال کرتی ہو تو یہیں رہو، میں چلتا ہوں۔"

کشتا نے دکھ، تکلیف اور ایک اذیت و رنجوری میں روتی آواز میں زور دے کر کہا۔ "کیا کہا آپ نے؟"

جنید نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہا۔ "میں نے کہا ہے کہ میں اب چلتا ہوں۔ اس عمارت میں سب پجاری اور دیوداسیاں ہی نظر آتی ہیں۔ شاید وہ میرے دیر یہاں رکنے پر اعتراض کریں۔"

کشتا نے منہ بسورنے کے انداز میں کہا۔ "کوئی بھی آپ کے یہاں رکنے پر اعتراض نہ کرے گا۔ آپ رات یہیں رہیں گے۔ اس وقت میں آپ کو یہاں سے رخصت نہ ہونے دوں گی۔ آپ کے پاس اس جنگی لباس کے علاوہ اور بھی کپڑے ہیں یا میں کوئی انتظام کروں؟"

جنید نے مسہری پر رکھی اپنی چرمی خرجین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میرے اس خرجین میں کپڑوں کے دو فالتو جوڑے ہیں۔ میرے لیے تمہیں کسی سے کپڑے مانگنے نہیں پڑیں گے۔"

کشتا نے اُٹھ کر باہر نکلتے ہوئے کہا۔ "میں تھوڑی دیر تک آتی ہوں۔ میرے آنے تک آپ کپڑے بدل لیں۔"

جنید اٹھا اپنا جنگی لباس اُتار کر اس نے دیوار سے لگی کھونٹی پر لٹکا دیا اور دوسرے کپڑے اس نے پہن لیے۔ پھر وہ فرش پر بچھی چونسی کی چادر پر بیٹھ گیا اور آتش دان میں جلتی

آگ پر ہاتھ پھیلا کر اپنے آپ کو گرم کرنے لگا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کشتا کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ آتش دان کے پاس آئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چلمچی تھی۔ اس نے مسکرا کر جنید کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "میں نے پانی گرم کر رکھا ہے کیا آپ نہائیں گے"۔

جنید نے کہا۔ "پانی اگر گرم ہے تو پھر میں ضرور نہا لوں گا"۔

کشتا نے چلمچی وہیں رکھ دی۔ شاید وہ جنید کا ہاتھ منہ دھلوانے کو چلمچی لائی تھی۔ پھر اس نے اپنے بستر کے تکیے تلے تہ کر کے رکھا ہوا ایک انگوچھا نکالا اور جنید سے کہا۔ "آپ میرے ساتھ آئیں۔ جب وہ گاگر اٹھانے لگی تو جنید نے پوچھا۔ "اس میں کیا پانی گرم کر رکھا ہے"۔

کشتا نے کہا۔ "ہاں"۔

جنید نے آگے بڑھ کر اس سے گاگر لیتے ہوئے کہا۔ "تم چھوڑ دو اسے میں اٹھاتا ہوں۔ تم صرف غسل خانے تک میری راہنمائی کرو۔

کمرے سے بالکل سامنے غسل خانے تھے۔ ایک غسل خانے میں کشتا نے انگوچھا رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ نہا لیں اتنی دیر تک میں آپ کے لیے کھانا لگواتی ہوں۔ پانی زیادہ گرم ہے اس میں اور ٹھنڈا پانی ملا لیں"۔

غسل خانے میں پڑی ہوئی تین بالٹیوں میں سے ایک میں کشتا نے گاگر سے کچھ گرم پانی ڈالا۔ اس میں دوسری بالٹیوں سے کچھ ٹھنڈا پانی ملا کر اس نے کہا۔ "اس سے میں اور راجی ہاتھ منہ دھو لیں گی"۔ کشتا باہر نکل گئی اور جنید دروازہ بند کر کے نہانے لگا۔

نہا کر جب جنید دوبارہ کمرے میں آیا تو اس نے دیکھا آتش دان کے پاس بچھی چونسی کی چادر پر کشتا اور راجی ہاتھ منہ دھو کر اور کھانا لگا کر بیٹھی ہوئی تھیں۔

کشتا نے پوچھا۔ "آپ کے لیے کھانا چادر پر ہی رہنے دوں یا مسہری پر لگا دوں"

جنید نے پوچھا۔ "کیا تم دونوں نہیں کھاؤ گی"۔

کشتا نے کہا۔ "آپ کھا لیں پھر بعد میں ہم بھی کھا لیں گی"۔

جنید نے کہا۔ "نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ کھانا چادر پر ہی لگا رہنے دو۔ وہیں

بیٹھ کر کھاتے ہیں"۔ کشتا اور راجی کے سامنے جنید چادر پر بیٹھ گیا اور تینوں کھانا کھانے لگے تھے۔

کھانے کے بعد انگوچھے سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے جنید نے کہا۔ "میں اس شرط پر یہاں رکتا ہوں کہ صبح اندھیرے منہ ہی میں یہاں سے کوچ کر جاؤں گا اور تم میرے رکنے پر نہ کرو گی"۔

اپنی آنکھوں میں ہزاروں آرزوئیں، آشائیں اور توقعات لیے کشتا نے پوچھا۔ "آپ کو یہاں سے جانے کی جلدی کیا ہے"۔

جنید نے کہا۔ "تمہیں معلوم ہے میں بنیادی طور پر ایک سپاہی ہوں جس پر کچھ ذمہ داریاں بھی عاید ہوتی ہیں۔ میں بابر سے صرف ایک دو روز کے لیے پوچھ کر آیا تھا۔ اگر دیر کی تو وہ میرا انتظار کرے گا"۔

کشتا بے چاری محزون و ملول ہو گئی۔ ظاہری طور پر اس نے اپنا بھرم قائم رکھا ہوا تھا اور خوش و مطمئن دکھائی دیتی تھی لیکن اندر ہی اندر ہزاروں سلگتی ساعتوں، گہرے جمود اور ویران تموج کا شکار تھی۔ انتہائی دکھ اور آزردگی میں کشتا نے کہا۔ "اگر آپ کا صبح جانا ضروری ہے تو میں آپ کو نہ روکوں گی"۔

تھوڑی دیر تک وہ آتش دان کے پاس بیٹھ کر اپنے اپنے ماضی پر گفتگو کرتے رہے۔ راجی باہر جا کر ایک مسہری اٹھا لائی اور اس پر بھی بستر لگا دیا۔ پھر ایک مسہری پر جنید اور دوسری مسہری پر کشتا اور راجی سو گئے تھے۔

رات کے پچھلے حصے میں جنید اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے دیکھا راجی گہری نیند سوئی ہوئی تھیں۔ رات لمحہ لمحہ اور دھیرے دھیرے پگھلتی موم بتی کی طرح ختم ہو رہی تھی اور صبح ہونے والی تھی۔ کیوں کہ سبز چولوں سے محروم خزاں زدہ درختوں کے پیلے اور مرجھائے ہوئے پتوں کے اندر دبکے طیور اب کہیں کہیں اپنی اپنی بولیوں میں آمد سحر کی آگاہی کر رہے تھے

اس نے ادھر ادھر دیکھا کشتا وہاں نہ تھی۔ وہ اٹھا، دروازہ کھول کر باہر آیا اور طہارت خانے میں جا کر وہ منہ ہاتھ دھو آیا۔ واپس کمرے میں آ کر اس نے اپنا

جنگی لباس پہن لیا اور دوسرا لباس اس نے تہ کر کے اپنی چرمی خرجین میں ڈال لیا تھا۔ دوبارہ وہ مسہری پر بیٹھ کر کشتا کا انتظار کرنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کشتا کمرے میں داخل ہوئی تو جنید نے پوچھا۔ "تم کہاں چلی گئی تھی؟"

کشتا نے کہا۔ آپ کے لیے کھانا اور زادِ راہ تیار کیا ہے۔ ایک پجارن کو بھیج کر میں نے آپ کا گھوڑا اصطبل سے یہاں منگوا لیا ہے۔ پجاری نے اس پر زین کس دی ہے۔ اور اسے اس عمارت کے سامنے باندھ کر اسے خوراک کا توبڑا بھی چڑھا دیا ہے آپ کے گھوڑے کی زین کے ساتھ جو چمڑے کی ایک خرجین بندھی ہے اس میں آپ کے لیے میں نے زادِ راہ ڈال دیا ہے اور پانی کا مشکیزہ بھی بھر کر زین سے باندھ دیا ہے۔"

جنید نے مسہری سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اچھا پھر میں اب چلتا ہوں۔"

کشتا نے روتی بین کرتی آواز میں پوچھا۔ "کھانا نہیں کھائیں گے۔"

جنید نے کہا۔ "اس وقت بھوک نہیں ہے۔ جو کھانا تم نے میرے گھوڑے کی خرجین میں ڈال دیا ہے۔ وہی کافی ہے۔"

کشتا خاموش رہی۔ دونوں کمرے سے نکل کر عمارت سے باہر آئے۔ وہاں بندھا ہوا اپنا گھوڑا جنید نے کھولا۔ پھر اپنے کندھے پر لٹکتی خرجین اس نے زین سے باندھ کر اس میں سے ایک چھوٹی سی تھیلی نکالی جس میں سنہری سکے تھے وہ تھیلی اس نے کشتا کو تھماتے ہوئے کہا۔ "کشتا! یہ رکھ لو تمہیں ضرورت پڑے گی۔"

کشتا نے تکلف سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "آپ رکھیں، مجھے کیا ضرورت پڑے گی"

جنید نے اسے تھیلی زبردستی تھما دی۔ کشتا نے کپکپاتی آواز میں پوچھا۔ "آپ پھر کب آئیں گے؟"

جنید نے کہا۔ "میں بہت جلد آؤں گا اور تمہارے رہنے کے لیے کوئی محفوظ اور مستقل بندوبست کروں گا" پھر اس نے ایک الوداعی نگاہ کشتا پر ڈالی۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور وہاں سے کوچ کر گیا تھا۔

○

اپنے لشکر کی طرف واپس جاتے جاتے جنید شاید اگر سین کے آخری بھائی نریش سے ...ی لینا چاہتا تھا جو اسے دیکھ کر کھیت سے بھاگ گیا تھا۔ اس بنا پر جنید نے اس ...ست رفتاری سے سفر کیا کہ وہ عشاء کی نماز جنگل میں پڑھنے کے بعد اگر سین کی ...ی سندرا میں داخل ہوا۔ اپنا گھوڑا اس نے اگر سین کے مکان سے باہر روکا۔ نیچے اترا ...س نے دیکھا مکان کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ وہ دیوار پھاند کر اندر گیا اور اپنی تلوار ...ل سنبھال کر آگے بڑھا۔

ایک کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ جنید بے محابا اس میں داخل ہوا۔ کمرے ...ھیت سے بھاگ جانے والا نریش موجود تھا۔ اس کے علاوہ کمرے میں پندرہ سے ...ر سترہ برس تک کے تین لڑکے، ایک بوڑھا، ایک بڑھیا اور ایک جوان اور ...ب صورت لڑکی تھی۔

جنید کو دیکھتے ہی وہ سب بدحواسی میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ جنید نے اپنی تلوار ...ن کی طرف لہراتے ہوئے کہا۔ "کیا تمہارا نام ہی نریش ہے نا"۔

اس نے کانپتے ہوئے کہا۔ "ہاں، میں ہی نریش ہوں۔"

جنید نے کہا۔ "کھیت سے تو بھاگ گئے تھے۔ اب بھاگ کر کہاں جاؤ گے"۔

اچانک نریش آگے بڑھا اور جنید کے پاؤں پر گرتے ہوئے اس نے کہا۔ "مجھے ...نا کر دیں مہاراج! میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں آئندہ کبھی بھی ایسے کام میں شرکت نہ ...ل گا جس سے کسی کی دل آزاری ہو۔ آپ کمرے میں کھڑے میرے ماں باپ، بہن اور ...یوں کی کم روشی اور بے گناہی کی خاطر ہی مجھے چھوڑ دیں اور معاف کر دیں"۔

جس لڑکی کی طرف اشارہ کر کے نریش نے بہن کہا تھا اسی وقت وہاں سے ...ادر ساتھ والے کمرے میں چلی گئی۔

اپنے پاؤں پر گرے نریش کی طرف رحم اور نرمی سے دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ "گو ...ہارل بھائی دھرم وصت اور ببراج کے قاتل ہو لیکن تم گڑگڑا کر معافی مانگ رہے ...ر آئندہ کے لیے تائب ہوتے۔ تو میں تمہیں ان بوڑھے ماں باپ کی خدمت کرنے

کے لیے معاف کرتا ہوں لیکن آئندہ تم نے اگر ایسے کسی فعل میں دوبارہ حصہ لیا تو یاد رکھو میرے انتقام سے بچ نہ سکو گے۔"

نریش نے کہا۔ "آپ مطمئن رہیں مہاراج! میں آپ کو شکایت کا موقع ہی نہ دوں گا۔ میں سمجھتا تھا آپ کٹر، کھردرے اور کرخت انسان ہوں گے لیکن آپ تو نرم اور رحم دل ہیں۔ کاش میرے بھائی بھی کھیت میں آپ سے معافی مانگ کر اپنی اپنی جانیں بچا لیتے۔ یہ ساری غلطیاں میرے بھائی اگرسین کے باعث ہوئیں۔ وہ جنگ اور دنگے فساد کا شوقین تھا۔"

جنید نے کہا۔ "جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا، اپنے بوڑھے ماں باپ کی خدمت کرو اور ان کی دعائیں لو۔"

جنید جب مڑ کر باہر جانے لگا تو اچانک ساتھ والے کمرے سے نریش کی جواں اور خوب صورت بہن کیسو بھاگتی ہوئی نکلی۔ اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر نریش اور اس کے ماں باپ خوف سے لرز کانپ گئے تھے۔

کیسو نے اپنی تلوار لہرائی اور جنید کی گردن کو ہدف بناتے ہوئے اس نے جب تلوار گرائی تو جنید اچانک بجلی کے کوندے کی طرح مڑا، کیسو کی تلوار کو اس نے اپنی ڈھال پر روکا اور غصے میں اس نے کیسو کا تلوار والا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "جس وقت تم دوسرے کمرے میں گئی تھی، تمہارے متعلق مجھے اسی وقت شک ہوا تھا۔ لہٰذا میں محتاط تھا۔ اگر یہ حرکت نریش کرتا تو میں اس کی گردن کاٹ دیتا۔ تم عورت ذات ہو تمہیں میں کیا کہوں؟"

کیسو سے تلوار چھین کر جنید نے اسی کمرے میں پھینک دی جس سے وہ تلوار سونت کر نکلی تھی۔ پھر ایک جھٹکے کے ساتھ اس نے کیسو کا بازو چھوڑتے ہوئے کہا۔ "جاؤ نریش کی طرح میں نے تمہیں بھی معاف کیا۔" جنید کمرے سے نکلا، بیرونی دروازہ کھول کر وہ باہر میں آیا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر وہ وہاں سے اپنے لشکر کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

تیمور، سیرک اور مہر نگار ایک روز اخسی شہر کے قریب جا پہنچے تھے۔ وہ اس ...پر سفر کرتے آئے تھے جو لاہور سے بھیرہ، وہاں سے کوہ سلیمان، غزنی، کابل، ...ترمز، دربند، سمرقند اور خجند شہروں سے گزرتا ہوا اخسی شہر کی طرف چلا گیا تھا ...ہاں سے آگے وہ کوہستان سفید کے دروں سے گزرتا ہوا شمال مشرق کی طرف چلا ...تا۔

تیمور، سیرک اور مہر نگار اب اخسی شہر سے صرف چار فرلانگ کے فاصلے پر ...آج کئی دنوں کی برف باری کے باعث فضاؤں میں میٹھی اور خوشگوار دھوپ ...تھی۔ برف کے سفید فرغل پہنے کوہستانی چوٹیاں دھوپ میں چمک رہی تھیں۔ ...سے ڈھکی چھوٹی چھوٹی چٹانیں اِدھر اُدھر بکھرے مرقد جیسی لگ رہی تھیں۔ ...مرغ اور پہاڑی بکرے رزق کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تھے۔

برف باری رک جانے کے باعث، قاقم و مغلئی ٹوپیاں، خطائی اطلس کے ...لے پشمینے کے لباس پہنے اونی کپڑوں اور کمبلوں کے تاجر اس قدیم اور اساطیری ...ئی شاہراہ پر رواں دواں ہو گئے تھے۔ برف باری کے بعد دھوپ نکلنے سے

موسم ایسا نکھرا نکھرا ہو گیا تھا۔ جیسے کمسن زمین اور بوڑھا آسمان گلے مل رہے ہوں، یا کوئی مہ جبین سپنوں کی رنگین بارش میں رقص کناں ہو گئی ہو۔ دھوپ تیز ہو جانے کے باعث چشموں اور برف کا پانی کوہستانوں کی نیلی نیلی رگوں میں بہہ نکلا تھا۔

ایک دم تیمور نے خوشیوں سے سرشار بلند آواز میں اپنی بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔" سیرک! سیرک! ادھر دیکھو! ہماری منزل آگئی۔ وہ سامنے اخسی شہر دکھائی دے رہا ہے۔"

سیرک نے دیکھا ذرا فاصلے پر مسجدوں کے کلس و مینار کے علاوہ پتلے نیلے میناروں کے درمیان کاشانی چوکور گنبد بھی دکھائی دے رہے تھے۔ سیرک کی ماں نے کہا۔

"شکر ہے ہم پہنچے تو۔ شدید برف باری نے ہمارے اس سفر کو بڑا طویل کر دیا تھا اور سچ بات ہے۔ میں تو اب اس سفر سے تنگ آگئی تھی۔ آج کئی دن بعد دھوپ نکلی ہے تو لگتا ہے ایک عرصے بعد اس سرزمین کی ہتھیلی روشن ہوئی ہو۔"

تیمور نے کہا۔" اب تو ہم پہنچ ہی گئے ہیں۔ میرے گھر والے آپ دونوں کو میرے ساتھ ساتھ دیکھ کر بڑے خوش ہوں گے۔"

جواب میں سیرک اور اس کی ماں ایک دوسری کی طرف دیکھ کر ہلکے ہلکے مسکرا رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ اخسی شہر میں داخل ہوئے اور تیمور نے اپنے گھر کے دروازے پر دستک دی۔ چند ہی ثانیوں بعد تیمور کی پھوپھی بولائی نے دروازہ کھولا۔ وہ ایک ڈیڑھ دو سال کا بچہ بھی اٹھائے ہوئے تھی۔

تیمور کو دیکھتے ہی بولائی نے آگے بڑھ کر تیمور کو اپنے ساتھ لپٹا لیا اور اس کی پیشانی چومنے لگی۔ پھر تیمور نے بولائی سے کہا۔" پھوپھی! یہ میری بیوی سیرک اور اس کی ماں مہر نگار ہیں۔ ادھر روانگی سے دو روز قبل وہاں آگرہ شہر ہی میں نے شادی کر لی تھی۔"

بولائی آگے بڑھ کر سیرک اور مہر نگار کے ساتھ بڑے تپاک سے ملی اور کہا۔

"…ام بولائی ہے۔ میں تیمور کی پھوپھی اور جنید کی خالہ ہوں"

پھر بولائی نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔" تیمور! میرے بیٹے! جنید … ہے۔"

تیمور نے کہا۔" پھوپھی! وہ میرے ساتھ نہیں آیا۔ اس نے مجھ اکیلے کو … دیا ہے۔ پھوپھی! اب وہ بابر کے ہراول کا جرنیل ہے۔ وہ بہت مصروف ہے … سے فراغت بہت کم ملتی ہے۔"

پھر بولائی مڑی اور حویلی کی طرف منہ کرتے ہوئے اس نے کہا۔" منصور! … ان! بھاگ کر آؤ۔ دیکھو کون آیا ہے۔"

بولائی نے جو بچہ اٹھایا ہوا تھا اس کی طرف تیمور نے اشارہ کرتے ہوئے پوچھا … ھی! یہ بچہ بڑا خوب صورت اور توانا ہے، یہ کس کا ہے۔"

بولائی نے کہا۔" یہ منصور اور سیمون کا بیٹا، تیرا بھتیجا اور جنید کا بھانجا ہے۔"

تیمور نے لپک کر لے لیا اور اسے بری طرح پیار کرنے لگا۔

بولائی نے کہا۔" چلو تم لوگ اندر آؤ باہر کیوں کھڑے ہو گئے ہو۔" تیمور بچے … لئے سیرک اور مہر نگار کے ساتھ حویلی میں داخل ہوا۔ اتنی دیر تک منصور اور … بھی بھاگتے ہوئے آگئے۔

منصور بھاگ کر تیمور سے گلے مل گیا تھا۔ بولائی نے ان دونوں کو مخاطب … ہوئے کہا۔" یہ تیمور کی بیوی سیرک اور اس کی ماں مہر نگار ہیں۔"

منصور تینوں گھوڑوں کو پکڑ کر اصطبل کی طرف لے گیا۔ بولائی اور سیمون … ان کو حویلی کے اندر لے جا رہی تھیں۔

تیمور، سیرک اور مہر نگار جب حویلی کے اندر آگے بڑھے تو انہوں نے دیکھا کہ … ایک وسیع حصے میں ٹاٹ بچھا کر ان پر خشک خوبانیاں پھیلا رکھی تھیں اور … کی دیوار کے ساتھ سائے میں تازہ انار، سیب، اخروٹ اور بادام کی بوریاں بھری … میں۔ قریب ہی ایک بڑے ٹاٹ پر گدے بچھا کر ان پر چادریں ڈالی ہوئی تھیں۔

اور وہاں ان گدوں پر دھوپ میں بوڑھا شیرم طغائی، میرم، سیدم اور یورش بیٹھے ہوئے تھے۔ تیمور کو دیکھ کر وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے اور باری باری اسے گلے لگ کر ملے۔ بولائی نے سیرک اور مہرنگار کا سب سے تعارف کرایا۔

سب سے پہلے سیدم خوب گلے لگا کر سیرک اور اس کی ماں سے ملی پھر یورش میرم نے اٹھ کر سیرک کے سر پہ پیار سے ہاتھ پھیرا اور بوڑھے جرنیل شیرم طغائی نے دونوں ماں بیٹی کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرا۔ پھر شیرم طغائی نے سیمون کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اندر سے کوئی پلنگ اٹھا لاؤ بیٹی! اور یہاں دھوپ میں بچھا لا دونوں ماں بیٹی کے لیے ان پہ گدے چادریں ڈال دو۔"

مہرنگار نے فوراً سیمون کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا "رہنے دو بیٹی! کوئی ضرورت نہ ہم سب کے ساتھ فرش پر بچھے ان گدوں پر ہی بیٹھیں گی۔"

تیمور، سیرک اور مہرنگار جوتے اتار کر ان گدوں پر بیٹھ گئیں۔ اتنی دیر تک منصور بھی گھوڑے اصطبل میں باندھ آیا۔ وہ اور سیمون بھی وہاں گدوں پر بیٹھ گئے تیمور نے گود میں اٹھائے منصور کے بچے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شیرم طغائی نے پوچھا۔ "اس بدمعاش کا نام کیا رکھا ہے دادا یہ تو بہت تیز اور ہوشیار لگتا ہے"

شیرم طغائی نے کہا۔ "تیرے باپ نے اس کا نام سمر بیگ رکھا ہے اللہ سب نے مل کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ اب اس خاندان میں منصور، جلید تمہارا کوئی ہوا تو اس کا نام اللہ ویردی رکھا جائے گا۔"

اچانک بوڑھا شیرم طغائی رکا پھر اس نے تیمور سے پوچھا۔ "کیا بات میرا بیٹا جنید تمہارے ساتھ نہیں وہ کہاں رہ گیا۔"

تیمور نے کہا "دادا! وہ نہیں آیا۔ وہ بہت مصروف ہے۔ اس بے چار کے پاس اتنی فرصت نہ تھی کہ میرے ساتھ آتا۔ ویسے وہ کہہ رہا تھا۔ کاش! میں بھی تم ساتھ چلتا اور اپنے نانا، ماموں، خالہ، ماں، بہن اور پھوپھی سے ملتا۔

اس بار تیمور کی ماں اور جنید کی پھوپھی نے پوچھا۔ "کیا مصروفیت ہے اس

یا وہ بے زار تو نہیں ہم سے جو وہ گھر نہیں آتا۔ وہ اس گھر کی رونق ہے۔ میرے مرنے والے بھائیوں کی زینت، میرے باپ کی نشانی ہے۔ کاش وہ بھی تمہارے ساتھ آتا۔ میں اسے چومتی اسے پیار کرتی۔ وہ جب یہاں اخسی شہر میں ہوتا ہے تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے میرا باپ اور میرے بھائی زندہ ہو کر میرے ساتھ رہنے لگے ہیں۔ وہ کیوں نہیں آیا۔ اسے آنا چاہیے تھا۔ تم اسے زبردستی ساتھ لائے ہوتے۔

تیمور نے کہا۔ "اے میری ماں! آپ کیسی باتیں کرتی ہیں۔ میں بابر کے لشکر کا ایک معمولی اور گمنام سپاہی ہوں۔ جنید بابر کے لشکر کے ہراول کا جرنیل ہے۔ بخدا وہ جنگ میں بڑے بڑے سورما اور شیر دل جوانوں پر چھا جانے کا فن جانتا ہے۔ سیالکوٹ شہر پر شمالی کوہستانوں کے وحشی حملہ آور ہو کر شہر کی تباہی اور بربادی کا باعث بنتے تھے۔ بابر نے جلید کو ہراول کے ساتھ ان پر حملہ آور ہونے کو بھیجا۔ جنید ان کوہستانی وحشیوں کے دامنوں میں ایسا گھسا جیسے بھوکا بھیڑیا لومڑی کے بھٹ میں گھستا ہے۔ اس نے ان وحشیوں کو تباہ و برباد کر کے ان کے سرکردہ لوگوں کو گرفتار کر کے بابر کے سامنے پیش کر دیا۔

دریائے راوی کے کنارے پنجاب کے حاکم دولت خان اور شمالی علاقوں کے حکمران غازی خان سے جنگ کے دوران بھی اس نے سارے لشکر میں اپنی برتری کا مظاہرہ کیا۔ بابر کے بیٹے ہمایوں کے ساتھ مل کر اس نے دریائے راوی کو پل کے بغیر عبور کیا اور دریا کے اس پار جا کر اس نے دشمن کو گاجر کھیرے کی طرح کاٹتے ہوئے بابر کو اپنے لشکر کے ساتھ دریا عبور کرنے میں آسانی فراہم کی۔

اے میری ماں! یہی نہیں ہندوستان کے حکمران ابراہیم لودھی کے ساتھ جنگ کے دوران بھی اس نے نمایاں کردار ادا کیا۔ ابراہیم کی شکست کے بعد بابر نے اسے آگرہ شہر فتح کرنے کو بھیجا اور اب آگرہ شہر پہ بابر کا قبضہ ہے۔ آگرہ شہر میں ہی جنید کی رضامندی سے میری شادی سیرک سے ہوئی۔

ہندوستان کے سب سے طاقتور راجہ رانا سانگا کے دو جرنیل درمنگت اور خان جہاں نے ایک جرار لشکر کے ساتھ ہندوستان کے وسیع علاقوں میں یلغار کر کے خرابی

ویرانی اور لوٹ کھسوٹ مچا دی تھی۔ ہماری اِدھر روانگی سے قبل بابر نے جنید کو ان دونوں خونخوار جرنیلوں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا اور جب ہم برف باری کے باعث کابل میں رُکے ہوئے تھے تو وہاں تیز رفتار ہرکارے خبر لائے کہ جنید نے رات کے وقت اس شہر پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا ہے جسے درمنگت اور خان جہاں نے فتح کر لیا تھا اور ایک کھلی وادی میں اس نے درمنگت اور خان جہاں کے لشکر پر حملہ کیا اور ان کے لشکر کا مکمل طور پر خاتمہ کر کے اس نے درمنگت اور خان جہاں دونوں جرنیلوں کو گرفتار کر لیا۔

اے میری ماں! جنید ہم سے بیزار نہیں۔ وہ ہم سب سے دیوانگی کی حد تک محبت کرتا ہے۔ بس وہ مصروف ہے۔ بابر اس پہ اندھا اعتماد کرتا ہے اور اپنی ہر مشکل اس سے حل کراتا ہے۔ وہ ایک بہترین بھائی، ایک سعادت مند بیٹا، ایک پُرخلوص ہمدم ایک خدمت گزار بھتیجا اور ایک فرمانبردار بھانجہ ہے۔ بخدا وہ جب بھی میرے، سیرک یا اس کے باپ علی تلی کے پاس بیٹھتا تھا، اپنے نانا کی شفقت، ماموں کے پیار، ماں کی محبت، پھوپھی کی چاہت، خالہ کے خلوص، بہن کے ایثار اور بھائیوں کی وفاداری کی ہی تعریف کرتا رہتا تھا۔

اچانک تیمور کہتے کہتے رک گیا۔ اس نے دیکھا بوڑھے شیرم طغائی کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو گر رہے تھے اور اس کے ساتھ بیٹھی اس کی بیٹی اور جنید کی ماں سیدم بھی روتی ہوئی بڑی مشکل سے اپنی ہچکیوں کو روک رہی تھی۔

تیمور اُٹھ کھڑا ہوا اور سیدم کے پاؤں پکڑتے ہوئے اس نے کہا۔ "آپ رو رہی ہیں پھوپھی! آپ کو اپنے بیٹے پر فخر ہونا چاہیے۔ اس کی تعریف پر خوش ہونا چاہیے۔ بخدا مجھے اپنی ذات پر فخر ہے کہ میں جنید کا بھائی ہوں۔ وہ بڑے بڑے طوفانوں، مغرور و سرکش جوانوں، سوختہ جاں لمحوں، کالے مردہ پہاڑوں، سمندروں کی تہوں اور وقت کی دھول کو سر کر جانے والا جوان ہے۔

اے میری پھوپھی! کیا آپ کو اپنے بیٹے پر فخر نہیں ہے۔ اس موقع پر سیمون بھی رو پڑی تھی اور بولائی اسے اپنے ساتھ لپٹا کر تسلی دینے لگی تھی۔ بوڑھے شیرم طغائی نے جو

مالکہ اس کے پاس بیٹھی اس کی عزیزہ بیٹی رو رہی ہے تو وہ بے چارہ پگھل کر رہ گیا۔

پھر شیرم طغائی نے سیدم کا سر اپنی چھاتی سے لگا لیا اور پیار سے پوچھا "تم رو رہی ہو بیٹی!"

آنسوؤں میں بھیگی مسکراہٹ میں سیدم نے کہا۔ "اے میرے باپ! یہ آنسو تو خوشی کے آنسو ہیں۔ جنید بالکل اپنے باپ جیسا نکلا ہے بلکہ اس سے زیادہ جگر دار اور بیباک ہے۔ اے میرے باپ مجھے فخر ہے کہ میں سمر بیگ کی بیوی اور جنید کی ماں ہوں"۔

اس موقع پر بولائی، سیمون کو ساتھ لیتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے کہا "آپ لوگ بیٹھیں۔ تیمور، سیرک اور مہرنگار خاتون کے لیے میں اور سیمون کھانا تیار کرتی ہیں"۔ پھر بولائی سیمون کے ساتھ مطبخ کی طرف چلی گئی تھی۔

شیرم طغائی نے اس بار موضوع بدلتے ہوئے تیمور سے پوچھا۔ "کیا تمہاری طرح جنید نے بھی شادی کر لی ہے"۔

تیمور نے کہا۔ "نہیں دادا! اس نے ابھی شادی نہیں کی۔ اس نے آگرہ شہر میں ت ہونے سے پہلے مجھے کہا تھا کہ نانا اب بوڑھے ہو چکے ہیں۔ ان سے زیادہ کام نہیں ماموں سے بھی زیادہ کام نہ ہوتا ہو گا۔ سارا کام اکیلے منصور بھائی کو کرنا پڑ رہا ہو گا۔ اگر نانا اجازت دیں تو تم اور سیرک وہیں رک جانا اور گھر کے کام میں ہاتھ بٹانا"۔

اس بار میرم نے بولتے ہوئے کہا۔ "جنید بہت دردمند بیٹا ہے۔ اس نے ٹھیک کہا ہے، اب تم یہیں رہو گے تیمور! یہاں باغات اور کھیتوں میں کام بڑھ گیا ہے۔ ہم نے اور زمین آباد کر لی ہے اور باغات میں بھی اضافہ کیا ہے۔ اس سال ہمیں پہلے کی نسبت پھلوں سے ڈیڑھ گنا اور کھیتوں سے دوگنا آمدنی ہوئی ہے۔ لہٰذا تمہارا یہاں رکنا ضروری ہے۔ سیرک بھی یہاں باغات اور کھیتوں میں خوش رہے گی۔

دیکھو یہ پھلوں سے بوریاں بھری ہوئی ہیں۔ انہیں سمرقند کا ایک تاجر خرید چکا ہے برف باری کے باعث وہ یہ مال اٹھا نہیں سکا۔ شاید وہ بھی آج آئے۔ منصور اور بے چارے دونوں دن بھر کام کرتے رہتے ہیں۔ بابا سے کام لینا اب ہم نے ترک

کر دیا ہے ۔ انہیں آرام اور خدمت کی ضرورت ہے لیکن منصور ، سیمون اور میرے ساتھ جب سیدم اور بولائی بھی کام کرتی ہیں تو مجھے بہت شرم آتی ہے ۔ میں چاہتا ہوں میری دونوں بہنیں گھر پر رہیں اور صرف اپنے بوڑھے باپ کی خدمت کرتی رہیں ۔ اب تم آگئے ہو تو صرف میں تم اور منصور ہی باغات اور کھیتوں میں کام کریں گے ۔ سیدم، بولائی سیمون اور سیرک گھر پر ہی رہیں گی ۔ اب ہماری آمدنی بھی بڑھ گئی ہے اور اگر ضرورت پڑی تو باغات اور کھیتوں کے لیے دو چار ملازم اور رکھ لیں گے ۔"

اچانک تیمور کو کچھ یاد آگیا اور اس نے چونک کر کہا ۔" میں نے اپنے گھوڑے کی زین سے خرجین تو اتاری ہی نہیں " ۔ اس کے قریب بیٹھے ہوئے منصور نے مسکراتے ہوئے کہا ۔" تم فکر مند نہ ہو ، میں اتار لایا ہوں " پھر اس نے اپنی ران کے نیچے رکھی ہوئی خرجین تیمور کی گود میں رکھتے ہوئے کہا ۔" یہ لو ۔"

تیمور نے خرجین کے اندر سے نقدی کی چھ تھیلیاں نکالیں اور کہا ۔" ان میں دو تھیلیاں میرے حصے کی اور چار بڑی تھیلیاں جنید کے حصے کی ہیں ۔

سب سے بڑی تھیلی بابر نے جنید کو اس وقت انعام میں دی تھی ۔ جب اس نے سیالکوٹ پر حملہ کرنے والے کوہستانی وحشیوں کو تہ تیغ کیا تھا ۔ دوسری بڑی تھیلی اسے اس وقت انعام میں ملی تھی جب اس نے دریائے راوی عبور کر کے پنجاب کے حکمران دولت خان پر جان لیوا حملہ کیا تھا ۔ باقی دو تھیلیاں اس کے مال غنیمت کے حصے کی ہیں ۔"

پھر وہ نقدی کی تھیلیاں اٹھا کر قریب قریب بیٹھے شیرم طغائی اور میرم کے قدموں میں رکھتے ہوئے تیمور نے کہا ۔" یہ تھیلیاں دیتے وقت جنید نے مجھے کہا تھا ۔ کہ نقدی کی یہ تھیلیاں میرے نانا اور ماموں کے قدموں میں ڈال دینا ۔ وہ جیسے چاہیں انہیں خرچ کریں ۔"

میرم نے بھیگی پلکوں اور رقت آمیز آواز میں کہا ۔" یہ میرے اس عزیز بھانجے کی سعادت مندی ہے ۔ خدا کی قسم ! میری بہن سیدم خوش بخت ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اسے ایسا

سعادت مند بیٹا عطا کیا ہے ۔"

اس موقع پر بوڑھے شیرم طغائی نے اپنی بیٹی سیدم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ۔ سیدم ! میری بیٹی ! چونکہ یورت اپنے بجائے تجھے اس گھر کی بڑی قرار دے چکی ہے لہٰذا اٹھ اور ان تھیلیوں کو سنبھال لے ۔"

سیدم ان تھیلیوں کو سمیٹ رہی تھی کہ بیرونی دروازے پر دستک ہوئی ۔ منصور اٹھا اور دروازہ کھول کر اس نے دیکھا ۔ پھر مڑ کر اس نے شیرم طغائی سے کہا ۔" دادا ! سمرقند کے تاجر کے ملازم گھوڑا گاڑیاں لے کر آئے ہیں اور اپنا مال اٹھانا چاہتے ہیں ۔"

شیرم طغائی نے کہا ۔" ذرا رکو بیٹے ! پھر وہ اٹھا اور کہا ۔" یورت ! سیدم ! تم دونوں بہنیں اٹھو اور سیرک اور اس کی ماں کو اندر لے جاکر ان کی تواضع کرو ۔ تاکہ ہم یہ مال اٹھوا لیں ۔"

سیدم اور یورت اٹھیں ، سیرک اور اس کی ماں مہرنگار کو اپنے ساتھ اندر لے گئیں ۔ شیرم طغائی ، میرم ، منصور اور تیمور وہ سینکڑوں بوریاں اٹھوانے لگے تھے جو پھلوں سے بھری دیواروں کے ساتھ ساتھ چھجوں تلے پڑی ہوئی تھیں ۔

O

حسین کنیل ایشور مندر سے ملحقہ ایک خوب صورت اور تین منزلہ عمارت میں اس کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی جو اس کے لیے مخصوص تھا ۔ اس کے سامنے ایک گدی دار نشست پر پنڈت وسرام بیٹھا ہوا تھا اور کنیل کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا ۔

" راجکماری ! یہ انسانی جسم اس کے پچھلے کرموں یا اعمال کے مطابق ملتا ہے ۔ سکھ اور دکھ پانے کے لیے یہی جنم مرن کا سلسلہ ہے ۔ اس زندگی کو گزارنے کے بعد اس جسم کی پھر موت ہوتی ہے اور وہ کسی اور ماں کے بطن میں داخل ہو جاتا ہے ۔ تب دوسری قسم کا جسم باہر آجاتا ہے یہی مسئلہ آواگون ہے جو ہمارے دھرم کی بنیاد اور اساس ہے ۔ ہمیں پوری سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیے کہ جنم مرن اور تبدیلی جسم کے اس لگاتار سلسلے کو کیسے توڑ سکتے ہیں اور جو شخص ایسا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے ۔ وہ نروان پا لیتا ہے اور جنم مرن کی ان کٹھنائیوں

سے مکمل طور پر آزاد ہو جاتا ہے۔

یہی انسانی زندگی کی خصوصیت ہے کہ ہم بار بار تبدیلی جنم مرن کے اس سلسلے کو توڑ سکتے ہیں۔ ہمیں اپنی اصلی اور روحانی شکل پھر مل سکتی ہے اور ہم پورا آنند اُٹھا سکتے ہیں! پورا علم حاصل کر سکتے ہیں اور بقائے دوام پا سکتے ہیں۔ یہی ارتقاء کا مقصد ہے۔ ہمیں اسے کھونا نہیں چاہیئے۔ نجات کا سارا سلسلہ ایسے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ جیسے ہم نے اُس کا الاپنا اور سننا شروع کیا ہو۔

مَیں یہ بھی کہوں کہ خدا کے مقدس نام کو الاپنا ہو تو اسے "ہرے کرشن! ہرے کرشن! ہرے رام! ہرے رام!" پکارنا چاہیئے کیوں کہ یہ ایشور اور خدا کے دس اوتار ہیں۔ وہ عمدہ اور بہترین اوتار ہیں اور اپنی مذہبی کتاب گیتا کو سُننا اور اس کی صداقتوں پر عمل کرنا ایسے ہی ہے جیسے شری کرشن سے جسمانی تعلق ہو گیا ہو اور ——

کنپل نے پنڈت وِسرام کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "پنڈت جی! کیا آپ خدا کی ہستی کو تسلیم کرتے ہیں؟"

پنڈت وسرام نے کہا۔ "ہاں، ضرور کرتا ہوں۔ وہ موجود ہے۔ وہ ایسا دوست ہے جو بار بار ہر جنم میں ہمارے ساتھ رہتا ہے۔ وہ اس بات کا منتظر ہے کہ ہم کب اس کی طرف راغب ہوں۔ وہ ہر شے کا، ہر کسی کا، تمام جاندار ہستیوں کا اصل باپ ہے اور اپنی ذات میں واحد مرکب ہے۔ اس نے انسان کی رہبری اور راہنمائی کے لیے اپنے دس اوتاروں کی صورت میں نزول کیا۔ لہٰذا یہ دس اوتار خدا ہیں۔ ہماری اصل پہچان، پاک رُوح اور یہ تمام روحیں عظیم ترین خداوند کا حصّہ ہیں۔"

کنپل نے کہا۔ "پنڈت وسرام! فرض کرو دو غلام ہوں۔ ایک کے دس آقا ہوں جو ہر وقت آپس میں لڑنے کے علاوہ اس غلام کو بھی گالی گلوچ کرتے ہوں۔ اسے مارتے پیٹتے ہوں اور ہر آقا دوسرے آقا کی ضروریات کو نظر انداز کر کے اس غلام سے صرف اپنا ہی کام کروانا چاہے۔ اور دوسرا جو غلام ہو اس کا ایک ہی آقا ہو اور وہ بھی شفیق ہو، رحیم و غفور اور مہربان و معاف کر دینے والا ہو تو اے پنڈت وسرام! ان دونوں غلاموں میں سے

کون سا غلام اچھا اور بہتر ہو گا۔"

پنڈت وسرام نے جھٹ کہا۔ "دس مالکوں سے ایک آقا کہیں بہتر ہے اور وہ دوسرا غلام خوش قسمت ہے جو صرف اپنے ایک ہی آقا کی خدمت کرتا ہو۔"

کنپل نے جھٹ کہا۔ "تو اے پنڈت وسرام! جب کہ تم تسلیم کرتے ہو کہ دس آقاؤں سے ایک آقا بہتر ہے تو کیا تم یہ تسلیم نہ کرو گے کہ دس خداؤں کی نسبت ایک خدا زیادہ اچھا، بہتر اور مناسب ہے اور پھر وہ واحد خدا بھی ایسا ہی جو زبردست اور قوت رکھنے والا ہونے کے باوجود اپنے بندوں پر مہربان، رحم دل اور عفو و در گزر کرنے والا ہو۔"

پنڈت وسرام نے جھلا کر کہا۔ "جب بھی میں تمہیں دھرم دھیان کی طرف راغب کرتا ہوں تم اس کا دھیان کر کے اپنے مذہب اور دھرم کی اشاعت اور پرچار شروع کر دیتی ہو۔ تم اپنے دھرم کے حق میں ایسی ایسی مثالیں پیش کرتی ہو کہ مَیں خوفزدہ ہونے لگتا ہوں کہ کہیں مَیں اپنے دھرم وِچار سے پھسل ہی نہ جاؤں اس لیے کہ ——"

پنڈت وسرام کی بات کاٹتے ہوئے کنپل نے پھر پوچھا۔ "پنڈت وسرام! تم اور پنڈت دیالال کتنے عرصے سے اکٹھے رہ رہے ہو؟"

پنڈت وسرام نے کہا۔ "یہی کوئی پچھلے دس بارہ سال سے۔"

کنپل نے پوچھا۔ "ان دس بارہ سالوں کے دوران تم میں اور پنڈت دیالال میں کتنی بار جھگڑا، تکرار اور رد و کد ہوئی؟"

پنڈت وسرام نے کہا۔ "اس عرصے کے دوران اَن گنت بار میرے اور دیالال کے درمیان جھڑپا جھڑپی، لے دے اور بحثا بحثی ہوئی۔ ایک بار تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ مَیں نے گوالیار کا وہ راج مندر چھوڑ کر کہیں اَور جا بسنے کا ارادہ کر لیا تھا، پر پنڈت گووند نے سمجھا بجھا کر مجھے وہاں روک لیا تھا۔ اب بھی اکثر میری اور دیالال کی تکرار میں اُلجھن ہو جاتی ہے۔"

کنپل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "سنو وسرام! جب تم دو پنڈت آپس میں اتفاق نہیں رکھتے اور مندر کے معاملات میں تم دونوں کے درمیان تنازعہ اور جھگڑا ہو جاتا ہے۔ تو پھر

دنیا خدا آپس میں کیسے اور کیوں کر اتفاق، اتحاد، یگانگت اور یک جہتی رکھ سکتے ہیں۔
پنڈت وسرام اگر زیادہ خدا ہوتے تو یہ زمین و آسمان کا سلسلہ، یہ چاند، سورج اور ستاروں کا اپنے اپنے برجوں اور راستوں پہ ایک ایک خاص تقویم اور تقلید کے ساتھ گردش کرنا، چاند کا بڑھ کر کبھی بدر کامل ہونا اور کبھی سکڑ کر کھجور کی خشک ٹہنی جیسا ہو جانا، سورج کا سال بھر میں دائیں بائیں اپنے مختلف راستوں پر گردش کرنا۔ بہار کے بعد گرما پھر پت جھڑ اور سرما کا آنا ممکن نہ ہوتا۔ کیوں کہ زیادہ خداؤں میں ضرور آپس میں جھگڑا ہوتا اور ہر کوئی اس نظام کو دوسرے سے مختلف اور اپنے انداز میں چلانے کی کوشش کرتا۔ اس طرح یہ سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا۔

یہ ایک خدا ہی ہے جس نے اس سارے نظام کو ایک نظم ایک ضبط اور ایک تقویم کے تحت کر رکھا ہے۔ وہ واحد اور یکتا و بے مثل ہے جس نے سمندروں کو تابع کیا ہوا ہے سورج، چاند، ستارے اور دیگر اجرام فلکی کو اپنے اپنے کام میں لگا رکھا ہے۔

کیا تم دیکھتے نہیں سورج کی جرأت نہیں کہ چاند کو اپنی طرف کھینچ لے یا اس کے مدار میں داخل ہو کر اس کے نظام کو درہم برہم کرنے کی کوشش کرے۔ چاند میں اس قدر جرأت نہیں کہ اپنا گھٹنا بڑھنا ترک کر دے۔ پس ثابت ہوا کہ خدا ایک واحد، اکیلا، بے مثل و یکتا ہے اور اگر زیادہ خدا ہوتے تو کائنات کا یہ نظام کبھی کا ابتر ہو کر ختم ہو گیا ہوتا۔

پنڈت وسرام! جب ایک بار انسان مر جاتا ہے تو وہ کسی اور ماں کے بطن سے دوبارہ جنم نہیں لیتا بلکہ اس کا جسم اس وقت تک فنا رہے گا جب تک حشر برپا نہ ہو اور خدائے واحد سب کو دوبارہ زندہ نہ کرے اور انسانوں کے اعمال کے تجزیے کے لیے میزان قائم نہ کرے۔ ہاں انسان کی روح زندہ رہتی ہے اور دنیاوی آلائشوں، ہنسی خوشی، غم و دکھ سے اس کا تعلق بھی رہتا ہے۔"

پنڈت وسرام نے برہم ہو کر اٹھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری باتیں میرے اندر انقلاب پیدا کرتی ہیں اور میں اسی طرح اگر تمہاری گفتگو سنتا رہا تو میرا اپنا دھرم ادھیڑ ہو جائے گا۔ آج کے بعد میں نہیں دیا لال تمہارے لیے دھرم دھیان کرنے آیا کرے گا۔"

وسرام غصے میں مڑا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی ایشور مندر کی ایک داسی کنپل کے کمرے میں داخل ہوئی۔ کنپل نے اسے مخاطب کرتے ہوئے پیار سے کہا "آؤ لاکھی! آؤ میری پاس آ کر بیٹھو۔"

لاکھی نام کی وہ دیو داسی آگے بڑھی اور کنپل کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے ہلکے سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "روزمرہ کی طرح آج پھر پنڈت وسرام تمہارے کمرے سے جھلا کر گیا ہے۔ میں باہر کھڑی تم دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا یہاں آتے آتے اس کا اپنا دھرم بھی ادھیڑ ہو جائے گا۔ نہ جانے یہ دھرم کے بیوپاری عورت کو کیا سمجھتے ہیں۔ عورت کو کم از کم دھرم اپنانے اور تقسیم کرنے کی تو آزادی ہونی چاہیے۔

میں تمہاری اور وسرام کی گفتگو روز سنتی ہوں۔ میں تم سے متاثر ہوں۔ مجھے تمہارے مذہب کی باتیں پسند ہیں۔ تم مجھے اپنے مذہب کی تبلیغ کیا کرو۔ میں تمہاری باتیں غور سے سنوں گی اور ان پر عمل بھی کروں گی۔"

کنپل کے ہونٹوں پہ لاکھی کی گفتگو سے مسکراہٹ بکھر گئی تھی اور وہ بڑے ذوق شوق سے لاکھی کو اسلام کے بنیادی اصولوں سے متعلق بتانے لگی تھی۔

○

رانا سانگا کے خلاف فتح حاصل کرنے کے بعد بابر فتح کی خوشی میں میدان جنگ کے اندر ہی اپنے آباء کی روایت کو قائم رکھتے ہوئے دشمن کے سروں کا مینار کھڑا کیا۔ یہاں سے چل کر وہ دو منزل پر بیانہ میں اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہوا اور بیانہ کے علاوہ الور اور میوات میں بھی رانا سانگا جو کچھ چھوڑ کر بھاگا تھا بابر نے اسے ایک جگہ جمع کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ پھر ہمایوں اپنے کچھ بدخشانی ساتھیوں کے ساتھ بابر سے رخصت لے کر بدخشاں کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

جنید بھی کرشنا کی مہم سے فارغ ہو کر اپنے لشکر میں واپس جا چکا تھا۔ چند دن تک بابر نے اپنے لشکریوں کو آرام کرنے کا موقع دیا پھر وہ لشکر کو لے کر اپنی نئی مہم کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

اس نئی مہم کے سلسلے میں بابر نے چار شہروں چندوار، راپری، خیرآباد اور چندیا پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا۔ اس کا لشکر بھی کچھ دن آگرہ میں آرام کر کے تازہ دم ہو لہٰذا بابر نے کوچ کیا۔

ان چاروں شہروں کے حکمران رانا سانگا کے ماتحت تھے اس لیے بابر نے ان قبضہ کر کے اپنی سرحدوں کو محفوظ کرنا ضروری خیال کیا تھا۔ بابر نے یہاں اپنے لشکر نئے سِرے سے تنظیم کی۔ قلب اس نے اپنے پاس رکھا۔ ہراول کا لشکر جنید کو دیا۔ میسرہ پر اپنے جرنیل قوچ بیگ کو اور میمنہ پر عبدالملک قورچی کو کماندار مقرر کیا۔ ان دونوں میں سے قوچ بیگ جنید کے ماتحت ہراول میں کام کرتا رہا تھا اور دوسرا عبدالملک قورچی قلب میں بابر کے ساتھ رہ کر جنگ کی خوب تربیت حاصل کر چکا تھا۔

بابر نے سب سے پہلے چندوار شہر کی طرف کوچ کیا۔ رانا سانگا کی طرف سے قطب خان اس شہر کا حاکم تھا۔ قطب خان کو جب علم ہوا کہ بابر اس کے شہر چندوار کی طرف برق رفتاری سے بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ تو اس نے شہر سے باہر نکل کر بابر کا مقابلہ کرنے کی ٹھانی لیکن اسی دوران اسے رانا سانگا کا پیغام مِلا کہ وہ چندوار شہر کو خالی کر کے راپری شہر چلا جائے اور وہاں کے حاکم حسین خان لوخانی کے ساتھ مل کر بابر کا مقابلہ کرے۔

اس کے علاوہ رانا سانگا نے ایک لشکر اپنی طرف سے بھی روانہ کیا تاکہ وہ راپری شہر سے باہر جمع ہونے والے لشکر میں شامل ہو کر بابر کے عزائم کے خلاف مزاحمت کرے اس کے علاوہ رانا سانگا نے اپنے ایک ماتحت چندیری کے راجہ میدنی راؤ کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی ایک لشکر بابر سے مقابلہ کرنے کے لیے راپری شہر کی طرف روانہ کرے۔ چنانچہ ایک لشکر چندیری کے راجہ میدنی راؤ نے بھی روانہ کر دیا تھا۔

اب بابر کے خلاف راپری شہر سے باہر دریا کے کنارے ایک جرار لشکر جمع ہو گیا تھا۔ یہ دراصل رانا سانگا نے جوا کھیلا تھا۔ اب اس میں خود اتنی قوت اور جرأت تو تھی نہیں کہ وہ بابر کا مقابلہ کرے۔ لہٰذا اس نے مختلف لشکروں کو ملا کر بابر کے سامنے کھڑا کر کے ایک طرح سے ایک داؤ لگایا تھا۔

رانا سانگا کا نظریہ یہ تھا کہ راپری شہر سے باہر ایک متحدہ قوت بابر کے سامنے لائی ...ے۔ اگر بابر کو شکست ہوئی تو چونکہ اس متحدہ لشکر کے سب حاکم اس کے ماتحت ہیں، ...ذا یہ فتح اسی کی فتح تصوّر کی جائے گی اور اگر اس متحدہ لشکر کو بابر کے ہاتھوں شکست ...ئی تو بھی رانا سانگا کا کچھ نہ جائے گا کیوں کہ وہ بذاتِ تو اس لشکر میں شامل نہ ہو گا لہٰذا ...انا سانگا نے ایک طرح سے جوا پر ایک داؤ لگایا تھا لیکن مہربان قدرت پہلے ہی بابر کے ...ق میں بہترین فیصلے کر چکی تھی۔

راپری شہر سے باہر بابر کے خلاف چار لشکر اکٹھے ہوئے، ایک چندوار کے قطب ...خان کا، دوسرا راپری کے حسین خان لوخانی کا، تیسرا رانا سانگا کا اور چوتھا چندیری کے ...دنی راؤ کا۔ اس متحدہ لشکر کا سالار راپری کے حکمران حسین خان لوخانی کو بنایا گیا۔ میمنہ ...ں قطب خان اپنے لشکر میں تھا۔ میسرہ میں رانا سانگا کا لشکر اور میدنی راؤ کے لشکر کو ...محفوظ رکھنے اور بوقتِ ضرورت استعمال کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔

اس متحدہ لشکر کے سالار اور راپری کے حکمران حسین خان لوخانی نے یہ احتیاط ...کی کہ میدنی راؤ کے لشکر میں کچھ دستے اس نے ایسے متعین کیے جو رات کے وقت اپنے ...گھوڑوں پر سوار ہو کر اپنے لشکر کے اِرد گرد میلوں دُور دُور تک پھیل جاتے تھے۔ تاکہ ...بابر اگر ان پر شب خون مارنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کی انہیں بروقت اطلاع مِل سکے لیکن ...نے کوئی شب خون نہ مارا اور چندوار شہر پر قبضہ کر کے اس کے حالات و انتظامات ...درست کرنے کے بعد اس نے راپری شہر کا رُخ کیا اور اپنے لشکر کے ساتھ وہ دُشمن ...کے سامنے آ خیمہ زن ہُوا۔

راپری شہر سے باہر دریا کے کنارے دشمن کے سامنے خیمہ زن ہونے کے بعد ...نے اپنے لشکر کے ساتھ ایک دن اور ایک رات آرام کیا اور دوسرے دن اس نے ...لشکر کی صفیں درست کیں۔ دوسری طرف دشمن بھی اپنی صفیں درست کر چکا تھا۔ بابر کو اس کے جاسوس دشمن کے لشکر کی ترتیب کے علاوہ یہ بھی بتا چکے تھے ...میدنی راؤ کے لشکر کو عقب میں کسی بھی ہنگامی حالت سے نمٹنے یا دشمن پر کسی نئے انداز سے

حملہ آور ہونے کے لیے محفوظ رکھا جا رہا ہے۔ لہٰذا بابر نے بھی ایسا ہی کیا۔ قوچ بیگ اور عبدالملک قورچی کو اپنے ساتھ میمنہ اور میسرہ میں رکھ کر اس نے جنید کو ہراول لشکر کے ساتھ اپنے لشکر کے پیچھے رکھا تاکہ کسی ہنگامی حالت سے نمٹا جا سکے۔ اس کے علاوہ بابر نے جنید کو یہ بھی جتا دیا تھا کہ اپنے لشکر میں جہاں بھی کمزور پہلو دیکھے وہاں فوراً مدد کو پہنچے۔

دشمن نے اجتماعی جنگ شروع کرنے سے پہلے انفرادی جنگ کو ترجیح دی تھی شاید وہ انفرادی جنگ جیت کر بابر کے لشکر پر بُرا اثر ڈالتے ہوئے اسے بددل اور بے حوصلہ کرنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے رانا سانگا کے لشکر میں آئے ہوئے ایک راجپوت کو انفرادی جنگ کے لیے میدان میں اتارا۔

بابر نے اپنے میمنہ اور میسرہ کے سالار قوچ بیگ اور عبدالملک قورچی کو بلا کر کہا۔ "تم دونوں میں سے کوئی میدان میں اکڑنے والے دشمن کے اس سورما سے نمٹنے میدان میں اُترے گا یا میں عقب سے جنید کو بلاؤں کہ وہ ایسے باؤلوں، طاغی طبع اور سرکش جوانوں سے نمٹنے کا کام خوب جانتا ہے۔"

قوچ بیگ نے کہا۔ "اے آقا! میں نے ایک عرصہ امیر جنید کے ساتھ ہراول میں کام کیا ہے۔ میں آپ کو مایوس نہ کروں گا۔ میں تو پھر اب آپ کے میمنہ کا سالار ہوں۔ میدان میں اترنے والے اس راجپوت سورما کے لیے تو ہمارا کوئی معمولی اور گمنام ترک سپاہی ہی کافی ہے۔" اس کے ساتھ ہی قوچ بیگ نے اپنے گھوڑے کو مہمیز لگائی اور اس راجپوت سے مقابلہ کرنے کے لیے وہ میدان میں اُتر گیا تھا۔

میدان میں اترنے والے اس راجپوت نے جب دیکھا کہ بابر کے لشکر سے کوئی اس کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا آ رہا ہے تو وہ اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور تلوار سونت کر وہ قوچ بیگ کا انتظار کرنے لگا۔ قوچ بیگ اس راجپوت سے ذرا دور ہی اپنے گھوڑے سے اُترا۔ پھر اپنی تلوار ڈھال سنبھال کر وہ ایک سرفروشانہ انداز میں اس راجپوت کی طرف بڑھا تھا۔

راجپوت بھی تیزی سے آگے بڑھا اور کچھ کہے بغیر اس نے قوچ بیگ پر حملہ کر دیا

لیکن قوچ بیگ نے کمال مہارت اور ممارست سے اپنی ڈھال مار کر اس راجپوت کی تلوار کو ہٹا دیا تھا اور پھر قوچ بیگ نے اس راجپوت پر جوابی حملہ کیا اور وہ راجپوت بھی قوچ بیگ کے حملے کو بڑی دانشمندی کے ساتھ روک گیا تھا۔ پھر وہ دونوں ایک دوسرے پر آتش والتہاب بن کر ٹوٹ پڑے تھے۔

قوچ بیگ کے حملوں میں بیکراں وقت کے سلسلے جیسا ایک تسلسل تھا۔ لگتا تھا اس نے رزم کو بزم میں بدل دینے کے فن کی ابتدا کر دی ہو۔ اس کے حملوں میں نیلے پربتوں اور جھیل جیسی روانی اور کرب و فنا کی سیاہ تحریروں کے اندر اس راجپوت کے لیے بارودی کمین گھات لگا چکی تھیں۔ ایسا لگتا تھا قوچ بیگ اس راجپوت کو فنا کی سرزمین میں بے سرحدوں تک اپنے آگے آگے گھسیٹتا ہوا جائے گا۔

شروع شروع میں وہ راجپوت بڑی جرأت اور دلیری کے ساتھ قوچ بیگ کے سامنے جما تھا لیکن اب قوچ بیگ کے حملوں کی تیزی اور ہولناکی دیکھ کر اس راجپوت کی آنکھوں میں چاند ستاروں کا فریب اور بدترین سراب رقص کرنے لگے تھے اور جلد ہی اس نے آپ کو پژمردہ اور نڈھال محسوس کرنے لگا تھا جب کہ قوچ بیگ کے حملوں میں ایک کومل تازہ ہواؤں جیسی تازگی اور میٹھی و مسحور کن تمازت تھی۔

جلد ہی قوچ بیگ اپنے وحشی پن پر اُتر آیا۔ دائیں بائیں اور اُوپر سے اس نے اس راجپوت پر حملوں کا ایک طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ قوچ بیگ کی آنکھوں میں بلیات کے ورود کے پس منظر میں عداوتوں اور انتقاموں کی آگ بھڑک اُٹھی تھی جبکہ للکار کر میدان میں اُترنے والے اس راجپوت میں ایک کرب تھا۔ ایسا کرب جو دوسرے معنوں میں موت کا انتظار ہی کہا جا سکتا ہے۔

اچانک قوچ بیگ نے اس راجپوت کو ڈھال کا چکمہ دے کر اس پر اپنی تلوار کا وار کیا اور اس کی تلوار راجپوت کی گردن کاٹ گئی۔ راجپوت کا جسم دولخت ہو کر زمین پر گرا اور قوچ بیگ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے لشکر کی طرف جا رہا تھا۔

اس راجپوت کے مارے جانے اور قوچ بیگ کے فتح یاب ہونے کے فوراً بعد

حسین خان لوخانی نے بابر کے لشکر پر حملہ آور ہونے کا حکم دے دیا۔ بابر نے یہاں بھی اپنی بہترین جنگی پرکھ اور جانچ کا ثبوت دیا۔ دشمن کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے اس نے اپنی صفیں کھلی کھلی رکھی تھیں اور قلب سے میمنہ اور میسرہ سے قلب کے درمیان کافی فاصلہ رکھا تھا۔ اس طرح اس نے اپنے لشکر کو لمبائی میں خوب پھیلا کر رکھ دیا تھا۔

حسین خان لوخانی نے اس نظریے کے تحت کہ اس کا قلب دشمن کے قلب سے میسرہ سے میمنہ اور میمنہ سے میسرہ ٹکرائے۔ اس نے بھی قلب میمنہ اور میسرہ کے درمیان بابر کی طرف فاصلہ زیادہ کر لیا تھا۔ تاکہ سارے مقابل لشکر ایک دوسرے کے سامنے ہو کر لڑیں۔

حسین خان لوخانی بابر کی اس چال کے اصل مدعا کو نہ سمجھ سکا۔ بابر نے اپنے پورے لشکر کو اپنے اشاروں پر لگا رکھا تھا جب کہ حسین خان لوخانی کے لشکر میں بھانت بھانت کے لوگ جمع تھے۔

دشمن کے قریب آ کر بابر نے ایک ماورائی انداز میں اپنی تلوار لہرا کر اپنے لشکر کو اشارہ کیا جس کے جواب میں اس کے اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے سواروں نے بجلی کے کوندے کی طرح ردِ عمل کیا۔ انہوں نے فوراً اپنی صفوں کو سمیٹ لیا۔ درمیانی فاصلوں کو انہوں نے ختم کر دیا اور صفیں خوب گتھ گئیں لیکن اس کے برخلاف حسین خان لوخانی اپنی بکھری ہوئی صفوں کو بابر کی طرح دوبارہ سمیٹ سکیڑ نہ سکا۔ اس کا بابر کو خاطر خواہ فائدہ ہوا کیوں کہ جب بابر کا قلب حسین خان لوخانی کے قلب سے ٹکرایا تو بابر کے میمنہ اور میسرہ لے حسین خان لوخانی کے میمنہ اور میسرہ کا اپنے قلب سے فاصلہ رہ گیا تھا۔ اس کے اندر اس طرح گھس گیا جیسے سانپ اپنے بل میں گھستا ہے اور پھر بابر کے میمنہ اور میسرہ نے حسین خاں لوخانی کے میمنہ اور میسرہ کے پہلوؤں پر حملہ آور ہو کر ان کی روحوں کی گہرائیوں میں خوف و ہراس بھرنا شروع کر دیا تھا۔

قورچ بیگ اور عبدالملک قورچی گو پہلی بار میمنہ اور میسرہ کی کمانداری کر رہے تھے لیکن انہوں نے ایسے خلوص اور جاں نثاری سے حملہ کیا تھا کہ لگتا تھا ان کے جسم آگ

ں اور جس طرف کا وہ رُخ کرتے ہوں دشمن کے پندارِ ہوس کو آگ لگاتے جا رہے ۔انہوں نے سلگتی انتہائے زندگی، اجالوں کے فروغ، رت جگی لہروں اور سب ردینے والے عزم کے ساتھ حملہ آور ہو کر دشمن کے جمود میں احساس کے کانٹے بیے تھے۔

چنگھاڑتے غراتے نیلے سمندروں کی طرح حملہ آور ہو کر دشمن کی رگ رگ میں آگ، یں موت اور عرق عرق میں انجانی وحشت طاری کرنی شروع کر دی تھی۔ ان نے رزم گاہ کے ذرّے ذرے میں ایک آگ سی بھر دی تھی اور دشمن کو پاتال میں رینے کی سوگند کھاتے ہوئے وہ ہند کی سرزمین کے جنگی اتہاس کی آخری حدود ، گامزن ہو گئے تھے۔

جس وقت بابر اپنے قلب، میمنہ اور میسرہ کو لے کر آگے بڑھا تو اس کے ساتھ بھی اپنے ہراول لشکر کے ساتھ اپنے میمنہ کی اوٹ میں آگے بڑھا تھا اور جس ول لشکر آپس میں ٹکرائے تھے، جنید اپنے لشکر کے ساتھ دور ہٹتا ہوا اور ایک ماکاٹتا ہوا وہ دشمن کے عقب کا رُخ کر رہا تھا۔

حسین خان کے عقب میں میدنی راؤ کا لشکر اپنے جرنیل کے ساتھ تیار کھڑا الشکر بڑے غور سے اپنے لشکر پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا تاکہ ان کے لشکر کمزور اور شکستہ پا ثابت ہو وہ فوراً ان کی مدد کو پہنچ سکیں۔ وہ جنید کو لمبا کا وا ے نہ دیکھ سکے تھے یہاں تک کہ وہ ایک قہرمانیت ایک عذاب بن کر ان کی پشت رہا تھا۔ میدنی راؤ کا جرنیل لکھمن اس وقت آگاہ ہوا جب جنید اللہ اکبر کی تکبیریں ہوا وقت کی دھول، تپتے صحرا، سلگتے سموں کے دھوئیں، تنہائیوں کے بلکتے لے کے جلتے الاؤ اور تشدد کے خون رنگ دشت کی طرح اس کے لشکر پر حملہ آور

نید نے اپنے ہراول کے ساتھ حملہ آور ہوتے ہی کتاب تہذیب پر قدیم جراحتوں رات نقش کرنا شروع کر دیئے تھے۔ اس نے تاریخ کی ہر گھڑی کو خون فشاں اور

وقت کے ہر لمحے کو لہو لہو کر کے رکھ دیا تھا۔ اس نے رزم گاہ کی وسعتوں اور دشمن کی خواہشوں کی آمریت کو اپنے حلقۂ اثر میں رکھ کر رقابتوں کی چتا میں بھسم کرنا شروع کر دیا تھا۔
لکھمن نے اپنے لشکر کو سنبھالا دینے کی پوری کوشش کی لیکن جنید اپنے لشکر کے ساتھ اس کے اندر تک گھس آیا تھا اور حشمِ اوجِ ثریا کی تاختیں اور نغموں کے برستے ساون کی طرح حملہ آور ہو کر اس نے لکھمن کے لشکریوں کو موت کی وادیوں، مرقعوں کے شہر اور اجل کے فنا گاہ عالم کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا تھا۔

جنید کی زیر کمان لڑنے والا ہر اول کا ہر لشکری نظروں کے تیروں، بھوک کی لپک، نو میدہ امنگ اور شب کے طوفان کی قاتل صداؤں کی طرح حملہ آور ہو رہا تھا۔ چند ہی ثانیوں کے اندر جنید نے لکھمن کے لشکر کو زنگ آلود کہنہ تصورات اور خشک تراشوں کی بے ربط اڑان کی طرح بکھیرا اور منتشر کر کے رکھ دیا تھا۔
اُدھر حسین خان لوخانی زیادہ لشکر رکھنے کے باوجود بابر کے دباؤ تلے تھا۔ اس لیے کہ بابر کے میمنہ اور میسرہ اس فاصلے کے ذریعے اندر تک گھس کر جنگ کرنے لگے تھے جو حسین خان لوخانی کے قلب، میمنہ اور میسرہ کے درمیان رہ گیا تھا اور ادھر جنید نے لکھمن کے لشکر کی اُدھیڑ بُن شروع کر دی تھی۔
جنید کچھ ایسے جذبے کے ساتھ بھڑکتے گرم تنور اور دھوپ کے سائبان کی طرح لکھمن پر چھانے لگا تھا جیسے اس نے اپنے دِل میں یہ عزم کر لیا ہو کہ رزم گاہ میں جو لہو کے قطرے آج گریں گے وہ اگلی نسلوں کے کام آئیں گے۔ لگتا تھا خدائے لاشریک اور قادرِ وقت نے ان کے سامنے زمین کو بساط کی طرح سمیٹ کر رکھ دیا ہو۔
لکھمن کی خواہشات اور ارادوں کی ساری کالی دیویاں سرنگوں ہو رہی تھیں۔ اس کے سارے حُسنِ ظن، حُسن پرکھ کو جنید گفتار کے آئینوں کی طرح توڑ کر رکھ دیا تھا۔ جنید کے سامنے پسپا ہوتے ہوئے اب ایسا محسوس کر رہا تھا گویا اس کا ہر سپاہی اجتماعی وفا فراموش کر کے انفرادیت پر اتر آیا ہو اور صرف اپنی ہی جان بچانے کی فکر میں ہو۔ ہر طرف مفرد نے بھاگ محسوس کر رہا تھا گویا اس کے لشکر میں سچائی مفقود ہو گئی ہو۔

اور ہر لشکری اپنا اپنا ترانہ گانے اور اپنی اپنی ڈفلی بجانے کا عزم کر چکا ہو۔
لکھمن نے جب دیکھا کہ اس کے لشکر میں ہزیمت، مغلوبیت اور ٹوٹ پھوٹ کے آثار پیدا ہونے لگے ہیں تو اس نے اپنے لشکر کو اپنے اس بڑے لشکر کے ساتھ جا ملنے کا حکم دے دیا تھا جو بابر کے ساتھ برسرِ پیکار تھا۔
لکھمن کی طرف سے حکم ملتے ہی جنید کے سامنے سے اس کا لشکر پسپا ہوتا ہوا قلب سے جا ملا لیکن اس کا دوسرے لشکر پر انتہائی بُرا اثر پڑا۔ قلب کے لشکریوں کو جب معلوم ہوا کہ ان کے عقب کا اپنا لشکر بابر کے ایک جرنیل سے شکست کھا کر ان کے ساتھ آ ملا ہے تو ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس لیے کہ سامنے کی طرف سے تو بابر پہلے ہی انہیں دھان کی طرح کوٹ رہا تھا۔ اب جب کہ ان کو یہ احساس ہونے لگا کہ ان کی پشت اب ان کی اگواڑھی کی طرح محفوظ نہیں رہی تو وہ ایک نئے کرب اور بے نام سی وحشتوں کا شکار ہو کر رہ گئے تھے۔

اب صورتِ حال یہ تھی کہ دُشمن کے قلب اور عقب پر سامنے سے بابر نے اپنے تیز حملوں سے ان پر دل و نظر کے خرابے طاری کرنا شروع کر دیے تھے۔ پشت کی جانب سے جنید نے ماضی کی تلخ یادوں کی طرح ان پر حملہ آور ہو کر رات بھر جاگنے کی تپش، خواب پلکوں کی آگ اور فرقتوں کی چتائیں جلانی شروع کر دی تھیں۔
قوچ بیگ اور عبدالملک قورچی اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ دشمن کے میسرہ اور میمنہ کے اندر تک گھستے چلے گئے تھے اور ایسا لگ رہا تھا گویا وہ دونوں اپنے فکر کی پرواز اور اپنی انا کی وسعتوں سے دُشمن کی ساری شجاعت اور گمراہیوں کے بحر کو کوزے میں بند کر دینے کا عمل شروع کر چکے ہوں۔ وقت بابر کے لشکریوں کے آثارِ عظمت کو تحسین و مدح کے ساتھ اور قدرت کے بیدار عناصر ان کی بے باکی و سرفروشی کو ستائش و تزئین کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔
پانی پت شہر سے باہر دریا کے کنارے اس رزم گاہ میں جنگ اپنے شباب و عروج پر تھی اور آگ کے طوفان اور تپش کے بگولے اڑاتی چلی گئی تھی۔

اچانک بابر نے حسین خان لوخانی کے قلب کے وسطی حصے کو اپنا حدف بناتے ہوئے اللہ اکبر کا نعرہ مارا تھا ۔ اس کے جواب میں جنید اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے اپنی پوری قوت اور سرعت کے ساتھ قلب کے وسطی حصے کی طرف بڑھنا شروع کر دیا تھا ۔

بابر اور جنید کے جواب میں قوچ بیگ اور عبدالملک قورچی نے بھی اللہ اکبر کی تکبیریں بلند کیں اور اپنے حملوں میں تیزی گرمی اور حدت پیدا کر لی تھی ۔ بابر کے پورے لشکر کے اس اچانک اور زوردار حملے سے رزم گاہ میں ایک طوفان، ایک آندھی، ایک سیلاب، ایک طغیانی، ایک چڑھاؤ، ایک شدت، ایک غلغلہ، ایک شور، ایک ہنگامہ، ایک واویلا، ایک آفت اور ایک کہرام اُٹھ کھڑا ہوا تھا ۔

اس موقع پر دشمن کے لشکر پر لرزش و تزلزل طاری ہوتا چلا گیا تھا ۔ حسین خان لوخانی کا ہر سپاہی دشمن کے اس تیز حملے کو رد کرنے کی جدوجہد کرنے کے لیے صرف یہ سوچ رہا تھا کہ وہ اگلی صفوں سے بچے ۔ دشمن سے زیادہ سے زیادہ دُور رہے اور ناگہانی حالت میں اپنے بھاگنے اور جان بچانے کے لیے راہ ہموار کرے ۔

اچانک حسین خان لوخانی کے لشکر میں پھیلی افراتفری، کھلبلی اور سراسیمگی بھگدڑ اور فرار میں بدل گئی ۔ ہر کوئی جنگ سے منہ موڑ کر فرار ہونے کی کوشش کرنے لگا تھا ۔ اس موقع پر بابر نے اپنی پوری دانائی اور فہم و فراست کا ثبوت دیا ۔ اس نے صرف دریا کی سمت خالی رہنے دی اور باقی تین اطراف میں اس نے اپنے لشکر کو پھیلا کر ایک طرح سے دشمن کا گھیراؤ اور محاصرہ کر کے ان کے فرار اور بھاگنے کی ساری راہیں مسدود و بند کر کے رکھ دی تھیں ۔

اسی افراتفری اور بھگدڑ کے عالم میں چندوار کا حاکم قطب خان، رانا سانگا کا جرنیل اور چندیری کے راجہ مدینی راؤ کا جرنیل لکھمن بابر کے گمنام لشکریوں کے ہاتھ مارے گئے ۔ ان کی موت پر حسین خان لوخانی کے لشکریوں کی میدانِ جنگ سے بھاگ نکلنے کی رفتار اور زیادہ تیز ہو گئی لیکن کسی کو بھی جان بچا کر بھاگنے کا موقع نہ مل سکا کیوں کہ تین اطراف تو بابر نے پہلے ہی بند کر رکھی تھیں جو ادھر جاتا مارا جاتا ۔ چوتھی

ت دریا تھا اور حالیہ بارشوں کے باعث دریا بھی اپنی طغیانی اور سرکشی پر تھا ۔

حسین خان لوخانی کے زیادہ لشکریوں کو بابر کے مجاہدوں نے تہ تیغ کر دیا اور بنی جانیں بچا کر دریا کی طرف بھاگے وہ دریا کی تند و تیز لہروں کا شکار ہو کر ہلاک ہو گئے ۔ حسین خان لوخانی نے بھی اپنی جان بچانے کی خاطر اپنے ہاتھی کو دریا میں ڈال دیا ۔ لیکن دریا اس قدر طغیانی پر تھا اور اس کی لہریں ایسی تیز تھیں کہ حسین خان لوخانی اپنے ی سمیت دریا میں ڈوب مرا تھا ۔

دولت خان، غازی خان، ابراہیم لودھی اور پھر رانا سانگا کے بعد بابر کی ہندوستان بابر چوتھی اور عظیم الشان فتح تھی ۔ ایک طرح سے اس نے ہند کے اندر چندیری کے راجہ ینی راؤ کے علاوہ ہر بڑے حکمران کو اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا تھا ۔ چندیری کا راجہ ینی راؤ انتہائی متکبر اور تفاخر پسند انسان تھا ۔ گو اس کا رانا سانگا کے ساتھ ایک طرح کا اق و الحاق سا تھا ۔ پر وہ اپنے آپ کو ناقابلِ تسخیر ہی جانتا تھا ۔

راپری کی اس جنگ میں بابر کو بے حساب مال و دولت ہاتھ لگا اور ساتھ ہی چندواری ر راپری جیسے شہروں پر اس کا قبضہ بھی ہو گیا تھا ۔ اس کے علاوہ قوچ بیگ اور عبدالملک رچی بھی ایک جرنیل کی حیثیت سے اُبھر کر سامنے آئے تھے اور اب وہ ہمایوں کے بعد جنید طرح ان دونوں پر بھی اعتماد کر سکتا تھا ۔

O

اگر سین کا زندہ بچنے والا بھائی نریش اور اس کا بوڑھا باپ ایک روز جب کہ صبح ل صبح اپنے کھیتوں میں کام کرنے کے لیے گھر سے نکل گئے تو گھر کے کام کاج سے فارغ کر نریش کی بہن کیسو صحن میں دھوپ کے اندر سہری پر غمزدہ حالت میں سر جھکائے اپنی ال کے پاس آئی ۔

چند ثانیوں تک وہاں کھڑی ہو کر اپنی ماں کی طرف دیکھتی رہی پھر اس نے اپنی ال کے پاس سہری پر بیٹھتے ہوئے اپنی ماں کے گھٹنے پکڑتے ہوئے کہا ” ماں! میں جانتی ال تو کیوں دکھی ہے تو اپنے چار جوان بیٹوں کے مارے جانے پر غمزدہ اور اُداس رہتی

ہے۔ اے میری ماں! میرا چھوٹا بھائی نرلیش تو اب اپنے مرنے والے بھائیوں کا انتقام نہ لے گا اور نہ ہی وہ اس لڑکی کو تلاش کرے گا جس کی وجہ سے میرے چچا زاد بھائی اور میرے اپنے سگے بھائی تک مارے گئے۔ اب یہ کام مجھے خود کرنا ہوگا۔ اے میری ماں! کیا تیرا دل نہیں چاہتا کہ کوئی تیرے مرنے والے بیٹوں کے قتل کا انتقام لے۔"

کیسو کی ماں نے کہا۔" دل تو ضرور چاہتا ہے پر کون یہ انتقام لے گا۔ وہ مسلمان بڑا خونخوار ہے۔ چھ سات تلوار بازوں سے وہ اکیلا ہی نمٹ جاتا ہے۔ ہماری خاطر کون اس طوفان سے ٹکرائے گا۔"

کیسو نے اپنی آستینیں پڑھاتے ہوئے کہا۔" اپنے مرنے والے بھائیوں کا انتقام میں لوں گی ماں!"

کیسو کی ماں تلشانے حیرانی اور استعجاب میں پوچھا۔" اپنے بھائیوں کا انتقام تو لے گی، مگر کیسے، تو کس کے ساتھ مل کر اس کام کو انجام دے گی۔ کون تیرے ساتھ ہوگا اور آگ کے اس طوفان جیسے جوان کے خلاف تیری مدد کرے گا۔"

کیسو نے کہا۔" مجھے کسی کی کیا ضرورت ہے۔ میں اکیلی ہی کافی ہوں۔"

تلشانے کانپتے ہوئے کہا۔" نہیں بیٹی ایسا ممکن نہیں بلکہ تیرا ایسا سوچنا بھی گناہ ہے۔ وہ ایک بار ہمارے گھر آکر تجھے معاف کر چکا ہے۔ میں سمجھتی ہوں وہ جتنا خونخوار ہے ایسا ہی رحم دل بھی ہے۔ ورنہ وہ نرلیش اور تجھے کبھی بھی معاف کر کے چلا نہ جاتا اور اب اگر تم نے اس سے کوئی زیادتی کی تو میں بیٹوں کے ساتھ اپنی بیٹی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھوں گی۔"

کیسو نے کہا۔" اے میری ماں! بیشک میں لڑکی ہوں اور اس مسلمان جنید کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہوں لیکن میں اس کے پاس جا کر اس سے مقابلہ تھوڑا ہی کروں گی۔ میں اسے ایک بار پھر اپنے گھر آنے پر مجبور کروں گی اور جب وہ یہاں آئے گا تو میں گھات میں بیٹھ کر اس طرح سے اس پر حملہ آور ہوں گی کہ اس گھر میں اس کی لاش تڑپ رہی ہوگی۔"

تلشا نے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔" وہ پھر ہمارے گھر میں کیسے آئے گا اور کون یہاں لائے گا۔"

کیسو نے ایک عزم اور پختہ ارادے میں کہا۔" وہ میرے ہاتھوں سے قتل نے کے لیے خود ہمارے گھر میں آئے گا۔"

تلشا نے کہا۔" تو اپنے مرنے والے بھائیوں کے غم میں پاگل ہوگئی ہے اور ایسی کرنے لگی ہے۔ جن کی کوئی اساس، کوئی بنیاد نہ ہو۔ اب تو احمقوں جیسی باتیں نے لگی ہو۔"

کیسو نے کہا۔" میں احمق نہیں ماں! تم تیاری کرو اور چلیں۔"

تلشا نے بوکھلائی ہوئی سی آواز میں پوچھا۔" چلیں، یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ کہاں چلیں؟"

کیسو نے کہا۔" اٹھو ماں! اپنے چچا زاد بھائی راننند کی بستی دیروانی کی طرف چلیں۔"

تلشا نے پوچھا۔" ہم دونوں ماں بیٹی دیروانی جا کر کیا کریں گی۔"

کیسو نے کہا۔" سنو ماں! جس طرح اگرسین بھائی نے بتایا تھا کہ کشتا نام کی لڑکی جس کی وجہ سے میرے سارے بھائی قتل ہوئے، نہ جانے کس طرح وہاں سے بھاگ تھی۔ میرا دل کہتا ہے اور جیسا کہ میرے بھائی اگرسین کو بھی شک تھا کہ اس کے گنے میں اس لڑکی کے ہمسائے برہمادامس کا ہاتھ ہے۔ اگر اس کا ہاتھ نہیں بھی تو بھی اسے ضرور علم ہوگا کہ کشتا نام کی وہ لڑکی ان دنوں کہاں اور کس کے پاس رہی ہے۔ ابھی اور اسی وقت ہم دونوں ماں بیٹی دیروانی جائیں گی اور وہاں کر کہیں گے کہ ہمارا تعلق ساتھ والی بستی سے ہے اور کچھ عرصہ ہوا ہم نے دھرم دھت سے کچھ رقم ادھار لی تھی اور اب یہ رقم ہم واپس کرنے آئی ہیں۔

یہ باتیں ہم برہمادامس کے گھر والوں سے کہیں گی۔ ظاہر ہے وہ کہیں گے کہ رم دھت اور لیراج مارے جا چکے ہیں۔ ہاں دھرم دھت کی لڑکی زندہ ہے۔

ذرا سانس لے کر اور رک کر کیسو نے کہا۔ ہم ان سے نرم گفتگو کر کے کشتا ہ پوچھنے کی کوشش کریں گی۔ اگر انہوں نے بتا دیا تو ہمارے سارے کام آسان ہو

جائیں گے اور اگر انہوں نے نہ بتایا تو مجھے پوچھنے کے اور بہت سے طریقے بھی آتے ہیں۔ جب ہمیں ان سے کشتا کا پتہ چل جائے گا تو کچھ روز کا وقفہ ڈال کر میں اکیلی اس کشتا نام کی لڑکی کی طرف جاؤں گی اور مناسب موقع دیکھ کر اسے قتل کر آؤں گی۔ ظاہر ہے جب جنید کو اس کے قتل کا علم ہو گا تو وہ ضرور ہمارے گھر کا قصد کرے گا اور جب وہ یہاں آئے گا تو پھر بچ کر نہ جا سکے گا۔ میں اسے قتل کروں گی اور اپنے بھائیوں کے جنم جنم کو سدھاروں گی"۔

کیسو کی ماں تلشا نے کسی قدر مطمئن انداز میں کہا۔ "کیسو! کیسو! یہ جو تم نے سارا لائحہ عمل بنایا ہے۔ اگر اس پر تمہاری خواہش کے مطابق عمل ہو جائے تو یقیناً ہم تیرے بھائیوں کا انتقام اس مسلمان سے لے سکتے ہیں۔ پر پہلے تم میرے چند سوالوں کا جواب دو۔"

کیسو نے کہا۔ "پوچھو ماتا!"

تلشا نے کہا۔ "پہلے تو یہ کہو کہ دھرم دھت اور لیراج کون ہیں؟"

کیسو نے کہا۔ "دھرم دھت کشتا کا باپ اور لیراج بھائی تھا۔ یہ دونوں ہمارے بھائیوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے"۔

تلشا نے پوچھا۔ "اور جنید نام کا وہ مسلمان کہاں رہتا ہے"۔

کیسو نے کہا۔ "ماتا! وہ تو بابر کے ہراول لشکر کا کماندار ہے۔ وہ اپنے لشکر میں رہتا ہو گا اور نرک اور جہنم میں رہے گا وہ"۔

تلشا نے پوچھا۔ "اور اگر کشتا کے ہمسائے برہما داس نے اس سے متعلق کچھ نہ بتایا تو تم ان سے کشتا کا پتہ اگلوانے کے لیے کیا دوسرا طریقہ کار استعمال کرو گی"۔

کیسو نے کہا۔ "تم اٹھ کر اور تیار ہو کر میرے ساتھ تو چلو ماتا! جو تفصیل تمہیں بتانے کے لیے رہ گئی اسے راستے میں تمہیں میں کہہ دوں گی"۔

تلشا نے مسہری سے اٹھتے ہوئے کہا۔ اگر تمہاری یہی مرضی ہے بیٹی! تو چلو چلیں۔ اگر اسی طرح میرے بیٹوں کا انتقام لیا جا سکتا ہے تو میں اس پر بھی عمل کرنے

...یار ہوں۔ میرے بیٹوں کے قتل سے میرے دل میں ایک آگ سی لگ چکی ہے اور یہ آگ ...سے انتقام لے کر ہی بجھ سکتی ہے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں بیٹی! آؤ تیاری کریں اور ...دونوں نے جلدی جلدی تیاری کی پھر وہ ایک ہی گھوڑے پر بیٹھ کر اپنے گھر سے ...نہ ہو گئی تھیں۔

O

بوڑھی تلشا اور اس کی بیٹی کشتا کی بستی ویروانی میں داخل ہوئیں۔ بستی کی ایک ...ت سے پوچھ کر پہلے وہ کشتا کے گھر کے سامنے آئیں۔ اندر باہر سے گھر کو خوب دیکھا ...لا۔ پھر انہوں نے برہما داس کے مکان پر دستک دی۔

برہما داس کی بہن پارو نے دروازہ کھولا اور ان دونوں سے پوچھا۔ "آپ ...نوں کس سے ملنا چاہتی ہیں"۔

بوڑھی تلشا نے فوراً بہانہ بازی کی اور دروازے پر ہی بیٹھتے ہوئے اس نے ...کہا۔ "آہ! میں تو تھک گئی ہوں"۔

پارو نے کہا۔ "آپ یہاں دہلیز پر کیوں بیٹھتی ہیں۔ اندر آ کر مسہری پہ آرام ...یں"۔

تلشا فوراً اٹھ کھڑی ہوئی پھر دونوں ماں بیٹی پارو کے ساتھ اندر آئیں۔ پارو ...ان دونوں کو مسہری پہ بٹھایا۔ اتنی دیر تک برہما داس اور پارو کی ماں بھی اندر سے ...نکل آئیں۔

پارو نے کہا۔ "اب کہیں کیا کہنا چاہتی ہیں آپ؟"

تلشا نے تھکاوٹ کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "کہنا کیا ہے بیٹی! ہم دونوں ...ماں بیٹی ہیں اور ساتھ والی بستی کی رہنے والی ہیں۔ یہ تمہارا ہمسایہ دھرم دھت ہے نا ...اسے کچھ رقم ادھار دی تھی۔ میں اسے ادھار کی وہ رقم واپس کرنے آئی تھی لیکن جب ہم ...دونوں ماں بیٹی اس کے گھر گئیں تو وہاں ہے ہی کوئی نہیں۔ مکان یوں لگ رہا ہے جیسے ...عرصے سے وہاں کوئی رہ ہی نہ رہا ہو۔ حالانکہ دھرم دھت اور اس کی بیٹی کشتا تو

گھر رہتے تھے صرف ان کا بیٹا لیراج کام کرنے جنگل میں جایا کرتا تھا۔"

پارو کی ماں نے دکھ اور تاسف سے کہا۔ "دھرم وصت اور لیراج بے چارے مارے گئے اور کشتا یہاں سے چلی گئی۔"

اس بار کیسو نے چونکتے ہوئے پوچھا۔ "مارے گئے؟ پر کب؟ کیسے اور کیوں؟ کس ظالم نے انہیں مارا۔ وہ دونوں تو انتہائی نیک دل انسان تھے اور پھر کشتا تو میری بہن بنی ہوئی تھی۔"

اس بار پارو نے کہا۔ "سندرا نام کی بستی کے اگرسین اور اس کے بھائیوں نے دھرم وصت اور اس کے بیٹے لیراج کو بغیر کسی وجہ کے موت کے گھاٹ اتار دیا۔"

تلشا اور کیسو دونوں ماں بیٹی نے تھوڑی دیر تک یوں منہ بنائے رکھا جیسے انہیں بہت دکھ ہوا ہو۔ پھر کیسو نے بڑے ہمدردانہ اور چاہت آمیز آواز میں پوچھا۔
"اور میری بہن کشتا کہاں چلی گئی۔ کاش وہ اس دکھ اور تکلیف کے وقت ہمارے گھر آجاتی۔ کیا آپ بتا سکیں گی کہ کشتا ان دنوں کہاں ہے تاکہ ہم نے جو رقم دھرم وصت سے ادھار لی تھی وہ اس کی بیٹی کشتا کو لوٹا دیں۔"

برہماداس اور پارو کی ماں نے رک کر ذرا سوچا پھر اس نے کہہ ہی دیا۔ "یہاں سے جنوب میں دریا کے کیرتن نام کی بستی ہے۔ کشتا وہاں چلی ہے۔ وہاں اس کا ماموں ہوتا ہے جس کا نام اس نے یشپال بتایا تھا۔"

کیسو نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اپنی ماں تلشا سے کہا۔ "ماتا! ہم اس بستی میں کشتا کے پاس جائیں گے اور کشتا کو اپنے ہاں لانے کی کوشش کریں گے۔ اگر وہ نہ آئی تو کم ازکم اسے ادھار کی رقم تو دے آئیں۔"

پھر کیسو نے پارو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا اس گھر میں آپ دونوں ماں بیٹی ہی رہتی ہیں؟"

پارو نے کہا۔ "نہیں، میرے بھائی بھی ہیں۔ ان کا نام برہماداس ہے اور وہ جنگل میں کام کرنے جا چکے ہیں۔"

تلشا نے اس بار کیسو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اٹھو بیٹی! چلیں جس کام سے اس گھر میں داخل ہوئی ہیں وہ تو ہو ہی گیا۔ مجھے بے چارے دھرم وصت اور لیراج ن کی بہت دکھ ہوا ہے۔"

دونوں ماں بیٹی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ پارو نے ان دونوں کو روکنے کے انداز میں "آپ دونوں ماں بیٹی بیٹھیں نا، دوپہر کا کھانا کھا کر جائیں۔"

بوڑھی تلشا نے پارو کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "تیرا بھلا ہو بیٹی! اب ہم ہیں۔ گھر کے کام کاج سب بکھرے چھوڑ کر ادھر آئی ہیں۔"

پارو نے کہا۔ "اگر آپ لوگ کشتا کے پاس جائیں تو اسے ہماری طرف سے پرنام۔ وہ بڑی دلیر اور حوصلہ مند لڑکی ہے۔ اسے کہنا اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا جھجک ہم ہی کو بھیج کر منگوا لیا کرے۔"

کیسو نے کہا۔ "میں ضرور اسے تمہارا پیغام دوں گی۔" پھر وہ دونوں ماں بیٹی باہر نکل نے گھوڑے پہ سوار ہو کر وہاں سے روانہ ہو گئی تھیں۔

O

گوالیار کا حاکم رحیم داد اپنے محافظ کے ساتھ اپنے گھوڑے پر سوار شہر کا ایک احتیاطی ت لگاتا ہوا جب راجہ بکرماجیت کے محل کے پاس سے گزرنے لگا تو اس نے اپنے ڑے کو روک لیا اور اپنے ایک محافظ سے اس نے کہا۔ "ذرا اس محل کے اندر جاؤ اور راکے چھوٹے بھائی مالدیو کو بلا کر لاؤ اور اگر وہ نہ ہو تو اصطبل کے داروغہ احمد یوسف بلا لاؤ۔ اگر وہ بھی نہ ہو تو محل کے کسی بھی فرد یا پہریداروں میں سے کسی سے یہ پوچھ آؤ لیا امیر جنید کی طرف سے اُن کے پاس کوئی خبر آئی ہے کہ ان کی منصوبہ تکمیل ان کے پاس ہ بچکی ہے یا نہیں۔"

جس محافظ کو رحیم داد نے حکم دیا تھا۔ وہ گھوڑے سے چھلانگ کر اترا، اور تا ہوا محل کے اندر چلا گیا تھا جب کہ رحیم داد وہیں محل سے باہر کھڑا ہو کر انتظار نے لگا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ محافظ بھاگتا ہوا واپس آیا اور اس نے کسی قدر بدحواسی اور پھولی ہوئی سانس میں کہا۔ "اس محل میں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ ہر طرف یوں گرد جمی ہے اور درختوں کے پتے بکھرے پڑے ہیں جیسے پچھلے کئی روز سے اس محل میں کوئی رہنے والا ہی نہ ہو۔"

رحیم داد نے ایک چھلانگ لگا کر اپنے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا۔ "ایسا کیونکر ہو سکتا ہے۔ کنپل کو جنید کے پاس لے کر تو صرف اس کا بھائی کیدار گیا ہے۔ اس نے مجھے خود کہا تھا کہ وہ زندگی کے بقیہ دن چتوڑ میں گزارنا چاہتا ہے لہٰذا وہ کنپل کو جنید کے پاس چھوڑنے جا رہا ہے۔ اس نے مجھے یہ بھی یقین دلایا تھا کہ اس کا بھائی مالدیو، اس کی بیوی کرن اور ان کا ماموں سیوداس کے علاوہ احمد یوسف بھی اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ محل میں رہے گا۔
کیا تم نے محل کے محافظوں سے پوچھا، وہ ان سے متعلق کیا کہتے ہیں۔"

اس محافظ نے کہا۔ "اس محل میں نہ احمد یوسف ہے نہ اس کے اہلِ خانہ اور نہ ہی کوئی یہاں محافظ ہے۔ محل بالکل اندھے کنوئیں کی طرح ویران اور سنسان پڑا ہوا ہے۔ ایسا لگتا ہے کیدار نے آپ کو دھوکہ دیا ہے اور وہ راجکماری کو امیر جنید کے پاس لے جانے کے بجائے راتوں رات اس محل کے سارے مکینوں کو نکال کر کہیں اور لے گیا ہے۔"

رحیم داد نے کہا۔ "ایسا ممکن نہیں ہے۔ اگر وہ راتوں رات یہاں سے بھاگتے تو شہر پناہ کے محافظ انہیں روکتے اور مجھے ان کے جانے کی اطلاع کرتے۔ کیوں کہ میں نے شہر پناہ کے محافظوں کو سختی کے ساتھ تنبیہہ کر رکھی تھی کہ صرف کیدار اور اس کی بہن کنپل کو شہر سے نکلنے کی اجازت ہے اور شہر پناہ کے محافظ اس محل کے سارے مکینوں کو خوب اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں اور پھر داروغہ احمد یوسف کیوں کر ان کا ساتھ دے سکتا میں نے اسے اچھی طرح سے سمجھا رکھا تھا کہ وہ اس محل کے ہر مکین پر کڑی نگاہ رکھے تاکہ یہاں اس محل میں ہمارے خلاف کوئی سازش تیار نہ ہو سکے۔ اس محل کا ہر فرد یہاں سے چوری بھاگ سکتا ہے لیکن احمد یوسف نہیں۔ تم لوگ میرے ساتھ آؤ۔"

رحیم داد محل میں داخل ہوا اور پورے محل کا جائزہ لیا۔ محل کے زیادہ تر کمرے کھ

ے تھے۔ ہر چیز پر گرد و غبار کی تہ چڑھ رہی تھی۔

رحیم داد چند ثانیوں محل کی چھت دار راہ داری میں کھڑا ہو کر کچھ سوچتا رہا پھر اس نے ے چند محافظوں کو محل کے سارے کمرے کھول کر ہر چیز کی فہرست بنانے کا حکم دیا اور خود اپنے محافظ دستے کے دیگر ارکان کے ساتھ محل سے باہر نکل گیا۔

رحیم داد سیدھا گھوڑا لیا اور شہر کے مشرقی دروازہ کی طرف گیا۔ یہ وہ واحد دروازہ تھا۔ ں وقت سے عام لوگوں کے لیے کھلا رکھا گیا تھا جب سے رحیم داد شہر کا حاکم مقرر ہوا تھا۔ بارے دروازے اس نے احتیاطاً اور وقتی طور پر بند کر دیئے تھے۔

شہر کے مشرقی دروازے پر آ کر رحیم داد اپنے گھوڑے سے اترا۔ دروازے کے ظ چوکنے ہو کر کھڑے ہو گئے اور ان کا سالار جب بھاگتا ہوا رحیم داد کے پاس آیا تو اد نے اسے مخاطب ہوتے ہوئے سخت لہجے میں پوچھا۔ "میں نے واضح طور پر تم کو یہ احکام بھجوائے تھے کہ راجہ بکرماجیت کا بیٹا کیدار اور اس کی بہن صرف شہر جا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس محل کا کوئی فرد بھی میری اجازت کے بغیر شہر چھوڑ نہیں تا پھر میرے احکام پر کیوں عمل درآمد نہیں ہوا۔

مشرقی دروازے کے اس سالار نے کہا۔ "ہم نے ایسا کوئی کام نہیں کیا۔ جس پ کے احکام کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔"

رحیم داد نے پھر سخت لہجے میں پوچھا۔ "پھر کیدار اور کنپل دونوں بہن بھائی کے ا اور کون کون شہر سے باہر نکل گیا جس کا اس محل سے تعلق تھا۔ سالار نے کہا۔ "اے امیر! اور کنپل دونوں بہن بھائی کے علاوہ اور کوئی ایسا فرد ان کے ساتھ باہر نہیں گیا۔ تعلق اس محل سے ہو۔ ہم نے دونوں بہن بھائی کی بگھی کا خوب جائزہ لیا تھا۔ اس ر کا کوئی تیسرا فرد نہ تھا۔ ہاں اس میں راج مندر کے دو پنڈت دیالال اور وسرام ضرور

رحیم داد نے چونک کر پوچھا۔ "کیا کہا تم نے راج مندر کے پنڈت دیالال اور وسرام ا دونوں کے ساتھ تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کیدار نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔

راج مندر کے ان دونوں پنڈتوں کا اس سے کیا کام۔ میرا دل کہتا ہے وہ راجکماری کنپل کو بہلا پھسلا کر جنید کے پاس لے جانے کے بہانے کہیں اور لے گئے ہیں تاکہ اس کی شادی امیر جنید سے نہ ہو سکے۔ کاش میں نے راجہ بکرماجیت کے بیٹے کو شہر سے جانے کی اجازت نہ دی ہوتی وہ امیر جنید کی منسوبہ راجکماری کنپل کو کہیں اور لے گیا ہے۔ اب میں امیر کو کیا جواب دونگا۔

ذرا توقف کے بعد رحیم داد پھر کہہ رہا تھا۔ اس کا مطلب ہے۔ محل کے داروغہ احمد یوسف اور اس کے بچوں کے علاوہ، کیدار کے بھائی مالدیو، اس کی بیوی کرن اور اس کے ماموں سیوواس اور محل کے پہریداروں کو یا تو کہیں غائب کر دیا گیا ہے۔ یا ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے اور یہ کام کیدار ہی کر سکتا ہے۔ لیکن یہ کام اس اکیلے کا نہیں۔ اس میں اور کئی لوگ بھی شامل ہوں گے اور امیر جنید کو جواب دہ ہونے کے لیے مجھے ان لوگوں کو تلاش کرنا ہوگا۔ تم سارے محافظوں کو چوکس کر دو کہ شہر سے باہر جانیوالے لوگوں پر کڑی نگاہ رکھیں اور جو بھی شخص تمہیں مشتبہ لگے اسے گرفتار کر لو اور مجھے اس کی خبر کرو۔ میں شہر کے کوتوال کو بھی ہدایات جاری کر دوں گا کہ تم دن رات کے جس حصے میں اور جب بھی جس کو چاہو شہر کے زندان میں بند کر سکتے ہو لیکن اس کی اطلاع مجھے اور کوتوال کو ہر حالت میں ہونی چاہیئے۔ شہر پناہ کے سارے محافظوں کو بھی اس سلسلے میں چوکس کر

مشرقی دروازے کے اس سالار نے اپنے سر کو ذرا سا خم کرتے ہوئے کہا۔" ایسا ہی ہوگا۔ جس طرح آپ چاہیں گے "۔

شہر پناہ کے مشرقی دروازے سے ہٹ کر اپنے محافظوں کے ساتھ رحیم داد سیدھا راج مندر میں داخل ہوا۔ ایک پجاری کو اس نے روکا اور پوچھا" کیا تم بتا سکتے ہو اس راج مندر کے بڑے پنڈت گووند کہاں ہوں گے "۔

اس پجاری نے پنڈت گووند کے کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔" وہ سامنے ان کا کمرہ ہے اور وہ مندر سے نکل کر ابھی ابھی اپنے کمرے میں گئے ہیں "۔

اپنے گھوڑے سے اتر کر رحیم داد آگے بڑھا اور اس کمرے کے دروازے پر اس نے دستک دی۔ کمرے کے اندر سے پنڈت گووند کی آواز سنائی دی " اندر آجاؤ، کون ہے!

رحیم داد جب کمرے میں داخل ہوا تو پنڈت گووند اپنی گدی دار نشست پر بیٹھا معجون ار رہا تھا۔ رحیم داد کو دیکھتے ہی پنڈت گووند اٹھ کھڑا ہوا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر پرنام کرتے ے اس نے بڑی نرمی بڑی لجاجت میں کہا۔" مہاراج! آپ کو مجھ سے اگر کوئی کام تھا ہی کاملار کو بھیج کر مجھے طلب کر لیا ہوتا۔ میں خود حضور کی خدمت میں حاضر ہو جاتا۔ پ نے کیوں زحمت کی "۔

پھر پنڈت گووند نے اپنے سامنے ایک دوسری اور صاف ستھری گدی دار نشست رف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔" بیٹھیں مہاراج! اور کہیں میں آپ کی کیا سیوا کر سکتا ں؟ "

رحیم داد اس نشست پر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے پنڈت گووند کی طرف دیکھتے ہوئے " پنڈت گووند! اس راج مندر کے پنڈت دیالال اور وسرام کو تو ذرا بلاؤ۔ مجھے دونوں سے کام ہے "۔

ایک لمحہ کے لیے پنڈت گووند کے چہرے پر ان گنت خوف اور وحشت بھرے بات آمد رفت کر گئے مگر پنڈت گووند بڑا کایاں آدمی تھا۔ اس نے فوراً سنبھلتے ے کہا۔" وہ تو یہاں سے جا چکے ہیں مہاراج! "

رحیم داد نے کہا۔" کدھر گئے؟ "

گووند نے کہا۔" ان کا ارادہ راجکمار کیدار کے ساتھ چتوڑ جانے کا تھا اور نے انہیں جانے کی اجازت دے دی۔ سنا ہے کیدار اپنی بہن راجکماری کنپل ار کے جرنیل جنید کے پاس چھوڑ کر چتوڑ جائے گا۔ لہٰذا وہ دونوں بھی اس کے ساتھ لے "۔

رحیم داد نے پوچھا" آپ سے کس نے کہا کہ کیدار اپنی بہن راجکماری کنپل کو امیر کے پاس چھوڑنے جا رہا ہے "۔

پنڈت گووند نے بڑے اطمینان اور سکون سے جواب دیا۔" پنڈت دیالال اور ام دونوں نے مجھ سے اس کا ذکر کیا تھا "۔

رحیم داد نے پوچھا "آپ نے کسی اور سے بھی اس کا ذکر کیا ؟"

پنڈت گووند نے کہا "میں نے کسی سے ذکر نہیں کیا اور پھر یہ کوئی نئی اور انوکھی کی بات تو تھی نہیں اس لیے کہ راجکماری کنیل ایک عرصے سے بابر کے جرنیل جنید کی منگیتر چلی آ رہی ہے ۔ یہ رشتہ خود راجہ بکرماجیت نے کہا تھا اور گوالیار کے کئی لوگوں کو اس کا علم ہے ۔"

رحیم داد نے پھر پوچھا "اور آپ نے پنڈت دیالال اور دوسرام کو روکنے کی کوشش نہیں کی حالانکہ وہ آپ کے راج مندر کے سرکردہ پنڈت تھے ۔"

پنڈت گووند نے کہا "آپ کا کہنا درست ہے مہاراج! کہ میں نے ان دونوں کو روکنے کی کوشش نہیں کی اس لیے کہ راجکمار کیدار میرے پاس آیا تھا اور اس نے دیالال اور دوسرام کو اپنے ساتھ چتوڑ لے جانے کی خواہش ظاہر کی تھی ۔ لہٰذا میں نے راجکمار کی اس خواہش کا احترام کرتے ہوئے ان دونوں کو اس کے ساتھ چتوڑ جانے کی اجازت دے دی ۔"

چند ثانیوں تک کچھ سوچنے کے بعد رحیم داد پنڈت گووند سے پھر کہہ رہا تھا "آج راجہ بکرماجیت کے محل کی طرف گیا تھا ۔ میرا ارادہ تھا کہ میں کیدار کے جانے کے بعد اس کے بھائی مالدیو، ماموں سیوداس اور ان کے داروغہ احمد یوسف کی احوال پرسی کروں گا لیکن جب میں وہاں گیا تو محل کے اندر کوئی بھی نہ تھا ۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کچھ کئی روز سے وہاں کوئی رہا ہی نہ ہو ۔ مالدیو، اس کی بیوی کرن اور ماموں سیوداس کے علاوہ احمد یوسف، اس کے اہلِ خانہ حتیٰ کہ محل کے محافظ تک غائب ہیں ۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی نے انہیں اٹھا لیا ہو یا ان سب کو اچانک زمین نگل گئی ہو ۔ پنڈت گووند! کیا تم جانتے ہو وہ سب کہاں ہیں اور کدھر گئے ہیں ؟"

پنڈت گووند نے فوراً اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا "مہاراج! آپ جانتے ہیں میں مندر میں ہی رہتا ہوں ۔ دنیا کی چیز بہت، بوریا بدھنا، ٹاٹ پلان اور و متاع سے میں نے اپنے آپ کو الگ الگ ہی رکھا ہوا ہے ۔ پھر مجھے کیا خبر وہ کے مکین اور ان کے محافظ کہاں جا بسے ہاں مجھے پنڈت دیالال اور دوسرام سے متعلق

ا سو وہ میں نے کھلے دل کے ساتھ آپ سے کہہ دیا ۔ اب میں تو عزلت نشین اور گوشہ بر آدمی ہوں میں ان محل کے رہنے والوں کے طور اطوار کیا جانوں ۔"

رحیم داد نے اپنی جگہ پر کھڑے ہوتے ہوئے کہا "پنڈت گووند! جس کیفیت اس وقت میں ہوں اس حالت میں ہر ایک پر میں شک کرنے پر مجبور ہوں ۔ اور جن لوگوں پر مجھے شک ہے ان میں تمہارا نام سرِفہرست ہے ۔ میں اس معاملے کی پوری تیش کراؤں گا ۔ کیوں کہ اس معاملے کے لیے میں بھی کسی کے سامنے جواب دہ ہوں ۔ جنید مجھے مؤکد انداز میں کنیل کی حفاظت سے متعلق کہہ کر گئے تھے اور سنو! میں اس معاملہ تہ تک جا کر رہوں گا اس لیے کہ میں اپنے امیر کی نظروں سے گرنا نہیں چاہتا ۔

سنو پنڈت گووند! میں اس مندر میں اپنے کچھ محافظ چھوڑ کر جا رہا ہوں ۔ تھوڑی بعد میرے لشکر کا ایک پورا دستہ یہاں آئے گا اور یہ محافظ واپس لوٹ جائیں گے ۔ میرے لشکر کا وہ دستہ اس مندر کے احاطے میں خیمہ زن ہوگا اور اس کے سپاہی دن رات یہاں تم پر نگاہ رکھیں گے ۔ ان کا کھانا پینا سب کچھ یہاں ہی ہوگا ۔ پنڈت یہ معاملہ اب بڑا گین ہو گیا ہے ۔

پنڈت گووند! اور سنو! اگر تم نے میرے آدمیوں کو کوئی چکمہ دینے کی کوشش یا انہیں چل دے کر یہاں سے بھاگ جانے کا ارادہ کیا تو میرے آدمیوں کو اجازت ہو کہ وہ تمہیں جان سے مار دیں ۔ پنڈت گووند! تم اس راج مندر میں اس وقت تک نے آپ کو محصور سمجھو ۔ جب تک میں اصل معاملے کی جان جوہر تک نہیں پہنچ جاتا ۔"

پنڈت گووند نے احتجاج کرنے والے انداز میں کہا "آپ کا میرے ساتھ ایسا لوک آپ کی طرف سے مجھ پر زیادتی ہے ۔ ہم دھرم چاری لوگ ہیں ۔ ہمارا ان کھیڑوں سے واسطہ اور مہاراج! پنڈتوں کے ساتھ ایسا سلوک ہماری دھرم ریت کے بھی خلاف ۔ شہر کے ہندوؤں کو جب میری اس حراست کی خبر ہوگی تو وہ گوالیار شہر میں آپ خلاف ایک ہنگامہ اور طوفان کھڑا کر دیں گے ۔"

رحیم داد نے سخت لہجے میں کہا "پنڈت گووند! اس معاملے میں اگر تم بے گناہ ثابت ہوئے

تو میں تم سے اِس زیادتی کی معافی مانگ لوں گا اور اگر تم اس شرارت میں ملوث پائے گئے تو پنڈت گووند لکھ رکھو میں تمہاری کھال ادھیڑ کر رکھ دوں گا اور اگر کسی نے تمہاری اس حراست کے خلاف شہر میں ہنگامہ کرنے کی کوشش کی تو پنڈت گووند اپنے تمام لوگوں کے جسم میں تیروں سے چھلنی کر دوں گا اور یہ بات بھی اپنے ذہن میں رکھنا اگر ہم اس شہر کو فتح کر سکتے ہیں تو اس کی حفاظت کے سامان بھی کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔

سنو! پنڈت گووند! اس وقت میں جا رہا ہوں لیکن بہت جلد میں اس معاملے کو نمٹا کر پھر تمہاری طرف آؤں گا اور پھر تمہارا فیصلہ ہوگا کہ تمہارے لیے یہ مندر ٹھیک ہے یا زنداں۔

پنڈت گووند! مالدیو، کرن، سیوداس، احمد یوسف، اس کے اہلِ خانہ اور محل کے محافظوں کو یا تو کسی نے راتوں رات قتل کر کے کہیں دفن کر دیا ہے اور یا انہیں بند کر دیا گیا ہے اور ان دونوں صورتوں میں جو بھی ملوث پایا گیا اس کے لیے گوالیار میں کوئی جگہ نہ ہوگی۔"

رحیم داد پنڈت گووند کے کمرے سے باہر نکل آیا۔ باہر اس کے محافظ اس کے منتظر کھڑے تھے۔ رحیم داد نے اپنے ایک محافظ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "حسن! حسن! تم ابھی اور اسی وقت اپنے گھر جاؤ اور تیار ہو کر دوبارہ میری رہائش گاہ پر میرے پاس آؤ۔ میں تمہیں نقدی کی ایک تھیلی دوں گا اور پھر تم امیر جنید کی طرف روانہ ہو جانا اور وہاں دیکھنا کہ گوالیار کے سابق راجہ کرماجیت کی بیٹی راجکماری کنپل ان کے پاس پہنچی ہے یا نہیں۔ اگر کنپل وہاں پہنچ چکی ہو تو فوراً واپس آ کر مجھے اطلاع کرو۔ اور یہ بھی دیکھنا کہ وہاں کنپل کے ساتھ اس کا بھائی مالدیو، اس کی بیوی کرن، ماموں سیوداس، داروغہ احمد یوسف اس کے بچے اور محل کے محافظ تو نہیں رہ رہے۔

اور اگر کنپل وہاں نہ ہو تو پھر امیر جنید کو کیدار کے بہانے سے کنپل کو ان کے ہاں لے جانے اور محل کے دیگر افراد کے غائب ہو جانے کے حالات و واقعات تفصیل سے کہہ دینا۔ ہو سکتا ہے وہ کوئی ایسی راہ نکال لیں جس سے ہم مسئلے کو احسن طریقے سے نمٹانے میں کامیاب ہو جائیں۔"

وہ محافظ جسے رحیم داد نے حسن کہہ کر پکارا تھا اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ ایک سخت
س نے اپنے گھوڑے کو لگائی اور اسے بھگاتا ہوا وہ مندر سے باہر نکل گیا تھا۔ رحیم داد بھی
فظوں کو مندر میں مقرر کرنے کے بعد واپس جا رہا تھا۔

○

پنڈت دیالال پاؤں پٹختا ہوا غصے، جھلاہٹ کی حالت میں حسین کنپل کے کمرے
ہر نکل گیا تھا جب کہ کنپل اپنی مسہری پر بیٹھی مسکرا رہی تھی۔ اتنے میں ایشور مندر کی دیوداسی
کراتی ہوئی اندر آئی اور کنپل سے اس نے کہا "آج تو پنڈت دیالال بھی بڑی غصیلی اور
کی حالت میں تمہارے کمرے سے نکل کر گیا ہے۔ لگتا ہے آج اسے بھی تم نے پنڈت
کی طرح اپنے مذہب کی تبلیغ کی ہوگی اور وہ برہمی میں اٹھ بھاگا ہوگا۔ اصل میں یہ لوگ
ب کے معاملے میں کٹر ہیں۔"

"دراصل ہر مذہب میں کوئی نہ کوئی چیز ضرور اچھی ہوتی ہے۔ میں تو اس کی قائل ہوں
اچھی چیز ہو اسے فی الفور اپنا لینا چاہیے۔ اب مجھے دیکھو میں تم سے اسلام کی باتیں بھی
ہوں اور اپنے دھرم پر بھی قائم ہوں اور تمہارے مذہب کی ہر اچھی بات اپنا بھی لوں گی
دن میرے ذہن، میرے ضمیر اور میرے دل نے یہ آواز دی کہ میرے دھرم کی نسبت
را دھرم حقیقت سے زیادہ قریب اور ٹھیک ہے تو پھر میں اسے اپنانے میں دیر نہ
ؤں گی۔"

سی آگے بڑھی۔ آتش دان میں لکڑیاں رکھ کر اس نے انہیں آگ لگائی پھر کنپل کے
بیٹھتے ہوئے اس نے کہا۔

"وہ کیسا مرد ہے جس سے تمہیں منسوب کیا گیا ہے۔ تم تو ہر وقت اس کی شرافت
بے خوفی اور شجاعت کی تعریف کرتی رہتی ہو لیکن اس سے یہ نہیں ہو سکا کہ تمہارا
کرے۔ یا تمہیں ڈھونڈتا ہوا تمہارے تعاقب میں یہاں آئے اور اس نرک سے تمہیں
ل لے جائے مجھے تو وہ بس ایسا ویسا ہی لگتا ہے۔ اگر اسے تم سے محبت ہوتی تو اب
اس نے طوفان کھڑا کر دیا ہوتا اور کسی نہ کسی طرح وہ تمہیں یہاں سے نکال لے جاتا

لیکن تمہیں یہاں آئے کئی روز ہو گئے اور اس کا کوئی پتہ ہی نہیں ۔

کنپل فوراً سنجیدہ ہو گئی اور جذبات میں ڈوبی آواز میں اس نے کہا۔ "لاکھی! لاکھی! تم جس کو چاہے برا کہہ لو، مجھے گالی تک دے لو لیکن جنید کے خلاف کچھ مت بولنا۔ میں جانتی ہوں وہ کس قدر مخلص اور جرأت مند ہیں ۔

لاکھی! لاکھی! جب میں ان سے ملی نہ تھی لوگ مجھے مغرور سی سرکش، جوان، خوب صورت اور سخت مزاج لڑکی سمجھتے تھے ۔ ان کے لمس نے مجھے پریم وچن دیا۔ میں اشکوں کا ایک گوہر تھی انہوں نے مجھے موتیوں ایسی خواہش دی ۔ میں پانی کی ایک بے رنگ بوند تھی انہوں نے مجھے نئی نویلی رنگوں کی رُت دی اور میرے ذہن کو کرنوں کے اشارے اور دل کو پگھلی چاندنی جیسی رونق و فرازی دی ۔

لاکھی! لاکھی! میں ایک لا انتہا پیاس تھی انہوں نے مجھے امرت سے مالا مال کیا انہوں نے میری نگاہوں کو نشہ، لبوں کو دہکتی لرزش، سانسوں کو دھڑکن اور آنکھوں کو گرم بستر جیسا سکون دیا۔

لاکھی! لاکھی! مجھے اندھیروں کے اندر روشنی کی پیاس تھی ۔ وہ میرے لیے کرنوں کی برسات، قربتوں کی آہٹ اور دل کا ماہتاب بن کر آئے ۔ انہوں نے میرے دل کے خوش رنگ دریچے کھولے ۔ مجھ کو مجھ سے ملایا ۔ میرے دل کے فانوس کو روشنی اور میرے عارض کو پریم کی رنگت عطا کی ۔

لاکھی! وہ میرے پیار کا حسین خواب، میری زندگی کا خوب صورت ترین راستہ ہیں ۔ میرے لیے وہ چراغ خوش رنگ ہیں ۔ انہوں نے میرے بگولہ جسم کی بکھری مٹی کو کول کیا۔ مجھے چاہت کی میٹھی دھوپ دی اور اپنی اسی چاہت سے انہوں نے میری گود پرندوں کی چہکار، خوشبو، حسین آرزوؤں، نغمات کے رس، عکس جمیل، یادوں کی پریوں اور مسرت کی نرتار کرنوں سے بھر دی ۔

لاکھی! اگر میں ہندو ہی رہتی تو انہیں دیوتا جان کر سارا جیون ان کی پوجا و پرستش میں بتا دیتی ۔ پر لاکھی! میرا اور ان کا رشتہ ایسے ہی ہے جیسے رام سیتا کا ۔ جیسے پھول خوشبو کا

جیسے چاند روشنی کا، جیسے جسم اور روح کا ۔ میں ان کے بغیر ادھوری ہوں لاکھی ۔ میرے لیے وہ پریم کا مسیحا، اشجار کا خنک سایہ اور عرفان کی عظیم گزرگاہ ہیں ۔

لاکھی نے پوچھا۔ "کیا تم ہی ان سے ایسا ایک طرفہ پریم کرتی ہو یا وہ بھی تمہیں چاہتے ہیں؟"

کنپل نے کہا۔ "وہ بھی مجھے پسند کرتے ہیں، مجھے چاہتے ہیں ۔ یہ میرا بھائی کیدار اور یہ مندر کے دونوں پنڈت بیکار میں کوشش کر رہے ۔ یہ مجھے اپنے دھرم میں واپس لانا چاہتے ہیں میرے دل سے جنید کی محبت نکالنا چاہتے ہیں پر یہ کیسے اور کیونکر ممکن ہے ۔ لاکھی! میں ایک ایسے سبز باغ کو چھوڑ کر پیاسے دشت و صحرا کی طرف کیوں جاؤں ۔ میں پہروں کو مسحور کر دینے والی میٹھی تمازت چھوڑ کر دیو لاخوں کی برفانی فضا کیوں قبول کر دوں ۔ لاکھی! میں جنید کے لیے ایسی ہی ہوں جیسے شکاری کی مٹھی میں محبوس کوئی پرندہ ۔ یہ لاکھ کوشش کریں مجھے ان سے جدا اور علیحدہ نہیں کر سکتے ۔"

لاکھی نے کہا۔ "راجکماری کنپل! اگر یہ بات ہے تو وہ ادھر کیوں نہیں آتے تمہیں لینے اس ایشور مندر کا رخ کیوں نہیں کرتے ۔"

کنپل نے کہا۔ "لاکھی! لاکھی! وہ بابر کے ہراول لشکر کے سالار ہیں ۔ وہ کبھی رزم گاہ میں مصروف عمل ہوں گے ۔ ابھی انہیں مجھے گوالیار سے نکال لے جانے کی خبر نہ ہوئی ہو گی جس روز انہیں خبر ہوئی کہ مجھے میری مرضی کے خلاف گوالیار سے نکال کر چتوڑ کے مندر میں پہنچا دیا گیا ہے تو لاکھی! قسم ہے مجھے اپنے رب کی جو سارے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے وہ طوفان بن کر ادھر کا رخ کریں گے اور میرے بھائی کیدار اور ان سب پنڈت پجاریوں پر تیشۂ صبح کی جھنکار کی طرح ان پر برسیں گے ۔ پھڑپھڑاتے پرندوں کی طرح وہ ان سب کی گرم شہ رگ کاٹیں گے ۔ لاکھی! تم دیکھنا جب وہ آئیں گے تو یہاں کا کوئی فرد بھی ان کی راہ نہ روک سکے گا اور وہ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں گے ۔"

لاکھی نے کہا۔ "تمہیں بڑا مان بڑا بھروسہ ہے ان پر ۔ اچھا دیکھو آتش دان میں اب آگ بھڑک اٹھی ہے ۔ اس میں اور لکڑیاں ڈالتے رہنا تاکہ کمرہ گرم رہے ۔ میں تمہارے لیے کھانا لے کر آتی ہوں ۔"

لاکھی مسکرا کر کنپل کی طرف دیکھتی ہوئی اٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

○

پچھلے کئی روز سے کشتا بخار میں مبتلا تھی۔ آج بھی وہ اپنے کمرے میں مسہری پر لحاف اوڑھے لیٹی تھی اور اس کی ساتھی دیوداسی راجی اس کے پاس بیٹھی ہلکے ہلکے اس کا سر دبا رہی تھی۔ سورج ابھی غروب نہ ہوا تھا۔ تاہم سایے خوب لمبے ہو گئے تھے۔

کشتا کا سر دباتے دباتے راجی نے پوچھا۔ "کشتا! کشتا! میں جو دوا وید سے لائی تھی، وہ تم نے کھالی۔"

کشتا نے مدھم مُردہ آواز میں کہا۔ "ہاں، کھالی ہے"۔

راجی نے اس بار دکھ اور تاسف بھری آواز میں کہا۔ "کشتا! کشتا! ہمارا تو کوئی آگا پیچھا ہی نہیں جو ہم اس مندر میں ایک دیوداسی کی حیثیت سے پڑی ہوئی ہیں۔ تمہارے تو رشتہ دار ہیں۔ اپنا تمہارا گھر بھی ہے اور پھر تمہیں پوچھنے والا، تمہاری آؤ بھگت کرنے والا جنید بھی ہے پھر تم کب تک اپنا جیون اس گھٹن زدہ ماحول میں گزارتی رہوگی۔ اس بار جب جنید تم سے ملنے آیا تھا تو تمہاری حالت دیکھ کر اس نے کچھ کہا۔ میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ پائی کہ تم دونوں کے درمیان کیسا بندھن اور کیسی آس امیدیں وابستہ ہیں۔ کشتا! کشتا! کیا تم جنید بھائی کو پسند کرتی ہو۔ ان سے پریم ان کی پوجا کرتی ہو۔"

کشتا کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو بہہ نکلے۔ آنسو، جن کی خوشگوار اور رنگین ڈھلک میں محبت چاہت اور پریم کے ان گنت اور بے حساب جذبے پنہاں اور پوشیدہ تھے۔ راجی نے ہمدردی میں ڈوبی گہری آواز میں پوچھا۔ "تم رو رہی ہو کشتا! اپنے آنسو پونچھ لو۔"

کشتا نے لرزتی گھنٹیوں جیسی صدا میں کہا۔ "راجی! میری قسمت میں ہی دکھ لکھا جاچکا ہے۔ باپ بھائی مر گئے۔ اب آتش دان کے پاس رکھی موم اور دیے میں جلتی چربی کی طرح پگھلنے کو میں اکیلی اور تنہا رہ گئی ہوں۔ لگتا ہے یہ بیماری میری جان لے لے گی۔"

راجی نے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے ڈانٹ دیا۔ "بُری باتیں نہیں کرتے"۔

کشتا نے تڑپ کر کہا۔ "آہ باپ اور بھائی کے بعد جیون کی ساری گل سازی اور

…اری ختم ہوگئی۔ لہو کے رشتے بھی کیسے مقدس ہوتے ہیں۔ جب روٹھتے اور ٹوٹتے ہیں …ز دہ چھوڑ کر رکھ دیتے ہیں۔

راجی! دنیا کی یہ رسمیں، ریتیں بھی کیسی ہیں۔ کوئی گناہوں کی لذت میں خوش ہے …جب اور جن لفظوں کے چاہے معنی بدل کر رکھ دے"۔

راجی نے کہا۔ "کشتا! تمہارا بخار کوئی ایسا خطرناک تو نہیں ہے۔ تم تو خواہ مخواہ …آج دکھی اور مغموم ہو رہی ہو۔ تم ایسا کیوں نہیں کرتی ہو کہ جنید کے پاس چلی جاؤ"۔

کشتا نے کہا "کیسے جاؤں، کس رشتے کس تعلق سے جاؤں"۔

راجی نے کہا۔ "تم جنید بھائی کو پسند تو کرتی ہو۔ پھر ان کے پاس جانے سے کیسا …ہچاؤ۔"

کشتا نے کہا۔ "میرے چاہنے نہ چاہنے اور پسند کرنے نہ کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ …سمجھتی ہوں میرے سارے جذبے یک طرفہ ہیں"۔

راجی نے چونک کر پوچھا۔ "کیا جنید بھائی تمہیں پسند نہیں کرتے؟"

دکھی لہجے میں کشتا نے کہا۔ "کہاں وہ کہاں میں۔ وہ بلندیوں پر چمکتا …سورج ہیں اور میں زمین پر تپتی ریت۔ وہ سمندر کی لہروں کا خروش ہیں اور میں بس …شام، بدلیاں، یادیں، لہریں، جھاگ اور کشتیاں دیکھ کر اپنے جی کو بہلا لینے والی ایک …بے بس اور بے سہارا لڑکی ہوں۔ وہ اندھیروں کے اندر روشنی کی لکیر ہیں اور میں …— میں بوسیدہ پابندیوں میں گھرے اذہان کی تکلیف دہ خاموشیوں کی آن …سنی آہٹ ہوں"۔

کشتا ذرا دیر کو رکی پھر اس نے اپنی تمام صوتی خوبیوں اور تازہ معونیت …جمع کرتے ہوئے کہا۔ "راجی! کہاں وہ بابر کے جرنیل کہاں میں ایک شودر لڑکی"۔

راجی نے کہا۔ "اس سے کیا ہوتا ہے۔ شودر لڑکی بھی تو کسی کی بیٹی، کسی کی …بہن ہوتی ہے۔ وہ بھی کسی باپ کا دل کسی ماں کی روشنی ہوتی ہے۔ ہر لڑکی نرم …نام کونپل کی طرح نمود کی خواہش رکھتی ہے اور پھر جذبوں کا لمس تو سب کا ایک جیسا

ہوتا ہے خواہ وہ شودر لڑکی ہو یا برہمن کھشتری "۔

کشتا نے کہا۔ "یہ صرف کہنے کی باتیں ہیں راجی! ورنہ ہمارے ہندو معاشرے میں شودر وہ گرد آلود الفاظ ہیں جن کے معنی تک کسی کو یاد نہ رہے ہوں "۔

راجی نے کہا۔ "تم باتوں باتوں میں جنید بھائی پر یہ تو ظاہر کرتی کہ تم انہیں پسند کرتی ہو۔ انہیں چاہتی ہو۔ اگر انہیں تم سے کوئی انسیت نہ ہوتی تو کیوں تمہاری اس قدر دیکھ بھال کرتے۔ اگر تم اپنی چاہت کا اظہار کرتی تو وہ ضرور تمہاری قدر کرتے۔ وہ بہت نیک دل انسان ہیں "۔

راجی رُک کر پھر کہہ رہی تھی۔ "کشتا! ہو سکتا ہے جنید بھائی چاہتے ہوں کہ چاہت کے اس اظہار کی ابتداء تمہاری طرف سے ہو ——————"

کشتا کچھ کہنے والی تھی کہ اس کی نظریں کمرے کے دروازے پر جم کر رہ گئیں۔ اگرسین کی بہن کیسو کمرے میں داخل ہوئی تھی اور وہ پوری طرح مسلح تھی۔ کمرے کے وسط میں آ کر اس نے پوچھا۔

"تم دونوں میں سے کشتا کون ہے۔ میں اس کے لیے ایک اہم اور ضروری پیغام لے کر آئی ہوں "۔

کشتا اُٹھ کر بیٹھ گئی اور کہا۔ "میرا نام کشتا ہے، پر تم کون ہو؟"

کیسو نے کہا۔ "مجھے ویردانی کے برہما داس نے بھیجا ہے۔ اس نے تمہارے نام ایک اہم پیغام دیا ہے۔ جو میں تم سے علیحدگی میں کہوں گی "۔

کشتا نے کہا۔ "تم کہو جو کہنا ہے۔ یہ راجی ہے، میری بہن ہے اس سے میرا کوئی راز نہیں ہے "۔

کیسو نے کہا۔ "نہیں اسے تھوڑی دیر کے لیے باہر نکالو۔ میں نے جو کچھ کہنا ہے تم سے علیحدگی میں کہوں گی "۔

راجی نے کہا۔ "تم نے جو کچھ کہنا ہے میری موجودگی میں کہو۔ یہ بیمار ہے۔ میں اسے چھوڑ کر نہیں جا سکتی "۔

کیسو اُٹھی، بھاگ کر اس نے کمرے کی اندر سے زنجیر لگا دی۔ پھر اس نے ...ی تلوار نکالتے ہوئے کہا۔ "اگر تم دونوں ایک ساتھ میرے ہاتھوں مرنا چاہتی ہو تو یوں ...ہی "۔

پھر اس نے کشتا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میری طرف غور سے دیکھو۔ میں ...رسین کی بہن کیسو ہوں۔ تمہاری وجہ سے ایک مسلمان جوان جنید نے میرے سگے بھائیوں ...ے علاوہ میرے شیر جیسے چچازاد بھائیوں کو قتل کر دیا۔ میں نے بڑی مشکل کے ساتھ برہما ...س کی ماں اور بہن سے تمہارا پتہ معلوم کیا۔ اب کوئی تمہیں مجھ سے بچا نہ سکے گا "۔

کیسو نے تلوار لہرا کر کشتا پر گرا دی۔ تلوار کشتا کے شانے پر لگی اور وہ بچاری ...پ کر بناک چیخ مارتی ہوئی خون میں لت پت بستر پر بچھ گئی تھی۔

تلوار لگنے کے بعد جب کشتا خون میں لت پت ہو کر کسی لاش کی طرح اپنے بستر پر بچھ سی گئی تو راجی زور زور سے چلّانے لگی اور مدد کے لیے پکارنے لگی۔

کیسو دوسری بار اپنی تلوار کشتا پر گرانا چاہتی تھی کہ راجی نے آتش دان سے ایک جلتی لکڑی اُٹھا کر اسے دے ماری۔ کیسو بوکھلا کر کمرے کے فرش پر گر گئی۔

راجی کے شور کرنے پر باہر سے پجاری اور دیو داسیاں اس کمرے کے دروازے کو پیٹنے لگے تھے۔

کیسو جب فرش پر گر گئی تو راجی نے بھاگ کر کمرے کا دروازہ کھول دیا اور کیسو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا۔ "اس ظالم لڑکی نے کشتا کو تلوار مار کر گرا دیا ہے۔ اب پتہ نہیں وہ زندہ بھی ہے یا مر چکی ہے۔"

کیسو دوبارہ اٹھ کر اپنی تلوار سونتنا چاہتی تھی کہ پجاریوں نے بھاگ کر اسے پکڑ لیا اور اس پر قابو پا لیا پھر وہ غصے اور انتقام کی آگ میں کیسو کو گھسیٹتے ہوئے اس کمرے سے باہر لے گئے تھے۔

راجی بھاگ کر آگے بڑھی' اور کشتا کو وہ اپنی گود میں سمیٹ کر اسے سنبھالنے لگی

تا نے انتہائی دکھ سے روتی بین کرتی آواز میں کہا۔ "راجی! میں ختم ہو رہی ہوں۔ جنید ے تو اسے میری طرف سے رخصتی پرنام کرنا۔ کاش میں جان سکتی کہ ان کے دل میں میرے ے کوئی پریم اور چاہت کا جذبہ تھا یا نہیں۔

کاش میں نے ان سے اپنے دل کی بات کہی ہوتی۔ وہ بُرا نہ مانتے ضرور مجھ سے ہمدردی ظہار کرتے بُرا تو انہوں نے اس وقت بھی نہ مانا تھا جب میرے بھائی نے انہیں میرا بَر اور پتی ار دیا تھا۔ کاش میں انہیں بتا سکتی کہ میرے ہونٹوں کی سچائی میں ان کے لیے چاہت تھی۔ ری آنکھوں کی روشنی میں ان کے لیے پریم رکھ نہیں تھیں۔

کشتا چند ثانیوں تک رُکی اور خاموش رہی۔ جیسے وہ سمندر کے اندر ٹھہرے خوابوں کے ر اسرار جزیروں میں کھو گئی ہو۔ اس دوران راجی اس کے گہرے زخم پر بستر کی چادر سے پٹیاں ا بنا کر زخم سے ابلتے گرم گرم خون کو روکنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد بے نوا لمحات کی لہروں پر تیرتی ہوئی اور گھمبیر خیالات سے بھرپور شتا کی آواز پھر بلند ہوئی وہ کہہ رہی تھی۔ "راجی! جنید ایک ستارہ ہیں اور ستاروں ر کسی کی کیا اجارہ داری۔ دیکھو میں بے حقیقت و بے دست و پا لڑکی رخصت ہو رہی ہوں۔ ب کبھی جنید میرا پتہ کرنے ادھر آئیں تو میری طرف سے انہیں صرف اتنا کہہ دینا کہ کشتا ان ے پریم کرتی تھی۔

آہ! ہر طرف ایک حشر بپا ہے، پُراسرار گھنی تاریکیاں میری تاک میں ہیں۔ حشر کی بیدرات کی ابتدا ہونے والی ہے۔ پھر نہ کوئی آہٹ ہو گی نہ کھٹکا۔ نگر نگر تیرگی پھیل جائے ا سردی کی یہ طویل رات ریگستانی ویرانوں کی طرح میرے کانوں میں موت کی موسیقی کا الحان ہونک رہی ہے۔

راجی نے کشتا کو اور زور سے لپٹاتے ہوئے کہا۔ "اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرو شتا! مایوسی کی باتیں نہ کرو۔"

کشتا پھر نیم سی غنودگی میں کہہ رہی تھی۔ "آہ! وہ چاندنی بن کر میرے دل میں سے تھے۔ پر میں غم کے حصار میں ڈوب رہی ہوں۔ آہ! کتنی ہی بے داغ پیشانیاں

کتنے ہی خوش رنگ بدن۔ کیسی کیسی بے جرم روشنیاں اپنے سارے شعور، بانکپن اور چراغ شہرنگاراں جیسے جذبوں کے ساتھ یہاں سے کوچ کر گئے۔ میں بھی رخصت ہو رہی ہوں۔ پتیوں اور کونپلوں کی نوک پر ٹھہرے شبنم کے قطرے کی طرح جو خشک سوکھی زمین میں جذب ہو کر ختم ہونے کو ہو۔ بیکراں تیرگی مجھے پُراسرار ساحلوں کی طرف لیے جا رہی ہے۔ پلکوں پر رکھے اشکوں کے موتی کی طرح موت مجھے اندھیرے کے پروں پر اٹھانے لپک رہی ہے۔ میری دوشیزگی کی رنگت ختم ہو جائے گی۔ میرے پیار سے لکھے لفظوں کا عکس مٹ جائے گا

اچانک کشتا کا تقدسِ نظر ختم ہو گیا، ہونٹوں کے زاویے جاتے رہے اور وہ خاموش ہو گئی۔

راجی نے گھبرا کر کشتا کی نبض پہ ہاتھ رکھا۔ نبض رک چکی تھی اور کشتا بے چاری موت کی وادیوں کی طرف کوچ کر چکی تھی۔ راجی بے چاری اس سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ کمرے میں ان کے اِردگِرد کھڑی دیوداسیاں بھی رو رہی تھیں۔

پجاریوں نے کیسو کو باہر لے جا کر اسے اس کی تلوار سے مار کر اس کی لاش کو کتوں کے آگے ڈال دیا تھا۔

باہر اب رات ہو گئی تھی۔ ریشمی اجالوں کے حسن کو نگل کر رات بکھر گئی تھی۔ آسمان پر ستارے کارواں در کارواں اور قافلہ در قافلہ رواں دواں ہو گئے تھے۔ جیسے وہ حسین قصوں کا دمکتا عنوان لکھنے جا رہے ہوں۔ تیز ہوائیں مندر کے تالاب کے پانی کو گدگدا رہی تھیں اور خزاں رسیدہ خشک پتے اِدھر اُدھر اُڑتے ہوئے ہر شے کے فانی ہونے کی خبر دے رہے تھے۔ دور ــــ بہت دور اندھیرے کے خوابیدہ بستر میں پربتوں کے جھروکوں کے اندر بادلوں کے ٹکڑے جم سے گئے تھے۔

O

راپری شہر سے باہر دریا کے کنارے متحدہ لشکر کو شکست دینے کے بعد بابر نے خیرآباد شہر کی طرف پیش قدمی کی۔ کیوں کہ یہاں کے راجہ بین راؤ نے رانا سانگا اور بابر کی جنگ کے دوران لکھنو پہ قبضہ کر کے رانا سانگا کو تقویت پہنچائی تھی۔

بین راؤ کو جب خبر ہوئی کہ بابر راپری شہر میں ایک جرار اور متحدہ لشکر کو عبرتناک

شکست دینے کے بعد بڑی تیزی سے اس کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے تو اس پر بابر کا خوف اور لرزہ طاری ہو گیا اور بابر سے مقابلہ کرنے کے بجائے وہ اپنی جان بچانے کی خاطر فرار ہو گیا۔ بابر نے آگے بڑھ کر اس کے شہر خیرآباد اور نواحی علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔

خیرآباد پر قبضہ کرنے اور اس کا نظام درست کرنے کے بعد بابر نے برق رفتاری سے چندیری کا رُخ کیا۔ یہاں کا راجہ میدنی راؤ انتہائی طاقت ور اور متکبر تھا اور پھر اس پر مزید یہ کہ اسے رانا سانگا کی بھی مکمل حمایت حاصل تھی۔

چندیری کا قلعہ اور شہر کی فصیل انتہائی مضبوط اور پختہ تھے۔ یہ شہر اور اس سے منسلک دوسرے قلعہ جات سکندر لودھی کے زمانے سے ایک مسلمان محمد شاہ کے زیرِ نگیں تھے لیکن سکندر لودھی کے بعد جب ابراہیم تخت نشین ہوا تو اس نے چندیری پر چڑھائی کر کے اس پر قبضہ کر لیا لیکن جس وقت بابر اور ابراہیم لودھی ایک دوسرے کے خلاف برسرِپیکار تھے رانا سانگا نے ان کی اس جنگ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چندیری شہر پر حملہ کر دیا اور اس پر قبضہ کرنے کے بعد شہر اور اس سے ملحقہ علاقے اور قلعہ جات رانا سانگا نے اپنے دوست راجہ میدنی راؤ کے حوالے کر دیئے۔

میدنی راؤ نے دن رات محنت کر کے اپنی عسکری قوت میں اضافہ کر لیا اور چندیری کے قلعے کی ازسرِنو مرمت کر کے اس نے قلعے کو اپنے طور پہ ناقابلِ تسخیر بنا دیا تھا اور پھر اس پر مزید یہ کہ میدنی راؤ نے شہر کی پہلی فصیل کے باہر پتھروں کی ایک خوب چوڑی اور مضبوط ایک اور فصیل بنا دی تھی۔ اس طرح اس نے چندیری شہر کو بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ کر کے رکھ دیا تھا اور پھر فصیل کے ساتھ دریا بہتا تھا جو حملہ آور کے لیے ایک اور رکاوٹ تھی۔

بابر نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ایک نشیبی جگہ مورچے کھود کر بابر نے اپنی توپوں کو نصب کیا۔ تیراندازوں کے لیے بھی گڑھے کھود دیئے گئے تھے تاکہ ان کے اندر محفوظ رہ کر وہ تیراندازی کر سکیں۔

بابر نے اپنی توپیں دریا کے مخالف سمت نصب کرائی تھیں جب کہ تیراندازوں کو

اس نے چاروں سمت پھیلا دیا تھا۔ اس کے جواب میں میدنی راؤ نے بھی شہر کی حفاظت کا انتہائی محکم بندوبست کر رکھا تھا۔

اپنے لشکر کے علاوہ رانا سانگا کے لشکر کا کچھ حصہ بھی اس کے پاس تھا اور پھر شہر کی جو اس نے نئی فصیل بنائی تھی وہ اس قدر چوڑی تھی کہ اس نے اس فصیل پر بڑی بڑی منجنیقیں نصب کرا دی تھیں۔ فصیل پر پتھروں کے ڈھیر لگا دیئے گئے تھے تاکہ منجنیقوں سے بابر کے لشکر پر سنگباری کی جا سکے۔

اس کے علاوہ چندیری کے شہری شہر کے اندر کھلے میدان میں آگ کے انگارے اور کھولتا پانی تیار کر رہے تھے تاکہ منجنیقوں کے ذریعے آگ کے انگارے اور کھولتا پانی بھی حملہ آوروں پر پھینکا جائے۔ بہر حال میدنی راؤ نے چندیری کو بچانے کے لیے ہر تدبیر اختیار کر لی تھی۔

بابر نے حملے کی ابتدا کرانے کے لیے امیر توپ خانہ علی قلی کو حکم دیا کہ سب سے پہلے شہر کی فصیل پر توپوں سے گولے داغ کر حملے کی ابتدا کی جائے۔ علی قلی خان نے کئی گولے اپنی توپوں سے داغے لیکن ان میں سے کوئی بھی شہر کی فصیل کو نہ لگا۔ اس لیے کہ شہر کی فصیل بہت بلندی پر تھی اور توپیں اس قدر سیدھی اونچائی پر گولے نہ پھینک سکتی تھیں۔ بابر نے توپوں کا استعمال ترک کر کے اپنے جرنیلوں کی مجلس مشاورت طلب کر لی۔ تاکہ شہر پر نئے سرے سے حملہ کرنے کی تدابیر سوچی جائیں۔

دریا کے کنارے بابر کا جو خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ اس میں بابر کے بلانے پر جب جنید، علی قلی خان، قورچ بیگ، عبدالملک قورچی اور چند دیگر سالار جمع ہو گئے، تو بابر نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"تم لوگوں نے دیکھا، علی قلی خان نے کئی گولے شہر کی فصیل کی طرف داغے لیکن ان میں سے کوئی بھی شہر کی فصیل کو نہیں لگا۔ اس لیے کہ چندیری شہر ایک پہاڑ کے اوپر آباد ہے اور ان کوہستانوں کے اوپر بنی شہر کی دونوں فصیلیں ایسی بلندی پر ہیں کہ توپوں کا دہانہ اس قدر اوپر نہیں کیا جا سکتا کہ ان کا گولہ جا کر فصیل کو لگے۔ لہٰذا جتنے بھی گولے داغے گئے وہ سب

ں کو ہستانی سلسلے کو لگے جس کے اوپر فصیل بنی ہوئی ہے۔ اب تم لوگ بولو کیا کہتے ہو۔"

قورچ بیگ نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ "توپ خانے کو پیچھے ہٹا لیا جائے اور شہر کے روازوں پر حملہ آور ہو کر اور ان پر قبضہ کر کے شہر کے اندر داخل ہونے کی کوشش کی جائے۔ تر ہے ایسے آلات سے کام لیا جائے جس سے ہم شہر پناہ کے دروازے توڑ کر اندر داخل ہو سکیں۔"

بابر نے کہا۔ "قورچ بیگ تمہارا مشورہ درست ہے لیکن اس میں ایک قباحت ہے اور وہ یہ کہ جس وقت علی قلی خان نے شہر پناہ پر گولے داغے تھے اس وقت میں نے قلب کے چند دستوں کو بھی شہر پناہ پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا تھا لیکن میں نے فی الفور دستوں کو فصیل سے پیچھے ہٹا لیا کیوں کہ شہر پناہ کے اوپر سے ان پر پتھر، جلتے سرخ انگارے کھولتا ہوا پانی پھینکا گیا تھا۔

قورچ بیگ! اگر ہم تمہاری تجویز کے مطابق شہر پر حملہ آور ہوتے ہیں تو ہمیں ول، آگ کے انگاروں اور کھولتے پانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میں سمجھتا ہوں پہلے ان ں چیزوں سے بچاؤ کا سامان کیا جائے اس کے بعد شہر کے دروازوں پر حملہ کیا جائے ہمارے لشکریوں کا کم از کم نقصان ہو۔ لگتا ہے مدنی راؤ نے شہر کی دونوں فصیلوں اوپر منجنیقیں نصب کرا دی ہیں۔ جن کے ذریعے اس نے ہم پر پتھر، انگارے اور تا پانی پھینکنے کے انتظامات کیے ہیں۔"

اس موقع پر عبدالملک قورچی نے بولتے ہوئے کہا۔ "میرے خیال میں بہتر ہے کو پھر پیچھے ہٹا لیا جائے اور انتظار کیا جائے۔ تاہم شہر کا سختی کے ساتھ محاصرہ جاری جائے تاکہ باہر سے کھانے پینے کی اشیاء اندر نہ آ سکیں اور پھر چند یوم تک برسات کی ں کا طویل سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ میں سمجھتا ہوں عین برستی بارش میں چندیری شہر فصیل پر زوردار حملہ کر دیا جائے گا۔ بارش کے دنوں میں دشمن ہم پر کھولتا پانی اور انگارے پھینک سکے گا۔ ہاں وہ ہم پر پتھر برسا سکتے ہیں جن سے بچنے کی تدابیر کی جا سکتی ہیں۔ اس شہر فصیلیں ہیں وہ دونوں پہاڑوں کے بڑے بڑے پتھروں سے بنائی گئی ہیں جنہیں توڑنا

بھی آسان کام نہیں ہے۔ چندیری پر قبضہ کرنے کے لئے ہمیں صرف اپنی اندھی قوت سے کام نہیں لینا چاہیئے بلکہ یہ دیکھنا ہوگا کہ اپنے کم سے کم نقصان پر ہم زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کر سکیں۔"

بابر نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "عبدالملک! میں تمہاری تجویز سے بھی اتفاق نہیں کرتا۔ اس لیے کہ کون بارشوں کا انتظار کرے اور پھر بارشوں کا سلسلہ نہ جانے کب شروع ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس موسم میں بارش ہو ہی نہ۔ اس کے علاوہ میں لشکر کو انتظار کی اذیت میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ میں کسی فوری تجویز پر کاربند ہو کر چندیری شہر پر قبضہ کرنا چاہتا ہوں۔ یہاں رک کر برسات کے موسم کا انتظار ہمارے لیے ممکن بھی نہیں۔ اس طرح کئی دوسری قوتوں کو ہماری اس کمزوری کا علم ہو جائے گا کہ ہم چندیری کو عام حالات میں فتح کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ ایسی صورت میں ہو سکتا ہے کئی اور قوتیں ہمارے خلاف نہ ختم ہونے والی چھاپہ مار جنگوں کا سلسلہ شروع کر دیں۔"

بابر دم لینے کو رکا پھر وہ کہہ رہا تھا۔ "دوسرے انتظار کرتے کرتے لشکر بددلی اور بے حوصلگی کا شکار ہو جائے گا اور اس دوران اگر کسی نے ہمارے خلاف چھاپہ مار جنگ کی ابتدا کر دی تو ہمارا لشکر جس کے حوصلے اب تک بلند ہیں بالکل جنگ کرنے کے قابل نہ رہے گا۔ میں آج ہی مدینی راؤ کے خلاف اپنی پوری سرگرمی کے ساتھ جنگ شروع کرنے کے حق میں ہوں لیکن اس کے لیے مجھے کوئی مناسب طریقہ کار اور لائحہ عمل اپنانا ہوگا۔ جنید! جنید! تمہارا اس جنگ سے متعلق کیا مشورہ ہے۔"

جنید نے کہا۔ "میرے آقا! میں آپ کے ان خیالات سے اتفاق کرتا ہوں کہ اپنی پوری سرگرمی اور قوت کے ساتھ آج ہی جنگ کی ابتدا کر دی جائے۔ اگر ہم صرف شہر کا محاصرہ کر کے برسات کے موسم کا انتظار کرتے ہیں تو یہ مدینی راؤ کے لیے کم نقصان دہ ہے۔ اس کے لیے صرف رسد و کمک کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا لیکن اس سے اسے چنداں فرق نہ پڑے گا کیونکہ مدینی راؤ نے شہر کے اندر خوراک اور دیگر ضروری اشیاء کا اس قدر ذخیرہ کر لیا ہوگا کہ وہ کئی ماہ تک باہر کی رسد و کمک کا محتاج نہ ہوگا لیکن یہ کئی

ماہ کا محاصرہ ہمارے لیے زیادہ نقصان دہ ہوگا۔ ہمارا لشکر ایک ہی محاذ پر مصروف ہو کر رہ جائے گا اور دشمن قوتوں کو ہمارے خلاف سر ابھارنے اور ترکتاز کرنے کے لیے وسیع مواقع میسر آ جائیں گے۔"

بابر نے پوچھا۔ "تو پھر تم کیا طریقہ مناسب سمجھتے ہو۔ اس سے قبل ہمارا واسطہ ایسے حالات سے نہیں پڑا جہاں ہمارا توپ خانہ ہی بے کار ثابت ہوا ہو۔"

جنید نے کہا۔ "آپ دیکھتے ہیں شہر کی ایک جانب سے دریا اس کوہستانی سلسلے سے ٹکرا کر گزرتا ہے جس کے اوپر شہر کی فصیل بنی ہوئی ہے۔ ہمیں اسی دریا کی سمت سے چندیری شہر پر حملہ آور ہونا چاہیئے۔ اس راستے سے اگر ہم شہر پر حملہ آور ہوں تو شہر پر قبضہ کرنے میں ہمیں زیادہ دیر نہ لگے گی۔"

اس بار قوچ بیگ نے بولتے ہوئے کہا۔ "کیا دریا کی طرف سے حملہ ہمارے لیے دشواریوں اور مسائل کا باعث نہ ہوگا۔ دریا کی طرف سے چندیری شہر کی فصیل اس قدر بلند ہو جاتی ہے کہ اس پر چڑھنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ دریا کی طرف سے جس قدر فصیل اونچی ہے اس سے کہیں اونچا وہ کوہستانی سلسلہ ہے جس کے اوپر شہر پناہ بنائی گئی ہے۔ اس طرح دریا کی سمت سے شہر پناہ ایک طرح سے دوسری طرف سے شہر پناہ سے دگنی سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے پھر سپاہ کے لیے اس پر چڑھنا کیوں کر ممکن ہوگا اور پھر خود دریا ہمارے لیے ایک علیحدہ مسئلہ کھڑا کر دے گا۔ دریا میں لشکر کو اتارنا اور وہاں سے پھر اوپر چڑھنا جان جوکھوں کا کام ہے۔"

جنید نے کہا۔ "دریا کی طرف سے حملہ آور ہونا مشکل ہے اسی لیے اس طرف سے حملہ آور ہونے کا مشورہ دیا ہے۔ یاد رکھو قلعے کا جو حصہ یا فصیل کا جو بازو بھی زیادہ مضبوط اور دشوار گزار ہوگا اس کے دفاع کی طرف دوسری سمتوں کی نسبت کم دھیان دیا جاتا ہے۔ میری بات لکھ رکھو کہ دریا کی سمت دشمن نے فصیل کے اوپر کوئی منجنیق وغیرہ نصب نہ کی ہوگی اور اس طرف سے ہم پر پتھر، آگ کے انگارے اور کھولتا پانی پھینکے جانے کے بہت کم امکانات ہیں۔ اور سنو! میں اس سمت کا بغور جائزہ لے چکا ہوں،

وہاں کا کوہستانی سلسلہ ایسا ہے کہ بغیر کمند کے چڑھا جا سکتا ہے اور پھر اس پہاڑ پر جو فصیل ہے وہ بھی کوہستانی پتھروں سے بنائی ہے۔ پتھروں کی یہ دیوار غیر ہموار ہوئیں اور باہر کی طرف ابھرے ہوئے پتھروں پہ پاؤں جما کر بڑی آسانی کے ساتھ اوپر چڑھا جا سکتا ہے۔

آپ شہر کی وہ سمت میرے حوالے کر دیں اور آپ لوگ لشکر کے دیگر تین حصوں کے ساتھ شہر کے تینوں اطراف میں پوری قوت اور جانفشانی سے حملہ کر دیں لیکن اس حملے کی ابتدا سورج غروب ہونے سے تھوڑی دیر بعد کی جائے۔ میں اپنے لشکر کے ساتھ گھات میں چھپا رہوں گا اور دشمن یہی سمجھے گا کہ شہر پر صرف تین اطراف سے حملہ ہوا ہے۔ لہٰذا وہ دریا کی سمت زیادہ توجہ نہ کرے گا اور اپنی پوری قوت اور دھیان دیگر تین اطراف میں صرف کرے گا۔ جب سورج غروب ہو کر اندھیرا گہرا ہو جائے گا تو میں دریا کی سمت جاؤں گا۔ پہلے اپنے سارے لشکر کو اس کوہستان پر چڑھا لے جاؤں گا اور پھر وہاں سے رسوں کی سیڑھیاں اور کمندوں کے ذریعے شہر پناہ پر چڑھنے کی کوشش کریں گے۔

اپنے سارے لشکر کو فصیل پر چڑھانے کے بعد میں اپنا راستہ بناتا ہوا شہر پناہ شمالی دروازے کی طرف بڑھوں گا۔ اس وقت تک دشمن کو میرے فصیل پر چڑھ آنے کی ایک سرے سے دوسرے سرے تک اطلاع ہو چکی ہوگی۔ لہٰذا دشمن اپنی پوری قوت صرف کر کے مجھے شہر پناہ سے اتارنے کی کوشش کرے گا۔ اس دوران اگر آپ لوگ تین اطراف سے اپنے آدمی فصیل پر چڑھانا شروع کر دیں۔ تو میرا کام قدرے آسا ہو جائے گا اور میں شہر کے اندر اتر کر فصیل کا شمالی دروازہ کھول دوں گا۔

بیرونی فصیل پر قبضہ کرنے کے بعد اندرونی فصیل کو اپنے قبضے میں لینا ہما لیے کوئی دشوار نہ ہوگا۔ کیونکہ ہمارے آگے آگے بھاگ کر دشمن جب پہلی فصیل اتر کر دوسری فصیل تک جائے گا تو اس کا تعاقب کرتے ہوئے ہم بھی دوسری فصیل تک جا پہنچیں گے اور اس پر بھی قبضہ کر کے ہم شہر کے اندر اتر سکتے ہیں۔ میرے خیال میں

طریقہ ہے جس سے کام لے کر آنے والی صبح سے پہلے پہلے ہم چندیری شہر پر اپنا قبضہ ل کر سکتے ہیں۔"

بابر نے جنید کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔" سمر بیگ کے بیٹے! خدا کی م نے ایسا مشورہ دیا ہے جو نہ صرف قابلِ عمل ہے بلکہ اس پر عمل کر کے ہم بہت کم وقت میں راؤ کو اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیں گے۔ شام تک اپنے اپنے لشکروں کو آرام کرنے تع دو اور ان کے لیے عمدہ اور بہترین کھانے کا بندوبست کرو لیکن یہ یاد رکھنا کہ کسی لشکر ئی بھی سپاہی اپنے ہتھیار نہیں کھولے گا بلکہ چوکس اور مستعد رہے گا۔

اب تم لوگ جاؤ۔ سورج غروب ہونے کے بعد دشمن پر حملے کی ابتدا کر دی جائیگی مجھے امید ہے انشاءاللہ کل آنے والی صبح کا سورج ہمیں اپنے لشکر سمیت چندیری شہر اللہ ایک فاتح کی حیثیت سے دیکھے گا۔ اب تم لوگ جاؤ اور اپنی تیاری مکمل کرو۔"

جنید، قوچی بیگ، عبدالملک قورچی، علی قلی خان اور دیگر سالار اٹھ کر بابر کے ے سے باہر نکل گئے تھے۔

○

سورج غروب ہو رہا تھا۔ ماحول نے اپنے چہرے پر تاریکی کا غلاف چڑھانا شروع ردیا تھا۔ بلند اونچی نوکدار چٹانیں، سربہ آوردہ صنوبر کی طرح کھڑی تھیں۔ ہواؤں سے لاؤں تک، دریا سے کوہساروں تک کسی قدر گھمبیر، مکڑی کے جالے کی طرح سنسان اور ال زدہ درختوں جیسی مایوس کن خاموشی طاری تھی۔

دھوپ کے جلتے الاؤ بجھ گئے تھے، خزاں کا رنگ فق، زندگی کے ضمیر کا جذب سنسان نات کا سہاگ اجاڑ اور روشنی کی تخلیق کا تسلسل ویران ہونے لگا تھا۔ پھر بھنورے سر دتوں ا لوہیں سمٹنے لگے۔ اوس شیشم کی خمیدہ شاخوں پر لہراتے خشک پتوں سے گلے ملنے لگی۔ زم اجالے گہرے ابھرتے دھندلکوں میں ڈوبنے لگے۔ حسن کائنات سیاہ ہونے لگا۔ جھینگر یوں ت گانے لگے جیسے خلاؤں کی کسی رقاصہ کے دوڑتے پاؤں کی پازیب چھنن چھنن چھنک گئی بابر نے دریا کی سمت خالی چھوڑ کر اچانک تین اطراف سے چندیری شہر پر حملہ آور

ہونے کا حکم دیا تھا۔

بابر نے اپنے جنگی چھکڑوں پر لوہے کی ڈھالیں ڈھال کر انہیں آگے آگے رکھا ان کی اوٹ میں اس نے اپنے لشکر کو رکھ کر حملے کی ابتدا کی تھی۔ ساتھ ساتھ اس نے اپنی منجنیقوں کو بھی آگے بڑھایا تھا۔

دشمن نے بھی شہر پناہ کے اوپر سے جوابی حملے کی ابتدا کرتے ہوئے بابر کے لشکر پر آگ، کھولتے پانی، تیروں اور پتھروں کی بارش کر دی تھی لیکن اپنے چھکڑوں کی اوٹ میں آگے بڑھتے ہوئے بابر کے لشکری محفوظ تھے۔

مناسب فاصلے پر جا کر بابر نے شہر پناہ پر پتھر اور تیر برسانے کا حکم دے دیا تھا۔ پھر بابر کے تیر انداز اور منجنیق کار حرکت میں آئے اور انہوں نے فصیل پر دشمن سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ سنگ و آہن کی بارش شروع کر دی تھی۔ ہر طرف ایک شور، ایک طوفان اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

ماحول سیاہ کار بگولوں کا شکار ہو گیا۔ رشتوں کی کڑیاں ٹوٹنے لگیں۔ اُجلے پیراہن داغدار ہونے لگے۔ ہوا کی حسین سنسناہٹ بپھری آوازوں کے اندر ڈوبنے لگی۔ بابر کے لشکر نے اس تیزی سے تیر اندازی اور سنگ باری کی تھی کہ فصیل کے اُوپر آگ، کھولتا پانی اور پتھر برسانے والے دشمن کے لشکریوں کا کام دشوار ہو گیا۔ ان کی رفتار سست پڑنے لگی اور تیر پتھروں کی مار سے ان کے ساتھی شام کو ٹوٹنے والے ستاروں کی طرح زخمی ہو کر گرنے لگے تھے۔

چندیری شہر کی فصیل پر جنگ میں مصروف مدنی راؤ کے لشکر کو پوری طرح یقین ہو گیا تھا کہ بابر نے شہر کے صرف تین اطراف سے ہی حملہ کیا ہے اور دریا کی سمت والی مشکل ترین جانب سے اس نے حملہ آور ہونے کی جرأت نہیں کی لیکن ان کو خبر نہ تھی کہ جنید کسی انتہائی زہریلے ناگ کی طرح مناسب وقت پر باہر نکلنے کے لیے گھات میں بیٹھا ہوا ہے۔ دریا کی سمت والی فصیل پر کوئی لشکر متعین نہ کیا گیا تھا بلکہ وہاں پر کچھ محافظوں کا پہرہ لگا دیا گیا تھا تاکہ وہ دریا کے ساتھ پڑنے والی شہر پناہ کی حفاظت کریں اور ارد گرد نگاہ رکھ کر حفاظت کا سامان کریں۔

رات جب گہری ہونے لگی۔ شام کی بجھی بجھی آنکھوں میں جب فردا کے ان چکھے ...وں کی خواہش تڑپنے لگی۔ ہر شے جب رات کے پُرکیف سکون اور نیند کی مانوس چادر ...کر بیزے سے ہم آغوش پُرسکون دوریوں جیسی صورت اختیار کرنے لگی تو جنید اپنے دامن ...وں کی توقع لے کر اپنی گھات سے نکلا۔ اپنے لشکر کو وہ اس کوہستان پر لایا جس کے ... چندیری شہر کی فصیل کھڑی کی گئی تھی۔

پھر جنید نے اپنے لشکر سے بیس جوان علیحدہ کیے۔ ان میں سے اس نے ہر ایک کو ایک کمند اور ایک ایک رسوں کی سیڑھی مہیا کی۔ پھر جنید نے انہیں مخاطب کرتے ...دھم اور سرگوشی آمیز آواز میں کہا۔

"میرے رفیقو! میرے ساتھیو! میرے بھائیو! میں نے تم میں سے ہر ایک کو ایک کمند اور ایک ایک رسوں کی سیڑھی مہیا کر دی ہے۔ ایسی ہی ایک کمند اور رسوں کی ...ھی میرے پاس بھی ہے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ ہم سب پہلے کمندیں پھینک ... اوپر چڑھیں گے اور فصیل کے اوپر جا کر وہاں مناسب جگہ رسوں کی سیڑھیوں کا ایک ... باندھ کر سیڑھیوں کو نیچے پھینک دیں گے تاکہ رسوں کی ان سیڑھیوں کے ذریعے ہمارا پورا لشکر ...پر چڑھ آئے اور شہر پناہ کے اس حصے پر قبضہ کرنے میں ہمیں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

اور سنو! تم دیکھتے ہو فصیل کے اُوپر کوئی زیادہ لشکر نہیں ہے۔ صرف محافظ پہرہ ... رہے ہیں۔ جس جگہ اس وقت ہم کھڑے ہیں اس کی سیدھ میں آ کر دو پہریدار جمع ہوتے ... اپنا اطمینان کر لینے کے بعد وہ دوبارہ مختلف سمتوں کو روانہ ہو جاتے ہیں۔ جب ...وں پہریدار یہاں ملنے کے بعد مخالف سمتوں کو روانہ ہوں اور ان کے درمیان کچھ فاصلہ ...ئے تو اس وقت ہم سب کو فصیل پر اپنی کمندیں پھینک کر اُوپر چڑھنا شروع کر دینا ... کمند پھینکتے وقت اور فصیل پر چڑھتے وقت کم سے کم آواز پیدا کرنے کی کوشش کی جائے ...کہ فصیل کے اوپر پہرہ دینے والے چوکس ہو کر ہمارے کام کو دشوار نہ بنا دیں۔ اب تم ...یار رہو، جب دونوں پہریدار یہاں آ کر ملیں پھر مخالف سمتوں کو روانہ ہو کر کچھ دُور ...ئیں تو ہم اپنے کام کی ابتدا کر دیں گے۔"

جنید خاموش ہوگیا کیوں کہ پہریدار مخالف سمتوں کی طرف سے آرہے تھے جب وہ وہاں آکر ملے پھر مخالف سمتوں کو روانہ ہونے کے بعد اپنے درمیان انہوں نے کچھ فیصلہ کیا تو جنید اور اس کے ساتھیوں نے فصیل پر اپنی کمندیں پھینک کر بڑی تیزی سے اُوپر چڑھنا شروع کر دیا تھا۔

اپنے ساتھیوں کے ساتھ شہر پناہ کے اُوپر جا کر بڑی تیزی اور سرعت سے جنید نے رسوں کی سیڑھیاں وہاں باندھ کر ان کے دوسرے سرے فصیل سے نیچے پھینک دیئے تھے۔ اس طرح جنید کا لشکر بڑی تیزی سے اُوپر چڑھنے لگا تھا۔ جنید اور اس کے بیس ساتھی فصیل کے اُوپر لیٹ گئے تھے۔

دونوں پہریدار جب اپنی مقررہ جگہ سے مڑ کر واپس آئے تو جنید کے آدمیوں نے ان پر حملہ آور ہو کر دونوں کو قتل کر دیا اور ان کی لاشیں شہر پناہ سے باہر نیچے پھینک دی تھیں۔ پھر جوں جوں شہر پناہ کے اُوپر جنید کے ساتھیوں میں اضافہ ہو رہا تھا اسی رفتار سے وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر شہر پناہ کے شمالی حصّے کی طرف بڑھ رہا تھا تاکہ نئے چڑھنے والوں کے لیے فصیل کے اوپر جگہ بن سکے۔

ابھی جنید کا لشکر رسوں کی سیڑھیوں کے ذریعے اُوپر چڑھنے کا عمل جاری رکھے ہوئے تھے کہ شمالی حصّے کے قریبی پہریداروں نے انہیں دیکھ لیا اور وہ شور کرنے لگے۔ ”دشمن حملہ آور ہو گیا ہے۔ دریا کی طرف سے وہ شہر پناہ کے اُوپر چڑھ آیا ہے“۔

ان پہریداروں کے شور کرنے اور جنید کے فصیل پر چڑھ آنے کی اطلاع پر شہر پناہ پر پھیلے مدینی راؤ کے لشکر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک رونگٹے کھڑے کر دینے والی خوف و دہشت کی ایک لہر سی دوڑ گئی تھی۔ لہٰذا شمال کی طرف سے مدینی راؤ کے کئی دستے فصیل خالی کرانے کے لیے جنید کی طرف دوڑ پڑے تھے۔

نیچے دشمن سے برسرپیکار بابر، قوچ بیگ اور عبدالملک قورچی کو بھی پہریداروں کے شور کرنے کے باعث خبر ہوگئی تھی کہ جنید اپنے لشکر کے ساتھ شہر پناہ پر چڑھنے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ لہٰذا انہوں نے بھی اپنے حملوں میں تیزی پیدا کرتے ہوئے فصیل کی طرف

ندی شروع کر دی تھی۔ ان کے سامنے اب دشمن کی مدافعت پہلے کی نسبت گھٹ کر کم ہوگئی تھی کیوں کہ مدینی راؤ کے لشکر کا ایک حصّہ شہر پناہ کو خالی کرانے کے لیے جنید رف سمٹ گیا تھا۔

جنید کی طرف بڑھنے والے مدینی راؤ کے لشکریوں کا خیال تھا کہ وہ فصیل پر چڑھ والے دشمنوں کو چند ہی لمحوں میں نیچے اتار دیں گے لیکن جب وہ نزدیک گئے اور جنید پنے لشکر کو منظم کرنے کے بعد جب ان پر حملہ کیا تو انہیں یوں لگا جیسے ان کے اعضا ڈھیلے ہو گئے ہوں اور کسی نے انہیں ازل و ابد کے درمیان رکھ کر چکی کے پاٹوں کی طرح رگڑنا اور شروع کر دیا ہو۔ وہ ایسا محسوس کر رہے تھے گویا وہ نہیں بلکہ دشمن انہیں فصیل سے نیچے نے کا عزم صمیم لے کر آگے بڑھا ہو۔

جنید اپنے لشکر کے ساتھ مدینی راؤ کے لشکریوں پر ایسے انداز میں حملہ آور ہوا جیسے لی بڑا دریا ادھر ادھر سے آنے والی ندیوں پر محیط ہو گیا ہو۔ یا کوئی گہرا بے کنار سمندر اپنی طرف والے ندی نالوں اور دریاؤں کو اپنا دہانہ کھول کر اپنے اندر جذب کرنے لگا ہو اپنے تیز لوں سے جنید نے مدینی راؤ کے لشکریوں کے ارادوں اور عزائم کے سارے سلسلوں کی بیلوں کو کاٹنا اور ان کے لیے لحد کے کتبے مرتب کرنا شروع کر دیئے تھے۔

وہ اپنی طرف بڑھنے والے ہر دشمن پر بے حسی کا غلبہ طاری کرتا جا رہا تھا اور ساتھ ساتھ وہ ان پر اپنا دباؤ بڑھاتا ہوا اور انہیں پیچھے دھکیلتا ہوا شہر پناہ کے اس شمالی روازے سے قریب ہوتا جا رہا ہے جسے کھولنے کا اس نے عزم کر رکھا تھا۔

گو مدینی راؤ نے جنید کو آگے بڑھنے سے روکنے کی خاطر اس سے دُگنا لشکر اس کارہ میں حائل کر دیا تھا۔ وہ ہر طرح سے چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح ایک بار جنید کو اس کے شکر سمیت فصیل سے نیچے اُترنے پر مجبور کر دیا جائے لیکن اب ایسا ہونا مشکل اور ناممکن ظر آرہا تھا اس لیے کہ جنید کا سارا لشکر رسوں کی سیڑھیوں کے ذریعے شہر پناہ پر چڑھ چکا تھا اور پھر اہلِ شہر کو بھی خبر ہوگئی تھی کہ بابر کے لشکر کا ایک حصّہ فصیل پر چڑھ آیا ہے۔ اس خبر سے شہر میں ایک کہرام، ماتم اور شور و شر کی سی کیفیت طاری ہوگئی تھی جس کے باعث

مدنی راؤ کے لشکریوں کے حوصلے اور زیادہ بے ثبات اور شکستہ ہوتے جا رہے تھے۔

چندیری شہر کی فصیل کے اُوپر اپنے لشکر کی راہنمائی کرتے ہوئے اچانک جنید نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔ پھر اس کے لشکری بھی اللہ اکبر پکارنے لگے تھے اور ان کے جواب میں نیچے دشمن سے برسرِ پیکار بابر، قوچ بیگ اور عبدالملک قورچی نے اللہ اکبر کے نعرے بلند کیے اور ان کے لشکری بھی ایسا کر رہے تھے۔ اب چاروں طرف اللہ اکبر کی صداؤں کا نہ ختم ہونے والا ایک طوفان سا اُٹھ کھڑا ہوا تھا اور ان صداؤں نے دشمن کے سارے ثبات اور سارے حوصلوں کو لرزا کر رکھ دیا تھا۔

جنید جو اپنے لشکر کے آگے آگے تھا اب اک عالمِ سکرات میں تیزی سے آگے بڑھنا شروع ہو گیا تھا۔ اس نے رات کے سہمے سہمے لمحات کے اندر دشمن پر حیرت کدے کا لرزاں عالم، جان کنی کی کیفیت، محشر طلسمات کی حالت اور نزع کی بے صوت حکایات طاری کر دی تھیں۔ وہ اب اللہ اکبر کی صدائیں بلند کرتا اپنے سامنے آنے والے ہر دشمن کو بلور کے مرتبان کی طرح توڑتا خیالات کے سمندر اور درد کے اُڑتے ذرّات کی طرح آگے بڑھتا جا رہا تھا۔

چندیری شہر کی فصیل پر آہوں کا ایک طوفان اور آسیب زدہ بحر کی فضاؤں جیسی آندھیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ شورشِ جذبات میں جنید مدنی راؤ کے لشکر کو ایسے انداز میں کاٹ رہا تھا جس طرح درانتی کے تیز اور نئے دندانے چارے کی کچی فصل کو کاٹتے ہیں۔

جنید کے حملوں سے ایسے لگنے لگا تھا جیسے قدرت کے فرماں بردار گماشتے فطرت کے خلاف بغاوت کھڑی کرنے والے عناصر کے لیے چندیری شہر میں ہستی اور عدم کو ایک کر دینے کا ارادہ کر چکے ہوں۔ جنید آگے بڑھتا رہا۔ اپنے تیز حملوں سے دشمن کی ہر سانس کو شعلوں میں بدل کر اس کے لیے صعوبتوں کا ایک نیا سلسلہ کھڑا کرتا رہا۔ آسمان پر رقصاں مہتاب و انجم چندیری شہر پر طاری خون میں نہائی اس رات کو حیرت اور تعجب سے دیکھ رہے تھے۔

دشمن کو پیچھے دھکیلتا ہوا جنید اپنے لشکر کے ساتھ شہر پناہ کے شمالی دروازے کے ں کے پاس جا پہنچا تو جس طرف قوچ بیگ دشمن کے ساتھ جنگ کر رہا تھا۔ وہاں سے ی راؤ نے اپنے لشکر کے کچھ دستے ہٹا کر جنید کی طرف منتقل کر دیئے تھے۔ بابر نے کیفیت دیکھی تو اس نے قوچ بیگ کو رسوں کی سیڑھیاں ڈال کر فصیل پر چڑھنے کا حکم ے دیا۔

مدنی راؤ کے نئے دستے آنے کی وجہ سے جنید کے آگے بڑھنے کی رفتار کچھ کم ہو گئی اس لیے کہ اس پر پہلے کی نسبت دباؤ دگنا ہو گیا تھا۔ جہاں اس کے لشکری ایک دو کی بت سے جنگ کر رہے تھے وہاں اب ایک چار کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ مدنی راؤ کی خواہش یہ تھی کہ بس ایک بار بابر کے اس لشکر کو پسپا ہونے پر مجبور کیا جائے جس نے شہر پر چڑھ کر اس کے لشکر اور شہریوں پر ایک خوف و ہراس طاری کر کے رکھ دیا تھا۔

یہ حالت دیکھ کر نیچے لڑتے بابر نے جنگل میں دہاڑتے شیر کے سے انداز میں اللہ اکبر رہ بلند کیا۔ اس کے جواب میں جنید، قوچ بیگ اور عبدالملک قورچی بھی اس طرح اللہ اکبر نے لگے تھے جیسے ایک بھائی اپنے دوسرے بھائی کو کسی انجانی اور ماورائی زبان میں اپنے اد اپنے بھروسے اور عزم کا پورا پورا یقین دلا رہا ہو۔ اللہ اکبر کے ان نعروں نے مجاہدین ایک بار پھر تازگی، ولولہ اور انوکھی قوت بھر دی تھی۔

جنید نے ایک بار پھر جان لیوا حملے کرتے ہوئے پیش قدمی شروع کر دی تھی۔ کے حملوں میں پھر آدھی رات کے چمکنے والے جگنوؤں کی چمک، وقت کی گردش کو ل دینے کا عزم اور دشمن کی ساری قوت کو ایک نقطے پر سمیٹ دینے کی جرأت عود کر تھی۔ دوسری طرف قوچ بیگ بھی اپنے حصے کی شہر پناہ پر رسیوں کی سیڑھیاں ڈالنے ں کامیاب ہو گیا تھا۔

مدنی راؤ نے جب دیکھا کہ بابر کا ایک اور لشکر بھی فصیل پر چڑھ آنے کے قریب تو اس نے شہر کے اندر اپنے محفوظ دستوں کو بھی قوچ بیگ کے مقابلے میں جنگ جھونک دیا۔ اس طرح مدنی راؤ نے قوچ بیگ کو تو تھوڑی دیر کے لیے فصیل پر چڑھ

آنے سے روک دیا لیکن دوسری طرف جنید نے اپنے زوردار حملوں سے اپنی ترکتازیوں میں اضافہ اور اپنی پیش قدمی میں تیزی پیدا کر لی تھی۔ دشمن کو بُری طرح پسپا کرنے کے بعد جنید مار دھاڑ کرتا ہوا نیچے اُترا اور محافظوں کو قتل کر کے اس نے شہر پناہ کا شمالی دروازہ کھول دیا تھا۔

شمالی دروازے کا کھلنا تھا کہ بابر اپنے قلب کے ساتھ ایک طوفان، بے روک آندھی اور پُرقوت سیلاب کی صورت اندر داخل ہوا تھا اور اس کے پیچھے پیچھے قوچ بیگ اور عبدالملک قورچی کے لشکر نے بھی اندر آنا شروع کر دیا تھا۔

دشمن کو اس طرح سیلابی حالت میں اندر آتے دیکھ کر مدینی راؤ نے اپنے لشکر کو پہلی فصیل سے اُتر کر دوسری فصیل کے حصار میں داخل ہو کر محفوظ ہو جانے کا حکم دے دیا تھا لیکن جب مدینی راؤ کا لشکر پہلی فصیل سے اُترا اور ان کے لیے دوسری فصیل کے دروازے کھولے گئے تو جنید اور بابر نے دروازوں کے محافظوں کو دروازے دوبارہ بند کرنے کا موقع نہ دیا اور دشمن کو اپنے آگے آگے مارتے کاٹتے وہ بھی شہر میں داخل ہو گئے قوچ بیگ اور عبدالملک قورچی بھی ان کے پیچھے پیچھے تھے۔

مدینی راؤ نے شہر کے اندر ایک کھلے میدان میں ایک بار پھر اپنے لشکر کو روک کر اور کسی قدر اس کی تنظیم درست کرتے ہوئے بابر کے لشکر کو جم کر لڑنے کے لیے مجبور کر دیا۔ اس دوران شہر کے اَن گنت لوگوں نے جن میں مدینی راؤ بھی شامل تھا اپنی قدیم روایات پر عمل کرتے ہوئے اپنے بال بچّوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیا اور پھر وہ لوگ بالکل برہنہ ہو کر اور اپنی تلواریں ڈھالیں سونت کر بابر کے لشکر پر ٹوٹ پڑے۔

مدینی راؤ کے لشکریوں نے جب دیکھا کہ مدینی راؤ اور ان کے اَن گنت ساتھی اپنے ہاتھوں سے اپنے اہلِ وعیال کو قتل کرنے کے بعد جنگ کا آخری داؤ لگا چکے ہیں تو انہوں نے ایک بار ایسی آندھی جھپٹ کی کہ وہ مسلمان مجاہدین کو پیچھے دھکیل کر لے گئے تھے۔ اچانک پسپا ہونے کے بعد بابر نے ایک تنظیم کے ساتھ اپنے لشکر کو جوابی حملہ کرنے کا حکم دیا۔ بابر کے ساتھ مل کر جنید، قوچ بیگ اور عبدالملک قورچی نے جب مدینی راؤ کے لشکر پر جوابی حملہ کیا تو مدینی راؤ اور اس کے لشکر اپنی ساری رسومات اور جذبوں

بھول کر پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے تھے پھر بابر اپنے لشکر کے ساتھ دشمن پر صورتِ دستِ سحاب چھانے لگا تھا۔

ایک عجیب سی طرفہ ذہانت اور برق باری کے انداز میں مسلمان حملہ آور ہوئے تھے اور اپنے سامنے آنے والے ہر دشمن پر انہوں نے مرگ کا سکوت اور ابدی سکون طاری کرنا شروع کر دیا تھا۔ بابر کے لشکری یوں جھپٹ جھپٹ کر حملہ آور ہو رہے تھے جیسے وہ خورشیدِ نیم روز، مہِ نیم شب اور گردنِ خورشید پر کمندیں ڈالنے کا عزم لے کر آئے ہوں۔

مدینی راؤ کی ہر سعی ناکام گئی۔ اس کا ہر حربہ دُنیاوی آلام کی بھینٹ چڑھ گیا۔ بابر کے لشکری رجالِ غیب اور خوف انگیز سواروں کی صورت میں دشمن کے قلب نظر کے اندھیروں پر غالب آنے لگے تھے۔ مدینی راؤ کے لشکر کی حالت ایسے طیور جیسی تھی جنہیں اپنے اشجار پر کوئی گھونسلہ بنانے کا موقع نہ ملا ہو۔ وہ اس مسافر جیسے ہو رہے تھے جن کی قسمت میں فکر کی راکھ، بیداریوں کی تلخی، نگر نگر کی تاریکی، رگوں میں اُترتی بکھرتی وحشت اور بے قرار آنکھوں میں انتظار کی کیفیت لکھ دی گئی ہو۔

تھوڑی دیر تک بابر نے مدینی راؤ کے لشکر کو چاروں طرف سے گھیر کر ان کا قتلِ عام شروع کر دیا تھا۔ خاک و خون کا یہ کھیل صبح تک جاری رہا۔ چندیری شہر پر بابر کا مکمل قبضہ ہو گیا اور بابر کی خواہش کے مطابق اگلے روز کا سورج چندیری شہر کے اندر بابر اور اس کے لشکریوں کو ایک فاتح کی حیثیت سے دیکھ رہا تھا۔

○

پنڈت دیالال ایشور مندر کے بڑے پجاری آتمارام کے پاس آیا اور کہا، "مہاراج! راج کماری کنول کو دوبارہ اپنے دھرم پر لانے کے لیے کسی اور کا انتخاب کیجیے"۔ اس وقت کیدار بھی آتمارام کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے فکرمندی سے دیالال کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا، "کیوں کیا ہوا؟"

دیالال نے کہا، "اوّل تو وہ ہم سے ایسے ایسے سوال پوچھتی ہے جن کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا۔ دوم وہ ہم پر الٹی اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کر دیتی ہے اور

اس انداز اور ایسے پیرائے میں کرتی ہے کہ آدمی اپنے دھرم پر مضبوطی کے ساتھ کھڑا رہنے کے بجائے ڈانواں ڈول ہونے لگتا ہے۔ اگر میں اسی طرح راجکماری کنپل کے پاس جاتا رہا تو میری حالت وسرام سے بھی بدترین ہوگی۔ ایک روز راجکماری میرا بھی دھرم اُدھیڑ کر رکھ دے گی اور میں بھی وسرام کی طرح اس کے پاس جانے سے مکمل طور پر انکار کر دوں گا۔"

پنڈت آتمارام کا چہرہ غصے میں آگ کی طرح تپ گیا اور اس نے دیالال سے کہا "تم کوئی چنتا نہ کرو۔ میں اب اس کلموٹی کا آخری بندوبست کروں گا۔ تم جاؤ۔ اب تمہیں راجکماری کنپل کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

دیالال جب چلا گیا تو آتمارام نے کیدار کی طرف دیکھتے ہوئے انتہائی سخت آواز اور کھولتے لہجے میں کہا۔

"راجکمار کیدار! اب حالات ہماری گرفت سے باہر ہونے لگے ہیں۔ پانی ہمارے سروں کے اوپر تک سے گزرنے لگا۔ میرے خیال میں فوراً سوئمبر رچایا جائے اور کسی ایسے سورما کے ساتھ راجکماری کا بیاہ کر دیا جائے جو اسے یوں سیدھا کر دے جس طرح کوئی ماہر سوار اس گھوڑی کو سیدھا کرتا ہے جو اپنے اوپر کسی کو چڑھنے ہی نہ دے۔"

کیدار نے کہا۔ "سوئمبر تو اس لیے رچایا جاتا ہے کہ ہندو لڑکی خود اپنی پسند کا بر تلاش کرے لیکن یہاں تو کنپل کسی ہندو جوان کے ساتھ سرے سے شادی کرنے پر رضامند ہی نہیں۔"

پنڈت آتمارام نے کہا "ہم بس سوئمبر میں مقابلہ رچائیں گے اور جو مقابلہ جیت جائے گا کنپل کو اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ آگے وہ جانے اور کنپل۔ آج ہی یہاں سے مختلف شہروں اور قصبوں کو ڈھنڈورچی روانہ کر دیئے جائیں گے جو راجکماری کنپل کے لیے سوئمبر کا اعلان کرتے پھریں گے اور سنو کیدار! آج سے ٹھیک ایک ماہ کے بعد اسی مندر کی حدود میں یہ سوئمبر رچایا جائے گا۔"

کیدار نے کہا۔ "آپ جیسے مرضی کریں مہاراج! میں اعتراض کیوں کروں گا۔ میں جانوں، آپ ہماری بہتری کا ہی کام کریں گے۔"

آتمارام نے کیدار کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھاتے ہوئے کہا۔ "آؤ پھر ڈھنڈورچی روانہ کرنے کا انتظام کریں۔" دونوں اُٹھے اور کمرے سے باہر نکل گئے۔

○

ایشور مندر کی دیوداسی لاکھی بھاگتی ہوئی کنپل کے کمرے میں داخل ہوئی اور بوکھلاہٹ و پریشانی میں اس نے کہا۔ "راجکماری کنپل! تم نے کچھ سنا۔"

اپنی مسہری پر ٹیک لگائے بیٹھی کنپل نے پوچھا۔ "کیا سنا؟"

لاکھی نے کہا۔ "بڑا پنڈت آتمارام اور تمہارا بھائی کیدار ٹھیک ایک ماہ بعد تمہاری شادی کے لیے سوئمبر رچا رہے ہیں اور اس کیلئے وہ ڈھنڈورا پیٹنے کی خاطر مختلف شہروں کو ڈھنڈورچی بھی روانہ کر رہے ہیں۔"

کنپل نے لاپرواہی سے کہا۔ "کرنے دو روانہ میں کیا کروں۔"

لاکھی نے کہا۔ "راجکماری! حیرت ہے۔ تمہاری زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ ہو رہا ہے اور تم پر کوئی اثر ہی نہیں ہے۔"

کنپل نے کہا۔ "میری زندگی کا کیوں اپنی زندگی کا فیصلہ کرتے پھریں سنو لاکھی! میں اب مسلمان ہوں۔ میرا سوئمبر سے کیا تعلق اور پھر میں اپنا آپ جنید کے حوالے کر چکی ہوں، وہی میری بزمِ وصال، میرا فکر و احساس ہیں اور میں ان کے لیے ان کی بزمِ فسول و رعروسِ ارتقاد ہوں۔

لاکھی! مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ میرا عنبر، عود، عطر گلاب، قاقم و سنجاب و ریشم، سب جنید ہیں۔ میری دہکتی سانسوں میں ان کی مہک ہے۔ ان کا پسینہ بھی میرے لیے مشک و عنبر کی مہک سے بہتر ہے۔

سنو لاکھی! جنید اگر اوروں کے لیے دستِ مجاہد کا عذاب ہیں تو میرے لیے وہ پریم کے شاعر نغمہ نصاب ہیں۔ اوروں کے لیے اگر وہ سیل خون اور برق و بار ہیں تو میرے لیے وہ چراغِ خوش رنگ اور پریم و زمزمول کے مینار ہیں۔

لاکھی! میں ہر شے کو ہر جذبے کو طاقِ نسیاں میں سجا سکتی ہوں۔ ہر رشتہ ہر

تعلق بھول سکتی ہوں لیکن جنید کی یادکو نہیں، وہ میرے ذہن میں میرے دل میں میرے ضمیر کے نہاں خانوں میں گلاب کی پتیوں کی طرح تازہ اور خوش رنگ رہیں گے۔ وہ میرے لیے مہتاب وشفق اور ستاروں کا عکس ہیں۔ میرے زندہ خیالوں کی خوشبو، میرے جسم کی زیبائی سب کچھ اُن کے لیے ہے اس لیے کہ وہ ہی میرے جسم وجان کے امین ہیں۔

لاکھی! لاکھی! یہ سوئمبر رچانے والے اپنے آثارِ عظمت کی خاطر اوروں کے زریں اصول پامال کرنا چاہتے ہیں۔ سچائی کا خون چاہتے ہیں۔ وقت کے گنہگار منصف بن کر اوروں کی رگوں میں زہر بھرنا چاہتے ہیں۔ یہ انسان گزیدہ اور بے رحم صداقتوں کے گنہگار لوگ ہیں یہ اوروں کے لیے قدم قدم پہ جہنم سجانے والے ہیں۔

یہ مجھے آبی حلقوں کی کشش میں اُلجھا کر میری زندگی کا رُخ بدلنا چاہتے ہیں لیکن میں ایسا کیوں کر ہونے دوں گی۔ یہ نیند کے غلبے میں فیصلے کرنے والے لوگ ہیں۔ لاکھی! تم نے دیکھا نہیں جہاں سے شاخ ٹوٹتی ہے وہیں سے پھوٹتی بھی ہے۔ میرا ایمان ہے۔ جہاں یہ میرے لیے بدترین حالات پیدا کر رہے ہیں وہاں میرا اللہ میرے لیے ان سے نجات کا راستہ بھی پیدا کرے گا۔ وہ بڑا رحیم وغفور ہے۔ وہ مجھے مایوس نہ ہونے دے گا۔ میرا اسی پر توکل ہے اور بہتری کی ساری امیدیں اسی سے وابستہ ہیں۔"

کچھ سوچ کر کنبل پھر کہہ رہی تھی۔ "لاکھی! لاکھی! اس مندر کے پنڈت اور میرا بھائی دھوپ چھاؤں پہ بھاگ رہے ہیں۔ یہ سب آگ کو چوم لینے کی بے نام خواہش کر رہے ہیں۔ میں نے جسے اپنا حرزِ دل وجاں بنانا تھا بنا چکی۔ ایک روز یہ سب خود ہی تیرگی کی تاریک گپھاؤں اور بے حسی کے رویوں سے باہر نکل آئیں گے۔ اس روز یہ پنڈت اپنی غلطیوں پر پچھتائیں گے اور سزا پائیں گے۔ ڈرتی ہوں کہ ان کے ساتھ بدی کا شکار میرا بھائی بھی مارا نہ جائے۔"

لاکھی نے کہا "تم بیٹھو، میں تمہارے لیئے کھانا لاتی ہوں۔" پھر وہ اُٹھی اور بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

○

چندیری کو فتح کرنے کے بعد بابر نے چند یوم تک وہاں قیام کیے رکھا کیونکہ چندیری نہایت خوب صورت علاقہ تھا۔ اس کے نواح میں کئی آبشار گرتے تھے جن کے قریب ہی ایک کوہستانی ندی بہتی تھی۔ چار بڑے بڑے شفاف پانی کے تالاب تھے۔ اس کے علاوہ یہاں کے مکانوں کی اکثریت کوہستانوں کے تراشیدہ پتھروں سے بنی ہوئی تھی۔

چندیری میں قیام کے دوران بابر کے جاسوس خبر لائے کہ رانا سانگا نے بین راؤ کو اُکسا کر اور اسے ایک جرار لشکر مہیا کرنے کے بعد بابر سے ایک آخری اور فیصلہ کن جنگ کرنے کے لیے تیار کر لیا ہے اور دریائے گنگا کے اس پار اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہے۔ بابر نے برق رفتاری سے اپنے لشکر کے ساتھ چندیری شہر سے کوچ کیا اور دشمن کی طرف بڑھا۔ قنوج شہر پر قبضہ کرنے کے بعد بابر دریائے گنگا کے کنارے آخیمہ زن ہوا۔ اب دریا کے ایک کنارے پر راجہ بین راؤ اور دوسرے کنارے پر بابر پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔

دریا پار کر کے دشمن پر حملہ آور ہونے کے لیے بابر نے دریا پہ پل بنانا شروع کر دیا اور اس احتیاط کے ساتھ کہ دشمن کہیں اس نئے بننے والے پل کو نقصان نہ پہنچائے اس نے دریا کے کنارے اپنی غازی نامی توپ نصب کرائی اور امیر علی قلی خاں کو حکم دیا کہ وہ وقفے وقفے کے ساتھ اس غازی نامی توپ سے دشمن کی طرف گولے داغتا رہے تاکہ دشمن پل کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ یہ وہی غازی نامی توپ تھی جسے امیر علی قلی خان نے خود بنایا تھا اور یہ توپ رانا سانگا کے خلاف فتح حاصل کرنے کا ایک سبب بھی بنی تھی۔ تبھی سے اس کا نام غازی رکھ دیا گیا تھا۔

بین راؤ نے کئی بار پل پر حملہ کر کے اسے تباہ کرنے کی کوشش کی لیکن غازی توپ کی گولہ باری نے اسے اپنے ارادوں میں ناکام رکھا۔ جب پل بنتا ہوا دریا کے دوسرے کنارے کے قریب ہوا تو پل بنانے والوں کی دشمن سے حفاظت کرنے کے لیے بابر نے اپنے جرنیل ملک قاسم کو کچھ دستے دے کر مقرر کیا جو اپنی سپاہ کو کشتیوں میں لے کر دوسرے کنارے کی طرف روانہ ہو گیا۔

پل کی حفاظت کرتے ہوئے ملک قاسم کی دشمن سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ اس لڑائی میں ملک قاسم دوسرے کنارے پر اُترا اور دشمن کو دھکیلتا ہوا ساحل سے دور لے گیا لیکن دشمن نے

نے ایک دم ہلا بول دیا سخت حملہ کر دیا جس کے جواب میں ملک قاسم مارا گیا اور اس کے سپاہی گھبرا کر کشتیوں میں سوار ہو گئے۔ بین راؤ نے اپنے ہاتھی دریا میں اُتار دیے اور ان ہاتھیوں نے بابر کے سپاہیوں کی کشتیاں اُلٹ کر انہیں دریا میں ڈبو دیا۔

تاہم اس وقت تک پُل مکمل ہو چکا تھا۔ پر ملک قاسم کو قتل اور اس کے لشکر کو دریائے گنگا میں ڈبو کر بین راؤ کے لشکریوں کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے پُل کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تاکہ بابر اپنے لشکر کے ساتھ دریائے گنگا کو پار ہی نہ کر سکے۔

بابر نے پنجاب سے بھرتی کیے ایک لشکر کو پُل پار کر کے بین راؤ کے لشکر پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ پنجاب کے اس لشکر کے ساتھ راجہ بین راؤ کی گھمسان کی جنگ ہوئی۔ جس میں پنجاب کے لشکر نے راجہ بین راؤ کے سارے حملوں کو ناکام کرتے ہوئے اس کے لشکر کو پیچھے ہٹ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

بابر نے جب دیکھا کہ اس کے پنجاب کے لشکر نے راجہ بین راؤ کے لشکر کو پیچھے دھکیل کر دریا کے اس پار اپنے پاؤں جمانے کے لیے جگہ بنا لی ہے تو بابر اپنے پورے لشکر کے ساتھ دریائے گنگا کو پار کر کے دوسرے کنارے اُتر گیا۔ یہاں دریائے گنگا کے کنارے راجہ بین راؤ کے ساتھ گھمسان کا رن پڑا لیکن جلد ہی بابر کا لشکر غالب آتا دکھائی دیا کیوں کہ راجہ بین راؤ اپنے لشکر کے ساتھ اب آہستہ آہستہ پسپا ہونے لگا تھا۔

بابر نے اس پسپائی سے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ قلب اور ہراول کو میمنہ اور میسرہ کے درمیان میں رکھ کر اپنی گتھی ہوئی صفوں کے ساتھ بابر نے انتہائی خوفناک انداز میں حملہ کیا۔ اس حملے میں راجہ بین راؤ مارا گیا۔ راجہ کا شکست خوردہ لشکر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلا لیکن بابر نے ان کا دُور تک تعاقب کیا اور ان میں سے زیادہ کو تہ تیغ کر کے رانا سانگا کے اچھے مستقبل سے وابستہ ساری اُمیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔

راجہ بین راؤ سے نمٹنے کے بعد بابر اپنے لشکر کے ساتھ لکھنؤ آیا اور یہاں وہ دریائے گومتی کے کنارے خیمہ زن ہوا۔ ایک روز دریائے گومتی میں تیرتے اور نہاتے ہوئے بابر کے ایک کان میں پانی چلا گیا جس کے باعث اسے اس کان سے کچھ سنائی نہ دینے لگا۔ لہٰذا بابر یہاں رُکا کہ اپنے کان کا علاج کراتا رہا اور چند دن تک اس کا وہ کان ٹھیک ہو گیا۔

O

دریائے گومتی کے کنارے قیام کے دوران جب کہ بابر اپنے کان کا علاج کرا رہا تھا ایک روز جنید اپنے خیمے میں لیٹا آرام کر رہا تھا کہ ایک پہریدار اندر آیا اور اس نے کہا "اے امیر! گوالیار کے حاکم رحیم داد کی طرف سے ایک قاصد آیا ہے۔ وہ کچھ بتاتا نہیں بس یہی کہتا ہے، کہ میرے پاس امیر جنید کے لیے ایک نہایت ضروری پیغام ہے"۔

جنید نے فرش پر بچھی چٹائی پر اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا "اسے اندر بھیجو۔ رحیم داد نے اسے ضروری کام سے ہی بھیجا ہو گا"۔

پہریدار جب باہر نکل گیا تو رحیم داد کا محافظ حسن اندر داخل ہوا۔ اس نے سلام کہتے ہوئے جنید سے کہا "یا امیر! میرا نام حسن ہے حاکم گوالیار رحیم داد نے مجھے ایک اہم پیغام دے کر آپ کی طرف روانہ کیا ہے"۔

جنید نے سنبھلتے ہوئے کہا۔ "کیسا پیغام؟"

حسن نے کہا۔ "پہلے مجھے یہ بتایئے کہ راجکماری کنپل آپ کے پاس پہنچی ہے یا نہیں پھر میں پوری داستان آپ سے بیان کرتا ہوں"۔

جنید نے فکرمند لہجے میں پوچھا۔ "نہیں کنپل میرے پاس تو نہیں آئی۔ تم یہ سوال کیوں پوچھ رہے ہو۔ کنپل کو میرے پاس آنے کی کیا ضرورت پیش آئی جب کہ میں نے اُسے بلایا ہی نہیں تھا"۔

حسن نے کہا "اے امیر! کنپل کے بڑے بھائی کیدار نے رحیم داد سے کہا تھا کہ وہ مستقل طور پر چتوڑ شہر میں رہنا چاہتا ہے اور وہاں جا کر رہنے سے قبل وہ راجکماری کنپل کو امیر جنید کے پاس چھوڑ آنا چاہتا ہے تاکہ اپنی بہن کے فرض سے سبکدوش ہو جائے۔ رحیم داد نے اسے اس کی اجازت دے دی لیکن اب جب کہ راجکماری کنپل یہاں آپ کے پاس نہیں ہے تو اس کا مطلب ہے کیدار راجکماری کنپل کو لے کر کہیں اور بھاگ گیا ہے تاکہ اس کا بیاہ آپ سے نہ ہو سکے۔ کیدار کا ماموں سیوداس، اس کا بھائی مالدیو، اس کے علاوہ مالدیو کی

بیوی کرن اور احمد یوسف اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ محل سے غائب ہیں ۔محل کے محافظ بھی، نہ جانے کہاں چلے گئے ہیں یا انہیں کسی نے ٹھکانے لگا دیا ہے ۔گوالیار کا وہ محل اِن دنوں بالکل خالی اور سُونا پڑا ہُوا ہے ۔"

حسن دم لے کر پھر کہہ رہا تھا ۔" رحیم داد گوالیار کے راج مندر کے بڑے پنڈت گوو ند کو شک کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں کیوں کہ کیدار اور کنپل کے ساتھ راج مندر کے دو پنڈت دیال اور وسرام بھی ان دونوں کی بگھی میں شہر سے باہر نکلے تھے ۔"

جنید اُٹھ کھڑا ہُوا اور غصّے میں اس نے کہا ۔" گوالیار کے راج مندر کا بڑا پنڈت گووند تو میرا بھی مقروض ہے ۔میرا خیال ہے اب جب کہ وقتی طور پر مَیں جنگوں سے فارغ ہو گیا ہوں یہ قرض وصول کرنے کا وقت آ گیا ہے ۔"

حسن نے کہا ۔" رحیم داد پنڈت گووند پر یہ بھی شک کر رہے ہیں کہ کیدار کو گوالیار سے کنپل کو لے بھاگنے کا مشورہ اس نے دیا اور مالدیو، اس کی بیوی کرن، ماموں سیوداس، احمد یوسف اور اس کے اہلِ خانہ کے علاوہ محل کے محافظوں کو ختم کرتے یا کہیں غائب کرنے میں بھی پنڈت گووند ہی کا ہاتھ ہے ۔"

جنید کا رنگ غصّے اور غضب کی حالت میں گرم سُرخ لوہے جیسا ہو گیا تھا ۔پھر اس نے جلدی جلدی اپنا جنگی لباس پہنا اور حسن کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا ۔" حسن ! تم یہیں رکو، میں گوالیار جانے کے لیے بابر سے اجازت لے کر آتا ہوں پھر تمہارے ساتھ ابھی اور اسی وقت گوالیار کی طرف روانہ ہو جاؤں گا ۔پنڈت گووند کو اپنے سارے گناہوں اپنے سارے جُرموں کا حساب دینا ہو گا ۔اس نے ابھی صِرف مندر کا ماحول دیکھا ہے ۔سَر وں پر چمکتی تلواریں اور ان سے ٹپکتے خون کا کھیل نہیں دیکھا ۔میری تلوار جب اس کے سَر پر لہرائے گی تو وہ ہر پوشیدہ راز کو افشا کرنے پر مجبور ہو جائے گا ۔"

جنید تیز تیز قدم اُٹھاتا ہُوا باہر نکل گیا ۔حسن اس کے خیمے میں ہی بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا تھا ۔تھوڑی دیر بعد جنید بابر سے اجازت لے کر لوٹا پھر وہ حسن کے ساتھ گوالیار کی طرف کُوچ کر گیا تھا ۔

O

گوالیار کے راج مندر کا بڑا پروہت پنڈت گووند اپنے مندر کے کمرے میں آتش دان کے پاس بیٹھا گہری سوچوں میں ڈوبا ہُوا تھا اور اس کے کمرے کے گرد رحیم داد کے لشکری پہرہ دے رہے تھے ۔رات گہری گھنی پلکوں پر آنسوؤں کی طرح بھیگ رہی تھی ۔شفق کے قوسِ قزح کے رنگ زائل ہونا شروع ہو گئے تھے ۔

رات اپنی پوری وحشت و بربریت کے ساتھ نازل ہو ئی تھی اور اُجالوں کی راہگزر کو اس نے ڈھانپ کر رکھ دیا تھا ۔خزاں زدہ اور پتوں سے بے نیاز پودوں کی پرانی مہک، شیریں گفتگو کی حلاوت کی طرح ہواؤں میں رچ بس گئی تھی ۔

آتش دان کے پاس بیٹھا پنڈت گووند اسی طرح سوچوں میں اُلجھا ہُوا آتش دان میں جلتے آگ کے شعلوں کو دیکھے جا رہا تھا کہ گوالیار کا حاکم رحیم داد کھنکارتا ہوا اس کمرے میں داخل ہُوا ۔اس کے آنے پر پنڈت گووند بِدک سا گیا اور فوراً سنبھل کر بیٹھ گیا ۔

پنڈت گووند نے چہرے پر فوراً رونق اور بشاشت بکھیرتے ہوئے کہا ۔" آیئے مہاراج ! پدھاریئے !"

رحیم داد کمرے کے ایک ستون کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا اور انتہائی تشکیک وگمان وہم و وسواس کی حالت میں اس نے پنڈت گووند کی طرف دیکھتے ہوئے کرودھ و کھیج و تاب اور طیش و قہر بھری آواز میں اس سے کہا ۔" پنڈت گووند ! جانتے ہو رات کے اس وقت مَیں تمہارے پاس کیوں آیا ہوں ۔"

پنڈت گووند نے اپنی عیّاری کو پُوری طرح چھُپاتے ہوئے کہا ۔" مہاراج ! آپ تو جب چاہیں یہاں آ سکتے ہیں ۔"

رحیم داد نے پھر عتاب اور غضب برساتی آواز میں کہا ۔" پنڈت گووند ! کنپل اور کیدار کے یہاں سے چلے جانے کا حادثہ تیری موت کا سبب بنتا جا رہا ہے ۔"

پنڈت گووند نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا ۔" اِتنا بڑا بول نہ منہ سے نکالیں مہاراج ! مَیں تو آپ کا داس ہوں ۔مَیں آپ کی پریشانی اور نفرت کا باعث نہیں

بن سکتا۔ کیدار کے حادثے کے سلسلے میں پوری طرح میں آپ کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہوں۔"

رحیم داد نے کہا۔ "اگر تم نیک نیتی کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہو تو پھر کہو کیدار کا ماموں، بھائی، اس کی بیوی، احمد یوسف، اس کے اہلِ خانہ اور محل کے محافظ کہاں ہیں؟"

پنڈت گووند نے کہا۔ "مہاراج! آپ مجھ پر بے بنیاد شک کر رہے ہیں۔ میں کیا جانوں وہ کہاں ہیں۔ میرا براہِ راست ان سے کوئی علاقہ لگاؤ، تعلق واسطہ، ربط میل اور نسبت قرابت نہ تھی اور نہ ہی میں ان کے کسی طریق اطوار اور ڈھنگ روش کا ذمہ دار تھا۔"

رحیم داد نے کہا۔ "پنڈت گووند! اگر تم نہیں جانتے تو مجھ سے سنو! میں نے گوالیار کے اس محل کی آج پوری تلاشی لی۔ ہر شے اپنی اپنی جگہ پر تھی لیکن حویلی کی پشت کے باغ میں کچھ تازہ جگہ کھود کر بھر دی گئی تھی۔ مجھے اس پر شک ہوا تو میں نے اس جگہ کو کھدوانے کا حکم دیا۔ جانتے ہو وہاں سے کیا نکلا۔ سیوداس، مالدیو، کرن، احمد یوسف اور اس کے اہلِ خانہ کی لاشیں وہاں سے برآمد ہوئیں۔"

دم لینے کے بعد رحیم داد پھر کہہ رہا تھا۔ "میں نے وہ ساری لاشیں تو دوبارہ وہیں دفنا دیں۔ اب تم یہ بتاؤ کہ مندر کے محافظ کہاں ہیں۔"

پنڈت گووند نے بڑی عاجزی اور خاکساری میں کہا۔ "مہاراج! میں کیا جانوں، وہ کہاں ہیں۔ میں مندر کا داس ہوں مجھے آپ خواہ مخواہ دنیاداری میں کیوں گھسیٹتے ہیں۔"

رحیم داد کچھ کہنے والا تھا کہ اس کمرے کے دروازے کی طرف سے کھولتی ہوئی ہولناک آواز سنائی دی۔ "رحیم داد! یہ یوں نہیں مانے گا۔ میں خود اس سے پوچھتا ہوں پھر دیکھنا یہ کیسے بولتا ہے۔"

رحیم داد نے جب مڑ کر دیکھا تو جنید کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ رحیم داد نے جاگ پڑنے اور چونک جانے کے انداز میں کہا۔ "امیر جنید! آپ! آپ کب آئے؟" پھر رحیم داد نے آگے بڑھ کر بڑی گرم جوشی کے ساتھ جنید سے مصافحہ کیا۔

جنید نے کہا۔ "جس وقت تم اس پنڈت کے کمرے میں داخل ہو رہے تھے میں اس

وقت ہی مندر میں داخل ہوا ہوں۔ میں تمہارے اور اس عیّار و عیب دار گووند کے درمیان پوری گفتگو سن چکا ہوں۔ رحیم داد تمہارا کام ختم ہوا۔ اب میرا کام شروع ہوتا ہے اور پھر دیکھو یہ پنڈت کیسے کیسے پوشیدہ راز اُگلتا ہے۔"

جنید نے اپنی تلوار بے نیام کر لی اور اسے لہراتا ہوا آگے بڑھا۔ پنڈت خوف و گھبراہٹ میں اُٹھ کر دیوار کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا تم اس سے انکار کرتے ہو کہ مجھے ختم کرنے کے لیے ایک بار تم نے میرے پیچھے چھ آدمی لگائے جنہیں میں نے ٹھکانے لگا دیا پھر تم نے ایک بھاری رقم کے عوض مجھے قتل کرنے کے لیے دو شکاری بھائیوں کی خدمات حاصل کیں لیکن وہ بھی میرے ہاتھوں مارے گئے۔ کیا تم اس حقیقت سے انکار کرتے ہو۔"

قبل اس کے کہ پنڈت گووند جواب میں کچھ کہتا، رحیم داد نے اپنی تلوار بے نیام کرتے ہوئے اپنی عتاب و طیش برساتی آواز میں کہا۔ "اس نے آپ کے پیچھے بھی اپنے آدمی لگا رکھے ہیں۔ اس ابلیس کے گماشتے کو میں اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔"

جنید نے کہا۔ "رحیم داد ذرا رکو۔ جذبات میں نہ آؤ۔ مجھے اس سے کچھ پوچھنے دو۔"

جنید نے پھر کہا۔ "پنڈت گووند! جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے۔ کیا یہ سچ نہیں؟"

پنڈت گووند دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا رہا اور منہ سے کچھ نہ کہا۔ جنید نے گووند کے بازو پر تلوار کا ہلکا سا ایک وار کیا اور پنڈت گووند چلّانے لگا۔ "مہاراج! مجھے کچھ نہ کہیں۔ میں آپ کو سب کچھ بتا دیتا ہوں۔ آپ کے پیچھے وہ بندے میں نے ہی لگائے تھے۔"

جنید نے اس بار اس کے شانے پر تلوار لہراتے ہوئے پوچھا۔ "کیدار اور کنپل کہاں ہیں؟"

گووند نے کہا۔ "ان دنوں کیدار اور کنپل چتوڑ شہر سے باہر ایشور نام کے مندر میں ہیں۔ کیدار راجکماری کنپل کو زبردستی وہاں لے گیا۔ وہ نہیں چاہتا کہ کنپل کی شادی آپ سے ہو۔"

جنید نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "کیدار کم اور تم زیادہ چاہتے تھے کہ یہ شادی

نہ ہو۔ اب بولو۔ احمد یوسف اس کے اہلِ خانہ، مالدیو، کرن اور سیوداس کو کس نے قتل کر کے محل کے باغ میں دفن کر دیا۔"

گووند نے کہا۔ "پنڈت دیالال اور وسرام نے۔"

جنید نے اپنی تلوار لہراتے ہوئے کہا "اور وہ دونوں کہاں ہیں۔"

کپکپاتی آواز میں گووند نے کہا۔ "وہ بھی کیدار اور کنپل کے ساتھ ہیں۔ وہ کنپل کو دوبارہ اپنے دھرم پر لانا چاہتے ہیں۔"

جنید نے پھر پوچھا "اور محل کے محافظ کدھر گئے۔"

دیالال اور وسرام کے آدمیوں نے بعد میں انہیں بھی قتل کر دیا کیوں کہ ان کے زندہ رہنے سے ان کے سارے راز افشا ہونے کا خطرہ تھا۔"

جنید نے کھولتی ہوئی آواز میں کہا۔ "پنڈت گووند! میں جانتا ہوں تیرے جیسا کرودھی، متعصب اور حاسدی انسان کوئی کم ہی ہوگا۔ یہ سارے کام تمہارے ایماء اور حکم پر ہوتے رہے ہیں اور اس میں تمہارا پورا پورا عمل دخل رہا ہے۔ لہذا میں تمہیں اس کی سزا دیتا ہوں۔" جنید نے تلوار لہرائی گووند پر گرائی اور اسے کاٹ دیا۔

پنڈت گووند کے لباس ہی سے جنید نے اپنی تلوار صاف کی پھر اسے نیام میں ڈالتے ہوئے اس نے مڑ کر رحیم داد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "رحیم داد! میں جا رہا ہوں اس کی لاش کو ٹھکانے لگا دینا۔"

رحیم داد نے کہا "آپ کہاں جائیں گے؟"

جنید نے کہا۔ "میری منزل چتوڑ ہے۔ دیالال اور وسرام اب مجھ سے بچ نہیں سکتے۔"

رحیم داد نے کہا "اے امیر! چتوڑ راجہ رانا سانگا کا علاقہ ہے، وہاں آپ کا جانا خطرناک ہے۔"

جنید نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔ "میرا ابھی اور اسی وقت جانا ضروری ہے۔ رحیم داد مجھے روکنے کی تمہاری ہر کوشش بے سود اور ناکام ثابت ہوگی۔" باہر آکر جنید اپنے گھوڑے

پر سوار ہوا اور رات کی تاریکی میں وہ گوالیار شہر سے کوچ کر گیا تھا۔

○

ایشور مندر کی دیوداسی لاکھی بھاگتی ہوئی کنپل کے کمرے میں داخل ہوئی اور کمرے کا دروازہ بند کر کے اس نے آتش دان کے پاس بیٹھی ہوئی کنپل سے کہا۔ "کنپل! کنپل! میں تمہارے لیے ایک خوشخبری لائی ہوں۔"

کنپل نے چونک کر پوچھا "کیسی خوشخبری؟"

لاکھی نے کہا۔ "کنپل کل تمہارے لیے سوئمبر رچایا جا رہا ہے نا۔ پنڈت آتمارام اور تمہارا بھائی کیدار سوئمبر کے انتظامات میں مصروف تھے کہ گوالیار کے راج مندر کا ایک پجاری ان کے پاس آیا۔ اس وقت میں بھی ان کے پاس تھی۔ اس پجاری نے خوف و دہشت کی حالت میں پنڈت گووند اور کیدار کو بتایا کہ تمہارے جنید نے گوالیار کے راج مندر میں داخل ہو کر وہاں کے بڑے پجاری گووند کو قتل کر دیا ہے۔ تمہیں گوالیار سے اِدھر نکال لانے کو مشورہ تمہارے بھائی کیدار کو اسی نے دیا تھا۔ لہذا جنید نے اس سے تمہارا پتہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ وہ پجاری کہہ رہا تھا کہ اب جنید کسی بھی وقت کنپل کو لینے ایشور مندر میں داخل ہو سکتا ہے۔ یہ خبر سن کر ایک بار پنڈت آتمارام اور تمہارے بھائی کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ لیکن اب وہ کسی قدر سنبھل گئے ہیں اور مندر کے محافظوں کو انہوں نے مندر کی مختلف جگہوں پر متعین کرنا شروع کر دیا ہے تاکہ جنید جب ایشور مندر میں داخل ہو تو اس سے نمٹا جا سکے۔"

کنپل نے فوراً سجدے میں گرتے ہوئے کہا۔ "سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلٰی" پھر وہ اُٹھ بیٹھی اور ہنسی کی مدھر تانوں جیسی خوش کن آواز میں اس نے کہا "میرا رب بڑا رحیم و کریم ہے وہ میرے جنید کی ان ظالموں کے مقابلے میں ضرور مدد کرے گا۔ لاکھی! لاکھی! مجھے یقین ہے کہ میرا رب جو واحد اللہ ہے ایشور مندر میں مجھے گھٹ گھٹ کر مرنے نہ دے گا۔ لاکھی! لاکھی! میرے جنید ان جوانوں میں سے ہیں جو صحرا کے سینے کو جنت بنانے، آفاق و عوالم میں روشنی کی شمع جلانے اور اپنے دشمنوں کو بے چہرہ کرنے کا فن خوب جانتے ہیں۔

لاکھی! تم جاؤ پنڈت آتمارام اور میرے بھائی کیدار کے اِرد گرد منڈلاتی رہو اور اگر کوئی نئی بات ہو تو مجھے فوراً اس کی خبر کرو اور مندر کے باہر اِدھر اُدھر بھی دھیان رکھنا ہو سکتا ہے جنید اِدھر آئیں۔ اگر ایسا کوئی جوان جو خوب صورت، بھرے اور کڑیل جسم والا اپنے گھوڑے پر سوار تمہیں دکھائی دے تو اس کی اطلاع بھی مجھے فوراً کرنا۔" لاکھی اُٹھ کر باہر نکل گئی، کنچل کمرے میں بے چینی کے عالم میں اِدھر اُدھر ٹہل رہی تھی۔

○

شام ہو گئی تھی۔ تاریکیاں اپنے سیاہ نوکیلے پنجے زمین کی کوکھ میں گاڑنے لگی تھیں۔ مکانوں اور حویلیوں میں چراغ روشن ہو گئے تھے۔ اندھیرا ہر شے کو اپنی زلف زنجیر میں جکڑ رہا تھا۔

جنید چتوڑ شہر میں داخل ہوا اور کشتیوں کے میدان میں اُتر کر ایک شخص سے پوچھ کر وہ اس عمارت میں داخل ہوا جس میں رانا سانگا کے رستم پہلوان جبر سنگھ اور کپور سنگھ دونوں رہتے تھے۔

جنید نے اپنے گھوڑے کو باہر باندھ دیا اور اس کمرے میں داخل ہوا۔ جس کے اندر جبر سنگھ اور کپور سنگھ دونوں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ اندر داخل ہو کر جنید ایک طرف بیٹھ گیا۔

جبر سنگھ نے پوچھا "ہم نے تمہیں پہچانا نہیں تم کون ہو۔ کیا تمہیں ہم سے کوئی کام ہے۔"

جنید نے کہا "میں تم دونوں کے لیے اجنبی اور نووارد ہوں، میں گوالیار شہر سے آیا ہوں۔ تم دونوں آرام سے کھانا کھا لو پھر میں تم سے اپنے آنے کا مدعا کہتا ہوں۔"

جبر سنگھ نے کہا "تم نے جو کچھ کہنا ہے کہو۔ تم فکر نہ کرو ہم دونوں تمہیں غور سے سن رہے ہیں۔"

جنید نے ایک طنز ایک تمسخر میں کہا "جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں جب میں نے وہ کہنا شروع کیا تو تم دونوں کھانا کھانا بھول جاؤ گے۔"

کپور سنگھ نے لقمہ نگل کر جنید کی طرف نفرت اور کرودھ سے تھوکتے ہوئے کہا "تم ئے ہو۔ تمہاری اتنی دہشت تو نہیں کہ ہم کھانا کھانا بھول جائیں گے۔ تم پناہ کی تلاش میں ھٹکتے کسی لشکر کے بھگوڑے سپاہی لگتے ہو۔"

غصے میں جنید کی حالت اس صناع جیسی ہو گئی تھی جو کسی قصاص کسی بھرپور انتقام ں جراحتوں کے حروف کندہ کرنے کا ارادہ کر چکا ہو۔ اس کے چہرے پر بے نام اور اجنبی ی تہر مانیت کی لہریں رقص کر رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں جنگ کا نشہ اور چہرے پر ذرے زے کا سینہ چاک کر دینے والی خواہشیں اُبھر آئی تھیں۔

پھر وہ برق کے کسی کوندے کی طرح لپک کر اس کمرے کے دروازے کی ف گیا۔ دروازہ بند کر کے اس نے اندر سے زنجیر لگا دی اور ان دونوں کی ف دیکھتے ہوئے، اپنی تلوار بے نیام کرنے کے بعد اس نے غراتی آواز میں کہا۔

"انسان کے بھیس میں شیطانو! مجھے غور سے دیکھو، میں عظیم بابر کے ہراول کر کا جرنیل جنید ہوں۔ تم دونوں نے کچھ آدمیوں کو بھیج کر مسلمان پہلوان اللہ بخش ر کریم خان کو اس بنا پر قتل کرا دیا تھا کہ چتوڑ کے بھرے میدان میں اللہ بخش نے تم دونوں پچھاڑ دیا تھا۔ تم کیا سمجھتے تھے کہ ان دونوں کو قتل کرانے کے بعد تم دونوں محفوظ رہ سکو گے ہرگز نہیں۔ میں اسی کمرے میں تمہارے دِل کی فضاؤں کو گنگ کر دوں گا۔ تمہارے رے عملی وجدان، تمہارے سارے فعلی رشتوں کی انتہا کر دوں گا۔ کسی کو تم نے مدد کے لئے پکارنا ہو تو پکار دیکھو۔"

جنید کی گفتگو سننے کے بعد جبر سنگھ اور کپور سنگھ کے ہاتھوں سے ان کے لقمے گرے۔ ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں جنید نے کہا "میں نے تم دونوں سے پہلے ہی نہ کہا تھا جب میں نے تم سے اپنا مدعا کہا تو تم کھانا کھانا بھول جاؤ گے لیکن تم میں سے اس جو دائیں طرف بیٹھا ہوا ہے۔ ایک کرودھ ایک غصے میں میری طرف تھوکتے ہوئے تھا کہ میں بکتا ہوں۔ تم دونوں سن رکھو کہ پہلوانی کرنا آسان ہے رزم گاہ کا سپاہی بننا ڑا اور دشوار ہے۔"

جبر سنگھ اور کپور سنگھ دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر جبر سنگھ نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ "ہم دونوں ماموں بھانجا ہیں۔ ہم اپنی غلطی تسلیم کرتے ہیں۔ تم ہم دونوں کو معاف کر دو۔"

جنید نے اپنی تلوار لہرا کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "توبہ اور معافی کا بھی ایک وقت ہے اور وہ وقت تم دونوں کے لیے گزر چکا، اب تو تم دونوں کے حساب اور محاسبے کا وقت ہے۔" اچانک جبر سنگھ اور کپور سنگھ دونوں نے قریب پڑی لاٹھیاں اُٹھا لیں، اور جنید پر ٹوٹ پڑے۔ ان دونوں نے جنید پر لگاتار لاٹھیاں برسانی شروع کر دی تھیں۔

ان دونوں کی لاٹھیوں کو جنید اپنی ڈھال اور تلوار پر روک رہا تھا۔ اچانک ایک کی لاٹھی کو اپنی ڈھال پر روکنے کے بعد جنید نے دوسرے کی لاٹھی پر اپنی تلوار دے ماری اس کی لاٹھی کٹ کر رہ گئی۔ جنید نے دوبارہ اپنی تلوار اس پر برسائی۔ وہ کپور سنگھ تھا۔ جنید کی تلوار سے وہ اپنا دفاع نہ کر سکا اور جنید نے اسے دو حصّوں میں کاٹ کر رکھ دیا۔ کمرے کا فرش کپور سنگھ کے خون سے رنگین ہونے لگا تھا۔

کپور سنگھ کے قتل ہونے پر جبر سنگھ اپنی لاٹھی پھینک کر دروازے کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ جنید نے اس کے پیچھے بھاگتے ہوئے کہا۔ "تم تو رانا سانگا کے رستم پہلوان ہو تمہارا اس طرح پیٹھ دکھا کر اور دُم دبا کر بھاگنا تمہارے لیے باعثِ عار ہے۔" اس کے ساتھ ہی جنید نے پشت کی طرف سے جبر سنگھ کو اپنی ڈھال ماری۔ جبر سنگھ بے بسی کے عالم میں فرش پر گر گیا۔ جنید نے جبر سنگھ کے لیٹے ہی لیٹے اس کی گردن کاٹ دی۔

اپنی تلوار پونچھ کر اور نیام میں ڈالتے ہوئے جنید اس عمارت سے نکل کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگا کر ہانک دیا۔ جب وہ شہر پناہ کے پاس آیا تو اس نے دیکھا شہر پناہ کے دروازے ابھی کھلے تھے۔ لہٰذا وہ بلا جھجک اور بے محابا چھوڑ شہر سے باہر نکل گیا تھا۔

○

کنپل کے بیاہ کے لیے ایشور مندر سے باہر سوئمبر رچایا گیا۔ جس کے لیے بہترین اور عمدہ زین انتظامات کیے گئے تھے۔ کئی راجکمار اور اَن گنت کھشتری سورما اس میں حصّہ لینے کو ئے تھے۔ کنپل انتہائی تحمل اور بہترین صبر کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ اس نے بڑی سرگرمی سے سوئمبر کی ساری رسومات میں حصّہ لیا اور وہ سوئمبر میں حصّہ لینے والوں کے سامنے آ کر بیٹھی بھی۔

پنڈت آتما رام اور کیدار خوش تھے کہ شاید راجکماری کنپل نے دل سے اس سوئمبر و قبول کر لیا ہے اور جو سورما سوئمبر جیتے گا وہ اسے اپنا پتی اور شوہر تسلیم کر لے گی۔ اس قسم کے ظن دگمان سے انہیں اب یہ بھی اُمید ہو چلی تھی کہ شاید جنید سے مایوس ہو کر کنپل دوبارہ پنے دھرم کی طرف لوٹ آئے اس لیے دونوں مندر کے محافظوں اور پجاریوں کے ساتھ بڑی بھاگ دوڑ کے ساتھ سوئمبر کی تکمیل کے لیے کام کر رہے تھے۔

کنپل خاموش اور پُرسکون تھی۔ لاکھی اس کی حالت پر حیرت اور پریشانی کا شکار تھی۔ دوسری طرف پنڈت دیالال اور پنڈت دسرام دونوں خوش تھے۔ کہ یہ ان کے رم دھیان کا باعث اور ثمر ہے کہ راجکماری کنپل اس طرح سوئمبر کی رسومات میں حصّہ لے رہی ہے۔

آخر رانا سانگا کا بیٹا بکرما جیت جو اس کی بیوی پدماوتی کے بطن سے تھا اور راجکمار تھا یہ سوئمبر جیت گیا۔ جب سوئمبر کا یہ سارا کھیل ختم ہوا تو کنپل اپنی جگہ سے اٹھی اور بلند واز میں ایک عزم کے ساتھ اس نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اس سوئمبر میں حصّہ لینے والو سنو! میں گوالیار کی سابقہ راجکماری کنپل ہوں اور سوئمبر میرے ہی لیے رچایا گیا ہے۔ سنو! میں نہ کسی ہارنے والے کو جانتی ہوں اور نہ ہی سوئمبر جیتنے والے سے میرا کوئی تعلق ہے۔ میں اب راجکماری نہیں ایک عام لڑکی ہوں اب ہندو نہیں مسلمان ہوں اور میرا نام کنپل نہیں کلثوم ہے۔

سنو! میں جنید نام کے ایک مسلمان سے پہلے ہی منسوب ہوں اور یہ نسبت میری اور میرے باپ گوالیار کے راجہ بکرما جیت نے طے کی تھی جس میں کوئی بھی تبدیلی کرنے

کا حق نہیں رکھتا۔ خواہ وہ میرا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا اس سوئمبر سے میرا کوئی تعلق کوئی دخل نہیں ہے۔

یاد رکھو میں کسی پنڈت، کسی پروہت، کسی بھائی کو نہیں جانتی۔ اب تک میں نے بڑے صبر اور تحمل سے کام لیا ہے۔ پر اب میں اصلیت تم سب پر واشگاف کرنے پر مجبور ہوئی ہوں۔ میں مسلمان ہوں اور مسلمان لڑکی کا سوئمبر نہیں رچایا جا سکتا۔"

اچانک کیدار کنپل کے پاس آیا اور اس کے منہ پر تین چار طمانچے مارتے ہوئے اس نے کہا۔" ذلیل لڑکی! میں نے آج تک تم سے کچھ نہیں کہا۔ میں نے تجھے ایسی شفقت دی جو کسی بھائی نے بہن کو نہ دی ہو۔ پر تو ضدی اور ہٹیلی نکلی۔ میں چاہتا تو زبردستی اور جارحانہ انداز سے کام لے کر تجھے واپس اپنے دھرم پر لا سکتا تھا۔ پر میں اپنی عزیز بہن پر جبر اور سختی نہ چاہتا تھا۔ پر تیرے ارادے حد سے بڑھ گئے ہیں۔ تیری زبان زیادہ دراز ہو گئی ہے۔ یہ سوئمبر تمہارے لیے رچایا گیا ہے جسے ہندوستان کے مہاراجہ رانا سانگا کا بیٹا بکرماجیت جیت چکا ہے۔ دھرم کی رو سے اب تم بکرماجیت کی پتنی اور وہ تمہارا پتی ہے تمہیں اس کے ساتھ جانا ہو گا۔ اپنا جیون اس کے ساتھ اور اس کی خدمت میں بسر کرنا ہو گا۔ کیا یہ تمہاری ذات کے لیے اچھا شگون نہیں ہے کہ ایک راجکمار نے تمہارا سوئمبر جیتا ہے۔

سنو کنپل! اب تم نے اگر کوئی ایسی بات منہ سے نکالی جو میرے یا پنڈت آتما رام یا اس سوئمبر کے فیصلے کے خلاف ہوئی تو میں تجھے ایسی سزا دوں گا کہ تو اپنا جیون اور اپنی ہر خواہش مانگ بھول جائے گی۔"

کنپل نے انتہائی تلخ لہجے میں کہا۔" میں نے آج تک تمہیں بڑا بھائی جان کر تمہیں عزت دی ہے۔ تم نے پنڈت گووند کے ساتھ مل کر جنید کو قتل کرانے کی کوشش کی۔ میں چپ رہی۔ تم نے میری ان سے شادی کی مخالفت کی میں نے کوئی آواز بلند نہ کی۔ تم نے مجھے جنید کے پاس لے جانے کے بہانے گوالیار سے نکالا اور دھوکہ دے کر مجھے ایشور مندر میں لے آئے۔ تم بھائی نہیں بیوپاری ہو۔ تم رشتوں کی الجھن میں میرے جیون، میری خوشیوں کا سودا کر رہے ہو۔ میں نے ہر موقع پر کوئی احتجاج نہیں کیا لیکن اب جب کہ تمہارا ہاتھ

پاٹھ ہی گیا ہے تو سن رکھو! چاہے میری گردن کٹ جائے، چاہے میرے جسم کو ٹکڑے کر کے بھوکے آوارہ کتوں کے آگے ڈال دیا جائے۔ اب میں تمہاری کوئی بات برداشت نہ کروں گی۔ تمہارے کسی ارادے، کسی فیصلے کی میں پابند نہیں۔ میں مسلمان ہوں مسلمان رہوں گی۔ میں جنید کی منگیتر ہوں اور جیون کی آخری سانسوں تک اور اپنے شریر میں خون کا آخری قطرہ رہنے تک جنید کا انتظار کروں گی۔"

کیدار غصے میں دیوانہ ہو گیا اور اس نے لگاتار کنپل کے منہ اور پیٹھ پر طمانچے اور گھونسے مارنے شروع کر دیے۔ کنپل بڑے استقلال کے ساتھ کھڑی ہو کر مار کھاتی رہی جواب میں اس نے اپنے بھائی پر ہاتھ نہ اٹھایا تھا۔

اتنے میں رانا سانگا کا بیٹا اور سوئمبر جیتنے والا راجکمار بکرماجیت بھاگتا ہوا وہاں آیا اور اس نے کیدار کے دونوں ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔" کیوں اس کومل اور حسین لڑکی کو مارتے ہو۔ اب یہ میری پتنی ہے۔ میں اس پر اور اس کے جیون پر حق رکھتا ہوں۔"

ایک دم کنپل بپھر گئی اپنے لباس کے اندر سے اس نے خنجر نکال لیا اور کھولتی آواز میں اس نے کہا۔" خبردار میرے متعلق جو تم نے ایسے الفاظ منہ سے نکالے۔ میں کسی کی بیوی، جورو، پتنی نہیں۔ وہ بڑا بھائی تھا باپ کی جگہ تھا تو اس کے سامنے چپ ہو کر پٹتی رہی۔ تم بولے تو تیرے پیٹ میں خنجر گھونپ دوں گی۔"

کنپل کے خنجر نکال لینے پر بکرماجیت بدک کر تھوڑا سا پیچھے ہٹ گیا پھر سنبھلتے ہوئے اس نے ایک عیارانہ قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔" راجکماری! اپنا خنجر نیام میں کر لو۔ اس خنجر سے تم ان لوگوں کو نہیں ڈرا سکتی ہو جو تمہارے سوئمبر میں حصہ لینے آئے ہوں۔ بہرحال اب میں تمہارا پتی ہوں اور دنیا کی کوئی طاقت تمہیں مجھ سے چھین نہیں سکتی۔"

کنپل نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔" میرے باپ کی طرح تیرا نام بھی بکرماجیت ہے۔ یوں میں تجھے آج سے اپنے باپ کی جگہ سمجھتی ہوں۔"

کیدار نے پھر کنپل کے منہ پر طمانچہ مارتے ہوئے کہا۔" چپ ڈھیٹ پاپی! ہم تمہیں رانی بنانے کو کہتے ہیں اور تم گند ڈھول میں گرتی ہو۔"

کیدار کی طرف دیکھتے ہوئے کنپل نے بے بسی سے کہا۔ "کاش میرے ساتھ تمہارا با کا رشتہ نہ ہوتا تو میں تمہیں بتاتی کہ مجھ پہ ہاتھ اُٹھانے والے کی درگت کیسی بنتی ہے میرا نام کلثوم ہے، میں مسلمان ہوں اور میرے سنجوگ میں ایک مسلمان ہی ہو سکتا ہے ہندو راجکمار نہیں۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ مقتل میں کھڑے ہو کر اور صلیب پر کھڑی ہو کر بھی یہ فیصلہ اٹل اور پکار رہے گا۔ کسی کی ہمت نہیں کہ مجھے اس سے ہٹا دے، ہاں اجل اگر سانسوں کی ڈوری کاٹ دے تو اور بات ہے۔"

کیدار نے کہا۔ "باپ کہہ دینے سے بکرماجیت تمہارا باپ تھوڑا ہی ہوگا۔ تمہارا پتی ہی ہے۔"

بکرماجیت نے کہا۔ "تم چھوڑ دو اسے، اب یہ میری پتنی ہے میں خود ہی اسے درست کر لوں گا۔ عورت کا کیا ہے، پاؤں کی جوتی اور گھوڑی کی طرح ہے، تنگ ہوئی تو کلبوت دے کر درست کر لی۔ پیٹھ پر سوار نہ ہونے دے تو لگام ذرا سخت کر کے ڈالو سارا نشہ ہرن ہو جائے گا۔"

کنپل نے سخت غصے میں کہا۔ "عورت کو جوتی اور گھوڑی سمجھنے والے بدبخت نہ بھول کہ عورت تیری ماں بھی ہے، عورت تیری بہن بھی ہے۔"

بکرماجیت نے آگے بڑھ کر ایک زوردار طمانچہ کنپل کے منہ پر دے مارا۔ لیکن بکرماجیت اس وقت طور بے طور ہو گیا جب کنپل نے اس سے بھی ایک سخت اور زوردار طمانچہ بکرماجیت کے منہ پر مارتے ہوئے کہا۔

"وہ بھائی ہے جس کی مار برداشت کر رہی ہوں۔ تو میرا کچھ نہیں تیرا مار برداشت کیوں کروں، تیری ذلیل کیوں بنوں۔ سن رکھ اگر تو نے حد سے بڑھنے کی کوشش کی تو میرا خنجر ہوگا اور تیرا پیٹ، تیری ساری انتڑیاں نکال کر ہاتھ میں تھما دوں گی۔ میرا یہ فیصلہ اپنے دل کے ورق پر لکھ رکھو کہ میرا باپ راجہ بکرماجیت مجھے جس سے منسوب کر چکا ہے وہی میرے حسن کا نروان اور وہی میری محبت کا پرچار ہے۔ اس کے بغیر میں نامکمل اور ادھوری ہوں۔"

بکرماجیت نے کیدار کو مخاطب کرتے ہوئے غصے کی حالت میں کہا۔ "کیدار! چونکہ میں کنپل کا سوئمبر جیت چکا ہوں۔ لہٰذا اب میرا اس سے براہِ راست تعلق اور واسطہ ہے کہ میں اس سے جو چاہے سلوک کروں، تم نہیں بولو گے اور اگر تم نے کوئی اعتراض کیا تو نقصان اٹھاؤ گے۔"

پھر بکرماجیت نے پنڈت آتمارام کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "پنڈت جی! اس مندر میں کنپل میری امانت ہے۔ میں اسے اس وقت اپنے ساتھ لے کر اپنے پتا کے پاس چلوں گا جب یہ ایک آدھین، فرمان بردار، منقاد و مطیع پتنی کی حیثیت سے اپنی خوشی سے میرے ساتھ جانے پر رضامند نہیں ہوتی۔"

کنپل نے اپنا خنجر لہراتے ہوئے کہا۔ "ایسا دن کہ میں اپنی مرضی اور خوشی سے تمہارے ساتھ ہو لوں گی بعد میں آئے گا پر تمہاری موت اور اجل پہلے آ جائے گی۔ تم جو خواب میرے متعلق دیکھ رہے ہو وہ ایسے ہیں جن کی کوئی بھی تعبیر نہیں ہے۔"

کنپل جب خاموش ہوئی تو بکرماجیت نے کہا۔ "پنڈت جی! میں اپنے محافظ دستے کے بیس سپاہی کنپل کی نگرانی اور حفاظت کی خاطر یہاں چھوڑ کر خود جا رہا ہوں اپنے یہاں رکنے والے سپاہیوں کو سمجھا دوں گا وہ کنپل سے کسی کو ملنے نہ دیں گے۔"

پنڈت آتمارام نے کہا۔ "نہیں مہاراج! کسی کو تو راجکماری سے ملنے اور اس کی ضروریات پوری کرنے کے لیے اس کے پاس جانے کی اجازت ہونی چاہیے۔ کنپل سے پہلے یہاں کی ایک دیو داسی لاکھی ہے اسے اس کے پاس آنے جانے کی اجازت ہونی چاہیے۔"

بکرماجیت نے کہا۔ "چلو لاکھی کو اس کے پاس آنے جانے کی اجازت ہے۔"

بکرماجیت نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ "اپنے سخت پہرے میں کنپل کو اس کے کمرے میں لے جاؤ اور اس کے پاؤں باندھ کر اس کمرے میں ڈال دو۔"

بکرماجیت کے آدمی آگے بڑھے اور کنپل کو اپنی حفاظت میں اس کے کمرے کی طرف لے جانے لگے۔ بکرماجیت نے پھر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اس کے ہاتھ خوب کس

کر باندھ دو۔ صرف لاکھی اس کے پاس آئے گی اور اسے کھلاتی پلاتی رہے گی۔ اس کے علاوہ کسی کو بھی اس سے ملنے کی اجازت نہیں ہے۔ اپنے کمرے میں یہ اس وقت تک رسیوں میں بندھی رہے گی جب تک یہ درست نہیں ہوتی اور اپنے دھرم میں واپس آنے کا اعلان نہیں کرتی۔ میں دیکھتا ہوں یہ کب تک اپنی ضد پر قائم رہتی ہے۔" پھر بکرماجیت اپنے باقی محافظوں کے ساتھ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں سے چلا گیا۔

O

جبر سنگھ اور کپور سنگھ کو قتل کرنے کے بعد جنید نے چتوڑ شہر سے تین میل دور کی طرف ایک سرائے کے اندر قیام کیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ رات اور اگلا پورا دن وہ اسی میں بسر کرے گا اور اگلی رات وہ ایشور مندر کی طرف جائے گا اور کنپل کو وہاں سے نکالنے کی کوشش کرے گا۔

سرائے کے اصطبل میں اپنے گھوڑے کے دانے چارے کا انتظام کرنے اور آرام کی خاطر خشک جگہ باندھنے کے بعد جنید نے رات کا کھانا کھایا پھر وہ رات بسر کرنے کی خاطر سرائے کے بستر میں گھس گیا تھا۔

دوسرے روز سہ پہر کے قریب جنید نے اپنا جنگی لباس پہنا۔ گھوڑے کے دانہ چارہ ڈال کر اس پر زین بھی اس نے کس دی تاکہ گھوڑا اچھی طرح چارہ کھالے۔ پھر اپنے گھوڑے کو کھریرا کرنے لگا تھا۔

کھریرا کرتے کرتے جنید کے ہاتھ اچانک رک گئے۔ اس نے دیکھا سرائے میں چھ سوار داخل ہوئے اور ان میں سے ایک وہ بھی تھا جس سے رات جنید نے جبر سنگھ اور کپور سنگھ کی رہائش سے متعلق دریافت کیا تھا۔

اصطبل میں جنید کو دیکھتے ہی وہ شخص زور زور سے پکارتے ہوئے شور کرنے لگا تھا۔ "اصطبل میں اپنے گھوڑے کو کھریرا کرنے والا جوان وہی ہے جس نے گزشتہ رات جبر سنگھ اور کپور سنگھ سے متعلق مجھ سے پوچھا تھا۔ یقیناً وہ وہی جوان ہے جس نے جبر سنگھ اور کپور سنگھ کو قتل کیا ہے۔"

جنید سب کچھ بھانپ چکا تھا۔ وہ اس مسئلہ کو سرائے کے اندر الجھانا نہ چاہتا تھا لہذا وہ فوراً حرکت میں آیا۔ پھر وہ اپنے گھوڑے کو اصطبل سے باہر لایا اور اس پر سوار ہو کر اس نے اصطبل کی قدرے نیچی دیوار کی طرف ایڑ لگا کر بھگا دیا۔ گھوڑا ہنہناتا ہوا دیوار پھلانگ گیا۔

جنید کی نشان دہی کرنے والا جوان سرائے میں رکا رہ گیا جب کہ باقی کے پانچوں سوار اپنے گھوڑوں کو سرائے سے نکالنے کے بعد اس کے تعاقب میں لگ گئے تھے۔

ایشور مندر کی طرف جانے کے بجائے جنید ان پانچوں سواروں کو اپنے تعاقب میں لگا کر شمال کے کوہستانی سلسلے کی طرف لے گیا تھا۔

تعاقب کرنے والوں نے اپنے گھوڑوں کو مہمیز پر مہمیز لگائی پر جنید کو نہ پکڑ سکے جس قدر فاصلہ سرائے سے روانہ ہوتے وقت تھا ویسے کا ویسا ہی رہا۔ یہاں تک کہ جنید فاصلے کی اس نسبت کو قائم رکھتے ہوئے شمال کے کوہستانوں کے اندر جا گھسا تھا۔

کوہستانی سلسلے کے اندر ایک موڑ مڑنے کے بعد جنید نے اپنے گھوڑے کو ایک چٹان کی اوٹ میں کھڑا کر لیا تھا۔ گھوڑے کی زین سے لٹکتی کمان اس نے سنبھالی۔ ترکش سے تیر نکال کر اس نے چلّہ پر چڑھائے اور مستعد ہو کر کھڑا ہو گیا۔ جب تعاقب کرنے والے پانچوں سوار تیر کی زد میں آئے تو جنید نے ان پر لگاتار کئی تیر برسا دیئے تھے ان پانچ میں سے تین تعاقب کرنے والے جنید کی تیر اندازی سے چھد کر اپنے گھوڑوں سے پتھریلی زمین پر گر کر لوٹنے لگے تھے۔

جنید نے فوراً کمان زین سے لٹکا دی اپنی تلوار اور ڈھال اس نے سنبھالی اور باقی بچنے والے دونوں کے سامنے اس نے اپنا گھوڑا آ کھڑا کیا تھا اور ابال کھاتی آواز میں اس نے ان سے پوچھا۔ "تم پانچوں نے کیا سمجھ کر میرا تعاقب کیا کہ تم مجھے اپنی گرفت میں کر لو گے۔ ہرگز نہیں، میں تمہارے فریب میں آنے والا نہیں ہوں۔ اب ان کوہستانوں کے اندر جب کہ میں نے تمہارے تینوں ساتھیوں کو زمین کا پیوند بنا دیا ہے میں تم دونوں کو ایک ساتھ دعوتِ مبارزت دیتا ہوں"۔ ان دونوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، اپنی تلواریں سونت کر

آگے بڑھ کر انہوں نے جنید پر حملہ کر دیا تھا۔

کسی سست رُو دریا کی طرح جنید شروع میں ان کے حملے صرف روکنے پر اکتفا کرتا رہا جس سے ان دونوں کے حوصلے بڑھ گئے اور ایک موہوم سی شادمانی ان دونوں کے چہروں پر بکھرنے لگی تھی لیکن جلد ہی جنید کے انداز جارحیت اختیار کر گئے۔ اس کے حملوں میں کھیتوں کی ہریالی جیسی تازگی اُترنے لگی تھی۔ جب کہ ان دونوں کی حالت ان اَدھ کھلی نیم مُردہ آنکھوں جیسی ہونے لگی تھی جن کے سامنے موت رقص کرتے ہوئے دِلوں کے حصار اور اس کی وسعت میں خوف خطرے بھرنے لگی ہو۔

جنید کے حملے لمحہ بہ لمحہ شفاف اور بھرپور ہوتے جا رہے تھے۔ اب وہ خلا کے بے کراں سلسلے اور بحر میں اُٹھتی طوفانی لہروں کی شکل میں ان پر وارد ہونے لگا تھا۔ اچانک ان میں سے ایک جنید کا حملہ روکتے ہوئے چوکا اور جنید کی تلوار نے اسے کاٹ کر رکھ دیا۔ فضاؤں کے اندر ایک کربناک چیخ بلند ہوئی اور جیتوڑ کا وہ سپاہی اپنے گھوڑے سے گر کر دم توڑ گیا تھا۔ دوسرا سپاہی اپنے ساتھی کی ہلاکت پر خزاں کے پتّوں کی مانند کانپنے لگا تھا۔ اسی دھڑکے اور چنتا میں وہ اپنا دفاع تک کرنے میں ناکام رہا اور جنید کی کوندتی برستی تلوار اسے موت سے ہم کنار کر گئی تھی۔

آخری سپاہی کو ختم کرنے کے بعد جنید اپنے گھوڑے کو ہانک کر ایک دم اُدھر میں لے گیا کیوں کہ جنوب کی طرف سے گھوڑا بھگاتا ہوا وہ جوان بھی آ رہا تھا جس نے جنید کے سپاہیوں کی جنید کی طرف راہنمائی کی تھی۔

جنید نے دیکھا وہ بالکل نہتا تھا اور اپنے دفاع تک کے لیے اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ مرنے والے سپاہیوں کی لاشوں کے پاس آ کر وہ رُک گیا اور اس کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے کسی نے کھلی قبر سے کسی بھیانک مُردے کو دیکھ لیا ہو۔ وہ وہاں سے بھاگنے ہی لگا تھا کہ جنید اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر باہر آیا اور اس کا راستہ روکتے ہوئے کہا:

"اب تم بھاگنا بھی چاہو تو نہ بھاگ سکو گے۔"

اس نے فوراً اپنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ "مجھے کچھ مت کہنا۔ مجھے معاف کر دو۔"

جنید نے پوچھا۔ "تم نے انہیں میری نشاندہی کیوں کی۔ میں نے جبر سنگھ اور کپور سنگھ کو اس لیے قتل کیا ہے کہ انہوں نے میرے دو عزیزوں کو مار دیا تھا۔" اس نے اسی طرح ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ "مجھ سے غلطی ہوئی مجھے معاف کر دو۔ مجھے خبر نہ تھی کہ وہ دونوں ماموں بھانجا حرامی قاتل ہیں۔ بھگوان کی سوگند میں وعدہ کرتا ہوں۔ اب کسی سے تمہاری نشاندہی نہ کروں گا۔ بس تم ایک بار معاف کر دو۔ تمہاری یہ نیکی اور مروّت زندگی بھر یاد رکھوں گا۔"

جنید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اچھا جاؤ چلے جاؤ۔ دوبارہ ایسی ہی حرکت کی تو ان سپاہیوں کی طرح تم بھی مارے جاؤ گے۔"

وہ سہما سہما سا اپنے گھوڑے کو ہانک کر چلا گیا۔ جنید اب آہستہ آہستہ مشرق کی طرف جا رہا تھا کیوں کہ سورج مغرب کی طرف جھکتے ہوئے غروب ہو رہا تھا۔

سورج غروب ہوتے ہی رات اپنی آمد کا اعلان کرنے لگی تھی ۔ بگلے ، قازیں اور دیگر کوہستانی و میدانی طیور دن بھر کی مشقت اور اڑان کے بعد اپنے اپنے ٹھکانوں کو لوٹ رہے تھے ۔ تاریکیاں اپنے خرام کے پورے پھیلاؤ کے ساتھ نازل ہونے لگی تھیں۔

کنپل بے چاری اپنے کمرے میں مسہری پر پڑی تھی اور اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے ۔ کنپل کے کمرے سے باہر اور ایشور مندر کے ارد گرد بھی راجکمار بکرماجیت کے سپاہی پہرہ دے رہے تھے ۔ شاید اس خیال سے کہ کنپل بھاگ نہ جائے یا خدید اسے اٹھا لے جانے میں کامیاب نہ ہو جائے ۔

لاکھی کنپل کا کھانا لے کر کمرے میں داخل ہوئی ۔ کھانا اس نے مسہری پر کنپل کے سامنے رکھا اور باہر آ کر پہرہ دینے والے سپاہیوں میں سے ایک سے اس نے کہا ۔ " راجکماری کے ہاتھ پاؤں تو کھول دو کہ وہ کھانا کھا سکے ۔ "

اس سپاہی نے کہا ۔ " اس کے ہاتھ پاؤں نہ کھلیں گے تم ہی اسے کھانا کھلا دو ۔ "

لاکھی نے کہا ۔ " اس نے ایسا کون سا جرم کیا ہے جو اسے اتنی بڑی سزا مل رہی ہے چلو کھانا تو میں اسے کھلا دوں گی پر وہ اس طرح بندھے بندھے رات کو آرام کیسے کرے گی

عورت ذات ہے اس پر ایسا ظلم نہ کرو ۔ آخر اس کی اور ضروریات بھی ہیں بندھے بندھے وہ کیوں کر اپنی جسمانی ضروریات پوری کر سکے گی ۔ آخر کو وہ راجکماری ہے اس کا بہر حال کچھ تو احترام ہونا چاہیئے ۔ وہ بے چاری بھاگ کر کہاں جائے گی ۔ وہ تو اس تاریکی میں ڈر کے مارے باہر ہی نہ نکلے گی اور پھر کمرے کے باہر تم پہرہ دے رہے ہو اور مندر کے ارد گرد بھی تمہارے آدمی پھیل کر پہرہ دے رہے ہیں ۔ کیا اس قدر جوان ایک کمزور سی ناتواں لڑکی کے سامنے اپنے آپ کو ناکام اور بے بس سمجھتے ہیں کہ وہ ان کو جُل دے کر بھاگ جائے گی ۔ "

ان پہریداروں میں سے ایک جو عمر میں اوروں سے بڑا اور شاید ان سب کا کمانڈر تھا اس نے ایک سپاہی سے کہا ۔ " اس دیو داسی کے ساتھ تم اندر جاؤ اور راجکماری کی رسیاں کھول دو ۔ وہ ہمارے لیے کسی خطرے کا باعث نہیں بنے گی ۔ میں کمرے کا اچھی طرح جائزہ لے چکا ہوں ۔ اس دروازے کے علاوہ اس کمرے سے بھاگ نکلنے کا اور کوئی راستہ نہیں ہے ۔ تم جاؤ ، راجکماری کی رسیاں کھول دو ، وہ آرام سے کھانا کھائے اور چین سے رات بسر کرے ۔ صبح جب وہ ضروریات سے فارغ ہو جائے گی تو ہم اس کو پھر رسیوں میں جکڑ دیں گے ۔ راجکمار بکرماجیت اگر آیا بھی تو زیادہ سے زیادہ کل دن کے پچھلے حصے میں آئے گا اور اس وقت تک راجکماری رسیوں میں جکڑی ہو گی ۔ ویسے بھی میں اس راجکماری کی باتوں سے اندازہ لگا چکا ہوں ، اس پر جتنی چاہے سختی کی جائے راجکمار بکرماجیت سے سمجھوتہ کرنے والی نہیں ہے ۔ تم لوگوں نے دیکھا نہ تھا اس نے سب لوگوں کے سامنے راجکمار کے منہ پر طمانچہ دے مارا تھا ۔ "

وہ کمانڈر جب خاموش ہوا تو لاکھی نے کہا ۔ " تم بلا جھجک اس کی رسیاں کھول دو ۔ میں تم لوگوں کو ضمانت دیتی ہوں کہ وہ یہاں سے بھاگے گی نہیں ۔ وہ پچھلے کئی ہفتوں سے اس مندر میں مقیم ہے ۔ اس پر کوئی پہرہ بھی نہ تھا ۔ بھاگنا ہوتا تو وہ اس وقت ہی بھاگ جاتی ۔ "

لاکھی کے جواب میں کسی نے کچھ نہ کہا ۔ پھر ان پہریداروں میں سے ایک لاکھی

کے ساتھ کمرے میں آیا اور وہ رسیاں کھول کر کنپل کو آزاد کر کے باہر چلا گیا تھا۔ جہاں رسیاں بندھی تھیں وہاں اپنے ہاتھوں اور پاؤں کو سہلاتے ہوئے کنپل نے کہا۔

"لاکھی! لاکھی! میں تمہاری احسانمند ہوں، میں جانتی ہوں یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ تم نے جا کر منت سماجت کی ہو گی اور وہ مان گئے ہوں گے۔"

لاکھی نے مسہری پر رکھے کھانے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اب تم کھانا تو کھاؤ۔" کنپل چپ چاپ کھانا کھانے لگی۔ جب وہ کھانا کھا چکی تو اس نے پھر لاکھی سے کہا

"لاکھی! تم میرا ایک کام کرو گی؟"

لاکھی نے کہا۔ "تم کہو تو میں ضرور کروں گی۔"

کنپل نے کہا۔ "لاکھی! میرا دل کہتا ہے جنید ادھر آنے والے ہیں۔ وہ اگر آئے بھی تو رات کے وقت آئیں گے تم دھیان رکھنا لاکھی! اور ان کی راہنمائی کرنا کہیں ان پر پہریداروں کی نظر نہ پڑ جائے اور وہ انہیں پکڑ نہ لیں اگر ایسا ہو گیا تو میں مر جاؤں گی۔"

لاکھی نے کہا۔ "تم فکر مند نہ ہو کنپل میں ابھی کھانے کے یہ خالی برتن لے کر جاتی ہوں اور باہر کھڑے پہریداروں سے کہتی جاؤں گی کہ میں برتن چھوڑ کر آ رہی ہوں میں مندر کی کسی ایسی محفوظ جگہ رہ کر پہرہ دوں گی جہاں میری نظر باہر کے سارے منظر کو دیکھ سکے لیکن میں کسی کی نگاہوں میں نہ آؤں۔

راجکماری! تم فکر نہ کرو۔ جنید اگر تمہارا منگیتر ہے تو میں اسے بھائی کہہ کر پکارتی رہی ہوں۔ لہٰذا میں اس بھائی کی حفاظت اور راہنمائی کی پوری کوشش کروں گی۔"

لاکھی کو اپنے ساتھ لپٹا کر کنپل نے اس کی پیشانی چوم لی اور کہا۔ "اپنے کمرے کی اس سامنے والی کھڑکی میں بیٹھ کر میں بھی باہر نظر رکھوں گی۔ اب تم جاؤ اور اپنے کام میں لگ جاؤ۔"

لاکھی نے برتن اٹھائے اور باہر نکل گئی۔ کنپل نے آتش دان میں اور لکڑیاں ڈال کر آگ کو خوب بھڑکا دیا اور پھر وہ لحاف اوڑھ کر کھڑکی کے پاس بیٹھ گئی تھی۔

اچانک اسے کوئی خیال گزرا اپنی جگہ سے وہ اٹھی پہلے دروازے کو اندر سے

زنجیر لگائی اور دوبارہ کھڑکی کے پاس جا کر بیٹھ گئی تھی۔

O

رات اپنے آپ کو جاوداں کرنے کی خاطر سر بہ سر رقص ناز کرتی بہا لے رہی تھی۔ ہر شے مہ چشمہ نجوم اور کم آسمان کی طرح پُراز اسرار ہو گئی تھی۔ ہر چیز کو لفظوں کے داؤ پہ لگا کر رات نے نیند کے تشدد میں اضافہ کر دیا تھا۔ آسمان پر بکھرے ستارے کسی معصوم بچی کے اجلے تبسم کی طرح برف سے آراستہ پربتوں اور صدیوں سے سعی کرتے انسان کو تک رہے تھے۔ اوس کے موتی زندگی کا روپ دھار کر سورج کی پہلی اور موت کا پیغام دینے والی کرن کا انتظار کرنے لگے تھے۔

جنید ادھر اُدھر بھٹکتا رہا۔ جب رات گہری ہونے لگی تو اس نے ایشور مندر کا رخ کیا۔ اپنے گھوڑے کو اس نے مندر سے ایک فرلانگ دور ایک نشیب میں کیکر کے ایک چھوٹے سے درخت کے ساتھ باندھ کر اس کے منہ پر خوراک کا توبرہ چڑھا دیا تاکہ وہ ہنہنائے نہیں اور اگر نتھنے پھڑپھڑائے تو توبرہ چڑھا ہونے کی وجہ سے آواز دور نہ جائے پھر وہ دبے دبے قدموں سے مندر کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ وہ پوری طرح مسلح تھا۔ اس کے پاس اپنی تلوار ڈھال کے علاوہ کمان اور تیروں سے بھرا ہوا ترکش بھی تھا اور پیٹھ پر لدھی بندھی ہوئی تھی۔

مندر کے قریب آ کر جنید زمین پر لیٹ گیا اور چھپکلی کی طرح وہ رینگتا ہوا آگے بڑھنے لگا تھا۔ قریب جا کر اس نے دیکھا ایشور مندر کے ارد گرد سخت پہرہ تھا۔

جنید ایشور مندر کے شمال میں اس پہریدار کی طرف آیا جو اوروں سے الگ تھلگ تھا اور اس کے اور دوسرے پہریداروں کے درمیان فاصلہ بھی زیادہ تھا اور وہ اس لیے کہ شمال کی طرف مندر کی تین منزلہ بلند عمارتیں تھیں لہٰذا اس طرف سے مندر میں جانا مشکل تھا اس لیے اس سمت میں پہریدار دوسروں کی نسبت زیادہ فاصلے پر کھڑے ہوئے تھے۔

اندھیرے میں کھڑے ایک پہریدار کی سیدھ میں آ کر جنید زمین پر لیٹے ہی لیٹے کچھ بڑھنے لگا۔ وہ رینگ کر ذرا اور قریب ہوا۔ ایک پتھر کی اوٹ میں وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

پیٹھ پر بندھی کمان اتار کر ترکش سے تیر نکال کر چلّہ پر چڑھایا اور تاک کر اس پہریدار کو مارا پہلے ایک چیخ ابھری پھر ہلکی سی خرخراہٹ اس کے منہ سے نکلی اور وہ زمین پر گر کر ڈھیر ہو گیا۔

اس کے دائیں بائیں ذرا فاصلے پر کھڑے دونوں پہریداروں نے اس کی چیخ سُن لی تھی لہٰذا وہ دونوں اس کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ جنید نے دیکھا مرنے والے سپاہی کی لاش کے پاس ہی ایک بڑا چٹان نما پتھر تھا۔ جنید بھاگ کر اس کی اوٹ میں ہو گیا تھا۔ پہلے دائیں طرف والا پہریدار وہاں پہنچا۔ اس نے لاش کو الٹ پلٹ کر دیکھا پھر وہ اس کے حلق میں پیوست تیر کو حیرت و تجسس سے دیکھ رہا تھا۔

جب اس نے نگاہ اٹھا کر سامنے دیکھا اور اندازہ لگایا کہ دوسری طرف کا پہریدار بھی بھاگتا ہوا آ رہا ہے تو وہاں رک کر انتظار کرنے لگا تھا۔ دوسرا پہریدار بھاگتا ہوا وہاں آیا اور پہلے پہریدار سے پوچھا۔

"کیا ہوا۔ یہ دبی دبی سی چیخ کیسی تھی اور یہ اسے کس نے مار دیا ہے"۔

پہلے پہریدار نے کہا۔ "ادھر دیکھو اسے کسی نے تیر مارا ہے اور یہ ابھی تک اس کے حلق میں پیوست ہے۔ مندر سے باہر تو کچھ نظر نہیں آتا۔ لگتا ہے یہ تیر کسی نے عمارت کے اندر سے مارا ہے۔ اگر ایسا ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مندر کے اندر رہنے والے پجاریوں اور دیوداسیوں میں یا ہمارے ساتھی جو اندر پہرہ دے رہے ہیں، ان میں سے کچھ لوگ راجکماری کنپل کے حق میں ہیں"۔

دوسرے پہریدار نے کہا۔ "ایسا لگتا ہے اس مندر کے اندر ہمارے لیے خطرات منڈلانے لگے ہوں۔ اب یہ ہمارا ساتھی خواہ مخواہ میں مارا گیا ہے۔ اس راجکماری نے سوئمبر میں تو اپنی خواہشوں کی تکمیل کے لیے حصّہ لیا اور مصیبت ہم پر بنی ہوئی ہے۔ اگر راجکماری کنپل راجکمار بکرماجیت کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی، اس کی پتنی نہیں بننا چاہتی، اس سے کوئی رشتہ کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتی تو پھر اسے یہاں ایک کمرے میں بند کر کے اس پر پہرہ لگا دینے کا ظلم کیوں"۔

پہلے پہریدار نے کہا۔ "ایشور مندر کے پنڈت آتمارام اور راجکماری کنپل کے بھائی کیدار نے یہ سوئمبر اپنی مرضی سے رچایا ہے اس میں راجکماری کی خواہش اور مانگ شامل نہ تھی سُنا ہے راجکماری مسلمان ہو چکی ہے۔ اس کی منگنی جنید نام کے ایک مسلمان سے ہو چکی ہے جو اس کے مرنے والے باپ راجہ بکرماجیت نے کی تھی"۔

دوسرے پہریدار نے کہا۔ "بچاری راجکماری پر ظلم ہو رہا ہے۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں فوراً اسے رہا کر دیتا اور کہتا جاؤ اپنے منگیتر کے پاس چلی جاؤ"۔

جنید ان دونوں پہریداروں کی گفتگو بڑے ذوق و شوق اور انہماک و توجہ سے سن رہا تھا۔

جنید کو ان دونوں پہریداروں پر ترس آ رہا تھا۔ وہ ان دونوں کو جان سے نہ مارنا چاہتا تھا۔ پر وہ اس کے کام میں رکاوٹ بھی تھے اور وہ انہیں اپنے راستے سے ہٹانا بھی چاہتا تھا۔ پھر جنید نے ان دونوں کو جان سے نہ مارنے کی خاطر ایک بڑا خطرہ مول لیتے ہوئے ایک اور تیر چلّہ پر چڑھا کر مرنے والے کو مارا اور پھر غرّاتی ہوئی آواز میں اس نے کہا "تم دونوں میرے زہریلے تیروں کی زد میں ہو۔ اگر تم دونوں نے شور کرنے یا بھاگنے کی کوشش کی تو سُن رکھو میں اپنے تیروں سے تم دونوں کو چھلنی کر دوں گا۔ میں تمہاری پوری گفتگو سُن چکا ہوں، میں تم دونوں کو قتل نہیں کرنا چاہتا۔ تمہارا بھی خواہ ہوں۔ اپنی تلواریں زمین پر پھینک دو اور ایک دوسرے کی آنکھوں پر پٹی باندھ دو اور اگر تم نے ایسا کرنے سے پس و پیش کیا تو تم دونوں کی حالت بھی تمہارے مرنے والے ساتھی سے مختلف نہ ہو گی"۔

ان دونوں نے فوراً اپنی تلواریں پھینک دیں اور سروں پر بندھی پگڑیاں انہوں نے کھول کر ایک دوسرے کی آنکھیں باندھ دیں۔

جنید پتھر کی اوٹ سے نکلا۔ پہلے ان دونوں کی تلواریں اٹھا کر اس نے دور پھینک دیں۔ پھر ان دونوں کو اس نے زمین پر گرا لیا اور مرنے والے کے کپڑے بھی اتار کر اس نے دونوں کے پاؤں اور ہاتھ پشت پر کس کر باندھنے کے بعد ان کے منہ اور آنکھیں دوبارہ خوب کس کر باندھ دیں۔ پھر وہ دونوں کو گھسیٹتا ہوا ذرا فاصلے پر ایک پتھر کی اوٹ میں چھوڑ

آیا۔ اس کے بعد اس نے مرنے والے پہریدار کی لاش بھی وہاں سے ہٹا کر ایک دوسرے پتھر کی اوٹ میں کر دی۔

چند ثانیوں تک وہاں کھڑا ہو کر ایشور مندر کی اس عمارت کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر اس نے اپنی پشت پر بندھی ہوئی کمند کھولی اور اسے اس کھڑکی پر پھینکا جو مندر کی اوپر جاتی ہوئی سیڑھیوں میں تھی۔ ایک بار اپنے دائیں بائیں پیچھے اور اوپر دیکھ کر جنید نے حالات کا جائزہ کیا پھر وہ بڑی تیزی سے اپنی کمند پر چڑھ رہا تھا۔

کمند کے ذریعے جنید ایشور مندر کی دوسری منزل کی سیڑھیوں پر آیا۔ کمند اس نے دوبارہ لپیٹ کر اپنی پشت پر باندھی۔ تلوار بے نیام کی اور ڈھال سنبھال کر وہ نیچے اترنے لگا۔ ابھی وہ تین ہی سیڑھیاں اترا تھا کہ ایک تاریک کونے سے اسے ایک میٹھی اور شہد بھری نسوانی آواز سنائی دی۔ "رکو! رک جاؤ جنید بھائی! نیچے نہ جاؤ۔ ادھر خطرہ ہے۔"

جنید ایک بار بدک گیا پھر اس نے اپنی تلوار اور ڈھال اپنے سامنے کرتے ہوئے پوچھا "تم کون ہو اور میرا نام کیسے جانتی ہو؟"

وہ لاکھی تھی جو اب تاریک کونے سے نکل کر جنید کے سامنے آئی اور کہا۔ "جنید بھائی! میں اس مندر کی دیوداسی ہوں، میرا نام لاکھی ہے اور میں راجکماری کنول کی خدمت پر مامور ہوں۔ مجھے اور راجکماری کنول کو پہلے ہی امید تھی کہ آج رات آپ ضرور آئیں گے کیونکہ گوالیار کے راج مندر کا ایک پجاری یہاں کے بڑے پنڈت کے پاس یہ خبر لایا تھا کہ آپ نے راج مندر کے بڑے پنڈت گووند کو قتل کر دیا ہے اور اب آپ کسی وقت بھی چتوڑ کا رخ کر سکتے ہیں۔ لہٰذا راجکماری نے مجھے محتاط کر دیا تھا۔ میں آپ ہی کی راہنمائی کے لیے یہاں کھڑی ہوں۔"

جنید نے کہا۔ "کنول اور کیدار کہاں ہیں؟"

لاکھی نے کہا۔ "ان دونوں بہن بھائی کے کمرے تیسری منزل پر ہیں۔ پر کنول کے کمرے پر تو سخت پہرہ ہے۔ آپ کیسے اس سے ملیں گے اور کس طرح اسے یہاں سے نکال کر لے جائیں گے۔ کنول کے کمرے پر چھ سپاہی اور ایک ان کے کماندار کا پہرہ ہے۔ باری باری

دو دو سپاہی جاگ کر پہرہ دیتے ہیں اور باقی کے چار سپاہی اور ان کا کماندار کنول سے ملحقہ ایک کمرے میں سوئے ہوئے ہیں۔"

جنید نے کہا۔ "لاکھی! تم فکر نہ کرو۔ میں ان سب پہریداروں سے نمٹ لوں گا۔ اور کنول کو یہاں سے نکال لے جاؤں گا۔ پہلے تم مجھے یہ بتاؤ پنڈت دیالال اور پنڈت شرام کہاں ہیں؟"

لاکھی نے کہا۔ "ان دونوں کے کمرے بھی تیسری منزل پر کیدار کے ساتھ ہیں۔"

جنید نے کہا۔ "تم سب سے پہلے مجھے کیدار کے کمرے کی طرف لے چلو۔"

لاکھی نے چونک کر کہا۔ "وہ تو آپ کا بدترین دشمن ہے۔ آپ اس سے مل کر کیا کریں گے۔ آپ کو دیکھتے ہی وہ شور کرنا شروع کر دے گا اور اس طرح آپ پکڑے جائیں گے اگر ایسا ہو گیا تو کنول نہ بچ سکے گی۔ آپ اس وقت کسی سے نہ ملیے اور جس طرح ممکن ہو کنول کو یہاں سے نکال کر بھاگ جائیے۔"

جنید نے کہا۔ "تم فکر نہ کرو لاکھی! سب ٹھیک ہو گا تم مجھے کیدار کے کمرے تک لے چلو۔"

لاکھی نے پریشانی میں کہا۔ "لیکن کیدار تو اپنے کمرے کو اندر سے زنجیر لگا کر سو چکا ہوگا۔"

جنید نے کہا۔ "تم چلو تو، اس کے دروازے پر دستک دینا اور کہنا کہ کنول کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے اور اس نے آپ کو بلایا ہے۔ کیدار جب دروازہ کھولے گا تو میں اس سے خود ہی نمٹ لوں گا۔"

لاکھی نے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے کہا۔ "تو پھر میرے پیچھے پیچھے آئیے۔"

جنید لاکھی کے ساتھ ہو لیا۔ دونوں تیسری منزل پر آئے پھر لاکھی نے ایک کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے کیدار کی آواز آئی۔ "کون ہے؟"

لاکھی نے کہا۔ "کنول کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے اس نے آپ کو بلایا ہے۔"

کیدار نے ایک دم دروازہ کھول دیا اور بدحواسی میں اس نے پوچھا۔ "کیا ہوا کنول کو۔ چلو تم بھی میرے ساتھ اس کے پاس چلو میں اپنی بہن ——

کیدار کہتے کہتے رُک گیا۔ کیوں کہ جنید دیوار کی اوٹ سے نمودار ہوا۔ ایک ہاتھ سے اس نے کیدار کا منہ بند کر لیا اور دوسرے ہاتھ سے کیدار کو اٹھا کر وہ کمرے کے اندر لے گیا اور لاکھی سے اس نے کمرے کا دروازہ بند کر کے اندر آنے کو کہا۔

لاکھی فوراً حرکت میں آئی اور فوراً دروازہ بند کر کے زنجیر لگا دی۔

جنید نے کیدار کو اس کی مسہری پہ لا ڈالا۔ کیدار نے اپنی پوری خونخواری میں جنید سے کہا۔ "اچھا ہوا تم خود ہی یہاں آ گئے۔ اب تم بچ کر یہاں سے بھاگ نہ سکو گے۔ میں ابھی پہریداروں کو خبر کرتا ہوں وہ فوراً تمہیں پکڑ لیں گے۔"

جنید نے کہا۔ "تم کیسے بے حس انسان ہو جن لوگوں نے تمہارے بھائی مالدیو، اس کی بیوی کرن، ماموں سیو داس اور اصطبل کے داروغہ احمد یوسف کو اس کے اہلِ خانہ سمیت قتل کر دیا تم یہاں ایشور مندر میں ان کے ساتھ ہی رہتے ہو۔ کاش ایسے لوگوں کے ساتھ تعاون کرنے کے بجائے تم نے ان سے اپنے بھائی کی موت کا انتقام لیا ہوتا۔"

بدحواسی اور پریشانی میں کیدار نے پوچھا۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ میرا بھائی اپنی بیوی اور ماموں کے ساتھ ٹھیک ہے اسے کوئی کیوں اور کیسے قتل کرے گا۔"

جنید نے کہا۔ "سنو بے ہوش انسان! جس رات پنڈت دیالال اور وسرام نے تم دونوں کو گوالیار شہر سے نکالا تھا، اسی رات پنڈت دیالال، وسرام اور ان کے آدمیوں نے محل میں سوتے ہوئے مالدیو، کرن، سیو داس اور احمد یوسف کو اس کے اہلِ خانہ سمیت قتل کر دیا اور ان کی لاشیں محل کے باغ کے اندر گڑھا کھود کر دبا دی گئی تھیں۔ گوالیار کے حاکم رحیم داد نے وہ گڑھا کھدوا کر خود ان کی لاشیں دیکھی تھیں۔ یہ سارے قتل پنڈت گووند کے ایما پر ہوئے تھے۔ کیدار! جب تم اپنے بھائی اور بہن کے وفادار نہ ہوئے تو پھر کسی اور کو تم سے کیا امید ہو سکتی ہے۔" اس کے ساتھ ہی جنید نے اپنی تلوار کھینچ لی اور غضبناک ہو کر اس نے کہا۔

"تیرے جیسا بھائی جو اپنے سگے بھائی کا قاتل ہو اسے زندہ رہنے کا کیا حق ہو سکتا ہے۔ کاش تم نے اپنے بھائی کو قتل نہ کرایا ہوتا۔ کاش تم دھوکہ دہی سے کام لے

کو کنپل کو اس طرف نہ لے آئے ہوتے۔ کیدار! میں تمہیں معاف نہ کروں گا! اس کمرے میں قتل کر دوں گا۔"

کیدار نے فوراً نیچے گر کر جنید کے دونوں پاؤں پکڑ لیے اور گڑگڑا کر کہا۔ "میں آپ کو آپ کے خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے اتنی مہلت دیں تاکہ میں یہ جان سکوں کہ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں وہ سچ ہے یا اسے آپ میرے قتل کا ایک بہانہ بنا رہے ہیں۔ اگر ان پنڈتوں نے میرے بھائی، ماموں، کرن اور احمد یوسف کو اس کے اہلِ خانہ سمیت قتل کر دیا ہے تو یہ میرے انتقام سے بچ نہ سکیں گے۔

سن رکھیے! احمد یوسف بے شک مسلمان تھا لیکن وہ مجھے عزیز تھا۔ وہ میرا بزرگ تھا مجھے بچپن میں کھلا چکا تھا۔ ان سب کے قاتلوں کو میں کیوں کر معاف کروں گا۔ مجھے ان لوگوں کو نرک تک پہنچانے کی مہلت دے دیں پھر آپ جب چاہیں میری گردن کاٹ دیں۔"

جنید نے کہا۔ "میں تم سے غلط بیانی نہیں کر رہا۔ اس کے باوجود اگر تم اس کا ثبوت چاہتے ہو تو اٹھو مجھے پنڈت دیالال اور وسرام کے پاس لے کر چلو۔"

کیدار نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ہاں، میں بھی یہی چاہتا ہوں۔"

پھر کیدار نے دیوار سے لٹکتی اپنی تلوار کی چرمی پیٹی کمر سے باندھی اور جنید سے کہا۔ "آپ میرے ساتھ آئیے۔"

دونوں کمرے سے باہر نکلے اور دو کمرے چھوڑ کر بائیں طرف ایک دروازے پر کیدار نے دستک دی۔ لاکھی بھی ان کے ساتھ آ گئی تھی۔ اندر سے آواز آئی۔ "کون ہے؟"

کیدار نے کہا۔ "دروازہ کھولیں، میں کیدار ایک ضروری کام سے آیا ہوں۔"

تھوڑی ہی دیر بعد دروازہ کھلا اور پنڈت دیالال سامنے کھڑا تھا۔ جنید کو کیدار کے ساتھ دیکھ کر پنڈت دیالال کے ہوش اڑ گئے اور رنگ پیلا ہو گیا۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ پوچھتا۔ جنید، کیدار اور لاکھی اس کمرے میں داخل ہو گئے اور کیدار نے کمرے کو اندر سے زنجیر لگا دی۔

جنید کی طرف دیکھتے ہوئے پلنگ پر لیٹا ہوا پنڈت وسرام بھی اُٹھ کھڑا ہوا تھا اور بدحواسی کا شکار تھا۔ کیدار نے کہا۔ "تم دونوں بیٹھو، مَیں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

دیالال اور وسرام دونوں ایک ہی پلنگ پر بیٹھ گئے پھر کیدار نے بھاری اور غصیلی آواز میں پوچھا۔ "کیا تم دونوں نے میرے بھائی مالدیو، کرن، میرے ماموں اور احمد یوسف کو ان کے اہلِ خانہ سمیت قتل کر دیا ہے۔"

اس انکشاف پر دیالال اور وسرام دونوں کی یادداشت اور ذہن میں ایک طوفان سا برپا ہو گیا۔ یوں لگتا تھا دونوں کے اوسان کھو گئے ہوں اور وہ حیرت و تعجب سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پھر دیالال نے کہا۔ "یہ ہم پر سراسر الزام ہے۔ ہم انہیں کیوں قتل کرنے لگے۔ ہمارا ان سے کیا تعلق واسطہ۔"

جنید نے فوراً اپنی تلوار کھینچ لی اور ان دونوں کے قریب ہوتے ہوئے اس نے پوچھا "کیا تم دونوں نے احمد یوسف، اس کے گھر والوں، مالدیو، سیوداس اور کرن کو قتل کر کے محل کے باغ میں گڑھا کھود کر انہیں وہاں دبا نہ دیا تھا۔ حاکمِ گوالیار رحیم داد نے یہ لاشیں خود نکال کر دیکھی ہیں۔ گوالیار کے پنڈت گووند نے خود کہا ہے کہ یہ فعل تم نے کیے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ تم دونوں محل کے محافظوں کے بھی قاتل ہو۔

اگر تم اپنے ان جرائم کا اقرار کرتے ہو تو درست اور اگر تم انکار پر اڑے رہتے ہو تو مَیں ابھی اور اسی وقت تم دونوں کو نکال کر گوالیار لے چلوں گا اور وہاں تمہارے سامنے ثابت کروں گا کہ تم دونوں ہی قاتل ہو اور سن رکھو وہاں جا کر مَیں تم دونوں کو جو سزا دوں گا، وہ عبرت ناک ہو گی۔ تم دونوں کو زندہ درخت سے اُلٹا لٹکا کر مَیں تم دونوں کی بکرے کی طرح اُلٹی کھال اُتروا دوں گا۔"

وسرام نے چیخنے چلّانے کے انداز میں کہا۔ "آپ چاہے ہمیں قتل کر دیں، لیکن ہم گوالیار نہ جائیں گے۔"

جنید نے کہا۔ "مَیں تم دونوں کو زبردستی اٹھا کر وہاں لے چلوں گا۔"
وسرام نے مُردہ سی آواز میں کہا۔ "بھگوان کے لیے ایسا نہ کریں۔ یہ قتل ہم نے

اپنی منشا اور مرضی سے تو نہ کیے تھے بلکہ راج مندر کے پنڈت گووند نے ہمیں ایسا کرنے کو کہا اور ہم نے اس کے حکم کی تعمیل میں ایسا کیا تھا۔"

کیدار کی آنکھوں میں خون اُتر آیا اور اس نے اپنی تلوار لہراتے ہوئے کہا۔ "تو گویا تم میرے خاندان کے اس قتلِ عام کا اقرار کر چکے ہو۔ ظالمو! تم نے مجھے ایک عزیز بھائی سے ایک شفیق ماموں سے محروم کر دیا ہے۔ تم نے میرا خاندان اُجاڑ دیا ہے اور وہاں سے نکال کر مجھے اس نرک میں لا پھنسایا ہے۔ مَیں کیوں کر تم لوگوں کو معاف کروں گا۔" کیدار آگے بڑھا اور تلوار مار کر اس نے ان دونوں کی گردنیں کاٹ دی تھیں۔

پنڈت دیالال اور وسرام کے قتل کے بعد جنید نے کیدار سے پوچھا۔ "اب تمہارا کیا ارادہ ہے۔"

کیدار نے اپنی گردن جھکاتے ہوئے ایک شکستگی اور فروتنی میں کہا۔ "جنید بھائی! مَیں جانتا ہوں آپ راستی اور سچائی پر تھے۔ مَیں ہی بھٹک گیا تھا، گمراہی کا شکار ہو گیا تھا۔ آہ! مَیں نے ان قاتل اور پلید پنڈتوں کے کہنے میں آ کر اپنی عزیز بہن کو سورگ سے نکال کر یہاں نرک میں لا پھنسایا۔ کاش مَیں اس کی شادی آپ سے کر دیتا تو مَیں اپنے اہلِ خانہ سے یوں محروم نہ ہوتا۔ میرے بھائی، میرے ماموں کی روحیں اپنے ہر جنم میں مجھے کوستی رہیں گی۔ اور مجھے چین نصیب نہ ہو گا۔

کاش مَیں اپنی پھولوں جیسی بہن کو یہاں خونی بھیڑیوں میں نہ لا پھنساتا۔ آہ مَیں نے زبردستی اس کا سوئمبر رچایا۔ اسے مارا بھی جب کہ مَیں نے اس پر کبھی سخت اور کڑی نگاہ تک نہ ڈالی تھی۔

جنید بھائی! کنپل آپ کی ہے۔ میرے ماں باپ اسے آپ کے حوالے کر چکے تھے۔ مَیں نے ماں باپ کے عہد سے بغاوت کی اور اس انجام کو پہنچا۔ جنید بھائی میری بہن کنپل آپ کی امانت ہے۔ وہ آپ ہی کی پتنی اور بیوی بنے گی۔ مَیں سوئمبر کی ساری رسومات پر لات مارتا ہوں۔ ایک بار مجھے کنپل کو یہاں سے نکال لینے دیجئے۔ پھر جب چاہے، آپ مجھے قتل کر دیں۔ مَیں آپ کے خلاف کوئی مزاحمت نہ کروں گا۔ مَیں جانتا ہوں، مَیں

آپ کا مجرم ہوں۔"

جنید نے آگے بڑھ کر کیدار کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔" اب جب کہ تم مجھے بھائی کہہ کر پکار رہے ہو میں کیوں کر تمہیں قتل کر دوں گا۔"

کیدار نے جنید کی چھاتی پر سر رکھ دیا اور بچوں کی طرح وہ سسک سسک کر رو پڑا تھا۔ شاید مالدیو، سیوداس اور کرن کی موت نے اسے بے بس کر کے رکھ دیا تھا۔

جنید نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔" کیدار! کیدار! سنبھلو، ابھی ہم نے کنپل کو یہاں سے نکالنا ہے۔"

کیدار نے اپنے آنسو پونچھ لیے اور جنید سے علیحدہ ہو کر اس نے سنبھلتے ہوئے کہا

" جنید بھائی سنو! میں نے کنپل کا سوئمبر رچایا تھا اور سوئمبر رانا سانگا کا بیٹا بکرماجیت جیت گیا تھا۔ پر کنپل نے اسے پتی ماننے اور اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا۔ بکرماجیت کنپل کو یہیں چھوڑ گیا ہے۔ اس کا ارادہ تھا کہ کنپل پر خوب سختی کی جائے اور جب وہ اپنی مرضی سے اس کے ساتھ جانے کی خواہش کا اظہار کرے تب وہ اسے اپنی پتنی کی حیثیت سے اپنے باپ رانا سانگا کے پاس لے کر جائے گا۔

اب مندر سے باہر اور کنپل کے کمرے پر اس کے سپاہیوں کا سخت پہرہ ہے کنپل کو ہم کس طرح اس کے کمرے سے نکالیں گے۔ میں بھی کیسا جاہل ہوں میں نے آپ سے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ اس قدر سخت پہرے کے باوجود آپ مندر میں کیسے داخل ہو گئے۔"

جنید نے کہا۔" ان باتوں کو چھوڑو کیدار! یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ تم اور لاکھی میرے آگے آگے کنپل کے کمرے کی طرف جاؤ۔ میں ذرا فاصلے پر کھڑا رہوں گا۔ تم پہریداروں سے کہو کہ میں نے اپنی بہن کی عافیت جاننے کے لیے اس سے ملنا ہے۔ اس طرح تم اور لاکھی ان پہریداروں کو باتوں میں لگاؤ۔ اس سے آگے کیا کرنا ہے یہ میرا کام ہے۔"

کیدار نے کسی قدر مسکرا کر کہا۔" تو پھر آئیں اس کی ابتدا کریں دیر کاہے کی۔"

تینوں کمرے سے باہر نکلے۔ آگے آگے کیدار اور لاکھی تھے اور ان کے پیچھے جنید تھا کیدار کے کمرے کے پاس سے گزر کر وہ دوسری سمت عمارت کے اس حصے میں گئے جس طرف

دیو داسیاں رہتی تھیں۔

ایک جگہ جنید دیوار کے ساتھ چپک کر فوراً رک گیا۔ کیوں کہ اس نے دیکھا سامنے ایک کمرے پر دو پہرے دار اپنے ہاتھوں میں ننگی تلواریں لیے پہرہ دے رہے تھے۔ دیوار کے ساتھ چپک کر جنید آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا۔

پہریدار نے کیدار کو روکا۔ کیدار نے کہا۔" میں نے دن کے وقت اپنی بہن کو مارا تھا۔ میں اس وقت سخت پریشانی اور ذہنی الجھن کا شکار ہوں۔ میں اپنی بہن کی عافیت جاننا چاہتا ہوں۔"

پہریدار نے کہا۔" رات کے اس وقت ہم کسی کو بھی راجکماری سے ملنے نہ دیں گے"

اندر کنپل نے بھی جو جاگ رہی تھی شاید یہ گفتگو سن لی تھی۔ لہٰذا وہ دروازہ کھول کر دروازے پر کھڑی ہو گئی تھی۔

وہ اپنے بھائی سے کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ رک گئی کیوں کہ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے جنید نے کسی خونخوار و توانا تیندوے کی طرح ایک لمبی جست لگا کر ان دونوں پہریداروں پر حملہ کر دیا تھا جو کیدار کو کنپل سے ملنے نہ دے رہے تھے۔

کنپل جو دروازہ کھولنے کے بعد کیدار اور لاکھی کے سامنے افسردہ شمع، خاموش مغنی الفاظ کی رقت، حنظل کی بیل، کھچی ہوئی کمان، ویران بادیہ و صحرا و بیابان و جنگل، آنسوؤں کے عصار اور شام کے غم گین اندھیروں کی طرح احساس، بکھری بکھری اور منتشر کھڑی تھی جب اس نے اپنے سامنے اور اپنے بھائی کیدار کی موجودگی میں جنید کو کسی ہولناک چیتے کی طرح پہرے داروں پر زقند لگاتے دیکھا۔ تو وہ انسانیت کے نئے جنم کی طرح پرسکون، خوشیوں کی چاندنی جیسی فروزاں، رتناگری کے سفید پھولوں کی طرح پرکشش ہو گئی تھی۔

اس کا چہرہ خوشی میں گلابی ہو گیا تھا جھکی دراز پلکوں اور لبوں پر ایک جھلملاہٹ تھی۔ خوشیوں کا ایک طوفان اس کے جذبات میں کروٹیں بدلنے لگا۔ خوشی، انبساط اور وفورِ مسرت میں اس کی حالت ایسی ہو رہی تھی جیسے کسی کے احترام میں وقت رک گیا ہو کسی کی سندرتا کو سلام کرتے ہوئے ستارے آپس میں باوصال ہونے لگے ہوں۔ وہ کیف بھرے

لمحے۔ رس، بچے مسکم، چاندنی کے کنول جیسے ہونٹوں کی طرح شاداں و آب دار ہو گئی تھی۔ کمرے سے باہر نکل کر اب وہ کیدار اور لاکھی کے ساتھ آ کھڑی ہوئی اور بڑے شوق سے جنید کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

اپنے پہلے ہی حملے میں جنید نے دونوں پہریداروں کو کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ اتنی دیر تک کیدار نے بھاگ کر اس کمرے کا دروازہ بند کر دیا جس کے اندر دوسرے پہریدار اور ان کا کماندار سوئے ہوئے تھے۔

کنپل نے جب دیکھا کہ اس کا جنید اور اس کا بھائی دونوں مل کر ایک تعاون اور اتفاق سے کام کر رہے ہیں تو وہ انوکھی خوشیوں اور انوکھے تجسّس کا شکار ہو گئی تھی۔

پہریداروں کے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کرنے کے بعد کیدار نے جنید سے کہا۔ "اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ کمرے میں بند پہرے دار جاگ اٹھے تھے اور اب وہ مدد کے لیے پکارنے کے علاوہ بلند آوازوں میں شور بھی کرنے لگے تھے۔

جنید نے لاکھی کے سر پہ پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "اچھا لاکھی! تمہارے تعاون کا شکریہ۔ اللہ حافظ۔" کنپل فوراً لاکھی سے گلے ملنے لگی۔ اس موقع پہ لاکھی کی آنکھیں اشک آلود ہو گئی تھیں۔ شاید وہ آنسو اس خلوص کا نتیجہ تھے جو اس کے اور کنپل کے درمیان رہا تھا۔

جنید نے کہا۔ "جلدی کرو، اب یہاں سے بھاگ چلیں۔ ہمارے لیے اب یہاں ہر لمحہ خطرات بڑھتے جا رہے ہیں۔ عمارت کی سیڑھیوں کی طرف چلو۔ وہاں سے کمند کے ذریعے شمال میں اُتر کر ہم بھاگنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ کیدار! کیدار! تم دونوں بہن بھائی آگے آگے رہو، میں پیچھے رہ کر تم دونوں کی حفاظت کروں گا۔"

کیدار نے کہا۔ "نہیں نہیں ایسے نہیں، آپ کنپل کو لے کر آگے رہیں، میں پیچھے رہتا ہوں۔ اگر کسی نے تعاقب کیا تو میں اسے کہوں گا کہ کنپل بھاگ رہی ہے اور میں اس کا تعاقب کر رہا ہوں۔ اس طرح میں ان کو روک سکتا ہوں یا غلط راہ پر ڈال کر تم دونوں کو یہاں سے بھاگ جانے کا موقع فراہم کر سکتا ہوں۔ مجھے یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے اور نہ ہی مجھ پہ کوئی شک کرے گا۔

کمرے میں بند پہرے داروں کے شور کرنے کی وجہ سے اب باہر بھی پہرے داروں کا شور سنائی دینے لگا تھا۔ جنید نے کہا۔

"لاکھی، تم بھاگ کر اپنے کمرے کی طرف چلی جاؤ تاکہ تم پر کوئی شک نہ کرے۔"

لاکھی وہاں سے بھاگ گئی پھر جنید نے کنپل کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر وہ سیڑھیوں کی طرف بھاگ رہا تھا۔ کیدار ان دونوں کے پیچھے پیچھے تھا۔ اس نے اپنی تلوار صاف کر کے میان میں کر لی تھی تاکہ کوئی اس پر شک نہ کرے۔

تینوں سیڑھیوں پر آئے۔ وہاں جنید نے کمند پھنسا کر باہر پھینک دی۔ کیدار سیڑھیوں کی طرف بھاگ رہا تھا۔ کیدار ان دونوں کے پیچھے پیچھے تھا۔ اس نے اپنی تلوار صاف کر کے میان میں کر لی تھی تاکہ کوئی اس پر شک نہ کرے۔

تینوں سیڑھیوں پر آئے۔ وہاں جنید نے کمند پھنسا کر باہر پھینک دی۔ کیدار نے کہا۔ "یہ کیا کر رہے ہیں آپ، اس طرف تو باہر پہرے دار ہیں، وہ کسی بھی صورت میں بچ کر بھاگنے نہ دیں گے۔"

جنید نے کہا۔ "اس طرف کے تین پہرے داروں میں سے ایک میرے ہاتھوں مارا گیا تھا اور دو کو میں باندھ کر ایک پتھر کی اوٹ میں ڈالنے کے بعد یہاں اوپر آیا تھا۔ تم فکر مند نہ ہو، یہ سمت محفوظ ہے۔"

جنید نے کمند پر لٹکتے ہوئے کہا۔ "کنپل تم میرے کندھے پر پاؤں رکھ لو اور رسے کو مضبوطی سے پکڑ کر میرے ساتھ ساتھ نیچے اترنے کی ... کرو۔"

جنید کی ہدایات کے مطابق کنپل نے جنید کے کندھوں پر پاؤں رکھ لیے اور کمند کا رسہ پکڑ کر وہ جنید کے سہارے اور اس کے ساتھ ساتھ نیچے اترنے لگی تھی۔ کنپل کے بعد کیدار بھی کمند سے نیچے جا رہا تھا۔

عمارت سے نیچے اترنے کے بعد جنید انہیں لے کر اس طرف بھاگ کھڑا ہوا جدھر وہ گھوڑا باندھ کر آیا تھا۔ اچانک سیڑھیوں کی کھڑکی میں سے باہر آنے والے پہرے داروں نے ان تینوں کو بھاگتے ہوئے دیکھ لیا اور وہ اونچی اونچی

آوازوں میں چلانے لگے۔ "راجکماری کنپل بھاگ گئی۔ کوئی اسے یہاں سے بڑا لے جانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ پکڑو پکڑو' وہ شمال کی طرف بھاگ رہے ہیں۔"

عمارت کے مشرقی حصے میں پہرہ دینے والے سپاہی ان کے پیچھے بھاگ پڑے تھے۔ سیڑھیوں پر کوئی شور کرنے لگا۔ "انہیں پکڑ لو' بھاگنے نہ پائیں ورنہ راجکمار بکرماجیت ہم سب کو ادھیڑ کر رکھ دے گا۔"

اچانک تعاقب کرنے والوں نے ایک ساتھ کئی تیر جنید' کیدار اور کنپل پر چلا دیے۔ کنپل جنید سے آگے تھے لہٰذا وہ محفوظ رہی۔ جنید کی پشت پر چونکہ تیروں سے بھرا ہوا ترکش بندھا تھا لہٰذا وہ بھی بچ گیا کئی تیر اس کے ترکش میں آ کر کھب گئے۔ جنید نے فوراً اپنے گلے سے لٹکتی ہوئی ڈھال کنپل کی پشت پر لٹکا دی تھی تاکہ وہ تعاقب کرنے والوں کے تیروں سے محفوظ رہ سکے۔

جنید نے دیکھا کہ کیدار رک گیا تھا اور اپنی پیٹھ میں پیوست تیر نکالنے لگا تھا۔ جنید نے کنپل سے کہا۔ "کنپل' کنپل کیدار زخمی ہو گیا ہے تم اسے سہارا دے کر سیدھا آگے لے جاؤ۔ چند قدم آگے ایک نشیب میں میرا گھوڑا بندھا ہوا ہے۔ تم دونوں بہن بھائی اس پر جا کر سوار ہو جاؤ۔ میں ان تعاقب کرنے والوں پر جوابی تیراندازی کر کے انہیں روکتا ہوں ورنہ یہ ہمیں بھاگنے نہ دیں گے اور تینوں کو چھلنی کر کے یہیں ختم کر دیں گے۔"

کنپل نے جنید کی تجویز پر فوراً عمل کیا اور وہ کیدار کو سہارا دے کر بھاگتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھی۔ جنید وہیں لیٹ گیا۔ کندھے سے کمان اس نے اتاری اور ترکش سے تیر نکال کر اپنے پاس اس نے ڈھیر کر لیے تھے۔ تعاقب کرنے والے جب بھاگتے ہوئے قریب آئے تو جنید نے ان پر تیز اور موسلا دھار بارش کی طرح تیر برسانے شروع کر دیے تھے۔ تعاقب کرنے والوں میں سے چھ جنید کے تیروں سے چھد کر وہیں گر گئے اور باقی تین شور اور واویلا کرتے ہوئے واپس بھاگ گئے تھے۔

جنید اپنے کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھا۔ بچے ہوئے تیر اس نے واپس اپنے ترکش میں ڈال لیے اور اپنی کمان کندھے پر لٹکائی اور اپنے گھوڑے کی طرف بھاگ کھڑا ہوا تھا۔

جنید جب نشیب میں بندھے ہوئے اپنے گھوڑے کے پاس آیا تو اس نے دیکھا کہ کنپل کیدار کے زخموں پر کس کر کپڑا باندھ چکی تھی تاکہ زیادہ خون نہ بہے۔ اس کے علاوہ اس نے گھوڑے کے منہ سے توبرا اتار کر زین سے باندھ دیا تھا اور کیکر سے بندھی گھوڑے کی لگام کھول کر وہ پیار سے گھوڑے کی گردن تھپتھپا رہی تھی۔

جنید نے کہا۔ "کنپل' جلدی کرو' یہاں سے بھاگ چلیں۔ میں نے ایک بار تعاقب کرنے والوں کو واپس بھاگ جانے پر مجبور کر دیا ہے۔ ان کے چھ آدمی مارے گئے اور تین واپس بھاگ گئے ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ گھوڑوں پر ہمارا تعاقب کریں۔ اس طرح وہ ہمارے لیے مشکلات پیدا کر سکتے ہیں۔ کیدار کے زخمی ہونے سے ہمارے مسائل میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔"

جنید نے کیدار کو اٹھا کر گھوڑے پر بٹھایا پھر اس کے پیچھے بیٹھ کر جنید نے اسے ایک ہاتھ سے سنبھالا اور دوسرا ہاتھ اس نے کنپل کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "کنپل' جلدی کرو' میرے پیچھے بیٹھ جاؤ۔"

کنپل جنید کا ہاتھ پکڑ کر اور رکاب میں پاؤں جما کر جنید کے پیچھے بیٹھ گئی اور جنید نے گھوڑے کو ایڑ لگا کر سرپٹ دوڑا دیا۔

رات پہلے ہی کافی جا چکی تھی۔ تقریباً آدھی رات تک وہ گھوڑے کو بھگاتے رہے۔ یہاں تک کہ کیدار نے کراہتے ہوئے کہا۔ "جنید' جنید' میرے بھائی' گھوڑے کو روک دو۔"

جنید گھوڑے کو جس شاہراہ پر وہ بھاگ رہا تھا' اس سے اتار کر ایک نشیب کی طرف لے گیا۔ کیدار نیم سی بے ہوشی میں کہہ رہا تھا۔ "جنید جنید' میرے کل جیون کی کٹھنائیوں کا خاتمہ ہو رہا ہے۔ کنپل' کنپل' میری بہن' میں کیسا

بدبخت بھائی ہوں جو میرا تم پر ہاتھ اٹھ گیا' مجھے معاف کر دینا میری بہن۔"

کنول بے چاری جواب میں کچھ کہنے کی بجائے سسکیاں لے کر رونے لگی تھی پھر کیدار نے بڑی مشکل سے کہا۔ "جنید' میرے بھائی' کنول کا خیال رکھنا' میرے ماں باپ کی نسل سے یہ واحد نشانی ہے جو باقی بچی ہے۔ یہ ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک اور..."

اس سے آگے کیدار کچھ نہ کہہ سکا اور خاموش ہو گیا۔ جنید نے گھبرا کر اس کی نبض پر ہاتھ رکھا' کیدار ختم ہو چکا تھا۔

جنید نے دکھی لہجے میں کہا۔ "کنول' کنول' مجھے بے حد افسوس ہے کہ کیدار ختم ہو چکا ہے۔" کنول بے چاری دھاڑیں مار مار کر رونے لگی تھی۔

جنید نے گھوڑے کو ایک نشیب کے اندر اتار دیا۔ یہ ریتلا علاقہ تھا۔ جنید نے کیدار کی لاش کو اتار کر ریت پر رکھ دیا اور کنول بے چاری بھائی کی لاش سے لپٹ کر رو رو کر ہلکان ہو رہی تھی۔

اپنی ڈھال کی مدد سے جنید نے وہاں ریت میں ایک گڑھا کھودا اور کنول سے کہا۔

"کنول' آؤ کیدار کو یہاں دفن کر دیں اور اپنا سفر جاری رکھیں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی اور ہمارا تعاقب کرتا ہوا پہنچ جائے۔"

کنول بے چاری نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور دونوں نے مل کر کیدار کی لاش اس گڑھے میں اتار دی پھر ریت ڈال کر گڑھے کو بھر دیا۔

جب وہ دونوں اٹھ کر گھوڑے پر سوار ہونے لگے تو جنید فوراً چونک پڑا اور کندھے سے کمان اتارتے ہوئے اس نے کہا۔ "کنول' کنول' غور سے سنو' سوار ہمارا تعاقب کرتے ہوئے آ گئے ہیں۔ کیا رات کی خاموشی میں تم گھوڑوں کے بھاگنے اور لحہ بہ لحہ نزدیک آنے کی آوازیں نہیں سن رہی ہو۔"

کنول نے کہا۔ "ہمیں ان سے الجھنے کی ضرورت ہی نہیں' انہیں گزر جانے

دیں آگے۔"

جنید نے کہا۔ "کیسے گزر جانے دوں۔ ہم نے بھی اسی طرف جانا ہے۔ لہٰذا یہ ہمارے لیے خطرات اور دشواریاں پیدا کر سکتے ہیں۔ انہوں نے ہر طرف ہمارے تعاقب میں سوار دوڑا دیے ہوں گے اور اگر ہم ان کو ختم کر کے آگے نکل گئے تو پھر کوئی اور ہمارا تعاقب کرنے کو نہ آئے گا۔ تم فکر نہ کرو کنول' میں ان سے خوب نمٹوں گا۔ تم یہیں گھوڑے کے پاس ہی کھڑی رہو۔"

جنید بھاگ کر شاہراہ کے قریب آیا اور لیٹ گیا اور اپنے سامنے اس نے ریت کا ایک ڈھیر بنا کر اپنی کمان اور تیر سنبھال لیے تھے۔

تھوڑی دیر بعد شاہرہ پر کئی گھوڑ سواروں کے ہیولے دکھائی دیئے۔ جنید سنبھل گیا۔ وہ تعداد میں چھ سات تھے۔ جب وہ جنید کے پاس سے گزرنے لگے تو جنید نے پہلے سب سے پیچھے والے کو نشانہ بنا کر تیر چلایا پھر ایک دو تین اور کئی تیر اس نے چلا کر پچھلے چاروں کو ہلاک کر دیا۔ اگلے دونوں نے اپنے گھوڑوں کو روک لیا اور نیچے اتر کر جب وہ چیخیں مار کر اپنے ساتھیوں کا جائزہ لینے لگے تو جنید نے پھر تیر برسائے اور ان دونوں کو بھی ختم کر دیا۔ پھر واپس گیا' اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ کنول کو اپنے پیچھے بٹھایا۔ گھوڑے کو شاہراہ پر لا کر اس نے ایڑ لگائی اور اسے سرپٹ دوڑا دیا تھا۔

○

اگلے روز جب سورج طلوع ہو کر ذرا بلند ہوا تو جنید نے اُسے ایک ایسے چوراہے پر اپنے گھوڑے کو لا روکا جہاں سے ایک راستہ آگرہ کی طرف دوسرا سیدھا بنارس شہر وہاں سے دریائے گنگا کے کنارے کنارے آگے بڑھتے ہوئے قنوج اور وہاں سے بائیں ہاتھ گھوم کر دریائے جمنا کو پار کر کے آگرہ کی طرف جاتا تھا۔ جب کہ دائیں طرف صرف ایک فرلانگ کے فاصلے پر کیرتن نام کی وہ بستی دکھائی دے رہی تھی جس میں کشتار رہتی تھی۔

کنپل نے پریشان ہو کر اپنے دونوں ہاتھ جنید کے کندھوں پر رکھتے ہوئے بکھری بکھری آواز میں پوچھا۔ "آپ نے گھوڑا کیوں روک لیا ہے اور مغموم ہو کر آپ کن سوچوں میں کھو گئے ہیں۔"

جنید نے کہا۔ "۔ کنپل' اگر تم برا نہ مانو تو ایک بات کہوں۔"

کنپل نے کہا۔ "آپ بلا جھجک کہیں' میں آپ کی کسی بات کا بھی برا نہیں مان سکتی۔"

جنید ذرا رکا پھر اس نے شروع سے لے کر آخر تک کشتا کے سارے واقعات تفصیل سے سنا ڈالے

جنید جب خاموش ہوا تو کنپل نے ہاتھ بڑھا کر گھوڑے کی باگ دائیں طرف نظر آتی کشتا کی بستی کیرتن کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔ "اس بستی کی طرف چلئے' خدا کی قسم آپ کے سچ بولنے پر مجھے انتہائی خوشی ہوئی ہے۔ کشتا کے پاس چلئے' میں اسے اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی۔ جہاں میں آپ کے ساتھ رہوں گی وہاں کشتا بھی آپ کی بیوی کی حیثیت سے ہمارے ساتھ رہے گی۔ خدا کی قسم کشتا غریب اور دکھی ہونے کے ناطے سے میری نسبت آپ کی زیادہ حق دار ہے۔ میں اس کی عزت' اس کی قدر کروں گی۔ ہم دونوں آپ کے ساتھ رہیں گی۔ بخدا میں اس کی رفاقت کو ایک سعادت جانوں گی۔"

جنید کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی اور اس نے گھوڑے کو موڑ کر بستی کی طرف بڑھا دیا۔

○

جنید اور کنپل مندر کے احاطے میں داخل ہوئے۔ پھر وہ نیچے اترے اور اپنے گھوڑے کو باہر ہی چھوڑ کر وہ اس کمرے میں داخل ہوئے جس میں کشتا رہتی تھی۔ اس کمرے میں راجی اکیلی بیٹھی ہوئی تھی۔ جنید کو دیکھتے ہی وہ بے چاری کھڑی ہو گئی اور خوش طبعی سے اس نے کہا۔

"آیئے جنید بھائی۔"

جنید نے کھڑے کھڑے ہی پوچھا۔ "کشتا کہاں ہے؟"

راجی نے کہا۔ "آپ دیر اور تاخیر سے آئے ہیں جنید بھائی۔ کشتا اپنا جیون بتا کر ہم سے رخصت ہو کر دور جا چکی ہے۔ آپ کی غیر موجودگی میں اگر سین کی بہن کیسو آئی اور اپنے بھائیوں کا انتقام لینے کی خاطر اس نے تلوار مار کر کشتا کو قتل کر دیا۔"

جنید کی پلکیں بھیگ گئیں اور اس نے دکھ اور درد و کرب میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔ "کشتا مر گئی۔"

راجی نے روتے ہوئے کہا۔ "آہ' جب کشتا کو چتا میں جلایا جا رہا تھا تو مجھے یوں لگا تھا جیسے میری اپنی اور سگی بہن مجھ سے بچھڑ گئی ہو۔ میں نے چتا سے کشتا کی ہڈیاں سنبھال کر رکھ لی تھیں۔ میرا ارادہ تھا کہ جب کوئی گنگا کی طرف جائے گا تو اسے دے دوں گی کہ وہ انہیں گنگا میں بہا دے۔"

کنپل نے پہلی بار بولتے ہوئے کہا۔ "وہ ہڈیاں مجھے دو' میں خود انہیں گنگا نذر کروں گی۔"

لکڑی کے ایک صندوق سے راجی نے سیاہ رنگ کے کپڑے میں بندھی کشتا کی جلی ہوئی ہڈیاں کنپل کو تھما دیں۔

جنید نے ان ہڈیوں کو چھوا پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ آنسو' جس میں سلگتے انگاروں جیسا سوز' حدت اور بھڑکاؤ تھا۔ جنید کی حالت دیکھ کر کنپل بے چاری بھی سسک کر رو پڑی تھی۔

جلدی ہی اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے جنید نے کہا۔ "راجی' راجی' ہم اب چلتے ہیں۔"

راجی نے کہا۔ "۔جنید بھائی آپ بیٹھیں نا۔"

جنید نے کہا۔ "نہیں ہم چلتے ہیں' ہماری منزل ابھی بہت دور ہے۔"

راجی بے چاری چپ ہی رہی۔ جنید اور کنپل باہر آئے۔ دونوں گھوڑے پر سوار ہوئے۔ کنپل نے کشتا کی ہڈیاں اس طرح سنبھال کر گھوڑے کی خرجین میں ڈال دی تھیں جیسے وہ اس کی زندگی بھر کی پونجی اور اس کی قیمتی متاع ہوں۔

مندر سے نکل کر وہ اسی دوراہے پر آئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنے گھوڑے کو اس شاہراہ پر سرپٹ دوڑا رہے تھے جو بنارس کی طرف جاتی تھی اور وہاں سے دریائے گنگا کے کنارے کنارے قنوج تک آگے بڑھی ہوئی بائیں طرف مڑ کر دریائے جمنا کو پار کر کے آگرہ کی طرف چلی گئی تھی۔

صرف دو سال بعد ہمایوں کے دور میں جب جنید نے جونپور اور کالنجر میں کارہائے نمایاں کا مظاہرہ کیا تو ہمایوں نے اسے جونپور کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔

تمت بالخیر